فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ

بسلسلہ ــــــ سیر الصحابہؓ

سیر الصحابیاتؓ

ــــــ یعنی ــــــ

مستند حوالوں سے ازواجِ مطہراتؓ، بناتِؓ طاہرات اور اکابر صحابیاتؓ کے سوانح زندگی اور اُن کے علمی، مذہبی، اخلاقی کارناموں کی تفصیل

ــــــ از ــــــ

جناب مولانا سعید انصاری سابق رفیق دار المصنفین

بمعہ رسالہ

مسلمان عورتوں کی بہادری

از

سید سلیمان ندوی

ناشر: ادارۂ اسلامیات ۱۹۰- انار کلی لاہور

فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ

بسلسلہ ـــــ سیر الصحابہؓ

سیر الصحابیاتؓ

ـــــ یعنی ـــــ

مستند حوالوں سے ازواجِ مطہراتؓ، بناتؓ طاہرات اور اکابر صحابیاتؓ
کے سوانح زندگی اور اُن کے علمی، مذہبی، اخلاقی کارناموں کی تفصیل

ـــــ از ـــــ

جناب مولانا سعید انصاری سابق رفیق دار المصنفین

بمعہ رسالہ

مسلمان عورتوں کی بہادری

از

سید سلیمان ندوی

ناشر: ادارۂ اسلامیات ۱۹۰- انارکلی لاہور

سیر الصحابہؓ حصہ دہم[۱۰] ——— یاز دہم[۱۱] ——— و ——— دواز دہم[۱۲]

سیر الصحابہؓ حصہ دہم ——— سیر الصحابیاتؓ ——— صفحات ——— ۱۹۲

سیر الصحابہؓ حصہ یاز دہم ——— اسوۂ صحابیاتؓ ——— 〃 ——— ۷۲

سیر الصحابہؓ حصہ دواز دہم ——— اہل کتاب صحابہؓ و صحابیاتؓ

اور تابعینؒ و تابعاتؒ ——— صفحات ——— ۳۱۶

——— تینوں حصوں کے مجموعی صفحات ——— ۵۸۰

مطبع ——— نفیس پرنٹرز لاہور

ناشر ——— ادارہ اسلامیات، لاہور

ملنے کے پتے

ادارہ اسلامیات ۱۹۰، انار کلی، لاہور ۲

دارالاشاعت، اُردو بازار، کراچی ۱

ادارۃ المعارف، ڈاک خانہ دارالعلوم، کراچی ۱۴

مکتبہ دارالعلوم، کراچی ۱۴

فہرست مضامین

سیر الصحابیات رضہ

دیباچہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یُسَبِّحُ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ الْمَلِکِ الْقُدُّوْسِ الْعَزِیْزِ الْحَکِیْمِ
ھُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْھُمْ یَتْلُوْا عَلَیْھِمْ اٰیٰتِہٖ وَیُزَکِّیْھِمْ
وَیُعَلِّمُھُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَۃَ وَاِنْ کَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ (جمعہ)

اسلام کا مقصدِ وحید، تمام دنیا کو ایک سطح پر لانا تھا۔ اس کی شاہنشاہی میں پست و بلند شاہ و گدا، امیر و غریب، وضیع و شریف، عالم و جاہل، عورت و مرد سب میانہ حیثیت رکھتے تھے۔ اس لئے اس نے اپنی تعلیمات، احکام اور قوانین کے ذریعہ سے تمام دنیا کو مساوات کا پیغام سنایا، جس سے مذہب، اخلاق، تمدن اور سیاست کا قالب بدل گیا اور اس میں وہ نئی روح حرکت کرنے لگی۔ جس کے پیدا کرنے کو اسلام اپنا فرض اولین خیال کرتے تھے۔

اسلام سے پہلے دنیا نے جس قدر ترقی کی تھی۔ صرف ایک صنف (مرد) کی اخلاقی اور دماغی قوتوں کا کرشمہ تھی، مصر، بابل، ایران، یونان اور ہندوستان مختلف عظیم الشان تمدن کے چمن آرا تھے، لیکن ان میں صنف نازک (عورت) کی آبیاری کا کچھ دخل نہ تھا، اسلام آیا تو اس نے دو صنفوں (مرد و عورت) کی جد و جہد کو وسائلِ ترقی میں شامل کر لیا، اس لئے جب اس کے باغ تمدن میں بہار آئی تو ایک نیا رنگ و بو پیدا ہو گیا۔

عورت کو دنیا نے جس نگاہ سے دیکھا وہ مختلف ممالک میں مختلف رہی ہے مشرق میں عورت مرد کے دامنِ تقدس کا داغ ہے، روما اس کو گھر کا اثاثہ سمجھتا ہے۔ **یونان** اس کو شیطان کہتا ہے۔ **تورات** اس کو لعنتِ ابدی کا مستحق قرار دیتی ہے۔ **کلیسا** اس کو باغ انسانیت کا

کانٹا تصور کرتا ہے۔ یورپ اس کو خدا یا خدا کے برابر مانتا ہے۔ لیکن اسلام کا نقطۂ نظر ان سب سے جداگانہ ہے، وہاں عورت نسیم اخلاق کی نکہت اور چہرۂ انسانیت کا غازہ سمجھی جاتی ہے۔

امام بخاری نے صحیح میں حضرت عمر کا یہ قول نقل کیا ہے۔ کہ مکہ میں ہم لوگ عورتوں کو بالکل ہیچ سمجھتے تھے۔ مدینہ میں نسبتاً ان کی قدر تھی۔ لیکن جب اسلام آیا اور خدا نے ان کے متعلق آیتیں نازل کیں۔ تو ہم کو ان کی قدر و منزلت معلوم ہوئی۔[1] عرب جاہلیت کے رسم دخترکشی پر نظر ڈال کر پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ کے اس قول پر

یا انجشۃ! رویدك بالقواریر — انجشہ! دیکھنا یہ آبگینے ہیں۔

غور کرو تو تم کو حضرت عمرؓ کے قول کی صحیح تشریح معلوم ہوگی۔

اسلام نے صرف یہی نہیں کیا کہ عورتوں کے چند حقوق متعین کر دیئے، بلکہ ان کو مردوں کے مساوی درجہ دے کر مکمل انسانیت قرار دیا، صحیح بخاری میں وارد ہوا ہے۔

الرجل راع علی اهله وهو مسئول	مرد اپنے اہل کا راعی بنایا گیا ہے اور اس
والمرأة راعیة علی بیت	سے ان کے متعلق جواب طلب ہوگا۔ اور عورت
زوجها وهی مسئولة	شوہر کے گھر کی راعیہ ہے اور اس سے اس
(ج ۲ ص ۷۸۳)	کے متعلق بازپرس ہوگی۔

سنن ابن ماجہ میں اس کی مزید تشریح ہے،

لیس تملکون منهن شیئاً غیر	تم کو عورتوں پر بجز مخصوص حقوق کے
ذلك الا ان یاتین بفاحشة	کوئی دسترس حاصل نہیں ہے لیکن ہاں
مبینة۔	جب کوئی گناہ کریں۔

اس بنا پر اسلام میں عورت کی جو منزلت قائم ہوئی وہ بلحاظ نتائج دیگر اقوام و مذاہب سے بالکل مختلف تھی، تمام دنیا اپنی قومی تاریخ پر ناز کرتی ہے۔ اور بجا طور پر کرتی ہے لیکن اگر

---

[1] صحیح بخاری ج ۱ ص ۸۶۹

اس سے یہ سوال کیا جائے کہ اس افسانہائے پارینہ میں صنفِ نازک کی سعی وکوشش کا کس قدر حصہ تھا؟ تو دفعتاً ہر طرف خاموشی چھا جائے گی اور فخر وغرور کا سارا ہنگامہ سرد ہو کر رہ جائے گا **یونان** بے شبہ اپنی "ربات النوع"، کو پیش کر سکتا ہے۔ **ہندوستان** متعدد عصمت صفات کی دیویوں کے نام لے سکتا ہے۔ **یورپ** کا "گولڈن ڈیڈس" چند جنگ آزما عورتوں کو منظرِ عام پر لا سکتا ہے۔ لیکن کیا ان کی وجہ سے دنیا نے کچھ بھی ترقی کی ہے؛ اور تمدن کا قدم ایک اِنچ بھی آگے بڑھ سکا ہے؟ تاریخ ان سوالات کا جواب نفی میں دیتی ہے۔

قومی تاریخ کو چھوڑ کر اگر دنیا کی مذہبی تاریخ کا مطالعہ کرو تو صاف نظر آئے گا کہ اس کے اوراق بھی صنف نازک کے عظیم الشان کارناموں سے خالی ہیں، مصر اس سلسلہ میں آسیہؓ بنت مزاحم کو پیش کرے گا۔ **تورات** مریم اختِ ہارونؑ کو آگے بڑھائے گی **ناصرہ** مریم عذراؑ کو سامنے لائے گا۔ ان خاتونوں کی مذہبی بزرگی اور عظمت مسلم ہے لیکن کیا ان مقدس اور پاک خاتونوں کا کوئی مذہبی یا اصلاحی کارنامہ تاریخ نے بھی یاد رکھا ہے؟

بخلاف اس کے اسلام نے جن پردہ نشینوں کو اپنے کنارِ عاطفت میں جگہ دی انہوں نے دنیا میں بڑے بڑے عظیم الشان کام انجام دیئے ہیں جو تاریخ کے صفحات میں نمایاں طور پر نظر آتے ہیں لیکن چونکہ یہ کتاب خاص صحابیات کے حالات میں ہے۔ اس لئے ہم صرف ان ہی کارناموں کو پیش کریں گے، جو صحابیات سے متعلق ہیں کیونکہ یہ صنفِ نازک کا پہلا قدم تھا، جو ترقی کی راہ میں اٹھایا گیا۔

صحابیاتؓ کے کارنامے تمدن کے تمام عنوانات پر منقسم ہیں۔ اور ہم ان کو اجمالاً اس مقام پر لکھنا چاہتے ہیں۔

مذہبی کارنامے | مذہبی خدمات کے سلسلہ میں سب سے اہم خدمت جہاد ہے اور صحابیاتؓ نے جس جوش، جس خلوص، جس عزم اور جس استقلال سے اس خدمت کو ادا کیا ہے اس کی نظیر مشکل سے مل سکے گی، غزوۂ احد میں جبکہ کافروں نے عام حملہ کر دیا تھا اور آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم کے ساتھ صرف چند جاں نثار رہ گئے تھے۔ حضرت ام عمارہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچیں، اور سینہ سپر ہوگئیں۔ کفار جب آپ پر بڑھتے تھے۔ تو تیر اور تلوار سے روکتی تھیں، ابن قمیہ جب دراتا ہوا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچ گیا۔ تو حضرت ام عمارہؓ نے بڑھکر روکا، چنانچہ کندھے پر زخم آیا اور غار پڑ گیا۔ انہوں نے تلوار ماری لیکن وہ دہری زرہ پہنے ہوئے تھا اس لئے کارگر نہ ہوئی[1] جنگ مسیلمہ میں انہوں نے اس پامردی سے مقابلہ کیا کہ ۱۲ زخم کھائے اور ایک ہاتھ کٹ گیا[2]

غزوۂ خندق میں حضرت صفیہؓ نے جس بہادری سے ایک یہودی کو قتل کیا، اور یہودیوں کے حملہ کو روکنے کی جو تدبیر اختیار کی وہ بجائے خود نہایت حیرت انگیز ہے[3] غزوۂ حنین میں حضرت ام سلیمؓ کا خنجر لے کر نکلنا ایک مشہور بات ہے۔[4]

جنگ یرموک میں جو خلافت فاروقی میں ہوئی تھی حضرت اسماءؓ بنت ابوبکرؓ، حضرت ام ابانؓ، ام حکیمؓ، خولہؓ، ہند اور ام المومنین حضرت جویریہؓ نے بڑی دلیری سے جنگ کی تھی اور اسماءؓ بنت یزید نے جو انصار کے قبیلہ سے تھیں، خیمہ کی چوب سے ۹ رومیوں کو قتل کیا تھا،[5]

نہ صرف بری بلکہ بحری لڑائیوں میں بھی صحابیاتؓ شرکت کرتی تھیں ۲۸ھ میں جزیرہ قبرس پر حملہ ہوا تو حضرت ام حرام اس میں شامل ہوئیں[6]

میدان جنگ میں اس کے علاوہ صحابیاتؓ اور خدمات بھی انجام دیتی تھیں، مثلاً (۱) پانی پلانا (۲) زخمیوں کی مرہم پٹی کرنا (۳) مقتولوں اور زخمیوں کو اٹھا کر میدان جنگ سے لیجانا (۴) چرخہ کاتنا (۵) تیر اٹھا کر دینا (۶) خورد و نوش کا انتظام کرنا، پکانا (۷) قبر کھودنا (۸) فوج کو ہمت دلانا، چنانچہ حضرت عائشہؓ، ام سلیمؓ، ام سلیطؓ نے غزوہ احد میں مشک بھر بھر کر زخمیوں کو پانی پلایا تھا[7] ام سلیمؓ اور انصار کی چند عورتیں زخمیوں کی تیمارداری

---

[1] ابن ہشام ص ۴۳۸ [2] ابن سعد ج ۸ ص ۳۰۲ [3] زرقانی ج ۲ ص ۱۲۹ [4] صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۰۳ [5] اصابہ ج ۸ ص ۱۳
[6] صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۲۹ [7] صحیح بخاری

کرتی تھیں اور اس مقصد کے لئے وہ ہمیشہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوات میں شریک ہوا کرتی تھیں[1]، ربیع بنت معوذؓ وغیرہ نے شہداء و مجروحین کو قتل گاہ سے اٹھا کر مدینہ پہنچایا تھا[2]، ام زیاد الشجعیہ اور دوسری پانچ عورتوں نے غزوۂ خیبر میں چرخہ کات کر مسلمانوں کو مدد دی تھی، وہ تیر اٹھا کر لاتی اور ستو پلاتی تھیں[3]، حضرت ام عطیہؓ نے سات غزوات میں صحابہؓ کے لئے کھانا پکایا تھا[4]۔ اغواث اور امارث وغیرہ کی جنگوں میں جو خلافت فاروقی میں ہوئیں، عورتوں اور بچوں نے گورکنی کی خدمت انجام دی تھی[5] اور جنگ یرموک میں جب مسلمانوں کا میمنہ ہٹتے ہٹتے حرم کے خیمہ گاہ تک آگیا۔ تو ہندؓ اور خولہؓ وغیرہ نے پرجوش اشعار پڑھ کر لوگوں کو غیرت دلائی تھی[6]،

اشاعتِ اسلام بھی مذہب کی ایک بڑی خدمت ہے اور صحابیات نے اس سلسلے میں خاص کوششیں کی ہیں، چنانچہ حضرت فاطمہؓ بنت خطاب کی دعوت پر حضرت عمرؓ نے اسلام قبول کیا تھا[7]۔ ام سلیمؓ کی ترغیب سے ابوطلحہؓ نے آستانۂ اسلام پر سر جھکایا تھا[8]۔ عکرمہؓ اپنی بیوی ام حکیمؓ کے سمجھانے پر مسلمان ہوئے تھے[9]، اور ام شریک دوسیہؓ کی وجہ سے قریش کی عورتوں میں اسلام پھیلا تھا، جو نہایت مخفی طور پر اس خدمت کو انجام دیتی تھیں[10]،

اسلام کی حفاظت بھی ایک اہم کام ہے اور متعدد صحابیاتؓ میں سب سے زیادہ اس خدمت کو حضرت عائشہؓ صدیقہ نے ادا کیا ہے۔ ۳۵ھ میں جب حضرت عثمانؓ شہید ہوئے۔ اور نظام مذہب درہم برہم ہو گیا تو انہوں نے اصلاح کی آواز بلند کی، جس پر مکہ اور بصرہ کے لوگوں نے لبیک کہا،

نماز کی امامت بھی ایک اہم کام ہے اور متعدد صحابیات نے اس کو کبھی کبھی عورتوں کے مجمع میں انجام دیا ہے۔ چنانچہ حضرت عائشہؓ، حضرت ام سلمہؓ، ام ورقہ بنتؓ

---

[1] ابوداؤد ج ۱ ص ۲۵۲ [2] بخاری کتاب الطب ہل یداوی الرجل المرأۃ [3] ابوداؤد ج ۱ ص ۲۷۰ [4] صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۰۵ [5] طبری ج ۶ ص ۲۳۱۷ [6] اسد الغابہ ج ۵ ص ۵۶۳ [7] اسد الغابہ ج ۵ ص ۵۱۹ [8] اصابہ ج ۸ ص ۱۰۶ [9] مستدرک [10] موطا مالک کتاب النکاح

عبداللہ اور سعدہ بنت قمامہ عورتوں کی امامت کیا کرتی تھیں، ام ورقہؓ کو یہ امتیاز حاصل تھا کہ انہوں نے اپنے مکان کو سجدہ گاہ بنا لیا تھا، جہاں وہ ہمیشہ امامت کرتی اور اذان دیتی تھیں[1]۔ (عورت کی اقتدا عورت کے پیچھے درست ہے، مگر حنفیہ کے نزدیک مکروہ ہے)

سیاسی کارنامے | صحابیاتؓ نے متعدد سیاسی خدمتیں بھی انجام دی ہیں، چنانچہ حضرت شفاءؓ بنت عبداللہ اس درجہ صائب الرائے تھیں کہ حضرت عمرؓ ان کی تحسین کرتے اور ان سے مشورہ کرتے تھے[2]، حضرت عمرؓ نے لیسا اوقات بازار کا انتظام بھی ان کے سپرد کیا ہے[3]۔

ہجرت سے قبل جب قریش نے کاشانۂ نبوت کا محاصرہ کرنا چاہا تو رقیقہ بنت صیفی نے جو عبدالمطلب کی بھتیجی تھیں، سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کو اس ارادہ کی اطلاع دی تھی[4]، چنانچہ آپ خوابگاہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو چھوڑ کر مدینہ کی طرف روانہ ہو گئے[5]۔

عورت کے سیاسی اختیارات اس قدر وسیع ہیں کہ وہ دشمنوں کو پناہ دے سکتی ہے اور امام اس کے امان کو برقرار رکھ سکتا ہے، سنن ابی داؤد میں لکھا ہے کہ فتح مکہ کے زمانہ میں ام ہانیؓ نے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ہمشیر تھیں، ایک مشرک کو پناہ دی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا[6]۔

قد اجرنا من اجرت و امنا من امنت — تم نے جس کو پناہ یا امان دی ہم نے بھی دی۔

علمی کارنامے | اسلامی علوم یعنی قرأت، تفسیر، حدیث، فقہ، فرائض میں متعدد صحابیاتؓ کمال رکھتی تھیں، حضرت عائشہؓ، حفصہؓ، ام سلمہؓ اور ام ورقہؓ نے پورا قرآن مجید حفظ کیا تھا[7]، ہند بنت اسیدؓ، ام ہشامؓ بنت حارثہ، رائطہؓ بنت حیان اور ام سعدؓ بنت سعد ابن ربیع

---

[1] اسد الغابہ ج ۵ ص ۵۹۴ [2] کتاب الام شافعی ج ۱ ص ۱۳۵ و اسد الغابہ ج ۵ ص ۳۷۲، ۴۸۹ [3] ایضاً ص ۴۸۶ [4] اصابہ ج ۸ ص ۳۲ [5] طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۳۵ [6] ابوداؤد جلد ۱ ص ۲۷۲ [7] فتح الباری ج ۹ ص ۴۷۔

بعض حصوں کی حافظ تھیں، ام سعدؓ قرآن مجید کا درس بھی دیتی تھیں[1]۔

تفسیر میں حضرت عائشہؓ کو خاص کمال تھا، چنانچہ صحیح مسلم کے آخر میں ان کی تفسیر کا معتد بہ حصہ منقول ہے۔

حدیث میں ازواج مطہرات عموماً اور حضرت عائشہ اور ام سلمہؓ خصوصاً تمام صحابیات سے ممتاز تھیں[2] حضرت عائشہؓ کی روایات ۲۲۱۰ ہیں اور حضرت ام سلمہؓ نے ۳۷۸ حدیثیں روایت کی ہیں ان کے علاوہ ام عطیہؓ اور اسماء بنتؓ ابوبکرؓ، ام ہانیؓ اور فاطمہؓ بنت قیس بھی کثیر الروایہ گذری ہیں،

فقہ میں حضرت عائشہؓ کے فتاوے اس قدر ہیں۔ کہ متعدد ضخیم جلدیں تیار ہو سکتی ہیں[3] حضرت ام سلمہؓ کے فتاوے سے ایک چھوٹا سا رسالہ تیار ہو سکتا ہے۔ حضرت صفیہؓ، حفصہؓ، ام حبیبہؓ، جویریہؓ، میمونہؓ، فاطمہ زہراؓ، ام شریکؓ، ام عطیہؓ، اسماءؓ بنت ابی بکرؓ، لیلیٰؓ بنت قائف، خولاؓ بنت تویت، ام الدرداؓ، عاتکہؓ بنت زید، سہلہ بنتؓ سہیل، فاطمہؓ بنت قیس، زینبؓ بنت ام سلمہؓ، ام ایمنؓ، ام یوسفؓ، ام سلمہؓ کے فتاوے ایک مختصر رسالہ میں جمع کیے جاسکتے ہیں۔

فرائض میں حضرت عائشہ کو خاص مہارت تھی، اور بڑے بڑے صحابہؓ ان سے فرائض کے متعلق مسائل دریافت کرتے تھے[4]۔

اسلامی علوم کے علاوہ اور علوم میں بھی صحابیاتؓ دستگاہ رکھتی تھیں مثلاً **علم اسرار** میں حضرت ام سلمہؓ کو پوری واقفیت تھی[5] **خطابت** میں اسماء بنتؓ سکن کا خاص شہرہ تھا[6] **تعبیر** میں اسماء بنتؓ عمیس مشہور تھیں[7]

طب اور جراحی میں رفیدہ اسلمیہؓ، ام مطاعؓ، ام کبشہؓ، حمنہ بنتؓ جحش، معاذہؓ، لیلیٰؓ

---

[1] اسد الغابہ ج ۵ ص ۵۸۶ [2] ابن سعد ج ۲ ق ۲ ص ۱۲۶ [3] اعلام الموقعین ابن قیم ج ۱ ص ۱۲ [4] ابن سعد ج ۲ ق ۲ ص ۱۲۶ [5] مسند [6] اصابہ ج ۸ ص ۱۲ [7] ایضاً ص ۹ -

امیمہؓ، ام زیادؓ، ربیع بنت معوذ، ام عطیہؓ، ام سلیمؓ کو زیادہ مہارت تھی، رفیدہؓ کا خیمہ جس میں جراح خانہ بھی تھا مسجد نبوی کے پاس تھا۔[1]

شاعری میں خنساءؓ، سعدیٰ، صفیہؓ، عاتکہؓ، امامہ مریدیہؓ، ہندؓ بنت حارث، زینب بنت عوام اروی ؓ، عاتکہؓ بن زید، ہند بنت اثاثہ، ام ایمنؓ، قیتلہؓ عبدریہ، کبشہ بنتؓ رافع، میمونہ بلویہؓ، نعمؓ، رقیہؓ زیادہ نامور ہیں، خنساءؓ کا جواب آج تک عورتوں میں نہیں پیدا ہوا۔ ان کا دیوان چھپ گیا ہے،

علمی کارنامے | اس سے مراد صنعت و حرفت ہے جس میں حیاکت، فلاحت، کتابت، تجارت اور خیاطت وغیرہ داخل ہیں۔ اسد الغابہ اور مسند احمد بن حنبل کی متعدد روائتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ صحابیاتؓ عموماً کپڑا بنا کرتی تھیں، جو ان کو اور ان کی اولاد کو کافی ہوتا تھا۔[2]

کاشتکاری تمام صحابیاتؓ نہیں کرتی تھیں، بلکہ وہ مدینہ یا دیگر سرسبز مقامات کے باشندوں کے ساتھ مخصوص تھی۔ مدینہ میں عموماً انصار کی عورتیں کاشتکاری کرتی تھیں، مہاجر عورتوں میں حضرت اسماءؓ کا بھی یہی مشغلہ تھا۔[3]

لکھنا بہت سی صحابیاتؓ جانتی تھیں، چنانچہ شفاءؓ بنت عبداللہ کو اس میں خاص طور پر شہرت حاصل ہے جنہوں نے ایام جاہلیت ہی میں لکھنا پڑھنا سیکھ لیا تھا۔ شفاءؓ کے علاوہ حضرت حفصہؓ، ام کلثومؓ بنت عقبہ اور کریمہ بنت المقدادؓ بھی لکھنا جانتی تھیں حضرت عائشہؓ اور ام سلمہؓ کو اگرچہ پڑھنا آتا تھا لیکن لکھنا نہیں آتا تھا۔[4]

صحابیاتؓ میں بعض عورتیں تجارت بھی کرتی تھیں۔ چنانچہ حضرت خدیجہؓ کی تجارت نہایت وسیع پیمانہ پر شام سے تھی۔[5] خولاءؓ، ملیکہؓ ثقفیہ اور بنت مخرمہؓ عطر کی تجارت کیا کرتی تھیں۔[6]

---

[1] ابن سعد ج ۸ ص ۲۱۳ [2] اسد الغابہ ج ۵ ص ۲۹۸ و مسند ج ۵ ص ۱۹۶ [3] صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۸۶ [4] فتوح البلدان بلاذری ص ۴۷۷، ۴۷۸ [5] اصابہ ج ۸ ص ۶۱ [6] اسد الغابہ ص ۴۳۲، ۵۴۸ ج ۵

سینا عام تھا، چنانچہ فاطمہ بنت شیبہؓ وغیرہ کے حالات سے اس کا پتہ چلتا ہے۔

شادی بیاہ اور خوشی کی تقریبات میں انصار کی لڑکیاں گیت گالیتی تھیں، بلکہ کبھی کبھی شادی بیاہ اور خوشی کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بھی اشعار گائے ہیں۔ اور ربیع بنت معوذؓ نے جو حدیث روایت کی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی اجازت دے دی تھی، مدینہ میں ایک بی بی تھیں جن کا نام ارنب تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے حضرت عائشہؓ نے ان کو انصار کی بعض شادیوں میں گیت گانے کو بھیجا ہے، ارنبؓ کا تذکرہ اصابہ میں آیا ہے[1]۔

ازواج مطہراتؓ میں حضرت ام سلمہؓ لحن کے ساتھ قرآن پڑھتی تھیں اور خاص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طرز پر پڑھ سکتی تھیں[2]۔

ان صنعتوں کے علاوہ بعض صحابیاتؓ اور کام بھی جانتی تھیں مثلاً حضرت سودہؓ طائف کی کھالیں درست کرتی اور ان کو دباغت دیتی تھیں[3] حضرت زینبؓ بھی دستکار تھیں[4]۔

اس تمام تفصیل کے بعد اب ہم کو اس کتاب کے متعلق عرض کرنا ہے۔

انتخاب و ترتیب | یہ کتاب صحابیاتؓ کے حالات میں ہے اور سیر الصحابہؓ کی آخری جلد ہے، صحابیاتؓ کے حالات میں اگرچہ بعض مخصوص کتابیں لکھی گئی ہیں مثلاً ابن اثیر المتوفی ۶۳۰ھ نے تاریخ النساء کے نام سے ایک کتاب لکھی، جو نایاب ہے[5]۔ اس کے علاوہ اسماء الرجال کی تمام کتابوں میں انؓ کا خاص طور پر تذکرہ کیا گیا، چنانچہ ابن مندہ المتوفی ۳۹۵ھ ابو نعیم (متوفی ۴۳۰ھ) قاضی ابن عبدالبر (المتوفی ۴۶۳ھ) اور ابو موسیٰ اصفہانی (المتوفی ۵۸۱ھ) نے اپنی کتابوں میں ان کے حالات لکھے ہیں۔

قاضی ابن عبدالبر کی کتاب کا نام استیعاب ہے۔ اس میں ۳۹۸ صحابیاتؓ کے حالات

---

[1] اسد الغابہ ج ۸ ص ۴ [2] مسند ج ۶ ص ۳۰۰، ۳۰۲ [3] اسد الغابہ ج ۵ ص ۴۴۰، [4] ایضاً ص ۴۶۵ [5] ایضاً ص ۴۷۲

ہیں، جن میں مکررات ہیں، اصابہ میں لکھا ہے کہ استیعاب کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ قاضی صاحب نے اپنے خیال میں تمام صحابہؓ کا استقصار کر لیا تھا۔ حالانکہ اگر صحابہؓ کو چھوڑ کر صرف صحابیاتؓ کو لیا جائے تب بھی یہ خیال غلط ٹھہرتا ہے، طبقات الصحابہؓ میں جو محمد بن سعد زہری کاتب واقدی کی تصنیف ہے اور تیسری صدی کے اوائل میں لکھی گئی ہے۔ ۶۲۷ عورتوں کے حالات ہیں۔ جن میں ۹۲ غیر صحابیات ہیں، ابن سعد نے اپنی کتاب کی آٹھویں جلد مستقل عورتوں کے حالات میں لکھی ہے،

قاضی صاحب کے بعد علامہ اثیر جزری المتوفی ۶۳۰ھ نے اسد الغابہ کے نام سے ایک ضخیم کتاب لکھی جس میں عورتوں کے حالات کا ایک حصہ مخصوص کیا، اس میں ۱۰۲۲ صحابیاتؓ کے نام ہیں، جن میں مکررات کے علاوہ ۷۶ مجہول عورتیں بھی ہیں،

نویں صدی میں حافظ ابن حجر عسقلانی المتوفی ۸۵۲ھ نے اسماء الرجال پر دو نہایت ضخیم کتابیں لکھیں، تہذیب التہذیب اور اصابہ فی تمیز الصحابہ، تہذیب کی بارہویں جلد کا ایک حصہ عورتوں کے حالات میں ہے جس میں ۳۲۲ عورتوں کے تذکرے ہیں، ان میں مکرر نام بھی آگئے ہیں۔ اور تابعیات کے حالات بھی، البتہ اصابہ کی آٹھویں جلد خاص صحابیات کے حالات میں ہے۔ جس میں ۱۵۴۵ عورتوں کا تذکرہ کیا ہے اس میں مکررات بھی ہیں اور کنیتیں بھی، اصابہ میں صحابیاتؓ سب سے بڑی تعداد مذکور ہے[1]

تاہم ان تمام کتابوں میں چند خصائص مشترک ہیں (۱) سب سے پہلی بات یہ ہے کہ اسماء الرجال کے مصنفین کا مقصد محض ناموں کا استقصار ہوتا ہے۔ ان کو اپنے مقصد کے لحاظ سے اس سے بحث نہیں ہوتی کہ جو واقعات ہاتھ آئے ہیں، ان سے کوئی مفید تاریخی نتیجہ نکل سکتا ہے یا نہیں؟ کیونکہ یہ بحث ان کے فن سے خارج ہے،

---

[1] یہ تعداد تخمینی ہے،

(۲) کثرت سے ان کو ایسے نام لکھنے پڑتے ہیں، جن کے حالات دوسرے طریقوں سے بالکل معلوم نہیں ہوتے یہ وہ نام ہیں جو بر سبیل تذکرہ کسی حدیث میں آگئے ہیں۔ (۳) بعض جگہ صرف کنیت یا لقب لکھ دیتے ہیں۔ کہ اس سے زیادہ ان کا کوئی حال ان کو معلوم نہ ہو سکا (۴) کہیں بالکل مبہم تذکرہ کرتے ہیں، مثلاً امرأت (ایک عورت) اور اس کے بعد کوئی واقعہ لکھتے ہیں، اس سے زیادہ کا علم ہی نہیں ہوتا (۵) عموماً جن عورتوں کے حالات پہلے لکھ جاتے ہیں۔ ان کا کنیتوں اور القاب میں دوبارہ تذکرہ کرتے ہیں جس سے تکرار پیدا ہوتی ہے،

ان کے علاوہ ایک اور مشکل یہ ہے کہ ان تمام کتابوں میں کوئی خاص ترتیب ملحوظ نہیں ہے۔ تہذیب میں تو تابعیات تک کے حالات ہیں، البتہ طبقات ابن سعد اس نکتہ چینی میں شامل نہیں ہے، وہ ترتیب کے ساتھ لکھی گئی ہے، پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیوں، پھوپھیوں، ان کی لڑکیوں اور ازواج مطہرات کے تراجم ہیں، پھر قریش اور عام مہاجراتؓ کا تذکرہ ہے، اس کے بعد انصاریاتؓ کے حالات ہیں، جن میں ہر خاندان کا ذکر جدا جدا ہے۔ آخر میں ان عورتوں کا تذکرہ ہے جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بجائے ازواج مطہرات وغیرہ سے روایت کی ہے اور یہ حصہ صحابیات سے بالکل الگ ہے،

اس میں شک نہیں کہ صحابیات کے استقصار اور ان کی سیرتوں کی ترتیب کا اس سے بہتر کوئی طریقہ نہیں ہو سکتا، لیکن موجودہ زمانہ میں فن سیرت نگاری نے جو ترقی کی ہے۔ اس کے لحاظ سے یہ تمام کتابیں ناکافی تھیں۔ نیز مسلمانوں کا موجودہ تنزل ان کی کتابوں کو نئے آب ورنگ سے پیش کرنے کا داعی تھا، اس بنا پر ہم نے کتب اسماء الرجال کیساتھ صحاح ستہ اور مسند احمد بن حنبل وغیرہ کا مطالعہ کر کے مفید معلومات کا اضافہ کیا، اور بالکل جدید انداز سے صحابیات کی سیرتیں مرتب کیں۔

اسماء الرجال کی کتابوں میں مناقب پر زیادہ زور دیا جاتا تھا، ہم نے ان کے بجائے مذہبی، سیاسی، علمی اور اخلاقی کارناموں پر زیادہ توجہ کی، اور ان کو زیادہ تفصیل کے ساتھ لکھا۔ کیونکہ یہی وہ چیزیں ہیں، جو ایک مردہ قوم کے قالب میں جان ڈال سکتی ہیں، یہ وہ خیال تھا جس نے خود بخود صحابیاتؓ کی تعداد کو گھٹا دیا، جس سے ہمارا دائرہ انتخاب بھی بہت کچھ محدود ہو گیا۔

اس کتاب میں ۷۵ صحابیاتؓ کی سوانح عمریاں ہیں، جو شرائط مذکورہ کے ساتھ لکھی گئی ہیں، اور اس بنا پر یہ کتاب فن اسماء الرجال میں داخل ہونے کی بجائے صحابیات کی تاریخ بن گئی ہے۔ جس میں ان کے محاسنِ کمال کا ایک ایک خال و خط نظر آتا ہے۔

واقعات کے انتخاب میں خاص احتیاط مدِنظر رکھی گئی ہے، اور ان کو روایت و درایت کی کسوٹی پر جانچ لیا گیا ہے، اسی بنا پر بہت سے واقعات جو عام کتابوں میں متداول ہیں، اس کتاب میں نہیں ملیں گے۔

(اس میں ناظرین کو صحابیاتؓ کے حالات میں بعض ایسی روائتیں ملیں گی جو مسائل فقہیہ کے معارض ہیں، اس لئے یہ بات واضح رہنا چاہیئے۔ کہ یہ کتاب تذکرہ و تراجم کی ہے، اور اس کا مقصد صرف یہ ہے کہ اس پاکیزہ جماعت کی زندگی کا نقشہ ہمارے سامنے آجائے، مسائل فقہیہ کی تشریح اور روایات مختلفہ کی تطبیق و ترجیح اس کا موضوع نہیں ہے۔ اس لئے اختلافی مسائل فقہیہ میں اس کتاب کو اپنے عمل کے لئے سند بنانا صحیح نہ ہوگا۔

ناظرین کی سہولت کے لئے اس قسم کی مندرجہ روایات پر نوٹ دے دیئے گئے ہیں،

ان تمام باتوں کے ساتھ ممکن بلکہ اغلب ہے کہ مجھ سے تحریر میں کچھ فروگذاشتیں

ہوگئی ہوں، لیکن انسان اس سے زیادہ اور کیا کرسکتا ہے۔

وقد قال اللہ تعالیٰ لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَہَا

سعید انصاری

دار المصنفین اعظم گڑھ

۔ محرم ۱۳۴۰ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ طبع ثانی

دار المصنفین نے سیر الصحابہؓ کا جو سلسلہ لکھا اور شائع کیا تھا اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے مسلمانوں میں اس کو مقبولیت بخشی اور بہت سے سعادتمندوں کو اس سے علمی وعملی فائدے پہنچائے اس سے امید ہے کہ اس سلسلہ کے لکھنے والوں کو انشاء اللہ تعالیٰ اجرِ آخرت بھی ملے گا، اس سلسلہ کو دار المصنفین کے حسبِ ذیل رفقاء نے لکھ کر پورا کیا ہے :۔

(۱) مولانا عبد السلام صاحب ندوی،

(۲) مولانا حاجی معین الدین صاحب ندوی مرحوم : سابق صدر مدرس، مدرسہ شمس الہدیٰ پٹنہ،

(۳) مولانا شاہ معین الدین احمد صاحب ندوی،

(۴) مولانا سعید انصاری صاحب،

یہ سیر الصحابیاتؓ آخر الذکر رفیق کے قلم سے نکلی ہے اور یہ پہلی دفعہ آج سے ۲۴ برس پہلے ۱۳۴۱ھ میں چھپی تھی، اور اب وہ دوبارہ شائع کی جارہی ہے، اس دوسرے ایڈیشن پر ہمارے ایک اور رفیق مولانا محمد اویس صاحب نگرامی ندوی نے نظر ثانی کی ہے، حوالوں کی تصحیح، بعض غلطیوں کی اصلاح اور بعض مطالب میں مناسب ترمیم بھی انہوں نے کی ہے،

جس کے لئے وہ شکریہ کے مستحق ہیں، امید ہے کہ یہ کتاب اس کے بعد اپنی افادیت میں پہلے سے بہتر اور انشاءاللہ مؤلف اور مصحح دونوں کے لئے خیر جاری ثابت ہوگی

مسلمان عورتیں زمانہ کے نئے حالات سے بدل رہی ہیں ان کے سامنے سعادتمند خواتین کا کوئی اسوہ موجود نہیں اس لئے ان کا راہ سے ہٹنا دور از عقل نہیں، لیکن اگر ہماری بہنیں اور بیٹیاں اس کتاب کو اپنی زندگی کا نمونہ بنائیں تو انہیں معلوم ہوگا کہ دینداری، خداترسی، پاکیزگی، عفت اور اصلاح و تقویٰ کے ساتھ وہ دنیا کو کیونکر نباہ سکتی ہیں اور دنیا اور آخرت دونوں کی نیکیوں کو اپنے آنچل میں کیسے سمیٹ سکتی ہیں،

والسّلام

سیّد سلیمان ندوی

ناظم دار المصنفین اعظم گڈھ

۴ شعبان ۱۳۶۲ھ

(۱)

حضرت خدیجہ رض

نام ونسب خدیجہ نام، ام ہند کنیت، طاہرہ لقب، سلسلہ نسب یہ ہے. خدیجہ بنت خویلد بن اسد بن عبدالعزیٰ بن قصی، قصی پر پہنچ کر ان کا خاندان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان سے مل جاتا ہے۔ والدہ کا نام فاطمہ بنت زائدہ تھا، اور لوی بن غالب کے دوسرے بیٹے عامر کی اولاد تھیں۔

حضرت خدیجہ رض کے والد اپنے قبیلہ میں نہایت معزز شخص تھے۔ مکہ آکر اقامت کی، عبدالدار ابن قصی کے جوان کے ابن عم تھے، حلیف بنے اور یہیں فاطمہ بنت زائدہ سے شادی کی، جن کے بطن سے عام الفیل سے ۱۵ سال قبل حضرت خدیجہ رض پیدا ہوئیں[1]

سن شعور کو پہنچیں تو اپنے پاکیزہ اخلاق کی بنا پر طاہرہ[2] کے لقب سے مشہور ہوئیں،

نکاح باپ نے ان صفات کا لحاظ رکھ کر شادی کے لئے ورقہ بن نوفل کو جو برادر زادہ اور تورات وانجیل کے بہت بڑے عالم تھے، منتخب کیا، لیکن پھر کسی وجہ سے یہ نسبت نہ ہو سکی اور ابو ہالہ بن بناش تمیمی سے نکاح ہو گیا[3]

ابو ہالہ کے بعد عتیق بن عابد مخزومی کے عقد نکاح میں آئیں،

اسی زمانہ میں حرب الفجار چھڑی، جس میں حضرت خدیجہ رض کے باپ لڑائی کے لئے نکلے اور مارے گئے[4] یہ عام الفیل سے ۲۰ سال بعد کا واقعہ ہے[5]

---

[1] طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۸ و ۱۰ [2] اصابہ ج ۸ ص ۶۰ [3] استیعاب ج ۲ ص ۷۷۸ [4] طبقات ج ۸ ص ۹

[5] ایضاً ص ۱۸ ج ۱ ق ۱

تجارت | باپ اور شوہر کے مرنے سے حضرت خدیجہؓ کو سخت دقت واقع ہوئی، ذریعہ معاش تجارت تھی جس کا کوئی نگران نہ تھا، تاہم اپنے اعزہ کو معاوضہ دے کر مال تجارت بھیجتی تھیں۔ ایک مرتبہ مال کی روانگی کا وقت آیا تو ابو طالب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ تم کو خدیجہؓ سے جا کر ملنا چاہئے، ان کا مال شام جائے گا۔ بہتر ہوتا کہ تم بھی ساتھ جاتے۔ میرے پاس روپیہ نہیں ورنہ میں خود تمہارے لئے سرمایہ مہیا کر دیتا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شہرت "امین" کے لقب سے تمام مکہ میں تھی اور آپ کے حسن معاملت، راست بازی، صدق و دیانت اور پاکیزہ اخلاق کا عام چرچا تھا۔ حضرت خدیجہؓ کو اس گفتگو کی خبر ملی تو فوراً پیغام بھیجا کہ "آپ میرا مال تجارت لے کر شام کو جائیں، جو معاوضہ میں اوروں کو دیتی ہوں آپ کو اس کا مضاعف دوں گی"۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول فرمالیا اور مال تجارت لے کر میسرہ (غلام خدیجہؓ) کے ہمراہ بصریٰ تشریف لے گئے۔ اس سال کا نفع سالہائے گزشتہ کے نفع سے مضاعف تھا۔[1]

حضرت خدیجہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد نکاح میں آتی ہیں | حضرت خدیجہؓ کی دولت و ثروت اور شریفانہ اخلاق نے تمام قریش کو اپنا گرویدہ بنا لیا تھا، اور ہر شخص ان سے نکاح کا خواہاں تھا، لیکن کارکنانِ قضا و قدر کی نگاہِ انتخاب کسی اور پر پڑ چکی تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مال تجارت لے کر شام سے واپس آئے تو حضرت خدیجہؓ نے شادی کا پیغام بھیجا، نفیسہ بنت منیہ (یعلی بن امیہ کی ہمشیر) اس خدمت پر مقرر ہوئی، آپ نے منظور فرمایا[2]، اور شادی کی تاریخ مقرر ہوگئی، حضرت خدیجہؓ کے والد اگرچہ وفات پا چکے تھے تاہم ان کے چچا عمرو بن اسد زندہ تھے، عرب میں عورتوں کو یہ آزادی حاصل تھی کہ شادی بیاہ کے متعلق خود گفتگو کر سکتی تھیں، اسی بنا پر حضرت خدیجہؓ نے چچا کے ہوتے خود براہِ راست تمام مراتب طے کئے۔

تاریخ معین پر ابو طالب اور تمام رؤسائے خاندان جن میں حضرت حمزہؓ بھی تھے، حضرت

---

[1] طبقات ج ۸ ق ۱ ص ۸۱ [2] ایضاً ص ۸۲

خدیجہؓ کے مکان پر آئے، حضرت خدیجہؓ نے بھی اپنے خاندان کے چند بزرگوں کو جمع کیا تھا۔ ابوطالب نے خطبہ نکاح پڑھا۔ عمرو بن اسد کے مشورہ سے ۵۰۰ سو طلائی درہم مہر قرار پایا اور خدیجہؓ طاہرہ حرم نبوت ہو کر ام المومنین کے شرف سے ممتاز ہوئیں، اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پچیس سال کے تھے اور حضرت خدیجہؓ کی عمر چالیس برس کی تھی۔ یہ بعثت سے پندرہ سال قبل کا واقعہ ہے[1]

اسلام پندرہ برس کے بعد جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پیغمبر ہوئے اور فرائض نبوت کو ادا کرنا چاہا تو سب سے پہلے حضرت خدیجہؓ کو یہ پیغام سنایا وہ سننے سے پہلے مومن تھیں، کیونکہ ان سے زیادہ آپ کے صدقِ دعوے کا کوئی شخص فیصلہ نہیں کر سکتا تھا، صحیح بخاری باب بدء الوحی میں یہ واقعہ تفصیل کے ساتھ مذکور ہے، اور وہ یہ ہے،

عن عائشۃ انھا قالت اول مابدئ	حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ
بہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	علیہ وسلم پر وحی کی ابتدا رویائے صادقہ سے
من الوحی الرؤیا الصالحۃ فی النوم	ہوئی آپ جو کچھ خواب میں دیکھتے تھے سپیدۂ
فکان لا یری رؤیا الاجاءت مثل	صبح کی طرح نمودار ہو جاتا تھا، اس کے
فلق الصبح۔ ثم حبب الیہ الخلاء	بعد آپؐ خلوت گزیں ہو گئے، چنانچہ
وکان یخلو بغار حراء فیتحنث فیہ	کھانے پینے کا سامان لیکر غار حرا تشریف
وھو التعبد اللیالی ذوات العدد	لے جاتے اور وہاں تحنث یعنی عبادت کرتے تھے
قبل ان ینزع الی اھلہ ویتزود	جب سامان ہو چکتا تو پھر خدیجہؓ کے پاس
لذلک ثم یرجع الی خدیجۃ	تشریف لاتے اور پھر واپس جاکر مراقبہ میں
فیتزود لمثلھا حتی جاء الحق	مصروف ہوتے یہاں تک کہ ایک دن فرشتۂ
وھو فی غار حراء فجاءہ الملک	غیب نظر آیا، کہ آپ سے کہہ رہا ہے پڑھ،

[1] اصابہ ج ۸ ص ۶۰

فقال اقرء فقلت ما انا بقارئ قال
فاخذنی فغطنی حتی بلغ منی
الجهد ثم ارسلنی فقال اقرا فقلت
ما انا بقاری فاخذنی فغطنی الثانية
حتی بلغ منی الجهد ثم ارسلنی فقال
اقرأ فقلت ما انا بقارئ قال فاخذنی
فغطنی الثالثة ثم ارسلنی فقال اقْرَأْ
بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ خَلَقَ
الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ اقْرَأْ وَرَبُّكَ
الْأَكْرَمُ ۔ فرجع بها رسول الله صلی الله علیه وسلم
یرجف فؤاده فدخل علی خدیجة
بنت خویلد فقال زملونی زملونی
فزملوه حتی ذهب عنه الروع فقال
لخدیجة واخبرها الخبر لقد
خشیت علی نفسی فقالت خدیجة
کلا والله ما یخزیك الله ابداً
انك لتصل الرحم وتحمل الكل وتكسب
المعدوم وتقری الضیف و
تعین علی نوائب الحق فانطلقت
به خدیجة حتی اتت به ورقه بن
نوفل بن اسد بن عبد العزی

آپ نے فرمایا میں پڑھا لکھا نہیں، اس نے زور
سے دبایا، پھر مجھ کو چھوڑ دیا، اور کہا پڑھ تو
میں نے پھر کہا میں پڑھا لکھا نہیں پھر اس نے
دوبارہ زور سے دبایا اور چھوڑ دیا اور کہا
پڑھ، پھر میں نے کہا میں پڑھا لکھا نہیں اسی طرح
تیسری دفعہ دبا کر کہا پڑھ اس خدا کا نام
جس نے کائنات کو پیدا کیا جس نے آدمی کو
گوشت کے لوتھڑے سے پیدا کیا۔ پڑھ تیرا
خدا کریم ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم گھر
تشریف لائے تو جلال الٰہی سے لبریز تھے،
آپ نے حضرت خدیجہؓ سے کہا مجھ کو کپڑا
اڑھاؤ مجھ کو کپڑا اڑھاؤ، لوگوں نے کپڑا
اوڑھایا تو ہیبت کم ہوئی پھر حضرت خدیجہؓ
سے تمام واقعہ بیان کیا اور کہا
"مجھ کو ڈر ہے" حضرت خدیجہؓ نے کہا
آپ متردد نہ ہوں خدا آپ کا ساتھ نہ چھوڑے
گا، کیونکہ آپ صلہ رحمی کرتے ہیں بے کسوں
اور فقیروں کے معاون رہتے ہیں، مہمان
نوازی اور مصائب میں حق کی حمایت کرتے
ہیں پھر وہ آپ کو اپنے چچا زاد بھائی ورقہ بن
نوفل کے پاس لے گئیں جو مذہباً نصرانی تھے

ابن عم خديجة وكان امرأ تنصر في الجاهلية وكان يكتب الكتاب العبراني فيكتب من الانجيل بالعبرانية ماشاء الله ان يكتب وكان شيخا كبيرا قد عمي فقالت له خديجة يا ابن عم اسمع من ابن اخيك فقال له ورقة يا ابن اخي ماذا ترى فاخبره رسول الله صلى الله عليه وسلم خبر ما رأى فقال له ورقة هذا الناموس الذي نزل الله على موسىٰ يا ليتني فيها جذعاً يا ليتني اكون حيا اذ يخرجك قومك فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم او مخرجي هم قال نعم لم يأت رجل قط بمثل ما جئت به الا عودي وان يدركني يومك انصرك نصرا مؤزرا ثم لم ينشب ورقة ان توفي وفتر الوحي[1]۔

عبرانی زبان جانتے تھے اور عبرانی زبان میں انجیل لکھا کرتے تھے، اب وہ بوڑھے اور نابینا ہو گئے تھے، خدیجہؓ نے کہا کہ اپنے بھتیجے (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) کی باتیں سنو، بولے ابن الاخ تو نے کیا دیکھا؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے واقعہ کی کیفیت بیان کی تو کہا یہ وہی ناموس ہے جو موسیٰ پر اترا تھا۔ کاش مجھ میں اس وقت قوت ہوتی اور زندہ رہتا جب آپ کی قوم آپ کو شہر بدر کریگی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کیا یہ لوگ مجھے نکال دیں گے؟ ورقہ نے جواب دیا ہاں جو کچھ آپ پر نازل ہوا جب کسی پر نازل ہوتا ہے تو دنیا اس کی ہو جاتی ہے اور اگر اس وقت تک میں زندہ رہا تو تمہاری وزنی مدد کروں گا۔ اس کے بعد ورقہ کا بہت جلد انتقال ہو گیا اور وحی کچھ دنوں کے لئے رک گئی

اس وقت تک نماز پنجگانہ فرض نہ تھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نوافل پڑھا کرتے تھے حضرت خدیجہؓ بھی آپ کے ساتھ نوافل میں شرکت کرتی تھیں، ابن سعد کہتے ہیں[2]۔

مکث رسول الله صلى الله عليه وسلم — آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور خدیجہؓ ایک

---

[1] صحیح بخاری ج ۱ ص ۲و۳ [2] طبقات ج ۸ ص ۱۰

وخدیجۃ یعلیان سرا امانشاء اللہ۔ عرصہ تک خفیہ طور پر نماز پڑھا کیے۔

عفیف کندی سامان خریدنے کے لئے مکہ آئے، اور حضرت عباسؓ کے گھر میں فروکش ہوئے، صبح کے وقت ایک دن کعبہ کی طرف نظر تھی۔ دیکھا کہ ایک نوجوان آیا، اور آسمان کی طرف دیکھ کر قبلہ رخ کھڑا ہوگیا۔ پھر ایک لڑکا اس کے داہنی طرف آکر کھڑا ہوا، پھر ایک عورت دونوں کے پیچھے کھڑی ہوئی، نماز پڑھ کر یہ لوگ چلے گئے، تو عفیف نے حضرت عباسؓ سے کہا کہ کوئی عظیم الشان واقعہ پیش آنے والا ہے، حضرت عباسؓ نے جواب دیا، ہاں، پھر کہا جانتے ہو یہ نوجوان کون ہے؟ یہ میرا بھتیجا محمد ہے، یہ دوسرا بھتیجا علی ہے، اور یہ محمد کی بیوی (خدیجہؓ) ہے، میرے بھتیجے کا خیال ہے کہ اس کا مذہب پروردگار عالم کا مذہب ہے اور وہ جو کچھ کرتا ہے، اس کے حکم سے کرتا ہے، دنیا میں جہاں تک مجھ کو علم ہے اس خیال کے صرف یہی تین شخص ہیں[1]۔

عقیلی اس روایت کو ضعیف سمجھتے ہیں لیکن ہمارے نزدیک اس کے ضعیف ہونے کی کوئی وجہ نہیں، درایت کے لحاظ سے اس میں کوئی خرابی نہیں، روایت کی حیثیت سے اس کے ثبوت کے متعدد طریق ہیں محدث ابن سعد نے اس کو نقل کیا ہے، بغوی، ابویعلی اور نسائی نے اس کو اپنی کتابوں میں جگہ دی ہے، حاکم، ابن خیثمہ، ابن مندہ اور صاحب غیلانیات نے اسے مقبول مانا ہے! اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اس کو امام بخاری نے اپنی تاریخ میں درج کیا ہے اور اس کو صحیح کہا ہے۔

حضرت خدیجہؓ نے صرف نبوت کی تصدیق ہی نہیں کی بلکہ آغاز اسلام میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے بڑی معین و مددگار ثابت ہوئیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جو چند سال تک کفار مکہ اذیت دیتے ہوئے ہچکچاتے تھے۔ اس میں بڑی حد تک حضرت خدیجہؓ کا اثر کام کر رہا تھا، اوپر گذر چکا ہے۔ کہ آغاز نبوت میں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے یہ الفاظ نکلے کہ "مجھکو ڈر ہے"

---

[1] ایضاً ص ۱۰، ۱۱

تو انہوں نے کہا کہ "آپ متردد نہ ہوں، خدا آپ کا ساتھ نہ چھوڑے گا"۔ دعوتِ اسلام کے سلسلے میں جب مشرکین نے آپ کو طرح طرح کی اذیتیں پہنچائیں تو حضرت خدیجہؓ نے آپ کو تسلی اور تشفی دی، استیعاب میں ہے[1]،

فکان لا یسمع من المشرکین شیئاً یکرہ من رد علیہ وتکذیب لہ الا فرج اللہ عنہ بہا تثبتہ وتصدقہ وتخفف عنہ وتھون علیہ ما یلقی من قومہ۔	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مشرکین کی تردید یا تکذیب سے جو کچھ صدمہ پہنچتا حضرت خدیجہؓ کے پاس آکر دور ہو جاتا تھا کیونکہ وہ آپ کی باتوں کی تصدیق کرتی تھیں اور مشرکین کے معاملہ کو آپ کے سامنے ہلکا کر کے پیش کرتی تھیں،

سنہ ۷ نبوی میں جب قریش نے اسلام کے تباہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ تو یہ تدبیر سوچی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خاندان کو ایک گھاٹی میں محصور کیا جائے، چنانچہ ابو طالب مجبور ہو کر تمام خاندان ہاشم کے ساتھ شعب ابو طالب میں پناہ گزین ہوئے حضرت خدیجہؓ بھی ساتھ آئیں سیرت ابن ہشام میں ہے[2]،

وھی عند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ومعہ فی الشعب۔	اور وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شعب ابو طالب میں تھیں۔

تین سال تک بنو ہاشم نے اس حصار میں بسر کی یہ زمانہ ایسا سخت گذرا کہ طلح کے پتے کھا کھا کر رہتے تھے تاہم اس زمانہ میں بھی حضرت خدیجہؓ کے اثر سے کبھی کبھی کھانا پہنچ جاتا تھا۔ چنانچہ ایک دن حکیم بن حزام نے جو حضرت خدیجہؓ کا بھتیجا تھا۔ تھوڑے سے گیہوں اپنے غلام کے ہاتھ حضرت خدیجہؓ کے پاس بھیجے راہ میں ابو جہل نے دیکھ لیا اور چھین لینا چاہا، اتفاق سے ابو البختری کہیں سے آگیا، وہ اگرچہ کافر تھا، لیکن اس کو رحم آیا، ابو جہل سے کہا ایک شخص اپنی پھوپھی کو کھانے کے لئے کچھ بھیجتا ہے تو کیوں روکتا ہے[3]۔

---

[1] طبقات ج ۸ ص ۱۰، [2] سیرت ابن ہشام ج ۱ ص ۱۹۲ [3] ایضاً

وفات حضرت خدیجہؓ نکاح کے بعد ۲۵ برس تک زندہ رہیں اور ۱۱ رمضان سنہ ۱۰ نبوی (ہجرت سے تین سال قبل[1]) انتقال کیا، اس وقت ان کی عمر ۶۴ سال ۶ ماہ کی تھی، چونکہ نماز جنازہ اس وقت تک مشروع نہیں ہوئی تھی۔ اس لئے ان کی لاش اسی طرح دفن کردی گئی،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود ان کی قبر میں اترے، اور اپنی سب سے بڑی غمگسار کو داعی اجل کے سپرد کیا، حضرت خدیجہؓ کی قبر حجون میں ہے[2]، اور زیارت گاہ خلائق ہے،

حضرت خدیجہؓ کی وفات سے تاریخ اسلام میں ایک جدید دور شروع ہوا، یہی زمانہ ہے جو اسلام کا سخت ترین زمانہ ہے۔ اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس سال کو عام الحزن (سال غم) فرمایا کرتے تھے کیونکہ ان کے اٹھ جانے کے بعد قریش کو کسی شخص کا پاس نہیں رہ گیا تھا، اور اب وہ نہایت بے رحمی اور بیباکی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ستاتے تھے، اسی زمانہ میں آپ اہل مکہ سے ناامید ہو کر طائف تشریف لے گئے تھے،

اولاد حضرت خدیجہؓ کے بہت سی اولاد ہوئی۔ ابوہالہ سے جو ان کے پہلے شوہر تھے، دو لڑکے پیدا ہوئے، جن کے نام ہالہ اور ہند تھے، دوسرے شوہر یعنی عتیق سے ایک لڑکی پیدا ہوئی، اس کا نام بھی ہند تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے چھ اولادیں ہوئیں، دو صاحبزادے جو بچپن میں انتقال کر گئے اور چار صاحبزادیاں، نام حسب ذیل ہیں[3]،

(۱) حضرت قاسمؓ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے بڑے لڑکے تھے، ان ہی کے نام پر آپؐ ابوالقاسم کنیت کرتے تھے، صغر سنی میں مکہ میں انتقال کیا، اس وقت پیروں چلنے لگے تھے، (۲) حضرت زینبؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے بڑی صاحبزادی تھیں (۳) حضرت عبداللہ نے بہت کم عمر پائی، چونکہ زمانہ نبوت میں پیدا ہوئے تھے۔ اس لئے طیب اور طاہر کے لقب سے مشہور ہوئے (۴) حضرت رقیہؓ (۵) حضرت ام کلثومؓ (۶) حضرت فاطمہ زہراؓ، اس سب میں ایک ایک سال کا چھوٹا بڑا پایا تھا، حضرت خدیجہؓ اپنی اولاد کو بہت چاہتی

---

[1] بخاری ج ۱ ص ۵۵۱ [2] طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۱۱ [3] زرقانی جلد ۳ ص ۲۲۱

تھیں، اور چونکہ دنیا نے بھی ساتھ دیا تھا یعنی صاحب ثروت تھیں، اس لئے عقبہ کی لونڈی سلمہ کو بچوں کی پرورش پر مقرر کیا تھا، وہ ان کو کھلاتی اور دودھ پلاتی تھی،

ازواج مطہرات رضی میں حضرت خدیجہ رضی کو بعض خاص خصوصیتیں حاصل ہیں، وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلی بیوی ہیں، وہ جب عقد نکاح میں آئیں تو ان کی عمر چالیس برس کی تھی، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی زندگی میں دوسری شادی نہیں کی، حضرت ابراہیمؑ کے سوا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام اولاد انہی سے پیدا ہوئی،

فضائل و مناقب ام المومنین حضرت خدیجہ طاہرہؓ کی عظمت و فضیلت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب فرض نبوت ادا کرنا چاہا تو فضائے عالم سے ایک آواز بھی آپ کی تائید میں نہ اٹھی، کوہ حرا، وادی عرفات، جبل فاران غرض تمام جزیرۃ العرب آپ کی آواز پر ایک پیکر تصویر بنا ہوا تھا، لیکن اس عالمگیر خاموشی میں صرف ایک آواز تھی جو فضائے مکہ میں تموج پیدا کر رہی تھی، یہ آواز حضرت خدیجہ طاہرہؓ کے قلب مبارک سے بلند ہوئی تھی، جو اس ظلمتکدۂ کفر و ضلالت میں انوار الٰہی کا دوسرا تجلی گاہ تھا،

حضرت خدیجہ رض وہ مقدس خاتون ہیں، جنہوں نے نبوت سے پہلے بت پرستی ترک کر دی تھی، چنانچہ مسند ابن حنبل میں روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجہ رض سے فرمایا "بخدا میں کبھی لات و عزیٰ کی پرستش نہ کروں گا،" انہوں نے جواب دیا کہ "لات کو جانے دیجئے، عزیٰ کو جانے دیجئے، یعنی ان کا ذکر بھی نہ کیجئےؓ" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب نبوت کی صدا بلند کی تو سب سے پہلے ان ہی نے اس پر لبیک کہا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام کو ان کی ذات سے جو تقویت تھی وہ سیرتِ نبویؐ کے ایک ایک صفحہ سے نمایاں ہے، ابن ہشام میں ہے،

وکانت لہ وزیر صدق علی الاسلام — وہ اسلام کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی مشیر کار تھیں۔

لہ مسند ج ۶ ص ۲۲۲

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کو جو محبت تھی، وہ اس سے ظاہر ہے کہ باوجود اس تموّل اور اس دولت و ثروت کے جو ان کو حاصل تھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت خود کرتی تھیں، چنانچہ صحیح بخاری میں روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضرت جبرائیلؑ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ خدیجہؓ برتن میں کچھ لا رہی ہیں، آپ ان کو خدا کا اور میرا اسلام پہنچا دیجئے[1]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت زید بن حارثہؓ سے سخت محبت تھی، لیکن وہ مکہ میں غلام کی حیثیت سے رہتے تھے، حضرت خدیجہؓ نے ان کو آزاد کیا، اور اب وہ کسی دنیاوی رئیس کے خادم ہونے کی بجائے شہنشاہ رسالت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے غلام تھے،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی حضرت خدیجہؓ سے بے انتہا محبت تھی آپ نے ان کی زندگی تک دوسری شادی نہیں کی، ان کی وفات کے بعد آپ کا معمول تھا۔ کہ جب گھر میں کوئی جانور ذبح ہوتا تو آپ ڈھونڈ ڈھونڈ کر ان کی سہیلیوں کے پاس گوشت بھجواتے تھے، حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ گو میں نے حضرت خدیجہؓ کو نہیں دیکھا، لیکن مجھ کو جس قدر ان پر رشک آتا تھا کسی اور پر نہیں آتا تھا، جس کی وجہ یہ تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ ان کا ذکر کیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ میں نے اس پر آپ کو رنجیدہ کیا، لیکن آپ نے فرمایا کہ "خدا نے مجھکو ان کی محبت دی ہے"[2]

ایک دفعہ حضرت خدیجہؓ کے انتقال کے بعد ان کی بہن ہالہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنے آئیں اور استیذان کے قاعدے سے اندر آنے کی اجازت مانگی، ان کی آواز حضرت خدیجہؓ سے ملتی تھی، آپ کے کانوں میں آواز پڑی تو حضرت خدیجہؓ یاد آگئیں اور آپ جھجک اٹھے، اور فرمایا "کہ ہالہ ہونگی"، حضرت عائشہؓ بھی موجود تھیں ان کو نہایت رشک ہوا، بولیں کہ "آپ کیا ایک بڑھیا کی یاد کیا کرتے ہیں، جو مر چکیں، اور خدا نے ان سے اچھی بیویاں آپ کو دیں"، صحیح بخاری میں یہ روایت یہیں تک ہے، لیکن استیعاب میں ہے کہ اس کے جواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "ہر گز نہیں جب لوگوں نے میری تکذیب کی تو انہوں نے تصدیق

[1] صحیح بخاری ج ۱ ص ۵۳۹ [2] صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۲۳

کی، جب لوگ کافر تھے تو وہ اسلام لائیں، جب میرا کو معین نہ تھا تو انہوں میری[1] مدد کی، "اور میری اولاد ان ہی سے ہوئی"۔

حضرت خدیجہؓ کے مناقب میں بہت سی حدیثیں مروی ہیں، صحیح بخاری اور مسلم میں ہے،

خیر نسائھا مریم بنت عمران	عالم میں افضل ترین عورت مریمؑ اور
وخیر نسائھا خدیجۃ بنت خویلد	خدیجہؓ ہیں،

ایک مرتبہ حضرت جبرئیلؑ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، خدیجہؓ آئیں تو فرمایا،

بشرھا ببیت فی الجنۃ من قصب لا صخب فیہ ولا نصب[2]	ان کو جنت میں ایک ایسا گھر ملنے کی بشارت سنا دیجئے جو موتی کا ہوگا اور جس میں شور و غل اور محنت و مشقت نہ ہوگی،

---

[1] سیرۃ النبی مجلد دوم طبع دوم ص ۴۰۱ [2] بخاری باب تزویج النبی صلی اللہ علیہ وسلم خدیجۃ و فضلہا۔

(۲)

حضرت سودہؓ

نام ونسب | سودہ نام تھا، قبیلہ عامر بن لوی سے تھیں، جو قریش کا ایک نامور قبیلہ تھا، سلسلۂ نسب یہ ہے، سودہ بنت زمعہ بن قیس بن عبدشمس بن عبدود بن نصر بن مالک بن حسل بن عامر ابن لوی، ماں کا نام شموس تھا، یہ مدینہ کے خاندان بنو نجار سے تھیں، ان کا پورا نام ونسب یہ ہے شموس بنت قیس بن زید بن عمرو بن لبید بن فراش بن عامر بن غنم بن عدی بن النجار،

نکاح | سکرانؓ بن عمرو سے جو ان کے والد کے ابن عم تھے، شادی ہوئی،

قبول اسلام | ابتدائے نبوت میں مشرف بہ اسلام ہوئیں، ان کے ساتھ ان کے شوہر بھی اسلام لائے، اس بنا پر ان کو قدیم الاسلام ہونے کا شرف حاصل ہے، حبشہ کی پہلی ہجرت کے وقت تک حضرت سودہؓ اور ان کے شوہر مکہ ہی میں مقیم رہے، لیکن جب مشرکین کے ظلم وستم کی کوئی انتہا نہ رہی اور مہاجرین کی ایک بڑی جماعت ہجرت کے لئے آمادہ ہوئی تو اس میں حضرت سودہؓ اور ان کے شوہر بھی شامل ہوگئے۔

کئی برس حبشہ میں رہ کر مکہ کو واپس آئیں، اور سکرانؓ نے کچھ دن کے بعد وفات پائی،

حضرت سودہؓ حرم نبوت بنتی ہیں | ازواج مطہرات میں یہ فضیلت صرف حضرت سودہؓ کو حاصل ہے کہ حضرت خدیجہؓ کے انتقال کے بعد سب سے پہلے وہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد نکاح میں آئیں، حضرت خدیجہؓ کے انتقال سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نہایت پریشان وغمگین تھے، یہ حالت دیکھ کر خولہؓ بنت حکیم (عثمانؓ بن مظعون کی بیوی) نے عرض کی کہ آپ کو ایک مونس و رفیق کی ضرورت ہے، آپ نے فرمایا ہاں، گھربار، بال بچوں کا انتظام سب خدیجہؓ کے متعلق

تھا، آپ کے ایماء سے وہ حضرت سودہؓ کے والد کے پاس گئیں، اور جاہلیت کے طریقہ پر سلام کیا (نعم صباحا)، پھر نکاح کا پیغام سنایا، انہوں نے کہا ہاں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) شریف کفو ہیں، لیکن سودہؓ سے بھی تو دریافت کرو، غرض سب مراتب طے ہو گئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود تشریف لے گئے اور سودہؓ کے والد نے نکاح پڑھایا، چار سو درہم مہر قرار پایا، نکاح کے بعد عبداللہ بن زمعہ (حضرت سودہؓ کے بھائی) جو اس وقت کافر تھے، آئے اور ان کو یہ حال معلوم ہوا تو سر پر خاک ڈال لی کہ کیا غضب ہو گیا، چنانچہ اسلام لانے کے بعد اپنی اس حماقت و نادانی پر ہمیشہ ان کو افسوس آتا تھا[1]

حضرت سودہؓ کا نکاح رمضان سنہ ۱۰ نبوی میں ہوا، اور چونکہ ان کے اور حضرت عائشہؓ کے نکاح کا زمانہ قریب قریب ہے، اس لئے مورخین میں اختلاف ہے، کہ کس کو تقدم حاصل ہے، ابن اسحاق کی روایت ہے کہ سودہؓ کو تقدم ہے اور عبداللہ بن محمد بن عقیل حضرت عائشہ کو مقدم سمجھتے ہیں[2]

بعض روایتوں میں ہے کہ حضرت سودہؓ نے اپنے پہلے شوہر کی زندگی میں ایک خواب دیکھا تھا، ان سے بیان کیا تو بولے کہ شائد میری موت کا زمانہ قریب ہے، اور تمہارا نکاح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوگا، چنانچہ یہ خواب حرف بحرف پورا ہوا[3]

عام حالات | نبوت کے تیرہویں سال جب آپ نے مدینہ منورہ میں ہجرت کی تو حضرت زیدؓ ابن حارثہ کو مکہ بھیجا کہ حضرت سودہؓ وغیرہ کو لے کر آئیں، چنانچہ وہ اور حضرت فاطمہ زہرؓا حضرت زید کے ہمراہ مدینہ آئیں،

سنہ ۱۰ ہجری میں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کیا تو حضرت سودہ بھی ساتھ تھیں، چونکہ وہ بلند و بالا اور فربہ اندام تھیں اور اس وجہ سے تیزی کے ساتھ چل پھر نہیں سکتی تھیں

---

[1] زرقانی ج ۳ ص ۲۶۱ [2] طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۳۶-۳۷-۳۸-۳۹ و زرقانی ج ۳ ص ۲۶۰ [3] زرقانی ج ۳ ص ۲۶۰ و طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۳۸ و ۳۹

اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دی کہ اور لوگوں کے مزدلفہ سے روانہ ہونے کے قبل ان کو چلا جانا چاہئے، کیونکہ ان کو بھیڑ بھاڑ میں چلنے سے تکلیف ہوگی[1]

وفات | ایک دفعہ ازواج مطہرات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھیں انہوں نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ! ہم میں سب سے پہلے کون مرے گا، فرمایا کہ جس کا ہاتھ سب سے بڑا ہے، لوگوں نے ظاہری معنی سمجھے، ہاتھ ناپے گئے تو سب سے بڑا ہاتھ حضرت سودہ کا تھا[2] لیکن جب سب سے پہلے حضرت زینبؓ کا انتقال ہوا۔ تو معلوم ہوا کہ ہاتھ کی بڑائی سے آپ کا مقصود سخاوت اور فیاضی تھی، بہر حال واقدی نے حضرت سودہؓ کا سال وفات ۵۴ھ بتایا ہے[3] لیکن ثقات کی روایت یہ ہے کہ انہوں نے حضرت عمرؓ کے اخیر زمانۂ خلافت میں انتقال کیا[4]

حضرت عمرؓ نے ۲۳ھ میں وفات پائی ہے اس لئے حضرت سودہؓ کی وفات کا سال ۲۲ھ ہوگا، خمیس میں یہی روایت ہے اور سب سے زیادہ صحیح ہے[5]، اور اس کو امام بخاری، ذہبی، جزری ابن عبد البر اور خزرجی نے اختیار کیا ہے،

اولاد | آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی اولاد نہیں ہوئی، پہلے شوہر (حضرت سکرانؓ) سے ایک لڑکا یادگار چھوڑا تھا، جس کا نام عبد الرحمٰن تھا، انہوں نے جنگ جلولاء (فارس) میں شہادت حاصل کی[6]

حلیہ | ازواج مطہرات میں حضرت سودہؓ سے زیادہ کوئی بلند و بالا نہ تھا، حضرت عائشہؓ کا قول ہے۔ کہ جس نے ان کو دیکھ لیا، اس سے وہ چھپ نہیں سکتی تھیں[7] زرقانی میں ہے کہ ان کا ڈیل لانبا تھا[8]

فضل و کمال | حضرت سودہؓ سے صرف پانچ حدیثیں مروی ہیں، جن میں سے بخاری میں صرف

---

[1] صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۲۸ [2] طبقات ج ۸ ص ۳۷ [3] طبقات ابن سعد ج ۸ (ص ۳۷، ۳۹) [4] اسد الغابہ و استیعاب و خلاصۂ تہذیب حالات سودہؓ [5] زرقانی ج ۳ ص ۲۹۲ [6] زرقانی ج ۳ ص ۲۶۰

[7] صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۰۷ [8] زرقانی ج ۳ ص ۲۵۹

ایک ہے، صحابہؓ میں حضرت ابن عباسؓ، ابن زبیرؓ اور یحییٰ بن عبدالرحمٰن (بن اسعد بن زرارہ) نے ان سے روایت کی ہے،

اخلاق | حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں[1]

مامن الناس امرءۃ احب	سودہ کے علاوہ کسی عورت کو دیکھ کر
الی ان اکون فی مسلاخہا	مجھے یہ خیال نہیں ہوا کہ اس کے قالب
من سودۃ	میں میری روح ہوتی۔

اطاعت اور فرمانبرداری میں وہ تمام ازواج مطہرات سے ممتاز تھیں، آپ نے حجۃ الوداع کے موقع پر ازواج مطہرات کو مخاطب کرکے فرمایا تھا۔ کہ میرے بعد گھر میں بیٹھنا[2]، چنانچہ حضرت سودہؓ نے اس حکم پر اس شدت سے عمل کیا کہ پھر کبھی حج کے لئے نہ نکلیں، فرماتی تھیں، کہ میں حج اور عمرہ دونوں کر چکی ہوں، اور اب خدا کے حکم کے مطابق گھر میں بیٹھوں گی[3]،

سخاوت اور فیاضی بھی ان کا ایک نمایاں وصف تھا، اور حضرت عائشہ کے سوا وہ اس وصف میں بھی سب سے ممتاز تھیں، ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے ان کی خدمت میں ایک تھیلی بھیجی، لانے والے سے پوچھا، اس میں کیا ہے؟ بولا درہم، بولیں کھجور کی طرح تھیلی میں درہم بھیجے جاتے ہیں، یہ کہہ کر اسی وقت سب کو تقسیم کر دیا[4]، وہ طائف کی کھالیں بناتی تھیں اور اس سے جو آمدنی ہوتی تھی، اس کو نہایت آزادی کے ساتھ نیک کاموں میں صرف کرتی تھیں[5]،

ایثار میں بھی وہ ممتاز حیثیت رکھتی تھیں، وہ اور حضرت عائشہؓ آگے پیچھے نکاح میں آئی تھیں لیکن چونکہ ان کا سن بہت زیادہ تھا۔ اس لئے جب بوڑھی ہوگئیں، تو ان کو سوء ظن ہوا کہ شاید آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم طلاق دے دیں، اور شرف صحبت سے محروم ہو جائیں، اس بنا پر

[1] طبقات ج ۸ ص ۳۷ [2] زرقانی ج ۳ ص ۲۹۱ [3] طبقات ج ۸ ص ۳۸ [4] اصابہ ج ۸ ص ۱۱۸
[5] ایضاً ص ۶۵ حالات خلیفہ

انہوں نے اپنی باری حضرت عائشہؓ کو دے دی اور انہوں نے خوشی سے قبول کر لی[1]

مزاج تیز تھا، حضرت عائشہؓ ان کی بے حد معترف تھیں، لیکن کہتی ہیں کہ وہ بہت جلد غصہ سے بھڑک اٹھتی تھیں، ایک مرتبہ قضائے حاجت کے لئے صحرا کو جا رہی تھیں، راستہ میں حضرت عمرؓ مل گئے، چونکہ حضرت سودہؓ کا قد نمایاں تھا، انہوں نے پہچان لیا، حضرت عمرؓ کو ازواجِ مطہرات کا باہر نکلنا ناگوار تھا اور وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پردہ کی تحریک کر چکے تھے، اس لئے بولے سودہؓ تم کو ہم نے پہچان لیا، حضرت سودہؓ کو سخت ناگوار ہوا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچیں اور حضرت عمرؓ کی شکایت کی، اسی واقعہ کے بعد آیتِ حجاب نازل ہوئی[2]

بایں ہمہ ظرافت اس قدر تھی کہ کبھی کبھی اس انداز سے چلتی تھیں، کہ آپ ہنس پڑتے تھے ایک مرتبہ کہنے لگیں کہ کل رات کو میں نے آپؐ کے ساتھ نماز پڑھی تھی، آپ نے (اس قدر دیر تک) رکوع کیا کہ مجھ کو نکسیر پھوٹنے کا شبہ ہو گیا، اس لئے میں دیر تک ناک پکڑے رہی، آپ اس جملہ کو سن کر مسکرا اٹھے[3]

دجال سے بہت ڈرتی تھیں، ایک مرتبہ حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ کے پاس آ رہی تھیں دونوں نے مذاق کے لہجہ میں کہا، تم نے کچھ سنا؟ بولیں کیا؟ کہا دجال نے خروج کیا حضرت سودہؓ یہ سن کر گھبرا گئیں، ایک خیمہ جس میں کچھ آدمی آگ سلگا رہے تھے، قریب تھا، فوراً اس کے اندر داخل ہو گئیں، حضرت عائشہؓ اور حفصہؓ ہنستی ہوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچیں، اور آپ کو اس مذاق کی خبر کی، آپ تشریف لائے اور خیمہ کے دروازے پر کھڑے ہو کر فرمایا کہ ابھی دجال نہیں نکلا ہے، یہ سن کر حضرت سودہؓ باہر آئیں۔ تو مکڑی کا جالا بدن میں لگا ہوا تھا، اس کو باہر آ کر صاف کیا[4]

میرے نزدیک یہ روایت مشکوک اور سنداً ضعیف ہے،

---

[1] صحیح بخاری و مسلم (کتاب النکاح جواز ہبتہ نوبتہا الضرتہا) [2] صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۶ [3] ابن سعد ج ۸ ص ۳۷ [4] اصابہ ج ۸ ص ۶۵

(۳)

حضرت عائشہؓ

نام ونسب: عائشہ نام، صدیقہ اور حمیرا لقب، ام عبداللہ کنیت، حضرت ابوبکر صدیقؓ کی صاحبزادی ہیں، ماں کا نام زینب تھا، ام رومان کنیت تھی اور قبیلہ غنم بن مالک سے تھیں، حضرت عائشہؓ بعثت کے چار برس بعد شوال کے مہینہ میں پیدا ہوئیں، صدیق اکبر کا کاشانہ وہ برج سعادت تھا، جہاں خورشید اسلام کی شعاعیں سب سے پہلے پرتو فگن ہوئیں، اس بنا پر حضرت عائشہؓ اسلام کی ان برگزیدہ شخصیتوں میں ہیں، جن کے کانوں نے کبھی کفر و شرک کی آواز نہیں سنی، خود حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جب سے میں نے اپنے والدین کو پہچانا انکو مسلمان پایا[1]

حضرت عائشہؓ کو وائل کی بیوی نے دودھ پلایا، وائل کی کنیت ابوالقعیس تھی، وائل کے بھائی افلح، حضرت عائشہؓ کے رضاعی چچا کبھی کبھی ان سے ملنے آیا کرتے تھے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے وہ ان کے سامنے آتی تھیں[2] رضاعی بھائی بھی کبھی کبھی ملنے آیا کرتا تھا[3]

نکاح: تمام ازواج مطہراتؓ میں یہ شرف صرف حضرت عائشہؓ کو حاصل ہے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کنواری بیوی تھیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے وہ جبیر بن مطعم کے صاحبزادے سے منسوب ہوئی تھیں، لیکن جب حضرت خدیجہؓ کے انتقال کے بعد خولہ بنت حکیمؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لے کر ام رومان سے کہا، اور انہوں نے حضرت ابوبکرؓ سے ذکر کیا، تو چونکہ یہ ایک قسم کی وعدہ خلافی تھی، بولے کہ جبیر بن مطعم سے وعدہ کر چکا ہوں، لیکن مطعم نے خود اس بنا پر انکار کر دیا کہ اگر حضرت عائشہؓ ان کے گھر میں گئیں تو گھر میں اسلام کا قدم آجائے گا،

[1] بخاری ج ۱ ص ۲۵۲ [2] ایضاً ص ۲۲۰ [3] ایضاً ص ۳۶۱

بہر حال حضرت ابوبکرؓ نے خولہ کے ذریعہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عقد کر دیا، پانسو درہم مہر قرار پایا، یہ سنہ ۱۰ نبوی کا واقعہ ہے، اس وقت حضرت عائشہؓ چھ برس کی تھیں،

یہ نکاح اسلام کی سادگی کی حقیقی تصویر تھا، عطیہؓ اس کا واقعہ اس طرح بیان کرتی ہیں کہ حضرت عائشہؓ لڑکیوں کے ساتھ کھیل رہی تھیں، ان کی انا آئی اور ان کو لے گئی، حضرت ابوبکرؓ نے آکر نکاح پڑھا دیا، حضرت عائشہؓ خود کہتی ہیں کہ "جب میرا نکاح ہوا تو مجھ کو خبر تک نہ ہوئی جب میری والدہ نے باہر نکلنے میں روک ٹوک شروع کی، تب میں سمجھی کہ میرا نکاح ہو گیا، اس کے بعد میری والدہ نے مجھے سمجھا بھی دیا"[1]

نکاح کے بعد مکہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قیام ۳ سال تک رہا، سنہ ۱۳ نبوی میں آپ نے ہجرت کی تو حضرت ابوبکرؓ ساتھ تھے۔ اور اہل و عیال کو دشمنوں کے نرغہ میں چھوڑ آئے تھے جب مدینہ میں اطمینان ہوا تو حضرت ابوبکرؓ نے عبداللہ بن اریقط کو بھیجا کہ ام رومانؓ، اسماءؓ اور عائشہ کو لے آئیں، مدینہ میں آکر حضرت عائشہؓ سخت بخار میں مبتلا ہوئیں، اشتداد مرض سے سر کے بال جھڑ گئے[2] صحت ہوئی تو ام رومان کو رسم عروسی ادا کرنے کا خیال آیا، اس وقت حضرت عائشہؓ کی عمر ۹ سال کی تھی، سہیلیوں کے ساتھ جھولا جھول رہی تھیں کہ ام رومان نے آواز دی، ان کو اس واقعہ کی خبر تک نہ تھی، ماں کے پاس آئیں، انہوں نے منہ دھویا، بال درست کیے، گھر میں لے گئیں، انصار کی عورتیں انتظار میں تھیں، یہ گھر میں داخل ہوئیں تو سب نے مبارک باد دی، تھوڑی دیر کے بعد خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے[3] شوال میں نکاح ہوا تھا اور شوال ہی میں یہ رسم ادا کی گئی،

حضرت عائشہؓ کے نکاح سے عرب کے بعض بیہودہ خیالات میں اصلاح ہوئی (۱) عرب منہ بولے بھائی کی لڑکی سے شادی نہیں کرتے تھے، اسی بنا پر جب خولہ نے حضرت ابوبکرؓ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارادہ ظاہر کیا، تو انہوں نے حیرت سے کہا کہ "کیا یہ جائز

[1] طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۴۰ [2] (صحیح بخاری باب الہجرۃ) [3] صحیح بخاری تزویج عائشہؓ و سیرۃ النبی جلد ۲۔

ہے ؟ عائشہؓ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بھتیجی ہے" لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
انت اخی فی الاسلام تم تو صرف مذہبی بھائی ہو (۲) اہل عرب شوال میں شادی نہیں کرتے
تھے، زمانہ قدیم میں اس مہینہ میں طاعون آیا تھا۔ حضرت عائشہؓ کی شادی اور رخصتی دونوں
شوال میں ہوئیں،

عام حالات غزوات میں سے صرف غزوۂ احد میں حضرت عائشہؓ کی شرکت کا پتہ چلتا ہے،
صحیح بخاری میں حضرت انسؓ سے منقول ہے کہ "میں نے عائشہؓ اور ام سلیم کو دیکھا کہ مشک
بھر بھر کر لاتی تھیں اور زخمیوں کو پانی پلاتی تھیں"[1]

غزوۂ مصطلق میں کہ ۵ھ کا واقعہ ہے۔ حضرت عائشہؓ آپ کے ساتھ تھیں، واپسی میں ان
کا ہار کہیں گر گیا، پورے قافلہ کو اترنا پڑا، نماز کا وقت آیا، تو پانی نہ ملا، تمام صحابہؓ پریشان
تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہوئی اور تیمم کی آیت نازل ہوئی، اس اجازت سے تمام
لوگ خوش ہوئے، اسید بن حضیرؓ نے کہا "اے آل ابوبکرؓ! تم لوگوں کے لئے سرمایہ برکت ہو"۔

اسی لڑائی میں واقعہ افک پیش آیا یعنی منافقین نے حضرت عائشہؓ پر تہمت لگائی احادیث
اور سیر کی کتابوں میں اس واقعہ کو نہایت تفصیل کے ساتھ نقل کیا ہے لیکن جس واقعہ کی نسبت
قرآن مجید میں صاف مذکور ہے، کہ سننے کے ساتھ لوگوں نے یہ کیوں نہیں کہدیا کہ "بالکل افترا ہے"
اس کو تفصیل کے ساتھ لکھنے کی چنداں ضرورت نہیں۔

۹ھ میں تحریم اور ایلاء، وتخییر کا واقعہ پیش آیا اور واقعۂ تحریم کی تفصیل حضرت حفصہؓ
کے حالات میں آئے گی۔ البتہ واقعۂ ایلا کی تفصیل اس مقام پر کی جاتی ہے،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زاہدانہ زندگی بسر فرماتے تھے۔ دو دو مہینے گھر میں آگ نہیں
جلتی تھی، آئے دن فاقے ہوتے رہتے تھے، ازواج مطہراتؓ گو شرف صحبت کی برکت سے تمام
ابنائے جنس سے ممتاز ہو گئی تھیں۔ تاہم بشریت بالکل معدوم نہیں ہو سکتی تھی خصوصاً وہ دیکھتی

---

[1] بخاری ج ۲ ص ۵۸۱،

تھیں کہ فتوحاتِ اسلام کا دائرہ بڑھتا جاتا ہے۔ اور غنیمت کا سرمایہ اس قدر پہنچ گیا ہے کہ اس کا ادنیٰ حصہ بھی ان کی راحت و آرام کے لیئے کافی ہوسکتا ہے۔ ان واقعات کا اقتضا تھا کہ ان کے صبر و قناعت کا جام لبریز ہو جاتا۔

ایک مرتبہ حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ خدمت نبوی میں حاضر ہوئے۔ دیکھا کہ بیچ میں آپؐ ہیں ادھر اُدھر بیویاں بیٹھی ہیں، اور توسیع نفقہ کا تقاضا ہے، دونوں اپنی صاحبزادیوں کی تنبیہ پر آمادہ ہوگئے، لیکن انہوں نے عرض کی کہ ہم آئندہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو زائد مصارف کی تکلیف نہ دیں گے۔

دیگر ازواج اپنے مطالبہ پر قائم رہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سکون خاطر میں یہ چیز اس قدر خلل انداز ہوئی، کہ آپؐ نے عہد فرمایا کہ ایک مہینہ تک ازواج مطہرات سے نہ ملیں گے اتفاق یہ کہ اسی زمانہ میں آپؐ گھوڑے سے گر پڑے اور ساقِ مبارک پر زخم آیا۔ آپؐ نے بالاخانے پر تنہا نشینی اختیار کی، واقعات کے قرینہ سے لوگوں نے خیال کیا کہ آپؐ نے تمام ازواج کو طلاق دیدی؟ لیکن جب حضرت عمرؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ کیا آپ نے ازواج کو طلاق دیدی؟ تو آپؐ نے فرمایا "نہیں" یہ سن کر حضرت عمرؓ اللہ اکبر پکار اٹھے۔

جب ایلا کی مدت یعنی ایک مہینہ گذر چکا تو آپؐ بالاخانہ سے اتر آئے، سب سے پہلے حضرت عائشہؓ کے پاس تشریف لائے، وہ ایک ایک دن گنتی تھیں، بولیں "یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) آپؐ نے ایک مہینہ کے لیئے عہد فرمایا تھا! ابھی تو انتیس ہی دن ہوئے ہیں" ارشاد ہوا "مہینہ کبھی انتیس کا بھی ہوتا ہے"

اس کے بعد آیت تخییر نازل ہوئی، اس آیت کی رو سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا کہ ازواج مطہراتؓ کو مطلع فرمادیں کہ دو چیزیں تمہارے سامنے ہیں، دنیا اور آخرت، اگر تم دنیا چاہتی ہو تو آؤ میں تم کو رخصتی جوڑے دیکر عزت و احترام کے ساتھ رخصت کردوں، اور اگر تم خدا اور رسول اور ابدی راحت کی طلب گار ہو تو خدا نے نکوکاروں کے لیئے بڑا اجر مہیا کر رکھا ہے، چونکہ حضرت عائشہؓ ان تمام معاملات میں پیش پیش تھیں، آپؐ نے ان کو ارشادِ الٰہی سے مطلع فرمایا، انہوں نے کہا "میں

سب کچھ چھوڑ کر خدا اور رسول کو لیتی ہوں" تمام اور ازواج نے بھی یہی جواب دیا[1]

ربیع الاول ۱۱ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی، ۱۳ دن علیل رہے، جن میں ۸ دن حضرت عائشہؓ کے حجرہ میں اقامت فرمائی، خلقِ عمیم کی بنا پر ازواج مطہراتؓ سے صاف طور پر اجازت نہیں طلب کی بلکہ پوچھا کہ کل میں کس کے گھر رہوں گا؟ دوسرا دن (دوشنبہ) حضرت عائشہؓ کے ہاں قیام فرمانے کا تھا، ازواج مطہراتؓ نے مرضیٔ اقدس سمجھ کر عرض کی کہ آپ جہاں چاہیں قیام فرمائیں، ضعف اس قدر زیادہ ہوگیا تھا کہ چلا نہیں جاتا تھا، حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ دونوں بازو تھام کر بہ مشکل حضرت عائشہ کے حجرہ میں لائے۔

وفات سے پانچ روز پہلے (جمعرات کو) آپ کو یاد آیا کہ حضرت عائشہؓ کے پاس کچھ اشرفیاں رکھوائی تھیں، دریافت فرمایا کہ "عائشہؓ! وہ اشرفیاں کہاں ہیں؟ کیا محمدؐ خدا سے بدگمان ہو کر ملے گا، جاؤ ان کو خدا کی راہ میں خیرات کر دو[2]"

جس دن وفات ہوئی (یعنی دوشنبہ کے روز) بظاہر طبیعت کو سکون تھا لیکن دن جیسے جیسے بڑھتا جاتا تھا، آپ پر غشی طاری ہوتی تھی، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں، آپ جب تندرست تھے تو فرمایا کرتے تھے کہ پیغمبروں کو اختیار دیا جاتا ہے کہ وہ خواہ موت کو قبول کریں یا حیاتِ دنیا کو ترجیح دیں۔ اس حالت میں اکثر آپ کی زبان سے یہ الفاظ ادا ہوتے رہے مع الذین انعم اللّٰہ علیھم، اور کبھی یہ فرماتے اللھم فی الرفیق الاعلیٰ وہ سمجھ گئیں کہ اب صرف رفاقتِ الٰہی مطلوب ہے۔

وفات سے ذرا پہلے حضرت ابوبکرؓ کے صاحبزادے عبدالرحمٰنؓ خدمتِ اقدس میں آئے، آپ حضرت عائشہؓ کے سینہ پر سر ٹیک کر لیٹے تھے، عبدالرحمٰنؓ کے ہاتھ میں مسواک تھی، مسواک کی طرف نظر جما کر دیکھا، حضرت عائشہؓ سمجھیں کہ آپ مسواک کرنا چاہتے ہیں، عبدالرحمٰن سے مسواک لے کر دانتوں سے نرم کی، اور خدمتِ اقدس میں پیش کی، آپ نے بالکل تندرستوں کی طرح مسواک کی، حضرت عائشہؓ فخریہ کہا کرتی تھیں کہ "تمام بیویوں میں مجھی کو یہ شرف حاصل ہوا کہ آخر وقت

---

[1] صحیح بخاری (ج ۲ ص ۷۹۲) و صحیح مسلم باب الایلاء [2] مسند ابن حنبل ج ۶ ص ۴۹

میں بھی میرا جھوٹا آپ نے منہ میں لگایا"۔

اب وفات کا وقت قریب آرہا تھا، حضرت عائشہؓ آپ کو سنبھالے بیٹھی تھیں کہ دفعتہً بدن کا بوجھ معلوم ہوا، دیکھا تو آنکھیں پھٹ کر چھت سے لگ گئیں تھیں اور روح پاک عالم قدس میں پرواز کرگئی تھی، حضرت عائشہؓ نے آہستہ سے سر اقدس تکیہ پر رکھ دیا اور رونے لگیں۔

حضرت عائشہؓ کے ابواب مناقب کا سب سے زریں باب یہ ہے کہ ان کے حجرہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مدفن بننا نصیب ہوا، اور نعش مبارک اسی حجرہ کے ایک گوشہ میں سپرد خاک کی گئی، چونکہ ازواج مطہراتؓ کے لئے خدا نے دوسری شادی ممنوع قرار دی تھی اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت عائشہؓ نے ۴۸ سال بیوگی کی حالت میں بسر کئے، اس زمانہ میں ان کی زندگی کا مقصد وحید قرآن وحدیث کی تعلیم تھا جس کا ذکر آئندہ آئے گا

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے دو برس بعد ۱۳ھ میں حضرت ابوبکرؓ نے انتقال فرمایا اور حضرت عائشہؓ کے لئے یہ سایۂ شفقت بھی باقی نہ رہا۔

حضرت ابوبکرؓ کے بعد حضرت عمرؓ خلیفہ ہوئے، انہوں نے حضرت عائشہؓ کی جس قدر دلجوئی کی وہ خود اس کو اس طرح بیان فرماتی ہیں "ابن خطاب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مجھ پر بڑے بڑے احسانات کئے[1]" حضرت عمرؓ نے تمام ازواج مطہراتؓ کے لئے دس دس ہزار سالانہ وظیفہ مقرر فرمایا تھا، لیکن حضرت عائشہؓ کا وظیفہ بارہ ہزار تھا، جس کی وجہ یہ تھی وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے زیادہ محبوب تھیں[2]۔

حضرت عثمانؓ کے واقعہ شہادت میں حضرت عائشہؓ مکہ میں مقیم تھیں، حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ نے مدینہ سے جا کر ان کو واقعات سے آگاہ کیا تو دعوت اصلاح کے لئے بصرہ گئیں اور وہاں حضرت علیؓ سے جنگ پیش آئی، جو جنگ جمل کے نام سے مشہور ہے، جمل اونٹ کو کہتے ہیں چونکہ حضرت عائشہؓ ایک اونٹ پر سوار تھیں، اور اس نے اس معرکہ میں بڑی اہمیت حاصل کی تھی۔

(۱ مستدرک حاکم ج ۴ ص ۸) ۲ مستدرک

اس لئے یہ جنگ بھی اسی کی نسبت سے مشہور ہوگئی، یہ جنگ اگرچہ بالکل اتفاقی طور پر پیش آگئی تھی تاہم حضرت عائشہؓ کو اس کا ہمیشہ افسوس رہا۔

بخاری میں ہے کہ وفات کے وقت انہوں نے وصیت کی کہ "مجھے روضۂ نبویؐ میں آپ کے ساتھ دفن نہ کرنا، بلکہ بقیع میں اور ازواج کے ساتھ دفن کرنا، کیونکہ میں نے آپ کے بعد ایک جرم کیا ہے"[1] ابن سعد میں ہے کہ وہ جب یہ آیت پڑھتی تھیں وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ "اے پیغمبر کی بیویو! اپنے گھروں میں وقار کے ساتھ بیٹھو"۔ تو اس قدر روتی تھیں کہ آنچل تر ہو جاتا تھا۔[2]

حضرت علیؓ کے بعد حضرت عائشہؓ اٹھارہ برس اور زندہ رہیں اور یہ تمام زمانہ سکون اور خاموشی میں گذرا،

وفات امیر معاویہؓ کا اخیر زمانۂ خلافت تھا کہ رمضان ۵۸ھ میں حضرت عائشہؓ نے رحلت فرمائی، اس وقت سرسٹھ برس کا سن تھا، وصیت کے مطابق جنۃ البقیع میں رات کے وقت مدفون ہوئیں، قاسم بن محمدؒ، عبداللہ بن عبدالرحمنؒ، عبداللہ بن ابی عتیقؒ، عروہ بن زبیرؓ اور عبداللہ ابن زبیرؓ نے قبر میں اتارا، اس وقت حضرت ابو ہریرہؓ، مروان بن حکم کی طرف سے مدینہ کے حاکم تھے، اس لئے انہوں نے نماز جنازہ پڑھائی،

اولاد حضرت عائشہؓ کے کوئی اولاد نہیں ہوئی، ابن الاعرابی نے لکھا ہے کہ ایک ناتمام بچہ ساقط ہوا تھا، اس کا نام عبداللہ تھا، اور اسی کے نام پر انہوں نے کنیت رکھی تھی، لیکن یہ قطعاً غلط ہے، حضرت عائشہؓ کی کنیت ام عبداللہ ان کے بھانجے عبداللہ بن زبیر کے تعلق سے تھی، جن کو انہوں نے متبنیٰ بنایا تھا،

حلیہ حضرت عائشہؓ خوش رو اور صاحب جمال تھیں، رنگ سرخ و سفید تھا،

فضل و کمال علمی حیثیت سے حضرت عائشہؓ کو نہ صرف عورتوں پر نہ صرف دوسری امہات المومنین پر، نہ صرف خاص خاص صحابیوں پر، بلکہ باستثنائے چند تمام صحابہ پر فوقیت حاصل تھی، جامع

[1] کتاب الجنائز و مستدرک حاکم ج ۴ ص ۸۔ [2] طبقات ابن سعد ص ۵۹ جز ثانی

ترمذی میں حضرت ابوموسیٰ اشعری سے روایت ہے،

ما اشکل علینا اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم حدیث قط فسئلنا عائشۃ الا وجدنا عندنا منہ علما	ہم کو کبھی کوئی ایسی مشکل بات پیش نہیں آئی جس کو ہم نے عائشہ سے پوچھا ہو اوران کے پاس اس کے متعلق کچھ معلومات نہ ملے ہوں،

امام زہری جو سرخیل تابعین تھے، فرماتے ہیں،

کانت عائشۃ اعلم الناس یسئلھا الاکابر من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم[1]	عائشہؓ تمام لوگوں میں سب سے زیادہ عالم تھیں، بڑے بڑے اکابر صحابہ ان سے پوچھا کرتے تھے،

عروہ بن زبیرؓ کا قول ہے،

ما رأیت احدا اعلم بالقران ولا بفریضۃ ولا بحلال ولا بفقہ ولا بشعر ولا بطب ولا بحدیث العرب ولا نسب من عائشۃ	قرآن، فرائض، حلال وحرام، فقہ، شاعری طب، عرب کی تاریخ اور نسب کا عالم عائشہؓ سے بڑھ کر کسی کو نہیں دیکھا،

امام زہری کی ایک شہادت ہے،

لو جمع علم الناس کلھم ثم علم ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم فکانت عائشۃ اوسعھم علما[1]	اگر تمام مردوں کا اور امہات المومنین کا علم ایک جگہ جمع کیا جائے تو حضرت عائشہؓ کا علم وسیع تر ہوگا۔

حضرت عائشہؓ کا شمار مجتہدین صحابہؓ میں ہے، اور اس حیثیت سے وہ اس قدر بلند ہیں کہ بے تکلف ان کا نام حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، عبداللہ بن مسعودؓ اور عبداللہ بن عباسؓ کے ساتھ لیا

---

[1] طبقات ابن سعد جزو ۲ قسم ۲ ص ۲۶

جا سکتا ہے، وہ حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں فتوے دیتی تھیں، اور اکابر صحابہؓ پر انہوں نے جو دقیق اعتراضات کئے ہیں ان کو علامہ سیوطی نے ایک رسالہ میں جمع کر دیا ہے، اس رسالہ کا نام عین الاصابہ فی ما استدرکتہ عائشہؓ علی الصحابہ ہے۔

حضرت عائشہؓ مکثرین صحابہ میں داخل ہیں، ان سے ۲۲۱۰ حدیثیں مروی ہیں، جن میں ۱۷۴ حدیثوں پر شیخین نے اتفاق کیا ہے، امام بخاری نے منفرداً ان سے ۵۴ حدیثیں روایت کی ہیں، ۶۸ حدیثوں میں امام مسلم منفرد ہیں، بعض لوگوں کا قول ہے کہ احکام شرعیہ میں سے ایک چوتھائی ان سے منقول ہے۔

علم کلام کے متعدد مسائل ان کی زبان سے ادا ہوئے ہیں، چنانچہ رویت باری، علم غیب، عصمتِ انبیاء، معراج، ترتیب خلافت اور سماع موتیٰ وغیرہ متعلق انہوں نے جو خیالات ظاہر کئے ہیں، انصاف یہ ہے کہ ان میں ان کی دقت نظر کا پلہ بھاری نظر آتا ہے،

علم اسرار الدین کے متعلق بھی ان سے بہت سے مسائل مروی ہیں، چنانچہ قرآن مجید کی ترتیب نزول، مدینہ میں کامیابی اسلام کے اسباب، غسل جمعہ، نماز قصر کی علت، صوم عاشورہ کا سبب، حج کی حقیقت اور ہجرت کے معنی کی انہوں نے خاص تشریحیں کی ہیں،

طب کے متعلق وہی عام معلومات تھیں، جو گھر کی عورتوں کو عام طور پر ہوتی ہیں۔

البتہ تاریخ عرب میں وہ اپنا جواب نہیں رکھتی تھیں، عرب جاہلیت کے حالات ان کے رسم و رواج، ان کے انساب اور ان کی طرز معاشرت کے متعلق انہوں نے بعض ایسی باتیں بیان کی ہیں، جو دوسری جگہ نہیں مل سکتیں، اسلامی تاریخ کے متعلق بھی بعض اہم واقعات ان سے منقول ہیں، مثلاً آغاز وحی کی کیفیت، ہجرت کے واقعات، واقعہ افک، نزول قرآن اور اس کی ترتیب، نماز کی صورتیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض الموت کے حالات، غزوۂ بدر، احد، خندق، قریظہ کے واقعات، غزوۂ ذات الرقاع میں نماز خوف کی کیفیت، فتح مکہ میں عورتوں کی بیعت، حجۃ الوداع کے ضروری حالات، آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم کے اخلاق و عادات، خلافت صدیقی، حضرت فاطمہؓ اور ازواج مطہراتؓ کا دعویٰ میراث، حضرت علیؓ کا ملالِ خاطر اور پھر بیعت کے تمام مفصل حالات ان ہی کے ذریعہ سے معلوم ہوئے ہیں۔

ادبی حیثیت سے وہ نہایت شیریں کلام اور فصیح اللسان تھیں، ترمذی میں موسیٰ ابن طلحہ کا یہ قول نقل کیا ہے،

مارأیت افصح من عائشۃ[1] — میں نے عائشہؓ سے زیادہ کسی کو فصیح اللسان نہیں دیکھا۔

اگرچہ احادیث میں روایت بالمعنی کا عام طور پر رواج ہے، اور روایت باللفظ کم اور نہایت کم ہوتی ہے تاہم جہاں حضرت عائشہؓ کے اصلی الفاظ محفوظ رہ گئے ہیں، پوری حدیث میں جان پڑ گئی ہے، مثلاً آغاز وحی کے سلسلہ میں فرماتی ہیں،

فمارأی رویا الاجائت مثل فلق الصبح — آپ جو خواب دیکھتے تھے سپیدۂ سحر کی طرح نمودار ہو جاتا تھا،

آپ پر جب وحی کی کیفیت طاری ہوتی، تو جبین مبارک پر عرق آجاتا تھا اِس کو اس طرح ادا کرتی ہیں،

مثل الجمان — پیشانی پر موتی ڈھلکتے تھے،

واقعہ افک میں انہیں راتوں کو نیند نہیں آتی تھی، اس کو اس طرح بیان فرماتی ہیں،

ما اکتحل بنوم — میں نے سرمۂ خواب نہیں لگایا،

صحیح بخاری میں ان کے ذریعہ سے ام زرع کا جو قصہ مذکور ہے، وہ جان ادب ہے اور اہل ادب نے اس کی مفصل شرحیں اور حاشیے لکھے ہیں،

خطابت کے لحاظ سے بھی حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ کے سوا تمام صحابہؓ میں ممتاز تھیں

(۱ مستدرک حاکم ج ۴ ص ۱۱)

جنگ جمل میں انہوں نے جو تقریریں کی ہیں، وہ جوش اور زور کے لحاظ سے اپنا جواب نہیں رکھتیں، ایک تقریر میں فرماتی ہیں

"لوگو! خاموش، خاموش تم پر میرا مادری حق ہے، مجھے نصیحت کی عزت حاصل ہے، سوا اس شخص کے جو خدا کا فرمانبردار نہیں ہے، مجھ کو کوئی الزام نہیں دے سکتا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے سینہ پر سر رکھے ہوئے وفات پائی ہے، میں آپ کی محبوب ترین بیوی ہوں، خدا نے مجھ کو دوسروں سے ہر طرح محفوظ رکھا اور میری ذات سے مومن و منافق میں تمیز ہوئی اور میرے ہی سبب سے تم پر خدا نے تیمم کا حکم نازل فرمایا،

پھر میرا باپ دنیا میں تیسرا مسلمان ہے اور غارِ حرا میں دو کا دوسرا تھا اور پہلا شخص تھا جو صدیق کے لقب سے مخاطب ہوا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے خوش ہو کر اور اس کو طوق خلافت پہنا کر وفات پائی اس کے بعد جب مذہب اسلام کی رسی ہلنی ڈلنے لگی تو میرا ہی باپ تھا جس نے اس کے دونوں سرے تھام لئے، جس نے نفاق کی باگ روک دی، جس نے ارتداد کا سرچشمہ خشک کر دیا، جس نے یہودیوں کی آتش افروزی سرد کی، تم لوگ اس وقت آنکھیں بند کئے غدر و فتنہ کے منتظر تھے اور شور و غوغا پر گوش بر آواز تھے۔ اس نے شگاف کو برابر کیا، بیکار کو درست کیا، گرتوں کو سنبھالا، دلوں کی مدفون بیماریوں کو دور کیا، جو پانی سے سیراب ہو چکے تھے، انکو تھان تک پہنچا دیا، جو پیاسے تھے، ان کو گھاٹ پر لے آیا، اور جو ایک بار پانی پی چکے تھے انہیں دوبارہ پلایا جب وہ نفاق کا سر کچل چکا، اور اہل شرک کے لئے آتشِ جنگ مشتعل کر چکا اور تمہارے سامان کی گٹھڑی کو ڈوری سے باندھ چکا تو خدا نے اسے اٹھا لیا۔ ....

ہاں میں سوال کا نشانہ بن گئی ہوں، کہ کیوں فوج لے کر نکلی؟ میرا مقصد اس سے گناہ کی تلاش اور فتنہ کی جستجو نہیں ہے، جس کو میں پامال کرنا چاہتی ہوں، جو کچھ کہہ رہی ہوں سچائی اور انصاف کے ساتھ تنبیہ اور اتمام حجت کے لئے[1]"

(1) عقد الفرید باب الخطب و ذکر واقعہ جمل ص ۱۷۸)

حضرت عائشہؓ گو شعر نہیں کہتی تھیں، تاہم شاعرانہ مذاق اس قدر عمدہ پایا تھا کہ حضرت حسان ابن ثابتؓ جو عرب کے مسلم الثبوت شاعر تھے، ان کی خدمت میں اشعار سنانے کے لئے حاضر ہوتے تھے، امام بخاری نے ادب المفرد میں لکھا ہے کہ حضرت عائشہؓ کو کعب بن مالک کا پورا قصیدہ یاد تھا، اس قصیدہ میں کم و بیش چالیس شعر تھے، کعب کے علاوہ ان کو دیگر جاہلی اور اسلامی شعراء کے اشعار بھی بکثرت یاد تھے، جن کو وہ مناسب موقعوں پر پڑھا کرتی تھیں، چنانچہ وہ احادیث کی کتابوں میں منقول ہیں،

حضرت عائشہؓ نہ صرف ان علوم کی ماہر تھیں، بلکہ دوسروں کو بھی ماہر بنا دیتی تھیں، چنانچہ ان کے دامنِ تربیت میں جو لوگ پرورش پاکر نکلے، اگرچہ ان کی تعداد دو سو کے قریب ہے لیکن ان میں جن کو زیادہ قرب و اختصاص حاصل تھا، وہ حسب ذیل ہیں،

عروہ بن زبیر، قاسم بن محمد، ابوسلمہ بن عبدالرحمان، مسروق، عمرۃ، صفیہ بنت شیبہ، عائشہ بنت طلحہ، معاذۃ عدویہ،

اخلاق و عادات اخلاقی حیثیت سے بھی حضرت عائشہؓ بلند مرتبہ رکھتی تھیں، وہ نہایت قانع تھیں، غیبت سے احتراز کرتی تھیں، احسان کم قبول کرتیں، اگرچہ خود ستائی ناپسند تھی، تاہم نہایت خود دار تھیں، شجاعت اور دلیری بھی ان کا خاص جوہر تھا،

ان کا سب سے نمایاں وصف جود و سخا تھا، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے ان سے زیادہ سخی کسی کو نہیں دیکھا، ایک مرتبہ امیر معاویہؓ نے ان کی خدمت میں لاکھ درہم بھیجے تو شام ہوتے ہوتے سب خیرات کر دیئے اور اپنے لئے کچھ نہ رکھا، اتفاق سے اس دن روزہ رکھا تھا، لونڈی نے عرض کی کہ افطار کے لئے کچھ نہیں ہے، فرمایا پہلے سے کیوں نہ یاد دلایا [1]

ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ جو ان کے متبنیٰ فرزند تھے ان کی فیاضی دیکھ کر گھبرا گئے اور کہا کہ اب ان کا ہاتھ روکنا چاہیئے، حضرت عائشہؓ کو معلوم ہوا تو سخت برہم ہوئیں اور قسم کھائی

[1] مستدرک حاکم (ج ۴ ص ۱۳)

کہ ان سے بات نہ کریں گی، چنانچہ ابن زبیرؓ مدت تک معتوب رہے اور بڑی دقت سے ان کا غصہ فرو ہوا[1]

نہایت خاشع، متضرع اور عبادت گذار تھیں، چاشت کی نماز برابر پڑھتیں، فرماتی تھیں کہ اگر میرا باپ بھی قبر سے اٹھ آئے، اور مجھ کو منع کرے تب بھی میں باز نہ آؤں گی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ راتوں کو اٹھ تہجد کی نماز ادا کرتی تھیں اور اس کی اس قدر پابند تھیں، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جب کبھی یہ نماز قضا ہو جاتی تو نماز فجر سے پہلے اٹھ کر اسکو پڑھ لیتی تھیں، رمضان میں تراویح کا خاص اہتمام کرتی تھیں، ذکوان ان کا غلام امامت کرتا اور وہ مقتدی ہوتیں۔

اکثر روزے رکھا کرتی تھیں، حج کی بھی شدت سے پابند تھیں اور ہر سال اس فرض کو ادا کرتی تھیں، غلاموں پر شفقت کرتیں، اور ان کو خرید کر آزاد کرتی تھیں، ان کے آزاد کردہ غلاموں کی تعداد ۶۷ ہے[2]

---

[1] صحیح بخاری باب مناقب قریش [2] شرح بلوغ المرام کتاب العتق،

(۴)

حضرت حفصہؓ

نام ونسب حفصہؓ نام، حضرت عمرؓ کی صاحبزادی تھیں، سلسلۂ نسب یہ ہے (حفصہ بنت عمرؓ ابن خطاب بن نفیل بن عبدالعزیٰ بن ریاح بن عبداللہ بن قرط بن رزاح بن عدی بن لوی بن فہر بن مالک) والدہ کا نام زینبؓ بنت مظعون تھا، جو مشہور صحابی حضرت عثمانؓ بن مظعونؓ کی ہمشیر تھیں، اور خود بھی صحابیہ تھیں، حضرت حفصہؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ حقیقی بھائی بہن ہیں، حضرت حفصہؓ بعثت نبوی سے پانچ سال قبل پیدا ہوئیں، اس وقت قریش خانہ کعبہ کی تعمیر میں مصروف تھے۔

نکاح پہلا نکاح خنیس بن حذافہ سے ہوا۔ جو خاندان بنو سہم سے تھے،

اسلام ماں، باپ اور شوہر کے ساتھ مسلمان ہوئیں،

ہجرت اور نکاح ثانی شوہر کے ساتھ مدینہ کو ہجرت کی، غزوہ بدر میں خنیسؓ نے زخم کھائے اور واپس آکر ان ہی زخموں کی وجہ سے شہادت پائی، عدت کے بعد حضرت عمرؓ کو حضرت حفصہؓ کے نکاح کی فکر ہوئی، اسی زمانہ میں حضرت رقیہؓ کا انتقال ہو چکا تھا، اس بنا پر حضرت عمرؓ سب سے پہلے حضرت عثمانؓ سے ملے اور ان سے حضرت حفصہؓ کے نکاح کی خواہش کی، انہوں نے کہا میں اس پر غور کروں گا، چند دنوں کے بعد ملاقات ہوئی، تو صاف انکار کیا، حضرت عمرؓ نے مایوس ہو کر حضرت ابو بکرؓ سے ذکر کیا انہوں نے خاموشی اختیار کی، حضرت عمرؓ کو ان کی بے التفاتی سے رنج ہوا۔ اس کے بعد خود رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حفصہؓ سے نکاح کی خواہش کی، نکاح ہو گیا تو حضرت ابو بکرؓ حضرت عمرؓ سے ملے اور کہا کہ جب

تم نے مجھ سے حفصہؓ کے نکاح کی خواہش کی اور میں خاموش رہا، تو تم کو ناگوار گذرا، لیکن میں نے اسی بنا پر کچھ جواب نہیں دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا ذکر کیا تھا اور میں ان کا راز فاش کرنا نہیں چاہتا تھا۔ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ان سے نکاح کا قصد نہ ہوتا تو میں اس کے لئے آمادہ تھا[1]۔

وفات | حضرت حفصہؓ نے شعبان ۴۵ھ میں مدینہ میں انتقال کیا، یہ امیر معاویہؓ کی خلافت کا زمانہ تھا۔ مروان نے جو اس وقت مدینہ کا گورنر تھا، نماز جنازہ پڑھائی اور کچھ دور تک جنازہ کو کاندھا دیا، اس کے بعد حضرت ابوہریرہؓ جنازہ کو قبر تک لے گئے، ان کے بھائی حضرت عبداللہ بن عمرؓ، اور ان کے لڑکوں عاصم، سالم، عبداللہ، حمزہ نے قبر میں اتارا،

حضرت حفصہؓ کے سنہ وفات میں اختلاف ہے، ایک روایت ہے کہ جمادی الاول ۴۱ھ میں وفات پائی، اس وقت ان کا سن ۵۹ سال کا تھا، لیکن اگر سنہ وفات ۴۵ھ قرار دیا جائے، تو ان کی عمر ۶۳ سال کی ہوگی، ایک روایت ہے کہ انہوں نے حضرت عثمانؓ کی خلافت میں ۲۷ھ میں انتقال کیا، یہ روایت اس بنا پر پیدا ہوگئی کہ وہب نے ابن مالک سے روایت کی ہے کہ جس سال افریقہ فتح ہوا، حضرت حفصہؓ نے اسی سال وفات پائی[2]، افریقہ حضرت عثمانؓ کی خلافت میں ۲۷ھ میں فتح ہوا۔ لیکن یہ سخت غلطی ہے۔ افریقہ دو مرتبہ فتح ہوا۔ اس دوسری فتح کا فخر معاویہؓ بن خدیج کو حاصل ہے، جنہوں نے امیر معاویہؓ کے عہد میں حملہ کیا تھا،

حضرت حفصہؓ نے وفات کے وقت حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو بلا کر وصیت کی اور غابہ میں جو جائداد تھی جسے حضرت عمرؓ انکی نگرانی میں دے گئے تھے، اس کو صدقہ کر کے وقف کر دیا[3]۔

اولاد | کوئی اولاد نہیں چھوڑی،

فضل و کمال | البتہ معنوی یادگاریں بہت سی ہیں، اور وہ یہ ہیں، عبداللہ بن عمرؓ، حمزہؓ (ابن

---

[1] صحیح بخاری ج ۲ ص ۵۷۱ [2] اصابہ ج ۸ ص ۵۱ [3] زرقانی ج ۳ ص ۲۷۱)

عبداللہ) صفیہ بنت ابو عبیدؓ (زوجہ عبداللہ) حارثہ بن وہب، مطلب بن ابی وادعہ، ام مبشر انصاریہ، عبداللہ بن صفوان بن امیہ، عبدالرحمن بن حارث بن ہشام[1]

حضرت حفصہؓ سے ۶۰ حدیثیں منقول ہیں[2]، جو انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عمرؓ سے سنی تھیں۔

تفقہ فی الدین کے لئے واقعہ ذیل کافی ہے، ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا کہ میں امید کرتا ہوں کہ اصحاب بدر و حدیبیہ جہنم میں داخل نہ ہوں گے، حضرت حفصہؓ نے اعتراض کیا کہ خدا تو فرماتا ہے۔ وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا تم میں ہر شخص وارد جہنم ہوگا آپ نے فرمایا ہاں لیکن یہ بھی تو ہے۔ ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّنَذَرُ الظّٰلِمِيْنَ فِيْهَا جِثِيًّا (پھر ہم پرہیزگاروں کو نجات دیں گے اور ظالموں کو اس میں زانوؤں پر گرا ہوا چھوڑ دیں[3] گے)

اسی شوق کا اثر تھا۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی تعلیم کی فکر رہتی تھی، حضرت شفاؓ کو چیونٹی کے کاٹے کا منتر آتا تھا، ایک دن وہ گھر میں آئیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا کہ تم حفصہؓ کو منتر سکھلا دو[4]

اخلاق ابن سعد میں ان کے اخلاق کے متعلق ہے۔

انها صوامة قوامة — وہ (یعنی حفصہؓ) صائم النہار اور قائم اللیل ہیں

دوسری[5] روایت میں ہے،

ماتت حفصةؓ حتى ما تفطر — انتقال کے وقت تک صائم رہیں،

اختلاف سے سخت نفرت کرتی تھیں، جنگ صفین کے بعد جب تحکیم کا واقعہ پیش آیا تو ان کے بھائی عبداللہ بن عمرؓ اس کو فتنہ سمجھ کر خانہ نشین رہنا چاہتے تھے، لیکن حضرت حفصہؓ نے کہا کہ گو اس شرکت میں تمہارا کوئی فائدہ نہیں، تاہم تمہیں شریک رہنا چاہئے، کیونکہ لوگوں

---

[1] ایضاً [2] ایضاً [3] مسند ابن حنبل ج ۶ ص ۲۸۵ [4] ایضاً ص ۲۸۱ [5] اصابہ ج ۸ ص ۵۲

تمہاری رائے کا انتظار ہوگا، اور ممکن ہے کہ تمہاری عزلت گزینی ان میں اختلاف پیدا کردے[۱]

دجال سے بہت ڈرتی تھیں، مدینہ میں ابن صیاد نامی ایک شخص تھا، دجال کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو علامتیں بتائی تھیں، اس میں بہت سی موجود تھیں، اس سے اور عبداللہ بن عمرؓ سے ایک دن راہ میں ملاقات ہوگئی، انہوں نے اس کو بہت سخت سست کہا، اس پر وہ اس قدر پھولا کہ راستہ بند ہوگیا، ابن عمرؓ نے اس کو مارنا شروع کیا حضرت حفصہؓ کو خبر ہوئی تو بولیں، تم کو اس سے کیا غرض، تمہیں معلوم نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دجال کے خروج کا محرک اس کا غصہ ہوگا[۲]

حضرت حفصہؓ کے مزاج میں ذرا تیزی تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کبھی کبھی دو بدو گفتگو کرتیں، اور برابر کا جواب دیتی تھیں، چنانچہ صحیح بخاری میں خود حضرت عمرؓ سے منقول ہے کہ "ہم لوگ جاہلیت میں عورتوں کو ذرہ برابر بھی وقعت نہ دیتے تھے، اسلام نے ان کو درجہ دیا، اور قرآن میں ان کے متعلق آیتیں اتریں، تو ان کی قدر و منزلت معلوم ہوئی، ایک دن میری بیوی نے کسی معاملہ میں مجھ کو رائے دی، میں نے کہا" تم کو رائے و مشورہ سے کیا واسطہ" بولیں" ابن خطاب! تم کو ذرا سی بات کی بھی برداشت نہیں حالانکہ تمہاری بیٹی رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو برابر کا جواب دیتی ہے، یہاں تک کہ آپ دن دن بھر رنجیدہ رہتے ہیں" میں اٹھا اور حفصہؓ کے پاس آیا، میں نے کہا بیٹی میں نے سنا ہے تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو برابر کا جواب دیتی ہو" بولیں" ہاں ہم ایسا کرتے ہیں" میں نے کہا خبردار میں تمہیں عذاب الٰہی سے ڈراتا ہوں، (تم اس عورت (حضرت عائشہؓ) کی ریس نہ کرو جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کی وجہ سے اپنے حسن پر ناز ہے[۳]

ترمذی میں ہے کہ ایک دفعہ حضرت صفیہؓ رو رہی تھیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

---

[۱] صحیح بخاری ج ۲ ص ۵۸۹ [۲] مسند ج ۶ ص ۲۸۳ و مسلم کتاب الفتن ذکر ابن صیاد [۳] بخاری ج ۲ ص .. کتاب التفسیر و فتح الباری ج ۸ ص ۵۰۴

تشریف لائے اور رونے کی وجہ پوچھی، انہوں نے کہا کہ "مجھ کو حفصہؓ نے کہا ہے کہ "تم یہودی کی بیٹی ہو" آپ نے فرمایا حفصہؓ خدا سے ڈرو، پھر حضرت صفیہؓ سے ارشاد ہوا۔ "تم نبی کی بیٹی ہو۔ تمہارا چچا پیغمبر ہے اور پیغمبر کے نکاح میں ہو، حفصہؓ تم پر کس بات میں فخر کرسکتی ہے[1]

ایک بار حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ نے حضرت صفیہؓ سے کہا کہ "ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک تم سے زیادہ معزز ہیں، ہم آپ کی بیوی بھی ہیں اور چچازاد بہن بھی حضرت صفیہؓ کو ناگوار گذرا، انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی شکایت کی، آپ نے فرمایا "تم نے یہ کیوں نہیں کہا، کہ تم مجھ سے زیادہ کیونکر معزز ہو سکتی ہو، میرے شوہر محمد صلی اللہ علیہ وسلم، میرے باپ ہارونؑ اور میرے چچا موسیٰؑ ہیں"۔

حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ کی بیٹی تھیں جو تقریب نبوی میں دوش بدوش تھے، اس بنا پر حضرت حفصہؓ اور حضرت عائشہؓ بھی دیگر ازواج کے مقابلہ میں باہم ایک تھیں چنانچہ واقعۂ تحریم جو ۹ھ میں پیش آیا، اسی قسم کے اتفاق کا نتیجہ تھا، ایک دفعہ کئی دن تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت زینبؓ کے پاس معمول سے زیادہ بیٹھے، جس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت زینبؓ کے پاس کہیں سے شہد آگیا تھا، انہوں نے آپکے سامنے پیش کیا آپ کو شہد بہت مرغوب تھا۔ آپ نے نوش فرمایا، اس میں وقت مقررہ سے دیر ہوگئی، حضرت عائشہؓ کو رشک ہوا حضرت حفصہؓ سے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب ہمارے اور تمہارے گھر میں آئیں تو کہنا چاہیئے کہ آپکے منہ سے مغافیر کی بو آتی ہے[2]، (مغافیر کے پھولوں سے شہد کی مکھیاں رس چوستی ہیں) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قسم کھالی کہ میں شہد نہ کھاؤں گا، اس پر قرآن مجید کی یہ آیت اتری ہے[3]

یاایھا النبی لم تحرم ما احل اللہ لک تبتغی مرضات ازواجک	اے پیغمبر اپنی بیویوں کی خوشی کے لئے تم خدا کی حلال کی ہوئی چیز کو حرام کیوں کرتے ہو؟

[1] ترمذی باب فضل ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم ([2] مغافیر کی بو کا اظہار کرنا کوئی جھوٹ بات نہ تھی مغافیر کے پھولوں میں اگر کسی قسم کی کرختگی ہو تو تعجب کی بات نہیں) [3] صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۲۹

کبھی کبھی (حضرت حفصہؓ اور حضرت عائشہؓ میں) باہم رشک و رقابت کا اظہار بھی ہو جایا کرتا تھا۔" ایک مرتبہ حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ دونوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر میں تھیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم راتوں کو حضرت عائشہ کے اونٹ پر چلتے تھے اور ان سے باتیں کرتے تھے، ایک دن حضرت حفصہؓ نے حضرت عائشہؓ سے کہا کہ آج رات کو تم میرے اونٹ پر اور میں تمہارے اونٹ پر سوار ہوں تاکہ مختلف مناظر دیکھنے میں آئیں، حضرت عائشہؓ راضی ہوگئیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہؓ کے اونٹ کے پاس آئے جس پر حفصہؓ سوار تھیں جب منزل پہ پہنچے اور حضرت عائشہؓ نے آپ کو نہیں پایا تو اپنے پاؤں کو اذخر (ایک گھاس ہے) کے درمیان لٹکا کر کہنے لگیں، "خداوندا! کسی بچھو یا سانپ کو متعین کر جو مجھے ڈس جائے"[1]

[1] صحیح بخاری (و سیرۃ النبی جلد دوم)

(۵)

حضرت زینب ام المساکین رض

زینب نام تھا، سلسلۂ نسب یہ ہے ، زینب بنت خزیمہ بن عبداللہ بن عمر بن عبد مناف بن ہلال بن عامر بن صعصعہ "چونکہ فقراء و مساکین کو نہایت فیاضی کے ساتھ کھانا کھلایا کرتی تھیں، اس لئے ام المساکین کی کنیت کے ساتھ مشہور ہوگئیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے عبداللہ ابن جحش رض کے نکاح میں تھیں، عبداللہ جحش رض نے جنگ احد میں شہادت پائی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی سال ان سے نکاح کر لیا ، نکاح کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس صرف دو تین مہینے رہنے پائی تھیں کہ ان کا انتقال ہوگیا ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں حضرت خدیجہ رض کے بعد صرف یہی ایک بی بی تھیں جنہوں نے وفات پائی ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود نماز جنازہ پڑھائی ، اور جنۃ البقیع میں دفن ہوئیں ، وفات کے وقت ان کی عمر ۳۰ سال کی تھی[1]

---

[1] اصابہ ج ۸ ص ۹۴، ۹۵ (وسیرۃ النبی جلد دوم)

(۶)

حضرت ام سلمہؓ

نام ونسب | ہند نام، ام سلمہ کنیت، قریش کے خاندان مخزوم سے ہیں سلسلہ نسب یہ ہے ہند بنت ابی امیہ سہیل بن المغیرہ بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم، والدہ بنو فراس سے تھیں اوران کا سلسلۂ نسب یہ ہے، عاتکہ بنت عامر بن ربیعہ بن مالک بن جذیمہ بن علقمہ بن جذل الطعان ابن فراس بن غنم بن مالک بن کنانہ،

ابوامیہ (حضرت ام سلمہؓ کے والد) مکہ کے مشہور مخیر اور فیاض تھے، سفر میں جاتے تو تمام قافلہ والوں کی کفالت خود کرتے تھے اسی لئے زاد الراکب کے لقب سے مشہور تھے[1] حضرت ام سلمہؓ نے ان ہی کے آغوش تربیت میں نہایت ناز ونعمت سے پرورش پائی،

نکاح | عبداللہ بن عبدالاسد سے جو زیادہ تر ابوسلمہؓ کے نام سے مشہور ہیں، اور جو ام سلمہؓ کے چچا زاد اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رضاعی بھائی تھے، نکاح ہوا،

اسلام | آغاز نبوت میں اپنے شوہر کے ساتھ ایمان لائیں،

ہجرت حبشہ | اور ان ہی کے ساتھ حبشہ کی طرف ہجرت کی، حبشہ میں کچھ زمانہ تک قیام کر کے مکہ واپس آئیں اور یہاں سے مدینہ ہجرت کی، ہجرت میں ان کو یہ فضیلت حاصل ہے کہ اہل سیر کے نزدیک وہ پہلی عورت ہیں جو ہجرت کرکے مدینہ میں آئیں،

ہجرت مدینہ | ہجرت کا واقعہ نہایت عبرت انگیز ہے، حضرت ام سلمہؓ اپنے شوہر کے ہمراہ ہجرت کرنا چاہتی تھیں (ان کا بچہ سلمہ بھی ساتھ تھا) لیکن (حضرت ام سلمہؓ کے) قبیلہ نے مزاحمت کی

---

[1] اصابہ ج ۸ ص ۲۴۰

تھی، اس لئے حضرت ابو سلمہؓ ان کو چھوڑ کر مدینہ چلے گئے تھے، اور یہ اپنے گھر واپس آگئی تھیں (ادھر سلمہؓ کو ابو سلمہؓ کے خاندان والے حضرت ام سلمہؓ کے پاس سے چھین لے گئے) اس لئے ام سلمہؓ کو اور بھی تکلیف تھی، چنانچہ روزانہ گھبرا کر گھر سے نکل جاتیں اور ابطح میں بیٹھ کر رویا کرتیں تھیں، ۷-۸ دن تک یہ حالت رہی اور خاندان کے لوگوں کو احساس تک نہ ہوا، ایک دن ابطح سے ان کے خاندان کا ایک شخص نکلا اور ام سلمہؓ کو روتے ہوئے دیکھا تو اس کا دل بھر آیا، گھر آکر لوگوں سے کہا کہ "اس غریب پر ظلم کیوں کرتے ہو، اس کو جانے دو اور اس کا بچہ اس کے حوالے کر دو" روانگی کی اجازت ملی تو بچے کو گود میں لے کر اونٹ پر سوار ہوگئیں اور مدینہ کا راستہ لیا، چونکہ وہ بالکل تنہا تھیں، یعنی کوئی مرد ساتھ نہ تھا، تنعیم میں عثمان بن طلحہ (کلید بردار کعبہ) کی نظر پڑی، بولا "کدھر کا قصد ہے"؟ کہا "مدینے کا" پوچھا "کوئی ساتھ بھی ہے" جواب میں بولیں "خدا اور یہ بچہ" عثمان نے کہا "یہ نہیں ہو سکتا تم تنہا کبھی نہیں جا سکتیں" یہ کہہ کر اونٹ کی مہار پکڑی اور مدینہ کی طرف روانہ ہوا، رستہ میں جب کہیں ٹھہرتا تو اونٹ کو بٹھا کر کسی درخت کے نیچے چلا جاتا، اور حضرت ام سلمہؓ اتر پڑتیں، روانگی کا وقت آتا تو اونٹ پر کجاوہ رکھ کر ہٹ جاتا اور ام سلمہؓ سے کہتا کہ "سوار ہو جاؤ" حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے ایسا شریف آدمی کبھی نہیں دیکھا، غرض مختلف منزلوں پر قیام کرتا ہوا۔ مدینہ لایا، قبا کی آبادی نظر پڑی تو بولا "اب تم اپنے شوہر کے پاس چلی جاؤ، وہ یہیں مقیم ہیں" یہ ادھر روانہ ہوئیں، اور عثمان نے مکہ کا راستہ لیا[1]

قبا پہنچیں تو لوگ ان کا حال پوچھتے تھے اور جب یہ اپنے باپ کا نام بتاتیں تو ان کو یقین نہیں آتا تھا (یہ حیرت ان کے تنہا سفر کرنے پر تھی، شرفا کی عورتیں اس طرح باہر نکلنے کی جرأت نہیں کرتی تھیں) اور حضرت ام سلمہؓ مجبوراً خاموش ہو گئی تھیں، لیکن جب کچھ لوگ حج کے ارادہ سے مکہ روانہ ہوئے اور انہوں نے اپنے گھر رقعہ بھجوایا تو اس وقت لوگوں کو یقین ہوا کہ وہ واقعی ابو امیہ

[1] زرقانی ج ۳ ص ۲۷۲، ۲۷۳

کی بیٹی ہیں، ابو امیہ چونکہ قریش کے نہایت مشہور اور معزز شخص تھے، اس لئے حضرت ام سلمہؓ بڑی وقعت کی نگاہ سے دیکھی گئیں [1]

وفات ابو سلمہؓ، نکاح ثانی اور خانگی حالات کچھ زمانہ تک شوہر کا ساتھ رہا، حضرت ابو سلمہؓ بڑے شہ سوار تھے، بدر اور احد میں شریک ہوئے، غزوۂ احد میں چند زخم کھائے، جن کے صدمہ سے جانبر نہ ہو سکے، جمادی الثانی ۴ھ میں ان کا زخم پھٹا اور اسی صدمہ سے وفات پائی [2] حضرت ام سلمہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچیں اور وفات کی خبر سنائی، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود ان کے مکان پر تشریف لائے، گھر میں کہرام مچا تھا، حضرت ام سلمہؓ کہتی تھیں "ہائے غربت میں یہ کیسی موت ہوئی" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "صبر کرو، ان کی مغفرت کی دعا مانگو، اور یہ کہو کہ خداوندا! ان سے بہتر ان کا جانشین عطا کر" اس کے بعد ابو سلمہؓ کی لاش پر تشریف لائے اور جنازہ کی نماز نہایت اہتمام سے پڑھی گئی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ۹ تکبیریں کہیں، لوگوں نے نماز کے بعد پوچھا، یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کو سہو تو نہیں ہوا؟ فرمایا یہ ہزار تکبیروں کے مستحق تھے، وفات کے وقت ابو سلمہؓ کی آنکھیں کھلی رہ گئی تھیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود دستِ مبارک سے آنکھیں بند کیں، اور ان کی مغفرت کی دعا مانگی،

ابو سلمہؓ کی وفات کے وقت ام سلمہؓ حاملہ تھیں، وضع حمل کے بعد عدت گذر گئی تو حضرت ابو بکرؓ نے نکاح کا پیغام دیا، لیکن حضرت ام سلمہؓ نے انکار کیا، ان کے بعد حضرت عمرؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام لے کر پہنچے، حضرت ام سلمہؓ نے کہا مجھے چند عذر ہیں (۱) میں سخت غیور عورت ہوں (۲) صاحب عیال ہوں (۳) میرا سن زیادہ ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سب زحمتوں کو گوارا فرمایا، حضرت ام سلمہؓ کو اب عذر کیا ہو سکتا تھا؟ اپنے لڑکے سے (جن کا نام عمر تھا) کہا اٹھو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میرا نکاح کر دو [3]

---

[1] مسند ابن حنبل ج ۶ ص ۳۰۷ ([2] زرقانی ج ۳ ص ۲۷۳) [3] سنن نسائی ص ۵۱۱

شوال ۴؁ھ کی اخیر تاریخوں میں یہ تقریب انجام پائی، حضرت ام سلمہؓ کو ابو سلمہؓ کی موت سے جو شدید صدمہ ہوا تھا، خداوند تعالیٰ نے اس کو ابدی مسرت سے تبدیل کر دیا، سنن ابن ماجہ میں ہے،

فلما توفی ابو سلمة ذکرت	جب ابو سلمہؓ نے وفات پائی تو میں نے
الذی کان حدثنی فقلت	وہ حدیث یاد کی جس کو وہ مجھ سے بیان
فلما اردت ان اقول اللھم	کیا کرتے تھے اور میں نے دعا شروع کی تو جب
عضنی خیرا منه قلت فی	میں یہ کہنا چاہتی کہ خداوندا! مجھے ابو سلمہؓ
نفسی اعاض خیرا من ابی سلمةؓ	سے بہتر جانشین دے تو دل کہتا کہ ابو سلمہؓ سے
ثم قلتھا فعاضنی الله	بہتر کون مل سکتا ہے؟ لیکن میں نے دعا کو پڑھا
محمد صلی الله علیه	شروع کیا تو ابو سلمہؓ کے جانشین آنحضرت
وسلّم۔	صلی اللہ علیہ وسلم ہوئے،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دو چکیاں، گھڑا، اور چمڑے کا تکیہ جس میں خرمے کی چھال بھری تھی عنایت فرمایا، یہی سامان اور بی بیوں کو بھی عنایت ہوا تھا[1]

بہت حیادار تھیں، ابتداءً جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکان پر تشریف لاتے تو حضرت ام سلمہؓ فرط غیرت سے لڑکی (زینب) کو گود میں بٹھا لیتیں، آپ یہ دیکھ کر واپس جاتے، حضرت عمارؓ بن یاسر کو جو حضرت ام سلمہؓ کے رضاعی بھائی تھے، معلوم ہوا تو بہت ناراض ہوئے اور لڑکی کو چھین لے گئے[2]

لیکن بعد میں یہ بات کم ہوتی گئی، اور جس طرح دوسری بیبیاں رہتی تھیں، وہ بھی رہنے لگیں، نکاح سے قبل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہؓ سے ان کا ذکر کیا تو حضرت عائشہ کو بڑا رشک ہوا، ابن سعد میں ان سے جو روایت منقول ہے اس میں یہ فقرہ بھی ہے

---

[1] مسند ج ۶ ص ۲۹۵ [2] ایضاً

حزنت حزنا شدیدا[۱] یعنی مجھ کو سخت غم ہوا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سے بے حد محبت تھی، یہی وجہ ہے کہ (ایک موقعہ پر جب تمام ازواج مطہراتؓ کو (سوا حضرت عائشہؓ کے) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کچھ عرض کرنا تھا، تو انہوں نے حضرت ام سلمہؓ ہی کو اپنا سفیر بنا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا، صحیح بخاری میں ہے کہ ازواج مطہرات کے دو گروہ تھے، ایک میں حضرت عائشہؓ، حفصہؓ صفیہؓ، سودہ شامل تھیں، دوسرے میں حضرت ام سلمہؓ اور باقی ازواج تھیں، چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہؓ کو زیادہ محبوب رکھتے تھے اس لئے لوگ ان ہی کی باری میں ہدیے بھیجتے تھے، حضرت ام سلمہؓ کی جماعت نے ان سے کہا، حضرت عائشہؓ کی طرح ہم بھی سب کی بھلائی کے خواہاں ہیں، اس بنا پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس کے مکان میں بھی ہوں، لوگوں کو ہدیہ بھیجنا چاہیئے، حضرت ام سلمہؓ نے آپ سے یہ شکایت کی تو آپؐ نے دو مرتبہ اعراض فرمایا، تیسری مرتبہ کہا "ام سلمہؓ! عائشہؓ کے معاملہ میں مجھے اذیت نہ پہنچاؤ، کیونکہ ان کے سوا تم میں کوئی بیوی ایسی نہیں ہے، جس کے لحاف میں میرے پاس وحی آئی ہو[۲]" حضرت ام سلمہؓ نے کہا" اتوب الی اللہ عزوجل من اذاک یا رسول اللہ" میں آپؐ کے اذیت پہنچانے سے پناہ مانگتی ہوں"۔

حضرت ام سلمہؓ کے گھر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شب باش ہوتے تو ان کا بچھونا (حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جانماز کے سامنے بچھتا تھا) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھا کرتے (اور یہ سامنے ہوتی تھیں)[۳]۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آرام کا بہت خیال رکھتی تھیں، حضرت سفینہؓ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مشہور غلام ہیں، دراصل حضرت ام سلمہؓ کے غلام تھے، ان کو آزاد کیا تو یہ شرط کی کہ جب تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زندہ رہیں تم پر ان کی خدمت لازمی ہوگی[۴]۔

---

[۱] (ج ۸ ص ۲۹۱) [۲] صحیح بخاری ج ۱ ص ۵۳۲ [۳] مسند ج ۶ ص ۳۲۲ [۴] ایضاً ص ۳۱۶

عام حالات حضرت ام سلمہؓ کے مشہور واقعاتِ زندگی یہ ہیں، غزوۂ خندق میں اگرچہ وہ شریک نہ تھیں، تاہم اس قدر قریب تھیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی گفتگو اچھی طرح سنتی تھیں فرماتی ہیں کہ مجھے وہ وقت خوب یاد ہے کہ جب سینۂ مبارک غبار سے اٹا ہوا تھا، اور آپ لوگوں کو اینٹیں اٹھا اٹھا کر دیتے اور اشعار پڑھ رہے تھے کہ دفعۃً عمارؓ بن یاسر پر نظر پڑی فرمایا "(افسوس) ابن سمیہ! تجھ کو ایک باغی گروہ قتل کرے گا[1]"

محاصرۂ بنو قریظہ (۵ھ) میں یہود سے گفتگو کرنے کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو لبابہؓ کو بھیجا تھا، اثنائے مشورہ میں ابو لبابہؓ نے ہاتھ کے اشارہ سے بتایا کہ تم لوگ قتل کئے جاؤ گے، لیکن بعد میں اس کو افشائے راز سمجھ کر اس قدر نادم ہوئے کہ مسجد کے ستون سے اپنے آپ کو باندھ لیا، چند دنوں تک یہی حالت رہی پھر توبہ قبول ہوئی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ام سلمہؓ کے مکان میں تشریف فرما تھے کہ صبح کو مسکراتے ہوئے اٹھے تو بولیں "خدا آپ کو ہمیشہ ہنسائے، اس وقت ہنسنے کا کیا سبب ہے"؟ فرمایا "ابو لبابہؓ کی توبہ قبول ہو گئی" عرض کی "تو کیا میں ان کو یہ مژدہ سنا دوں" فرمایا "ہاں اگر چاہو" حضرت ام سلمہؓ اپنے حجرہ کے دروازہ پر کھڑی ہوئیں، اور پکار کر کہا "ابو لبابہ! مبارک ہو، تمہاری توبہ قبول ہو گئی" اس آواز کا کانوں میں پڑنا تھا کہ تمام مدینہ امنڈ آیا[2]

(اسی سنہ میں آیت حجاب نازل ہوئی اس سے بیشتر ازواج مطہرات بعض دور کے اعزہ و اقارب کے سامنے آیا کرتی تھیں، اب خاص خاص اعزہ کے سوا سب سے پردہ کرنے کا حکم ہوا، حضرت ابن ام مکتوم قبیلۂ قریش کے ایک معزز صحابی اور بارگاہِ نبوی کے مؤذن تھے اور چونکہ نابینا تھے، اس لئے ازواج مطہراتؓ کے حجروں میں آیا کرتے تھے، ایک دن آئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام سلمہؓ اور حضرت میمونہؓ سے فرمایا "ان سے پردہ کرو" بولیں "وہ تو نابینا ہیں" فرمایا "تم تو نابینا نہیں ہو، تم تو انہیں دیکھتی ہو"[3]

[1] ایضاً ص ۲۸۹ [2] زرقانی ج ۲ ص ۱۵۳ و ابن سعد ج ۲ ق ا ص ۵۴ [3] مسند ج ۶ ص ۲۹۶

صلح حدیبیہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھیں، صلح کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ لوگ حدیبیہ میں قربانی کریں، لیکن لوگ اس قدر دل شکستہ تھے کہ ایک شخص بھی نہ اٹھا، یہاں تک کہ جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے: تین دفعہ بار بار کہنے پر بھی ایک شخص بھی آمادہ نہ ہوا (چونکہ معاہدہ کی تمام شرطیں بظاہر مسلمانوں کے سخت خلاف تھیں اس لئے تمام لوگ رنجیدہ اور غصہ سے بیتاب تھے) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں تشریف لے گئے اور حضرت ام سلمہؓ سے شکایت کی، انہوں نے کہا "آپ کسی سے کچھ نہ فرمائیں بلکہ باہر نکل کر خود قربانی کریں اور احرام اتارنے کے لئے بال منڈوائیں" آپ نے باہر آکر قربانی کی اور بال منڈوائے، اب جب لوگوں کو یقین ہوگیا کہ اس فیصلہ میں تبدیلی نہیں ہوسکتی تو سب نے قربانیاں کیں اور احرام اتارا، ہجوم کا یہ حال تھا کہ ایک دوسرے پر ٹوٹا پڑتا تھا اور عجلت اس قدر تھی کہ ہر شخص حجامت بنانے کی خدمت انجام دے رہا تھا[1]

حضرت ام سلمہؓ کا یہ خیال علم النفس کے ایک بڑے مسئلہ کو حل کرتا ہے اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جمہور کی فطرت شناسی میں ان کو کس درجہ کمال حاصل تھا، امام الحرمین فرمایا کرتے تھے کہ صنف نازک کی پوری تاریخ اصابت رائے کی ایسی عظیم الشان مثال نہیں پیش کرسکتی[2]

غزوۂ خیبر میں شریک تھیں، مرحب کے دانتوں پر جب تلوار پڑی تو کڑکڑاہٹ کی آواز ان کے کانوں میں آئی تھی[3]

(۹ھ میں ایلاء کا واقعہ پیش آیا، حضرت عمرؓ نے حضرت حفصہؓ کو تنبیہ کی تو حضرت ام سلمہؓ کے پاس بھی آئے وہ ان کی عزیز ہوتی تھیں، ان سے بھی گفتگو کی، حضرت ام سلمہؓ نے جواب دیا[4]

عجبا لک یا ابن الخطاب دخلت	عمرؓ تم ہر معاملہ میں دخل دینے لگے یہاں
فی کل شیٔ حتی تبتغی ان تدخل	تک کہ اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

[1] صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۸۰ [2] زرقانی ج ۳ ص ۲۷۲ [3] استیعاب ج ۲ ص ۸۰۳ [4] صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۳۰

بین رسول اللہ صلی اللہ	اور ان کی ازواج کے معاملات میں
علیہ وسلم وازواجہ	بھی دخل دیتے ہو۔

چونکہ جواب نہایت خشک تھا، اس لئے حضرت عمرؓ چپ ہوگئے اور اٹھ کر چلے آئے، رات کو یہ خبر مشہور ہوئی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواج کو طلاق دے دی صبح کو حضرت عمرؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور تمام واقعہ بیان کیا جب حضرت ام سلمہؓ کا قول نقل کیا تو آپ مسکرائے[1]۔

حجۃ الوداع میں جو سنہ ۱۰ھ میں ہوا۔ اگرچہ ام سلمہؓ علیل تھیں، تاہم ساتھ آئیں، نبہان (غلام) اونٹ کی مہار تھامے تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب غلام مکاتب کے پاس اس قدر مال موجود ہو کہ وہ اس کو ادا کر کے آزاد ہو سکتا ہو تو اس سے پردہ ضروری ہو جاتا ہے[1] طواف کے متعلق فرمایا کہ جب نماز فجر قائم ہو، تم اونٹ پر سوار ہو کر طواف کرنا چنانچہ حضرت ام سلمہؓ نے ایسا ہی کیا[2]۔

سنہ ۱۱ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم علیل ہوئے، مرض نے طول کھینچا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہؓ کے مکان میں منتقل ہوگئے، حضرت ام سلمہؓ اکثر آپ کو دیکھنے کے لئے جایا کرتی تھیں۔ ایک دن طبیعت زیادہ علیل ہوئی تو ام سلمہؓ چیخ اٹھیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منع کیا کہ یہ مسلمانوں کا شیوہ نہیں[3]، ایک دن مرض میں اشتداد ہوا۔ تو ازواج نے دوا پلانی چاہی، چونکہ گوارا نہ تھی، آپ نے انکار فرمایا، لیکن جب غشی طاری ہوگئی تو حضرت ام سلمہؓ اور اسماءؓ بنت عمیس نے دوا پلا دی[4] (بعض روایتوں میں ہے کہ ان دونوں نے اس کا مشورہ دیا تھا) اسی زمانہ میں ایک روز حضرت ام سلمہؓ اور ام حبیبہؓ نے جو حبشہ ہو آئی تھیں، وہاں کے عیسائی معبدوں کا (جو غالباً رومن کیتھولک گرجے ہونگے) اور ان کے مجسموں اور تصویروں کا تذکرہ کیا، آپ نے فرمایا۔

---

[1] مسند ج ۶ ص ۳۰۸ و ص ۲۸۹ [2] صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۱۹ و ۲۲۰ [3] طبقات ج ۲ ق ۲ ص ۱۳ [4] صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۴۱ و طبقات ج ۲ ق ۲ ص ۳۲

ان لوگوں میں جب کوئی نیک آدمی مرتا ہے تو اس کے مقبرہ کو عبادت گاہ بنا لیتے ہیں، اور اس کا بت بنا کر اس میں کھڑا کرتے ہیں، قیامت کے روز خدائے عزوجل کی نگاہ میں یہ لوگ بدترین مخلوق ہونگے[1]

وفات سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہؓ سے کان میں باتیں کی تھیں، حضرت عائشہؓ اسی وقت بے تابانہ پوچھنے لگیں، لیکن حضرت ام سلمہؓ نے توقف کیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد پوچھا[2]

سنہ ۶۱ھ میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے شہادت پائی، حضرت ام سلمہؓ نے خواب میں دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے ہیں، نہایت پریشان ہیں، سر اور ریش مبارک غبار آلود ہے پوچھا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا حال ہے، ارشاد ہوا "حسینؓ کے مقتل سے واپس آرہا ہوں"، حضرت ام سلمہؓ بیدار ہوئیں تو آنکھوں سے آنسو جاری تھے اسی حالت میں زبان سے نکلا اہل عراق نے حسینؓ کو قتل کیا، خدا ان کو قتل کرے اور حسینؓ کو ذلیل کیا خدا ان لوگوں پر لعنت کرے[3]

سنہ ۶۳ھ میں واقعہ حرہ کے بعد شامی لشکر مکہ گیا، جہاں ابن زبیرؓ پناہ گزین تھے چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں ایسے لشکر کا تذکرہ فرمایا تھا بعض کو شبہ ہوا، اور حضرت ام سلمہؓ سے دریافت کیا بولیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہے کہ ایک شخص مکہ میں پناہ لے گا، اس کے مقابلہ میں جو لشکر آئے گا بیابان میں وہیں دھنس جائے گا۔ ام سلمہؓ نے پوچھا جو لوگ جبراً شریک کئے گئے ہوں گے وہ بھی؟ فرمایا ہاں، لیکن قیامت میں اپنی نیتوں کے مطابق اٹھیں گے، حضرت ابو جعفرؒ فرماتے تھے کہ یہ واقعہ مدینہ کے میدان میں پیش آئے گا[5]۔

وفات جس سال حرہ کا واقعہ ہوا (یعنی سنہ ۶۳ھ) اسی سال حضرت ام سلمہؓ نے انتقال فرمایا،

[1] صحیح بخاری و صحیح مسلم [2] طبقات ج ۲ ق ۲ ص ۴۰ [3] صحیح ترمذی ص ۶۲۴ [4] مسند ج ۶ ص ۲۹۸ [5] صحیح مسلم ج ۲ ص ۴۹۳ و ۴۹۴

اس وقت ۸۴ برس کا سن تھا، حضرت ابو ہریرہؓ نے نماز جنازہ پڑھی اور بقیع میں دفن کیا[1]

اس زمانہ میں ولید بن عتبہ (ابو سفیان کا پوتا) مدینہ کا گورنر تھا، چونکہ حضرت ام سلمہؓ نے وصیت کی تھی کہ وہ میرے جنازہ کی نماز نہ پڑھائے، اس لئے وہ جنگل کی طرف نکل گیا اور اپنے بجائے حضرت ابو ہریرہؓ کو بھیج دیا[2]

اولاد حضرت ام سلمہؓ کے پہلے شوہر سے جو اولاد ہو اس کے نام یہ ہیں۔

(۱) سلمہؓ، حبشہ میں پیدا ہوئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نکاح حضرت حمزہؓ کی لڑکی امامہ سے کیا تھا۔

(۲) عمرؓ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت ام سلمہؓ کا نکاح انہی نے کیا تھا، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں فارس اور بحرین کے حاکم تھے،

(۳) دُرّہ، ان کا ذکر صحیح بخاری میں آیا ہے، حضرت ام حبیبہؓ نے جو کہ ازواج مطہراتؓ میں داخل تھیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا، ہم نے سنا ہے کہ آپ دُرّہ سے نکاح کرنا چاہتے ہیں؟ فرمایا یہ کیسے ہو سکتا ہے، اگر میں نے اس کو پرورش نہ بھی کیا ہوتا تو بھی وہ میرے لئے کسی طرح حلال نہ تھی، کیونکہ وہ میرے رضاعی بھائی کی لڑکی ہے[3]

(۴) زینبؓ پہلے برہ نام تھا، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زینب رکھا[4]

حلیہ اصابہ میں ہے۔

كانت ام سلمة موصوفة بالجمال البارع یعنی حضرت ام سلمہؓ نہایت حسین تھیں

ابن سعدؒ نے روایت کی ہے کہ جب حضرت عائشہؓ کو ان کے حسن کا حال معلوم ہوا تو سخت پریشان ہوئیں، مگر یہ واقدی کی روایت ہے جو چنداں قابل اعتبار نہیں،

حضرت ام سلمہؓ کے بال نہایت گھنے تھے[6]

---

[1] زرقانی ج ۳ ص ۲۷۶ [2] طبری کبیر ج ۳ ص ۲۴۴۴ [3] صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۶۴ [4] زرقانی ج ۳ ص ۲۷۲

[5] (ابن سعد ج ۸ ص ۶۶) [6] مسند ج ۶ ص ۲۸۹

فضل وکمال | علمی حیثیت اگرچہ تمام ازواج بلند رتبہ تھیں، تاہم حضرت عائشہؓ اور حضرت ام سلمہؓ کا ان میں کوئی جواب نہ تھا، چنانچہ محمود بن لبید کہتے ہیں[1]،

کان ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم یحفظن من حدیث النبی صلی اللہ علیہ وسلم کثیراً ولا مثلاً لعائشۃؓ وام سلمۃؓ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج احادیث کا مخزن تھیں، تاہم عائشہؓ اور ام سلمہؓ کا ان میں کوئی حریف مقابل نہ تھا۔

مروان بن حکم ان سے مسائل دریافت کرتا اور علانیہ کہتا تھا۔

کیف نسأل احداً وفینا ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم[2]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کے ہوتے ہوئے ہم دوسروں سے کیوں پوچھیں،

حضرت ابوہریرہؓ اور ابن عباسؓ دریائے علم ہونے کے باوجود ان کے دریائے فیض سے مستغنی نہ تھے[3]، تابعین کرام کا ایک بڑا گروہ ان کے آستانۂ فضل پر سر بہ تھا۔

(قرآن اچھا پڑھتیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طرز پر پڑھ سکتی تھیں، ایک مرتبہ کسی نے پوچھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کیونکر قرأت کرتے تھے؟ بولیں ایک ایک آیت الگ الگ کرکے پڑھتے تھے اس کے بعد خود پڑھ کر بتلایا[4]

حدیث میں حضرت عائشہؓ کے سوا ان کا کوئی حریف نہ تھا، ان سے ۳۷۸ روائتیں مروی ہیں اس بناپر وہ محدثین صحابہؓ کے تیسرے طبقہ میں شامل ہیں۔

حدیث سننے کا بڑا شوق تھا۔ ایک دن بال گوندوا رہی تھیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دینے کے لئے کھڑے ہوئے زبان مبارک سے ایہا الناس (لوگو!) کا لفظ نکلا تو فوراً بال باندھ کر اٹھ کھڑی ہوئیں اور کھڑے ہو کر پورا خطبہ سنا[5]

مجتہد تھیں، صاحب اصابہ نے ان کے تذکرہ میں لکھا ہے،

صاحب العقل البالغ والرائے الصائب[6]

یعنی وہ کامل العقل اور صائب الرائے تھیں۔

---

[1] طبقات ابن سعد ج ۲ ق ۲ ص ۱۲۶ [2] مسند ج ۶ ص ۳۱۷ [3] ایضاً ص ۳۱۲ [4] ایضاً ص ۳۰۰ و ۳۰۲ [5] (ایضاً ص ۳۰۱)

[6] (اصابہ ج ۸ ص ۲۴۱)

علامہ ابن قیم نے لکھا ہے کہ ان کے فتاویٰ اگر جمع کئے جائیں تو ایک چھوٹا سا رسالہ تیار ہوسکتا ہے[1]. ان کے فتاویٰ کی ایک خاص خصوصیت یہ ہے کہ وہ عموماً متفق علیہ ہیں اور یہ ان کی دقیقہ رسی اور نکتہ سنجی کا کرشمہ ہے،

ان کی نکتہ سنجی پر ذیل کے واقعات شاہد ہیں۔

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ عصر کے بعد دو رکعت نماز پڑھا کرتے تھے، مروان نے پوچھا آپ یہ نماز کیوں پڑھتے ہیں؟ بولے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی پڑھتے تھے، چونکہ انہوں نے یہ حدیث حضرت عائشہؓ کے سلسلہ سے سنی تھی۔ مروان نے ان کے پاس تصدیق کے لئے آدمی بھیجا، انہوں نے کہا مجھ کو ام سلمہؓ سے یہ حدیث پہنچی ہے۔ حضرت ام سلمہؓ کے پاس آدمی گیا اور یہ قول نقل کیا تو بولیں،

یغفر اللہ لعائشۃ لقد وضعت	یعنی خدا عائشہؓ کی مغفرت کرے
امری علی غیر موضعہ[2]	انہوں نے بات نہیں سمجھی،
اولم اخبرھا ان رسول اللہ	کیا میں نے ان سے یہ نہیں کہا تھا کہ
صلی اللہ علیہ وسلم قد نھی	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان
عنھما[3]	کے پڑھنے کی ممانعت فرمائی ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ کا خیال تھا کہ رمضان میں جنابت کا غسل فوراً صبح اٹھ کر کرنا چاہئے ورنہ روزہ ٹوٹ جاتا ہے، ایک شخص نے جا کر حضرت ام سلمہؓ اور حضرت عائشہؓ سے پوچھا دونوں نے کہا کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جنابت کی حالت میں صائم ہوتے تھے، حضرت ابوہریرہؓ نے سنا تو رنگ فق ہوگیا، اس خیال سے رجوع کیا اور کہا کہ میں کیا کروں فضل بن عباسؓ نے مجھ سے اسی طرح بیان کیا تھا، لیکن ظاہر ہے کہ حضرت ام سلمہؓ اور

---

[1] اعلام الموقعین ج ۱ ص ۱۲ [2] (مسند احمد ج ۶ ص ۲۹۹) یہ واقعہ صحیح بخاری میں بھی ہے ج ۲ ص ۲۲۹

[3] (مسند احمد ج ۶ ص ۳۰۳)

حضرت عائشہؓ کو زیادہ علم ہے[1]۔ (اس کے بعد حضرت ابوہریرہؓ نے اپنا فتویٰ واپس لے لیا[2])

ایک مرتبہ چند صحابہؓ نے دریافت کیا کہ (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اندرونی زندگی) کے متعلق کچھ ارشاد کیجئے، فرمایا "آپؐ کا ظاہر و باطن یکساں تھا" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو آپؐ سے واقعہ بیان کیا، فرمایا، تم نے بہت اچھا کیا ہے[3]

حضرت ام سلمہؓ جواب صاف دیتی تھیں اور کوشش کرتی تھیں کہ سائل کو تشفی ہو جائے، ایک دفعہ کسی شخص کو مسئلہ بتایا، وہ ان کے پاس سے اٹھ کر دوسری ازواج کے پاس گیا، سب نے ایک ہی جواب دیا، واپس آکر حضرت ام سلمہؓ کو یہ خبر سنائی تو بولیں نعم واشفیك! ذرا ٹھہرو! میں تمہاری تشفی کرنا چاہتی ہوں، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق حدیث سنی ہے[4]۔

(حضرت ام سلمہؓ کو حدیث وفقہ کے علاوہ اسرار کا بھی علم تھا) اور یہ وہ فن تھا جس کے حضرت حذیفہؓ عالم خصوصی تھے۔ ایک مرتبہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ ان کے پاس آئے تو بولیں آنحضرت صلی اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ بعض صحابی ایسے ہیں جن کو نہ میں اپنے انتقال کے بعد دیکھوں گا نہ وہ مجھ کو دیکھیں گے، حضرت عبدالرحمٰنؓ گھبرا کر حضرت عمرؓ کے پاس پہنچے اور ان سے یہ حدیث بیان کی، حضرت عمرؓ، حضرت ام سلمہؓ کے پاس تشریف لائے اور کہا، "خدا کی قسم! سچ سچ کہنا کیا میں انہی میں ہوں"؟ حضرت ام سلمہؓ نے کہا نہیں، لیکن تمہارے علاوہ میں کسی کو مستثنیٰ نہیں کروں گی[5]۔

حضرت ام سلمہؓ سے جن لوگوں نے علم حدیث حاصل کیا ان کی ایک بڑی جماعت ہے (ہم صرف چند ناموں پر اکتفا کرتے ہیں۔

عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ، اسامہ بن زیدؓ، ہندؓ بنت الحارث الفراسیہ، صفیہؓ بنت شیبہ، عمرؓ، زینبؓ (اولاد حضرت ام سلمہؓ) مصعبؓ بن عبداللہ (برادرزادہ) نبہان (غلام مکاتب)

---

[1] مسند احمد ج ۶ ص ۳۰۶، ۳۰۷ [2] (ایضاً ص ۳۰۶) [3] ایضاً ص ۳۰۹ [4] ایضاً ص ۲۹۷ [5] مسند احمد ص ۳۰۰ ج ۶

عبد اللہ بن رافع، نافع، شعبہ، پسر شعبہ، ابو بکیر، خیرۃ والدہ حسن بصری، سلیمان بن یسار، ابو عثمان النہدی، حمید، ابو سلمہ، سعید بن مسیب، ابو وائل، صفیہ بنت محصن، شعبی، عبد الرحمان ابن حارث بن ہشام، عکرمہ، ابو بکر بن عبد الرحمان، عثمان بن عبد اللہ ابن موہب، عروہ بن زبیر، کریب مولی ابن عباس، قبیصہ بن ذویب، نافع مولا ابن عمر، یعلی بن مملک

اخلاق وعادات: حضرت ام سلمہؓ نہایت زاہدانہ زندگی بسر کرتی تھیں۔ ایک مرتبہ ایک ہار پہنا جس میں سونے کا کچھ حصہ شامل تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اعراض کیا تو اس کو توڑ ڈالا۔[1] ہر مہینہ میں تین دن (دوشنبہ، جمعرات اور جمعہ) روزہ رکھتی تھیں۔[2] ثواب کی متلاشی رہتیں۔ ان کے پہلے شوہر کی اولاد ان کے ساتھ تھی، اور وہ نہایت عمدگی سے ان کی پرورش کرتی تھیں، اس بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ مجھ کو اس کا کچھ ثواب بھی ملے گا۔ آپؐ نے فرمایا "ہاں"۔[3]

اچھے کاموں میں شریک ہوتی تھیں، آیت تطہیر انہی کے گھر میں نازل ہوئی تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہؓ اور حسنینؓ رضی اللہ عنہا کو بلا کر کمبل اڑھایا اور کہا "خدایا! یہ میرے اہل بیت ہیں، ان سے ناپاکی کو دور کر اور ان کو پاک کر"۔ حضرت ام سلمہؓ نے یہ دعا سنی تو بولیں یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) میں بھی ان کے ساتھ شریک ہوں ارشاد ہوا تم اپنی جگہ پر ہو اور اچھی ہو۔[4]

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی پابند تھیں، نماز کے اوقات میں بعض امراء نے تغیر و تبدل کیا یعنی مستحب اوقات چھوڑ دیئے تو حضرت ام سلمہؓ نے ان کو تنبیہ کی اور فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ظہر جلد پڑھا کرتے تھے اور تم عصر جلد پڑھتے ہو۔[5]

ایک دن ان کے بھتیجے نے دو رکعت نماز پڑھی، چونکہ سجدہ گاہ غبار آلود تھی، وہ سجدہ کرتے وقت مٹی جھاڑتے تھے، حضرت ام سلمہؓ نے روکا کہ یہ فعل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روش کے خلاف ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک غلام نے ایک دفعہ ایسا کیا تھا،

[1] ایضاً ج ۶ ص ۳۱۹: ۳۲۲ [2] ایضاً ص ۲۸۹ [3] صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۱۹ [4] صحیح ترمذی ص ۵۳۰ [5] مسند (ج ۶) ۲۸۹

تو آپؐ نے فرمایا تھا، ترب وجهك الله یعنی تیرا چہرہ خدا کی راہ میں غبار آلود ہو[1]

فیاض تھیں، اور دوسروں کو بھی فیاضی کی طرف مائل کرتی تھیں، ایک دفعہ حضرت عبدالرحمان بن عوف نے آکر کہا اماں! میرے پاس اس قدر مال جمع ہو گیا ہے کہ اب بربادی کا خوف ہے، فرمایا بیٹا! اس کو خرچ کرو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ بہت سے صحابہ ایسے ہیں، جو مجھ کو میرے موت کے بعد پھر کبھی نہ دیکھیں گے![2]

ایک مرتبہ چند فقرا جن میں عورتیں بھی تھیں، ان کے گھر آئے اور نہایت الحاح سے سوال کیا، ام الحسن بیٹھی تھیں، انہوں نے ڈانٹا[3] لیکن حضرت ام سلمہؓ نے کہا ہم کو اس کا حکم نہیں ہے۔ اس کے بعد لونڈی سے کہا کہ ان کو کچھ دے کر رخصت کرو۔ کچھ نہ ہو تو ایک ایک چھوہارا ان کے ہاتھ پر رکھ دو۔[4]

(آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کو جو محبت تھی اس کا یہ اثر تھا کہ آپ کے موئے مبارک تبرکاً رکھ چھوڑے تھے۔ جن کی وہ لوگوں کو زیارت کراتی تھیں۔[5] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سے اس قدر محبت تھی کہ ایک مرتبہ انہوں نے کہا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کا کیا سبب ہے کہ ہمارا قرآن میں ذکر نہیں، تو آپ منبر پر تشریف لے گئے اور یہ آیت پڑھی

اِنَّ الْمُسْلِمِیْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ وَالْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ[6]

مناقب | ایک مرتبہ حضرت ام سلمہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھی تھیں حضرت جبرئیل آئے اور باتیں کرتے رہے، ان کے جانے کے بعد آپ نے پوچھا "ان کو جانتی ہو"؟ بولیں دحیہ تھے، لیکن جب آپ نے اس واقعہ کو اور لوگوں سے بیان کیا تو اس وقت معلوم ہوا کہ وہ جبرئیل تھے[7] (غالباً یہ نزول حجاب سے قبل کا واقعہ ہے)

---

[1] ایضاً ج ۶ ص ۳۰۱ [2] ایضاً ص ۲۹۰ [3] استیعاب ج ۲ ص ۸۰۳ [4] مسند احمد (ج ۶ ص ۲۹۶)

[5] ایضاً ص ۳۰۱ [6] (صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۴۱ مطبوعہ مصر)

(۷)

حضرت زینب رض بنت جحش

نام ونسب زینب نام، ام الحکیم کنیت، قبیلۂ قریش کے خاندان اسد بن خزیمہ سے ہیں سلسلہ نسب یہ ہے، زینب بنت جحش بن رباب بن یعمر بن صبرۃ بن مرۃ بن کبیر بن غنم بن دودان بن سعد بن خزیمہ، والدہ کا نام امیمہ تھا جو عبدالمطلب جد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دختر تھیں، اس بنا پر حضرت زینب رض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقی پھوپھی زاد بہن تھیں۔

اسلام نبوت کے ابتدائی دور میں اسلام لائیں، اسد الغابہ میں ہے

کانت قدیمۃ الاسلام[1] قدیم اسلام تھیں،

نکاح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زید رض بن حارثہ کے ساتھ جو آپ کے آزاد کردہ غلام اور متبنیٰ تھے ان کا نکاح کر دیا، اسلام نے دنیا میں مساوات کی جو تعلیم رائج کی ہے اور پست وبلند کو جس طرح ایک جگہ پر لا کر کھڑا کر دیا ہے، اگرچہ تاریخ میں اس کی ہزاروں مثالیں موجود ہیں، لیکن یہ واقعہ اپنی نوعیت کے لحاظ سے ان سب پر فوقیت رکھتا ہے کیونکہ اسی سے عملی تعلیم کی بنیاد قائم ہوتی ہے، قریش اور خصوصاً خاندان ہاشم کو تولیت کعبہ کی وجہ سے عرب میں جو درجہ حاصل تھا، اس کے لحاظ سے شاہان یمن بھی ان کی ہمسری کا دعویٰ نہیں کر سکتے تھے لیکن اسلام نے محض "تقویٰ" کو بزرگی کا معیار قرار دیا اور فخر وادعا کو جاہلیت کا شعار ٹھہرایا ہے، اس بنا پر اگرچہ حضرت زید رض بظاہر غلام تھے تاہم چونکہ (وہ مسلمان اور مرد صالح تھے اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے ساتھ حضرت زینب رض کا عقد کر دینے میں کوئی تکلف نہیں ہوا،

---

[1] اسد الغابہ ج ۵ ص ۴۶۳

تعلیم مساوات کے علاوہ اس نکاح کا ایک مقصد اور بھی تھا جو اسد الغابہ میں مذکور ہے اور وہ یہ ہے

تزوجها ليعلمها كتاب الله و سنة رسوله[1]	یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انکا نکاح زیدؓ سے اس لئے کیا تھا کہ ان کو قرآن و حدیث کی تعلیم دیں

تقریباً ایک سال تک دونوں کا ساتھ رہا لیکن پھر تعلقات قائم نہ رہ سکے اور شکر رنجی بڑھتی گئی حضرت زیدؓ نے بارگاہ نبوت میں شکایت کی[2] اور طلاق دے دینا چاہا۔

جاء زيد بن حارثة فقال يا رسول الله (صلى الله عليه وسلم) ان زينب اشتد على لسانها وانا اريد ان اطلقها[3]	زید آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور عرض کی کہ زینب مجھ سے زبان درازی کرتی ہیں اور میں ان کو طلاق دینا چاہتا ہوں

لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بار بار ان کو سمجھاتے تھے کہ طلاق نہ دیں، قرآن مجید میں ہے۔

واذ تقول للذى انعم الله عليه وانعمت عليه امسك عليك زوجك واتق الله (احزاب-۵)	اور جب تم اس شخص سے جس پر خدا نے اور تم نے احسان کیا تھا، یہ کہتے تھے کہ اپنی بیوی کو نکاح میں لئے رہو اور خدا سے خوف کرو۔

(لیکن یہ کسی طرح صحبت برآ نہ ہو سکے، اور آخر حضرت زیدؓ نے ان کو طلاق دیدی حضرت زینبؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بہن تھیں۔ اور آپ ہی کی تربیت میں پلی تھیں، آپ کے فرمانے سے انہوں نے یہ رشتہ منظور کر لیا تھا۔ جو ان کے نزدیک ان کے خلاف شان تھا (چونکہ زیدؓ غلام رہ چکے تھے، اس لئے حضرت زینبؓ کو یہ نسبت گوارا نہ تھی)، بہر حال وہ مطلقہ ہو گئیں تو آپ نے ان کی دلجوئی کے لئے خود ان سے نکاح کر لینا چاہا، لیکن عرب میں اس وقت تک متبنیٰ اصلی بیٹے کے برابر سمجھا جاتا تھا، اس لئے عام لوگوں کے خیال سے آپ تامل فرماتے تھے، لیکن چونکہ یہ محض جاہلیت کی رسم تھی اور اس کا مٹانا مقصود تھا، اس لئے یہ آیت نازل ہوئی۔

---

[1] اسد الغابہ ج ۵ ص ۴۶۳ [2] صحیح ترمذی ص ۵۲۱ [3] فتح الباری (ج ۸ ص ۴۰۳) تفسیر سورۂ احزاب

وتخفی فی نفسک ما اللہ مبدیہ	اور تم اپنے دل میں وہ بات چھپاتے ہو جکو
وتخشی الناس واللہ احق ان	خدا ظاہر کردینے والا ہے، اور تم لوگوں سے
تخشاہ۔ (احزاب-۵)	ڈرتے ہو حالانکہ ڈرنا خدا سے چاہیئے،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زیدؓ سے فرمایا کہ تم زینبؓ کے پاس میرا پیغام لے کر جاؤ، زیدؓ ان کے گھر آئے تو وہ آٹا گوندھنے میں مصروف تھیں، چاہا کہ ان کی طرف دیکھیں لیکن پھر کچھ سوچ کر منہ پھیر لیا۔ اور کہا "زینبؓ! رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام لایا ہوں" جواب ملا "میں بغیر استخارہ کیے کوئی رائے قائم نہیں کرتی" یہ کہا اور مصلی پر کھڑی ہوگئیں، ادھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی آئی۔ فلما قضی زید منھا وطرا زوجناکھا۔ اور نکاح ہوگیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت زینبؓ کے مکان پر تشریف لائے اور بلا استیذان اندر چلے گئے دن چڑھے دعوت ولیمہ ہوئی جو اسلام کی سادگی کی اصلی تصویر تھی اس میں روٹی اور سالن کا انتظام تھا! انصار میں حضرت ام سلیمؓ نے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خالہ اور حضرت انسؓ کی والدہ تھیں، مالیدہ بھیجا تھا۔ غرض سب چیزیں جمع ہوگئیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت انسؓ کو لوگوں کے بلانے کے لئے بھیجا۔ ۳۰۰ آدمی شریک دعوت ہوئے۔ کھانے کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دس دس آدمیوں کی ٹولیاں کردی تھیں، باری باری آتے اور کھانا کھا کر واپس جاتے تھے۔

اسی دعوت میں آیت حجاب اتری، جس کی وجہ یہ تھی کہ چند آدمی مدعو تھے، کھا کر باتیں کرنے لگے اور اس قدر دیر لگائی کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف ہوئی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرط مروت سے خاموش تھے، بار بار اندر جاتے اور باہر آتے تھے، اسی مکان میں حضرت زینبؓ بھی بیٹھی ہوئی تھیں، اور ان کا منہ دیوار کی طرف تھا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد و رفت کو دیکھ کر بعضوں کو خیال ہوا اور اٹھ کر چلے گئے حضرت انسؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جو دوسری ازواج کے مکان میں تھے اطلاع دی آپ

باہر تشریف لائے تو وحی کی زبان اس طرح گویا ہوئی۔

یاایھا الذین اٰمنوا لا تدخلوا	اے ایمان والو نبی کے گھروں پر مت جایا
بیوت النبی الّا ان یؤذن لکم الیٰ	کرو، مگر جس وقت تم کو کھانے کے لیے اجازت
طعام غیر نٰظرین انٰہ ولٰکن اذا	دی جائے، ایسے طور پر کہ تم اس کی تیاری کے
دعیتم فادخلوا فاِذا طعمتم	منتظر نہ رہو لیکن جب تم کو بلایا جائے تب
فانتشروا ولا مستانسین	جایا کرو، پھر جب کھانا کھا چکو تو اٹھ کر
لحدیث ط ان ذالکم کان	چلے جایا کرو، اور باتوں میں جی لگا کر مت
یؤذی النبی فیستحیی منکم	بیٹھے رہا کرو، اس بات سے نبی کو ناگواری
واللہ لا یستحیی من الحق	پیدا ہوتی ہے، سو وہ تمہارا لحاظ کرتے
واذا سألتموھن متاعا فسئلو	ہیں اور اللہ تعالےٰ صاف بات کہنے
ھن من وراء حجاب۔	سے لحاظ نہیں کرتا ہے اور جب تم ان سے
(احزاب -۷)	کوئی چیز مانگو تو پردہ کے باہر مانگو۔

آپ نے دروازہ پر پردہ لٹکا دیا، اور لوگوں کو گھر کے اندر جانے کی ممانعت ہوگئی

یہ ذوالعقدہ ۵ھ کا واقعہ ہے۔

حضرت زینبؓ کے نکاح کی چند خصوصیتیں ہیں جو کہیں اور نہیں پائی جاتیں، ان کے نکاح سے جاہلیت کی ایک رسم کہ متبنیٰ اصلی بیٹے کا حکم رکھتا ہے مٹ گئی، مساوات اسلامی کا وہ عظیم الشان منظر نظر آیا کہ آزاد و غلام کی تمیز اٹھ گئی، پردہ کا حکم ہوا، نکاح کے لیے وحی الٰہی آئی ولیمہ میں تکلف ہوا، اسی بنا پر حضرت زینب اور ازواج کے مقابلہ میں فخر کیا کرتی تھیں[1]۔

ازواج مطہراتؓ میں جو بیبیاں حضرت عائشہؓ کی ہمسری کا دعوےٰ رکھتی تھیں، ان میں حضرت زینبؓ خصوصیت کے ساتھ ممتاز تھیں، خود حضرت عائشہ کہتی ہیں۔

---

[1] ترمذی ص ۵۳۱ (اسد الغابہ ج ۵ ص ۴۶۳)

ھی التی کانت تسامینی منھن	ازواج میں سے وہی رسول اللہ صلی اللہ
فی المنزلۃ عند رسول اللہ صلی	علیہ وسلم کی نگاہ میں عزت و مرتبہ میں
اللہ علیہ وسلم	میرا مقابلہ کرتی تھیں،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ان کی خاطرداری منظور رہتی تھی ایسی وجہ تھی کہ جب چند ازواج نے حضرت فاطمہؓ زہرا کو سفیر بنا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا، اور وہ ناکام واپس آئیں، تو سب نے اس خدمت (سفارت) کے لئے حضرت زینبؓ کا انتخاب کیا کیونکہ وہ اس خدمت کے لئے زیادہ موزوں تھیں، انہوں نے بڑی دلیری سے پیغام ادا کیا، اور بڑے زور کے ساتھ یہ ثابت کرنا چاہا کہ حضرت عائشہؓ اس رتبہ کی مستحق نہیں ہیں، حضرت عائشہؓ چپ سن رہی تھیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ کی طرف دیکھتی جاتی تھیں، حضرت زینبؓ جب تقریر کر چکیں تو مرضی پاکر کھڑی ہوئیں اور اس زور شور کے ساتھ تقریر کی کہ حضرت زینبؓ لاجواب ہو کر رہ گئیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "کیوں نہ ہو ابوبکرؓ کی بیٹی ہے"[2]

وفات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواج مطہراتؓ سے فرمایا تھا۔

اسرعکن لحاقاً بی اطولکن یداً۔	تم میں مجھ سے جلد وہ ملیگی جس کا ہاتھ لمبا ہوگا۔

یہ استعارۃً فیاضی کی طرف اشارہ تھا، لیکن ازواج مطہرات اس کو حقیقت سمجھیں چنانچہ باہم اپنے ہاتھوں کو ناپا کرتی تھیں، حضرت زینبؓ اپنی فیاضی کی بنا پر اس پیشین گوئی کا مصداق ثابت ہوئیں، ازواج مطہراتؓ میں سب سے پہلے انتقال کیا، کفن کا خود سامان کرلیا تھا اور وصیت کی تھی کہ حضرت عمرؓ بھی کفن دیں تو ان میں سے ایک کو صدقہ کر دینا، چنانچہ یہ وصیت پوری کی گئی حضرت عمرؓ نے نماز جنازہ پڑھائی، اس کے بعد ازواج مطہراتؓ سے دریافت کیا کہ کون قبر میں داخل ہوگا، انہوں نے کہا وہ شخص جوان کے گھر میں داخل ہوا کرتا تھا چنانچہ اسامہ بن زیدؓ، محمدؓ بن عبداللہ بن جحش، عبداللہؓ بن ابی احمد بن جحش نے ان کو قبر میں اتارا

[1] صحیح مسلم باب فضل عائشہؓ [2] صحیح مسلم فضل عائشہؓ

اور بقیع میں سپرد خاک کیا۔[1]

حضرت زینبؓ نے سنہ ۲۰ھ میں انتقال کیا اور ۵۳ برس کی عمر پائی[2] واقدی نے لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جس وقت نکاح ہوا اس وقت ۳۵ سال کی تھیں لیکن یہ عام روایت کے خلاف ہے، عام روایت کے مطابق ان کا سن ۳۸ سال کا تھا۔

حضرت زینبؓ نے مال متروکہ میں صرف ایک مکان یادگار چھوڑا تھا جس کو ولید بن عبد الملک نے اپنے زمانہ حکومت میں پچاس ہزار درہم پر خرید کیا اور وہ مسجد نبویؐ میں شامل کر دیا گیا۔[3]

حلیہ حضرت زینبؓ کوتاہ قامت لیکن خوبصورت اور موزوں اندام تھیں۔[4]

فضل و کمال روایتیں کم کرتی تھیں، کتب حدیث میں ان سے صرف گیارہ روایتیں، منقول ہیں، راویوں میں حضرت ام حبیبہؓ، زینب بنتؓ ابی سلمہؓ، محمد بن عبداللہ بن جحش (برادرزادہ) کلثوم بنت طلق اور مذکور (غلام) داخل ہیں۔

اخلاق حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں،

كانت زينبؓ صالحة صوامة قوامة[5] (یعنی حضرت زینبؓ نیک خو، روزہ دار ونماز گزار تھیں۔)

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں۔

لم ار امرءة قط خيرا في الدين من زينبؓ واتقى لله واصدق حديثا واوصل للرحم واعظم صدقة واشد ابتذالا لنفسها في العمل الذي تصدق به وتقرب

میں نے کوئی عورت زینبؓ سے زیادہ دیندار، زیادہ پرہیزگار، زیادہ راست گفتار، زیادہ فیاض، مخیر اور خدا کی رضا جوئی میں زیادہ سرگرم نہیں دیکھی فقط مزاج میں ذرا تیزی تھی جس

---

[1] صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۹۱ مسلم ص ۳۴۱ ج ۲، [2] اسد الغابہ ص ۴۶۵ ج ۵ [3] طبری ص ۲۴۴۹ ج ۱۳ [4] زرقانی ج ۳ ص ۲۸۳ [5] زرقانی بحوالہ ابن سعد

به الی الله ما عدا سورة من حدة / پر ان کو بہت جلد ندامت بھی ہوتی
کانت فیہا تسرع منہا الفیئة[1] / تھی،

حضرت زینبؓ کا زہد و تورع میں یہ حال تھا۔ کہ جب حضرت عائشہؓ پر اتہام لگایا گیا اور اس اتہام میں خود حضرت زینبؓ کی بہن حمنہ شریک تھیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے حضرت عائشہؓ کی اخلاقی حالت دریافت کی تو انہوں نے صاف لفظوں میں کہدیا۔

ما علمت الا خیراً / مجھ کو حضرت عائشہؓ کی بھلائی کے سوا کسی چیز کا علم نہیں۔

حضرت عائشہؓ کو ان کے اس صدق و قرار حق کا اعتراف کرنا پڑا۔

(عبادت میں نہایت خشوع و خضوع کے ساتھ مصروف رہتی تھیں ایک مرتبہ آپ مہاجرین پر کچھ مال تقسیم کر رہے تھے، حضرت زینبؓ اس معاملہ میں کچھ بول اٹھیں، حضرت عمرؓ نے ڈانٹا آپ نے فرمایا ان سے درگذر کرو یہ اَوَّاہ ہیں[2] (یعنی خاشع و متضرع ہیں)

(نہایت قانع اور فیاض طبع تھیں خود اپنے دست و بازو سے معاش پیدا کرتی تھیں اور اس کو خدا کی راہ میں لٹا دیتی تھیں، حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ جب حضرت زینبؓ کا انتقال ہوا تو مدینہ کے فقراء اور مساکین میں سخت کھلبلی پیدا ہو گئی اور وہ گھبرا گئے[3] ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے ان کا سالانہ نفقہ بھیجا، انہوں نے اس پر ایک کپڑا ڈال دیا اور برزہ بنت رافع کو حکم دیا کہ میرے خاندانی رشتہ داروں اور یتیموں کو تقسیم کردو۔ برزہ نے کہا آخر ہمارا بھی کچھ حق ہے؟ انہوں نے کہا کپڑے کے نیچے جو کچھ ہو وہ تمہارا ہے، دیکھا تو پچاسی درہم نکلے جب تمام مال تقسیم ہو چکا تو دعا کی کہ خدایا اس سال کے بعد میں عمرؓ کے عطیہ سے فائدہ نہ اٹھاؤں، دعا قبول ہوئی اور اسی سال انتقال ہو گیا[4]

[1] مسلم ج ۲ ص ۳۲۵ (فضل عائشہؓ) [2] اصابہ ج ۸ ص ۹۳ [3] اصابہ ۱۱۲ ج ۸ بحوالہ ابن سعد [4] (ابن سعد ج ۸ ص ۷۸)

(۸)

حضرت جویریہؓ

نام ونسب جویریہ نام، قبیلہ خزاعہ کے خاندان مصطلق سے ہیں، سلسلہ نسب یہ ہے، جویریہؓ بنت حارث بن ابی ضرار بن حبیب بن عائذ بن مالک بن جذیمہ (مصطلق) بن سعد بن عمرو بن ربیعہ بن حارثہ بن عمرو مزیقیا۔

حارث بن ابی ضرار حضرت جویریہؓ کے والد خاندان بنو مصطلق کے سردار تھے[۱]

نکاح حضرت جویریہؓ کا پہلا نکاح اپنے ہی قبیلہ میں مسافع بن صفوان (ذی شفر) سے ہوا تھا

غزوۂ مریسیع اور نکاح ثانی حضرت جویریہؓ کا باپ اور شوہر مسافع دونوں دشمن اسلام تھے چنانچہ حارث نے قریش کے اشارہ سے یا خود مدینہ پر حملہ کی تیاریاں شروع کی تھیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ملی تو مزید تحقیقات کے لئے بریدہؓ بن حصیب اسلمی کو روانہ کیا، انہوں نے واپس آکر خبر کی تصدیق کی آپ نے صحابہؓ کو تیاری کا حکم دیا، ۲ شعبان ۵ھ کو فوجیں مدینہ سے روانہ ہوئیں اور مریسیع میں جو مدینہ منورہ سے ۹ منزل ہے پہنچکر قیام کیا، لیکن حارث کو یہ خبریں پہلے سے پہنچ چکی تھیں، اس لئے اس کی جمعیت منتشر ہوگئی اور وہ خود بھی کسی طرف نکل گیا، لیکن مریسیع میں جو لوگ آباد تھے، انہوں نے صف آرائی کی اور دیر تک جم کر تیر برساتے رہے مسلمانوں نے دفعۃً ایک ساتھ حملہ کیا تو ان کے پاؤں اکھڑ گئے، ۱۱ آدمی مارے گئے اور باقی گرفتار ہوگئے، جن کی تعداد تقریباً ۶۰۰ سو تھی، غنیمت میں دو ہزار اونٹ اور پانچ ہزار بکریاں ہاتھ آئیں۔

---

[۱] طبقات ج ۲ ق ۱ ص ۴۵

لڑائی میں جو لوگ گرفتار ہوئے۔ ان میں حضرت جویریہؓ بھی تھیں، ابن اسحاق کی روایت ہے جو بعض حدیث کی کتابوں میں بھی ہے کہ تمام اسیرانِ جنگ لونڈی غلام بنا کر تقسیم کر دیئے گئے حضرت جویریہؓ ثابت بن قیس کے حصہ میں آئیں، انہوں نے ثابت سے درخواست کی کہ مکاتبت کر لو یعنی مجھ سے کچھ روپیہ لے کر چھوڑ دو، ثابت نے ۹ اوقیہ سونے پر منظور کیا حضرت جویریہؓ کے پاس روپیہ نہ تھا، چاہا کہ لوگوں سے روپیہ مانگ کر یہ رقم ادا کریں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھی آئیں حضرت عائشہؓ بھی وہاں موجود تھیں۔

ابن اسحٰق نے حضرت عائشہؓ کی زبانی روایت کی ہے جو یقیناً ان کی ذاتی رائے کہ چونکہ جویریہؓ نہایت شیریں ادا تھیں، میں نے ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاتے دیکھا تو سمجھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی ان کے حسن و جمال کا وہی اثر ہوگا جو مجھ پر ہوا۔ غرض وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئیں، آپؐ نے فرمایا کیا تم کو اس سے بہتر چیز کی خواہش نہیں؟ انہوں نے کہا وہ کیا چیز ہے؟ آپؐ نے فرمایا کہ "تمہاری طرف سے میں روپیہ ادا کر دیتا ہوں اور تم سے نکاح کر لیتا ہوں"۔ حضرت جویریہؓ راضی ہو گئیں، آپ نے تنہا وہ رقم ادا کر دی، اور ان سے شادی کر لی۔

لیکن دوسری روایت میں اس سے زیادہ واضح بیان مذکور ہے۔

اصل واقعہ یہ ہے کہ حضرت جویریہؓ کا باپ (حارث) رئیسِ عرب تھا۔ حضرت جویریہؓ جب گرفتار ہوئیں۔ تو حارث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور کہا کہ "میری بیٹی کنیز نہیں بن سکتی، میری شان اس سے بالاتر ہے میں اپنے قبیلہ کا سردار اور رئیس عرب ہوں آپ اس کو آزاد کر دیں، آپؐ نے فرمایا کہ کیا یہ بہتر نہ ہوگا کہ خود جویریہؓ کی مرضی پر چھوڑ دیا جائے، حارث نے جا کر جویریہؓ سے کہا کہ محمدؐ نے تیری مرضی پر رکھا ہے دیکھنا مجھ کو رسوا نہ کرنا، انہوں نے کہا "میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہنا پسند کرتی ہوں"۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے شادی کر لی۔

ابن سعد نے طبقات میں یہ روایت کی ہے کہ حضرت جویریہؓ کے والد نے ان کا زر فدیہ ادا کیا اور جب وہ آزاد ہو گئیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نکاح کیا۔[1]

حضرت جویریہؓ سے جب آپ نے نکاح کیا تو تمام اسیران جنگ جو اہل فوج کے حصہ میں آئے تھے، دفعتہً رہا کر دیئے گئے، فوج نے کہا کہ جس خاندان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شادی کر لی وہ غلام نہیں ہو سکتا۔[2]

حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ میں نے کسی عورت کو جویریہؓ سے بڑھ کر اپنی قوم کے حق میں مبارک نہیں دیکھا، ان کے سبب سے بنو مصطلق کے سیکڑوں گھرانے آزاد کر دیے گئے۔[3]

حضرت جویریہؓ کا نام برہ تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بدل کر جویریہ رکھا کیونکہ اس میں بدفالی تھی۔[4]

وفات حضرت جویریہؓ نے ربیع الاول ۵۰ھ میں وفات پائی، اس وقت ان کا سن ۶۵ برس کا تھا، مروان نے نماز جنازہ پڑھی اور جنت البقیع میں دفن ہوئیں۔

حلیہ حضرت جویریہؓ خوبصورت اور موزوں اندام تھیں، حضرت عائشہؓ کہتی ہیں۔

كانت امرءة حلوة ملاحة لا يراها احد الا اخذت بنفسه[5]

فضل وکمال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے چند حدیثیں روایت کیں، ان سے حسب ذیل بزرگوں نے حدیث سنی ہے، ابن عباسؓ، جابرؓ، ابن عمرؓ، عبید بن السباق طفیل، ابو ایوب مراغی، کلثوم، ابن مصطلق، عبداللہ بن شداد بن الہاد، کریب۔

اخلاق حضرت جویریہؓ زاہدانہ زندگی بسر کرتی تھیں، ایک دن صبح کو مسجد میں دعا کر رہی تھیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم گذرے اور دیکھتے ہوئے چلے گئے، دوپہر کے قریب آئے تب بھی اسی حالت میں پایا۔[6]

---

[1] ابن سعد ج ۸ ص ۸۳ [2] ابوداؤد کتاب العتاق ج ۲ ص ۱۰۵ طبقات ج ۲ ق ۱ ص ۴۶ صحیح مسلم ص ۶۱ [3] اسد الغابہ ج ۵ ص ۴۲۰ [4] صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۳۱ [5] اسد الغابہ ج ۵ ص ۴۲۰ [6] صحیح ترمذی ص ۵۹۰

جمعہ کے دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے گھر تشریف لائے تو روزہ سے تھیں حضرت جویریہؓ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) سے دریافت کیا کہ کل روزہ سے تھیں؟ بولیں "نہیں" فرمایا "تو کل رکھو گی"؟ جواب ملا "نہیں" ارشاد ہوا "تو پھر تم کو افطار کر لینا چاہیئے"۔[1]

(دوسری روایتوں میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر مہینہ میں تین دن روزہ رکھتے تھے ان تین دنوں میں ایک دن جمعہ کا ضرور ہوتا تھا! اس لئے تنہا جمعہ کے دن ایک روزہ رکھنے میں علماء کا اختلاف ہے، ائمہ حنفیہ کے نزدیک جائز ہے، امام مالکؒ سے بھی جواز کی روایت ہے بعض شافعیہ نے اس سے روکا ہے تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو فتح الباری جلد ۴ صفحہ ۲۰۴، امام یوسف کے نزدیک احتیاط اس میں ہے کہ جمعہ کے روزہ کے ساتھ ایک روزہ اور ملا لیا جایا کرے (بذل المجہود جلد ۳ صفحہ ۱۶۹) یہ بحث صرف جمعہ کے دن روزہ رکھنے کے متعلق ہے اور دنوں سے اس کا تعلق نہیں ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سے محبت تھی۔ اور ان کے گھر آتے جاتے تھے ایک مرتبہ آکر پوچھا کہ "کچھ کھانے کو ہے"؟ جواب ملا "میری کنیز نے صدقہ کا گوشت دیا تھا، وہی رکھا ہے اس کے سوا اور کچھ نہیں" فرمایا "اسے اٹھا لاؤ کیونکہ صدقہ جس کو دیا گیا تھا اس کو پہنچ چکا"۔[2]

---

[1] صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۶۷ [2] صحیح مسلم ج ۱ ص ۴۰۰

(۹)

حضرت ام حبیبہؓ

نام ونسب رملہ نام، ام حبیبہؓ کنیت، سلسلہ نسب یہ ہے، رملہ بنت ابی سفیان صخر بن حرب بن امیہ بن عبد شمس، والدہ کا نام صفیہ بنت ابوالعاص تھا، جو حضرت عثمانؓ کی حقیقی پھوپھی تھیں،

حضرت ام حبیبہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے ۱۷ سال پہلے پیدا ہوئیں[1]

نکاح عبیداللہ بن جحش سے کہ حرب بن امیہ کے حلیف تھے، نکاح ہوا[2]

اسلام اور ان ہی کے ساتھ مسلمان ہوئیں، اور حبش کو ہجرت کی، حبش میں جاکر عبیداللہ نے عیسائی مذہب اختیار کیا، ام حبیبہؓ سے بھی کہا، لیکن وہ اسلام پر قائم رہیں، اب وہ وقت آ گیا کہ ان کو اسلام اور ہجرت کی فضیلت کے ساتھ ام المومنین بننے کا شرف بھی حاصل ہو، عبیداللہ نے عیسائی ہوکر بالکل آزادانہ زندگی بسر کرنا شروع کی، مے نوشی کی عادت ہو گئی، آخر ان کا انتقال ہو گیا ہے[3]

نکاح ثانی عدت کے دن ختم ہوئے، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرو بن امیہ ضمری کو نجاشی کی خدمت میں بغرض نکاح بھیجا، جب وہ نجاشی کے پاس پہنچے تو اس نے ام حبیبہؓ کو اپنی لونڈی ابرہہ کے ذریعہ سے پیغام دیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو تمہارے نکاح کے لئے لکھا ہے، انہوں نے خالد بن سعید اموی کو وکیل مقرر کیا اور اس مژدہ کے صلہ میں ابرہہ کو چاندی کے دو کنگن اور انگوٹھیاں دیں، جب شام ہوئی تو نجاشی نے جعفرؓ ابن ابی طالب اور وہاں کے مسلمانوں کو جمع کرکے خود نکاح پڑھایا اور آنحضرت صلی اللہ

---

[1] اصابہ ج ۸ ص ۸۴ [2] (ایضاً) [3] زرقانی ج ۳ ص ۲۷۶ بحوالہ ابن سعد

علیہ وسلم کی طرف سے چار سو دینار مہر ادا کیا، نکاح کے بعد حضرت ام حبیبہؓ جہاز میں بیٹھ کر روانہ ہوئیں اور مدینہ کے بندرگاہ میں اتریں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت خیبر میں تشریف رکھتے تھے۔ یہ ۶ھ یا ۷ھ کا واقعہ ہے[1]۔ اس وقت ام حبیبہؓ کی عمر ۳۶، ۳۷ سال کی تھی۔

حضرت ام حبیبہؓ کے نکاح کے متعلق روایتیں ہیں، ہم نے جو روایت لی ہے، وہ مسند کی ہے اور مشہور روایتوں کے مطابق ہے، البتہ مہر کی تعداد میں کچھ غلطی معلوم ہوتی ہے، عام روایت یہ ہے اور مسند میں بھی ہے کہ ازواج مطہرات اور صاحبزادیوں کا مہر چار چار سو درہم تھا، اس بنا پر چار سو دینار راوی کا سہو ہے۔ اس موقع پر ہم کو صحیح مسلم کی ایک روایت کی تنقید کرنا ہے،

صحیح مسلم میں ہے کہ لوگ ابوسفیان کو نظر اٹھا کے دیکھنا اور ان کے پاس بیٹھنا ناپسند کرتے تھے۔ اس بنا پر انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ۳ چیزوں کی درخواست کی جن میں ایک یہ بھی تھی۔ کہ ام حبیبہؓ سے شادی کر لیجئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انکی درخواست منظور فرمائی[2]۔ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ابوسفیان کے مسلمان ہونے کے وقت حضرت ام حبیبہؓ ازواج مطہرات میں داخل نہیں ہوئی تھیں، لیکن یہ راوی کا وہم ہے چنانچہ ابن سعد، ابن حزم، ابن جوزی، ابن اثیر، بیہقی اور عبد العظیم منذری نے اس کے خلاف روائتیں کی ہیں، اور ابن سعد کے سوا سب نے اس روایت کی تردید کی ہے

وفات حضرت ام حبیبہؓ نے اپنے بھائی امیر معاویہؓ کے زمانہ خلافت میں ۴۴ھ میں انتقال کیا اور مدینہ میں دفن ہوئیں، اس وقت ۷۳ برس کا سن تھا۔ قبر کے متعلق اس قدر معلوم ہے کہ امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مکان میں تھی (حضرت علیؓ بن حسین) سے منقول ہے کہ ایک مرتبہ میں نے مکان کا ایک گوشہ کھدوایا تو ایک کتبہ برآمد

[1] مسند ج ۶ ص ۴۲۷ (و تاریخ طبری واقعات ۶ھ) [2] صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۶۱

ہوا کہ "یہ رملہ بنت صخر کی قبر ہے" چنانچہ اس کو میں نے اسی جگہ رکھ دیا[1]،

وفات کے قریب حضرت ام حبیبہؓ نے حضرت عائشہؓ اور حضرت ام سلمہؓ کو اپنے پاس بلایا اور کہا (کہ سوکنوں میں باہم جو کچھ ہوتا ہے وہ ہم لوگوں میں بھی کبھی ہو جایا کرتا تھا، اس لئے مجھ کو معاف کردو، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے معاف کر دیا اور ان کے لئے دعائے مغفرت کی) تو بولیں، تم نے مجھ کو خوش کیا خدا تم کو خوش کرے[2]۔

اولاد | پہلے شوہر سے دو لڑکے پیدا ہوئے، عبداللہ اور حبیبہ، حبیبہؓ نے آغوشِ نبوت میں تربیت پائی، اور داؤد بن عروہ بن مسعود کو منسوب ہوئیں، جو قبیلہ ثقیف کے رئیس اعظم تھے۔

حلیہ | خوبصورت تھیں، صحیح مسلم میں خود ابو سفیان کی زبانی منقول ہے[3]

عندی احسن العرب واجملہ ام حبیبۃ — میرے ہاں عرب کی حسین تر اور جمیل تر عورت موجود ہے۔

فضل و کمال | حضرت ام حبیبہؓ سے حدیث کی کتابوں میں (۶۵) روائتیں منقول ہیں، راویوں کی تعداد بھی کم نہیں ہے، بعض کے نام یہ ہیں، حبیبہؓ (دختر) معاویہؓ اور عتبہؓ پسران ابو سفیانؓ، عبداللہ بن عتبہ، ابو سفیان بن سعید ثقفی (خواہر زادہ) سالم بن سوار (مولیٰ) ابو الجراح، صفیہ بنت شیبہ، زینب بنت ابو سلمہؓ، عروہ بن زبیرؓ، ابو صالح السمان، شہر ابن حوشب

اخلاق | حضرت ام حبیبہؓ کے جوش ایمان کا یہ منظر قابل دید ہے کہ فتح مکہ سے قبل جب ان کے باپ (ابو سفیان) کفر کی حالت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مدینہ آئے اور ان کے گھر گئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بچھونے پر بیٹھنا چاہتے تھے، حضرت ام حبیبہؓ نے یہ دیکھ کر بچھونا الٹ دیا، ابو سفیان سخت برہم ہوئے کہ بچھونا اس قدر عزیز ہے۔

---

[1] استیعاب جلد ۲ ص ۷۵۰ [2] اصابہ جلد ۸ ص ۸۵ بحوالہ ابن سعد (ابن سعد جزو نساء ص ۷۱) [3] صحیح مسلم جلد ۲ ص ۳۶۱

بولیں یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرش ہے۔ اور آپ مشرک ہیں اور اس بناپر ناپاک ہیں، ابوسفیان نے کہا کہ تو میرے پیچھے بہت بگڑ گئی ہے[1]

حدیث پر بہت شدت سے عمل کرتی تھیں۔ اور دوسروں کو بھی تاکید کرتی تھیں۔ ان کے بھانجے ابوسفیان بن سعید بن المغیرہ آئے اور انہوں نے ستو کھا کر کلی کی تو بولیں تم کو وضو کرنا چاہیئے، کیونکہ جس چیز کو آگ پکائے اس کے استعمال سے وضو لازم آتا ہے[2] یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے۔

(یہ حکم منسوخ ہے یعنی پہلے تھا، پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو باقی نہیں رکھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام آگ پر پکی ہوئی چیزیں کھاتے تھے (اور اگر پہلے سے وضو ہوتا) تو دوبارہ وضو نہیں کرتے تھے۔ بلکہ پہلے ہی وضو سے نماز پڑھ لیا کرتے تھے اس قسم کی ایک حدیث حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے حالات میں آئندہ ملے گی)

ابوسفیان رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا، تو خوشبو لگا کر رخساروں پر ملی اور کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے۔ کہ کسی پر تین دن سے زیادہ غم نہ کیا جائے، البتہ شوہر کے لئے ۴ مہینہ ۱۰ دن سوگ کرنا چاہیئے[3]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک مرتبہ سنا تھا کہ جو شخص بارہ رکعت روزانہ نفل پڑھے گا، اس کے لئے جنت میں گھر بنایا جائے گا، فرماتی ہیں فما برحت اصلیھن بعد! میں ان کو ہمیشہ پڑھتی ہوں، اس کا یہ اثر ہوا کہ ان کے شاگرد اور بھائی عتبہ اور عتبہ کے شاگرد عمرو ابن اوس اور عمر کے شاگرد نعمان بن سالم سب اپنے اپنے زمانہ میں برابر یہ نمازیں پڑھتے تھے[4]

فطرۃً نیک مزاج تھیں، ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا میری بہن سے آپ نکاح کر لیجئے فرمایا "کیا تمہیں پسند ہے" بولیں "ہاں میں ہی آپ کی تنہا بیوی نہیں

---

[1] اصابہ ج ۸ ص ۸۵ بحوالہ ابن سعد [2] مسند ج ۲ ص ۳۲۶ [3] صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۰۳ [4] (مسند ج ۶ ص ۳۲۷)

ہوں، اس لئے میں یہ پسند کرتی ہوں، کہ آپ کے نکاح کی سعادت میں میرے ساتھ میری بہن بھی شریک ہو"۔[1]

[1] صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۶۴ (باب وامهاتکم اللاتی ارضعنکم ویحرم من الرضاعة ما یحرم من النسب)

(۱۰)

حضرت میمونہؓ

نام ونسب میمونہ نام، قبیلہ قریش سے ہیں، سلسلہ نسب یہ ہے، میمونہ بنت حارث بن حزن ابن بحیر بن ہزم بن رویبۃ بن عبداللہ بن ہلال بن عامر بن صعصعہ بن معاویہ بن بکر بن ہوازن بن منصور بن عکرمۃ بن خصیفۃ بن قیس بن عیلان بن مضر، والدہ قبیلۂ حمیر سے تھیں ان کا نام ونسب حسب ذیل ہے،

ہند بنت عوف بن زہیر بن حارث بن حماطۃ بن جرش

نکاح پہلے مسعود بن عمرو بن عمیر ثقفی سے نکاح ہوا[1] لیکن کسی وجہ سے علیحدگی اختیار کرنی پڑی، پھر ابورہم بن عبدالعزیٰ کے نکاح میں آئیں، ابورہم نے ۷ھ میں وفات پائی تو لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے انتساب کی کوشش کی،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ذوالقعدہ ۷ھ میں عمرہ کی نیت سے مکہ روانہ ہوئے تھے اسی احرام کی حالت میں حضرت میمونہؓ سے نکاح ہوا[2]، حضرت عباسؓ نکاح کے متولی ہوئے تھے[3]، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عمرہ سے فارغ ہوکر جب مدینہ واپس ہوئے تو سرف میں جو مدینہ کے راستہ پر مکہ سے ۱۰ میل ہے[4]، قیام فرمایا، ابورافع (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام) حضرت میمونہؓ کو لے کر سرف پہنچے اور یہیں رسم عروسی ادا ہوئی[5]، یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری نکاح تھا[6] اور حضرت میمونہؓ سب سے آخری بیوی تھیں۔

---

[1] زرقانی ص ۲۸۸ ج ۳ [2] بخاری ص ۶۱۱ ج ۲ [3] نسائی ص ۵۱۳ [4] تہذیب ۴۵۳ ج ۱۲ [5] ابن سعد ص ۸۹ ج ۲ ق ۱ [6] ذیل المذیل طبری ج ۱۳ ص ۲۴۵۳

وفات یہ عجیب اتفاق ہے کہ مقام سرف میں ان کا نکاح ہوا تھا اور سرف ہی میں انہوں نے انتقال بھی کیا[1] حضرت ابن عباسؓ نے جنازہ کی نماز پڑھائی اور قبر میں اتارا صحاح میں ہے کہ جب ان کا جنازہ اٹھایا گیا تو حضرت ابن عباسؓ نے کہا "یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی ہیں جنازہ کو زیادہ حرکت نہ دو، با ادب آہستہ لے چلو"[2] سال وفات کے متعلق اگرچہ اختلاف ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ انہوں نے ۵۱ھ میں وفات پائی۔

فضل وکمال حضرت میمونہؓ سے (۴۶) حدیثیں مروی ہیں، جن میں بعض سے ان کی فقہ دانی کا پتہ چلتا ہے۔

ایک مرتبہ حضرت ابن عباسؓ پراگندہ مو آئے، تو کہا بیٹا! اس کا کیا سبب ہے؟ جواب دیا ام عمار میرے کنگھا کرتی تھیں (اور آج کل ان کے ایام کا زمانہ ہے) بولیں کیا خوب! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہماری گود میں سر رکھ کر لیٹتے تھے اور قرآن پڑھتے تھے، اور ہم اسی حالت میں ہوتے تھے، اسی طرح ہم چٹائی اٹھا کر مسجد میں رکھ آتے تھے، بیٹا! کہیں یہ ہاتھ میں بھی ہوتا ہے[3]

حضرت میمونہؓ سے جن بزرگوں نے روایت کی ہے ان کے نام یہ ہیں۔

حضرت ابن عباسؓ، عبداللہؓ بن شداد بن الہاد، عبدالرحمن بن السائب، یزید بن اصم (یہ سب ان کے بھانجے تھے) عبیداللہ الخولانی (ربیب تھے) ندبہ (کنیز تھیں) عطاء بن یسار، سلیمان بن یسار (غلام تھے) ابراہیم بن عبداللہ بن معبد بن عباس، کریب (ابن عباسؓ کے غلام) عبیدہ بن سباق، عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ، عالیہ بنت سبیع،

اخلاق حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں[4]

انها کانت اتقانا للّٰه و اوصلنا للرحم	میمونہؓ خدا سے بہت ڈرتی اور صلہ رحمی کرتی تھیں

---

[1] صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۱۱ و مسند ابن حنبل ج ۶ ص ۳۳۳ [2] صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۵۸، [3] مسند ج ۶ ص ۳۳۱ [4] اصابہ ج ۸ ص ۱۹۲ بحوالہ ابن سعد

احکام نبوی کی تعمیل ہر وقت پیش نظر رہتی تھی، ایک دفعہ ان کی کنیز بدیہ ابن عباسؓ کے گھر گئی تو دیکھا کہ میاں بیوی کے بچھونے دور دور بچھے ہیں، خیال ہوا۔ کہ شائد کچھ رنجش ہو گئی ہے لیکن دریافت سے معلوم ہوا کہ ابن عباسؓ (بیوی کے ایام کے زمانہ میں) اپنا بستر ان سے الگ کر لیتے ہیں آکر حضرت میمونہؓ سے بیان کیا تو بولیں، ان سے جا کر کہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے سے اس قدر کیوں اعراض ہے؟ آپ برابر ہم لوگوں کے بچھونوں پر آرام فرماتے تھے[1]

ایک عورت بیمار پڑی تو اس نے منت مانی تھی کہ شفا ہونے پر بیت المقدس جا کر نماز پڑھے گی، خدا کی شان وہ اچھی ہو گئی اور سفر کی تیاریاں شروع کیں، جب رخصت ہونے کے لئے حضرت میمونہؓ کے پاس آئی، تو بولیں تم یہیں رہو، اور مسجد نبوی میں نماز پڑھ لو کیونکہ یہاں نماز پڑھنے کا ثواب دوسری مسجدوں کے ثواب سے ہزار گنا زیادہ ہے[2]

حضرت میمونہؓ کو غلام آزاد کرنے کا شوق تھا، ایک لونڈی کو آزاد کیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (اللہ تم کو اس کا اجر دے)[3]

حضرت میمونہؓ کبھی کبھی قرض لیتی تھیں، ایک بار زیادہ رقم قرض لی تو کسی نے کہا کہ آپ اس کو کس طرح ادا کریں گی؟ فرمایا "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص ادا کرنے کی نیت رکھتا ہے۔ خدا خود اس کا قرض ادا کر دیتا ہے[4]"

---

[1] مسند ج ۶ ص ۳۳۲ [2] ایضاً ص ۳۳۳ [3] ایضاً ۳۳۲ [4] ایضاً

(۱۱)

حضرت صفیہؓ

نام ونسب اصلی نام زینب تھا، لیکن چونکہ وہ جنگ خیبر میں خاص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حصہ میں آئی تھیں، اور عرب میں غنیمت کے ایسے حصہ کو جو امام یا بادشاہ کے لئے مخصوص ہوتا تھا صفیہ کہتے تھے اس لئے وہ بھی صفیہ کے نام سے مشہور ہوگئیں، یہ زرقانی کی روایت ہے۔

حضرت صفیہؓ کو باپ اور ماں دونوں کی طرف سے سیادت حاصل ہے۔ باپ کا نام حیی بن اخطب تھا جو قبیلہ بنو نضیر کا سردار تھا۔ اور حضرت ہارون علیہ السلام کی نسل میں شمار ہوتا تھا۔ ماں جس کا نام ضرد تھا، سموال رئیس قریظہ کی بیٹی تھی۔ اور یہ دونوں خاندان (قریظہ اور نضیر) بنو اسرائیل کے ان تمام قبائل سے ممتاز سمجھے جاتے تھے، جنہوں نے زمانۂ دراز سے عرب کے شمالی حصوں میں سکونت اختیار کرلی تھی۔

نکاح حضرت صفیہؓ کی شادی پہلے سلام بن مشکم القرظی سے ہوئی تھی۔ سلام نے طلاق دی تو کنانہ بن ابی الحقیق کے نکاح میں آئیں۔ جو ابو رافع تاجر حجاز اور رئیس خیبر کا بھتیجا تھا۔ کنانہ جنگ خیبر میں مقتول ہوا حضرت صفیہؓ کے باپ اور بھائی بھی کام آئے اور خود بھی گرفتار ہوئیں، جب خیبر کے تمام قیدی جمع کئے گئے تو دحیہ کلبیؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک لونڈی کی درخواست کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انتخاب کرنے کی اجازت دی، انہوں نے حضرت صفیہؓ کو منتخب کیا، لیکن ایک صحابی نے آپ کی خدمت میں آکر عرض کی کہ آپ نے رئیسۂ بنو نضیر و قریظہ کو دحیہ کو دیدیا، وہ تو صرف آپ کے لئے سزاوار ہے، مقصود یہ تھا کہ رئیسۂ عرب کے ساتھ عام عورتوں کا سا برتاؤ مناسب

نہیں، چنانچہ حضرت وحیہؓ کو آپ نے دوسری لونڈی عنایت فرمائی اور صفیہؓ کو آزاد کر کے نکاح کر لیا[1] خیبر سے روانہ ہوئے تو مقام صہبا میں رسم عروسی ادا کی[2] اور جو کچھ سامان لوگوں کے پاس تھا۔ اس کو جمع کر کے دعوت ولیمہ فرمائی، وہاں سے روانہ ہوئے تو آپ نے ان کو خود اپنے اونٹ پر سوار کر لیا اور اپنی عبا سے ان پر پردہ کیا، یہ گویا اس بات کا اعلان تھا کہ وہ ازواج مطہرات میں داخل ہو گئیں[3]

عام حالات حضرت صفیہؓ کے مشہور واقعات میں حج کا سفر ہے، جو انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیا تھا۔

حضرت عثمانؓ کے ایام محاصرہ میں جو ۳۵ھ میں ہوا تھا حضرت صفیہؓ نے ان کی بے حد مدد کی تھی جب حضرت عثمانؓ پر ضروریات زندگی مسدود کر دی گئیں، اور ان کے مکان پر پہرہ بٹھا دیا گیا۔ تو وہ خود خچر پر سوار ہو کر ان کے مکان کی طرف چلیں، غلام ساتھ تھا، اشتر کی نظر پڑی تو انہوں نے آکر خچر کو مارنا شروع کیا، حضرت صفیہؓ نے کہا، مجھ کو ذلیل ہونے کی ضرورت نہیں، میں واپس جاتی ہوں، تم خچر کو چھوڑ دو۔ گھر واپس آئیں، تو حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو اس خدمت پر مامور کیا، وہ ان کے مکان سے حضرت عثمانؓ کے پاس کھانا اور پانی لے جاتے تھے[4]

وفات حضرت صفیہؓ نے رمضان ۵۰ھ میں وفات پائی اور جنت البقیع میں دفن ہوئیں، اس وقت ان کی عمر ۶۰ سال کی تھی۔ ایک لاکھ ترکہ چھوڑا اور ایک ثلث کے لئے اپنے یہودی بھانجے کے لئے وصیت کر گئیں[5]

حلیہ کوتاہ قامت اور حسین تھیں[6]

فضل و کمال حضرت صفیہؓ سے چند حدیثیں مروی ہیں، جن کو حضرت زین العابدینؓ

---

[1] صحیح بخاری کتاب الصلوٰۃ باب ما یذکر فی الفخذ، صحیح مسلم ج ۱ ص ۵۴۶ [2] (اصابہ ج ۸ ص ۱۲۶) [3] (طبقات ج ۸ جز ثانی ص ۸۶) [4] اصابہ ج ۱ ص ۱۲۷ بحوالہ ابن سعد [5] زرقانی جلد ۳ ص ۲۹۶ [6] صحیح مسلم جلد ۱ ص ۵۴۸

اسحاق بن عبداللہ بن حارث، مسلم بن صفوان، کنانہ اور یزید بن معتب وغیرہ نے روایت کیا ہے۔

دیگر ازواج کی طرح حضرت صفیہؓ بھی اپنے زمانہ میں علم کا مرکز تھیں چنانچہ حضرت صہیرہؓ بنت جیفر حج کر کے حضرت صفیہؓ کے پاس مدینہ آئیں تو کوفہ کی بہت سی عورتیں مسائل دریافت کرنے کی غرض سے بیٹھی ہوئی تھیں، صہیرہؓ کا بھی یہی مقصد تھا۔ اس لئے انہوں نے کوفہ کی عورتوں سے سوال کرائے، ایک فتوی نبیذ کے متعلق تھا۔ حضرت صفیہؓ نے سنا تو بولیں اہل عراق اس مسئلہ کو اکثر پوچھتے ہیں[1]

اخلاق حضرت صفیہؓ میں بہت سے محاسن اخلاق جمع تھے، اسد الغابہ میں ہے[2]:

کانت عاقلۃ من عقلاء النساء — وہ نہایت عاقلہ تھیں،

زرقانی میں ہے،[3]

کانت صفیۃ عاقلۃ حلیمۃ فاضلۃ — یعنی صفیہؓ عاقل، فاضل اور حلیم تھیں،

حلم و تحمل ان کے باب فضائل کا نہایت جلی عنوان ہے۔ غزوۂ خیبر میں جب وہ اپنی بہن کے ساتھ گرفتار ہو کر آ رہی تھیں تو ان کی بہن یہودیوں کی لاشوں کو دیکھ دیکھ کر چیخ اٹھتی تھیں، حضرت صفیہؓ اپنے محبوب شوہر کی لاش سے قریب ہو کر گذریں، لیکن اب بھی اسی طرح پیکر متانت تھیں اور ان کی جبین تحمل پر کسی قسم کی شکن نہیں آئی،

ایک مرتبہ حضرت حفصہؓ نے ان کو یہودیہ کہا، ان کو معلوم ہوا۔ تو رونے لگیں حضرت صفیہؓ کے پاس ایک کنیز تھی، جو حضرت عمرؓ سے جا کر ان کی شکایت کیا کرتی تھی، چنانچہ ایک دن کہا کہ ان میں یہودیت کا اثر آج تک باقی ہے۔ وہ یوم السبت کو اچھا سمجھتی ہیں۔ اور یہودیوں کے ساتھ صلہ رحمی کرتی ہیں، حضرت عمرؓ نے

---

[1] مسند جلد ۶ ص ۳۷۷ [2] اسد الغابہ جلد ۵ ص ۴۹۰ [3] زرقانی جلد ۳ ص ۲۹۶

تصدیق کے لئے ایک شخص کو بھیجا، حضرت صفیہؓ نے جواب دیا، کہ یوم السبت کو اچھا سمجھنے کی کوئی ضرورت نہیں، اس کے بدلے خدا نے ہم کو جمعہ کا دن عنایت فرمایا ہے۔ البتہ میں یہود کے ساتھ صلہ رحمی کرتی ہوں، وہ میرے خویش و اقارب ہیں اس کے بعد لونڈی کو بلا کر پوچھا کہ تو نے میری شکایت کی تھی؟ بولی "ہاں مجھے شیطان نے بہکایا تھا"، حضرت صفیہؓ خاموش ہوگئیں اور اس لونڈی کو آزاد کر دیا[1]

حضرت صفیہؓ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نہایت محبت تھی، چنانچہ جب آپ علیل ہوئے تو نہایت حسرت سے بولیں "کاش! آپ کی بیماری مجھ کو ہو جاتی"، ازواج نے ان کی طرف دیکھنا شروع کیا، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ سچ کہہ رہی ہیں[2] (یعنی اس میں تصنع کا شائبہ نہیں ہے۔)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ان کے ساتھ نہایت محبت تھی۔ اور ہر موقع پر ان کی دلجوئی فرماتے تھے۔ ایک بار آپ سفر میں تھے۔ ازواج مطہرات بھی تھیں، حضرت صفیہؓ کا اونٹ سوء اتفاق سے بیمار ہو گیا۔ حضرت زینبؓ کے پاس ضرورت سے زیادہ تھے آپؐ نے ان سے فرمایا کہ ایک اونٹ صفیہؓ کو دیدو۔ انہوں نے کہا، کیا میں اس یہودیہ کو اپنا اونٹ دے دوں؟ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان سے اس قدر ناراض ہوئے کہ دو مہینے تک ان کے پاس نہ گئے[3] ایک مرتبہ حضرت عائشہؓ نے ان کے قد و قامت کی نسبت چند جملے کہے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم نے یہ ایسی بات کہی ہے کہ اگر سمندر میں چھوڑ دی جائے تو اس میں مل جائے[4] (یعنی سمندر کو بھی گدلا کر سکتی ہے)

ایک بار آپؐ حضرت صفیہؓ کے پاس تشریف لے گئے، دیکھا کہ رو رہی ہیں آپ نے رونے کی وجہ پوچھی، انہوں نے کہا کہ "عائشہؓ اور حفصہؓ کہتی ہیں کہ ہم تمام ازواج میں

---

[1] اصابہ ج ۸ ص ۱۲۷ (و زرقانی ج ۳ ص ۲۹۶) [2] زرقانی ج ۳ ص ۲۹۶ بحوالہ ابن سعد [3] اصابہ ج ۸ ص ۱۲۶ بحوالہ ابن سعد و (زرقانی ج ۳ ص ۲۹۶) [4] ابوداؤد ج ۲ ص ۱۹۳

افضل ہیں، ہم آپؐ کی زوجہ ہونے کے ساتھ آپ کی چچازاد بہن بھی ہیں"! آپ نے فرمایا کہ تم نے یہ کیوں نہ کہہ دیا کہ "ہارونؑ میرے باپ، موسیٰؑ میرے چچا اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میرے شوہر ہیں اس لئے تم لوگ کیونکر مجھ سے افضل ہو سکتی ہو"[1]

سفر حج میں حضرت صفیہؓ کا اونٹ بیٹھ گیا تھا۔ اور وہ سب سے پیچھے رہ گئی تھیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ادھر سے گذرے تو دیکھا کہ زار و قطار رو رہی ہیں، آپ نے رداء اور دست مبارک سے ان کے آنسو پونچھے، آپ آنسو پونچھتے جاتے تھے، اور وہ بے اختیار روتی جاتی تھیں[2]

حضرت صفیہؓ سیر چشم اور فیاض واقع ہوئی تھیں، چنانچہ جب وہ ام المومنین بن کر مدینہ میں آئیں تو حضرت فاطمہؓ اور ازواج مطہراتؓ کو اپنی سونے کی بجلیاں تقسیم کیں[3] کھانا نہایت عمدہ پکاتی تھیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تحفۃً بھیجا کرتی تھیں، حضرت عائشہؓ کے گھر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس انہوں نے پیالہ میں جو کھانا بھیجا تھا، اس کا ذکر بخاری اور نسائی وغیرہ میں آیا ہے

---

[1] صحیح ترمذی ص ۶۳۸ باب فضل ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم [2] زرقانی ج ۳ ص ۲۹۶ [3] زرقانی ج ۳ ص ۲۹۶

(۱۲)

حضرت زینب رض (۱)

نام ونسب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی سب سے بڑی صاحبزادی ہیں بعثت سے دس برس پہلے جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی عمر ۳۰ سال کی تھی، پیدا ہوئیں،

نکاح **ابو العاص** بن ربیع لقیط سے جو حضرت زینبؓ کے خالہ زاد بھائی تھے نکاح ہوا۔

عام حالات نبوت کے تیرہویں سال جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے مکہ معظمہ سے ہجرت فرمائی تو اہل وعیال مکہ میں رہ گئے تھے، حضرت زینبؓ بھی اپنی سسرال میں تھیں۔ غزوۂ بدر میں ابوالعاص کفار کی طرف سے شریک ہوئے تھے، عبداللہ بن جبیرؓ انصاری نے ان کو گرفتار کیا، اور اس شرط پر رہا کئے گئے کہ مکہ جاکر حضرت زینبؓ کو بھیج دیں گے۔[1]

ابوالعاص نے مکہ جاکر حضرت زینبؓ کو اپنے چھوٹے بھائی کنانہ کے ساتھ مدینہ کی طرف روانہ کیا، کیونکہ کفار کے تعرض کا خوف تھا۔ کنانہ نے ہتھیار ساتھ لے لئے تھے۔ مقام **ذی طوی** میں پہنچے تو قریش کے چند آدمیوں نے تعاقب کیا، ہبار بن اسود نے حضرت زینبؓ کو نیزہ سے زمین پر گرادیا، وہ حاملہ تھیں، حمل ساقط ہوگیا، کنانہ نے ترکش سے تیر نکالے اور کہا کہ "اب اگر کوئی قریب آیا تو ان تیروں کا نشانہ ہوگا" لوگ ہٹ گئے تو ابوسفیان سرداران قریش کے ساتھ آیا اور کہا "تیر روک لو ہم کو کچھ گفتگو کرنی ہے"۔

[1] طبقات ج ۸ ص ۲۰

انہوں نے تیر ترکش میں ڈال دیئے، ابوسفیان نے کہا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ہاتھ سے جو مصیبتیں پہنچی ہیں تم کو معلوم ہیں، اب اگر تم علانیہ ان کی لڑکی کو ہمارے قبضہ سے نکال لے گئے تو لوگ کہیں گے کہ ہماری کمزوری ہے۔ ہم کو زینبؓ کے روکنے کی ضرورت نہیں جب شور و ہنگامہ کم ہو جائے اس وقت چپکے چوری لے جانا" کنانہ نے یہ رائے تسلیم کی اور حضرت زینبؓ کو لے کر مکہ واپس آئے، چند روز کے بعد ان کو رات کے وقت لے کر روانہ ہوئے، زیدؓ بن حارثہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے سے بھیج دیا تھا۔ وہ بطن یا جج میں تھے۔ کنانہ نے زینبؓ کو ان کے حوالے کیا، وہ ان کو لے کر روانہ ہو گئے[1]

حضرت زینبؓ مدینہ میں آئیں، اور اپنے شوہر ابوالعاص کو حالت شرک میں چھوڑا۔ جمادی الاول ۶ھ میں ابوالعاص، قریش کے ایک قافلہ کے ساتھ شام کی طرف روانہ ہوئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زیدؓ بن حارثہ کو ۱۷۰ سواروں کے ساتھ بھیجا، مقام عیص میں قافلہ ملا، کچھ لوگ گرفتار کیے گئے اور مال واسباب لوٹ میں آیا۔ ان ہی میں ابوالعاص بھی تھے۔ ابوالعاص آئے تو حضرت زینبؓ نے ان کو پناہ دی، اور ان کی سفارش سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا مال بھی واپس کرا دیا۔

ابوالعاص نے مکہ جاکر لوگوں کی امانتیں حوالہ کیں اور اسلام لائے، اسلام لانے کے بعد ہجرت کر کے مدینہ میں آئے۔ حضرت زینبؓ نے ان کو حالت شرک میں چھوڑا تھا، اس لئے دونوں میں باہم تفریق ہو گئی تھی، وہ مدینہ آئے تو حضرت زینبؓ دوبارہ ان کے نکاح میں آئیں، ترمذی وغیرہ میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ کوئی جدید نکاح نہیں ہوا، لیکن دوسری روایت میں تجدید نکاح کی تصریح ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت کو اگرچہ اسناد کے لحاظ سے دوسری روایت پر ترجیح ہے۔ لیکن فقہا نے دوسری

---

[1] زرقانی ج ۳ ص ۲۲۳

صورت پر عمل کیا ہے اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت کی یہ تاویل کی ہے کہ نکاح جدید کے مہر اور شرائط وغیرہ میں کسی قسم کا تغیر نہ ہوا ہوگا اسی لئے حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے اس کو نکاحِ اول سے تعبیر کیا ورنہ بعد تفریقِ نکاح ثانی ضروری ہے۔

ابوالعاصؓ نے حضرت زینبؓ کے ساتھ نہایت شریفانہ برتاؤ کیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے شریفانہ تعلقات کی تعریف کی[1]

وفات | نکاح جدید کے بعد حضرت زینبؓ بہت کم زندہ رہیں۔ اور ۸ھ میں انہوں نے انتقال کیا۔ حضرت ام ایمنؓ، حضرت سودہؓ، حضرت ام سلمہؓ اور ام عطیہؓ نے غسل دیا جس کا طریقہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز جنازہ پڑھائی، خود قبر میں اترے اور اپنے نور دیدہ کو خاک کے سپرد کیا، اس وقت چہرۂ مبارک پر حزن و ملال کے آثار نمایاں تھے[2]

اولاد | حضرت زینبؓ نے دو اولاد چھوڑی، علی اور امامہؓ، علی کی نسبت ایک روایت ہے کہ بچپن میں وفات پائی، لیکن عام روایت یہ ہے کہ سن رشد کو پہنچے، ابن عساکر نے لکھا ہے کہ یرموک کے معرکہ میں شہادت پائی، فتح مکہ میں یہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ردیف تھے، امامہؓ عرصہ تک زندہ رہیں، ان کا حال آگے آئے گا۔

اخلاق و عادات | آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور اپنے شوہر سے بہت محبت کرتی تھیں حضرت انسؓ نے ان کو ریشمی چادر اوڑھے دیکھا تھا، جس پر زرد دھاریاں پڑی ہوئی تھیں[3]

---

[1] طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۲۱ [2] طبقات ج ۸ ص ۲۴ و صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۶۷ و صحیح مسلم ج ۱ ص ۳۴۶ و اسد الغابہ ج ۵ ص ۴۶۸ [3] طبقات ج ۸ ص ۲۲

(۱۴)

(۲) حضرت رقیہ رضؓ

نام ونسب | مشہور روایت کے مطابق یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری صاحبزادی ہیں جو ۳۳ سنہ قبل نبوت میں پیدا ہوئیں۔

نکاح | پہلے ابولہب کے بیٹے (عتبہ) سے شادی ہوئی یہ قبل نبوت کا واقعہ ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تیسری صاحبزادی ام کلثوم رضؓ کی شادی ابولہب کے دوسرے لڑکے عتیبہ سے ہوئی تھی۔

اسلام | جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی اور آپ نے دعوتِ اسلام کا اظہار فرمایا تو ابولہب نے بیٹوں کو جمع کرکے کہا "اگر تم محمد کی بیٹیوں سے علیحدگی اختیار نہیں کرتے تو تمہارے ساتھ میرا اٹھنا، بیٹھنا حرام ہے"۔ دونوں بیٹوں نے باپ کے حکم کی تعمیل کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت رقیہ رضؓ کی شادی حضرت عثمان رضؓ سے کردی،

عام حالات | نبوت کے پانچویں سال حضرت عثمان رضؓ نے حبش کی طرف ہجرت کی، حضرت رقیہ رضؓ بھی ساتھ گئیں، جب واپس آئیں تو مکہ کی سرزمین پہلے سے زیادہ خونخوار تھی چنانچہ دوبارہ ہجرت کی مدت تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کا کچھ حال معلوم نہ ہوا۔ ایک عورت نے آکر خبر دی کہ "میں نے ان دونوں کو دیکھا ہے" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا دی اور فرمایا کہ "ابراہیمؑ اور لوطؑ کے بعد عثمان رضؓ پہلے شخص ہیں جنہوں نے بی بی کو لیکر ہجرت کی ہے[1]"

اس مرتبہ حبش میں زیادہ عرصہ تک مقیم رہیں، جب یہ خبر پہنچی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کرنے والے ہیں تو چند بزرگ جنمیں حضرت عثمان رضؓ اور حضرت رقیہ رضؓ بھی تھیں مکہ آئے اور آنحضرت

---

[1] اسد الغابہ ج ۵ ص ۴۵۶

صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے مدینہ منورہ کو ہجرت کی، جہاں انہوں نے حضرت حسان رضی اللہ عنہ کے بھائی اوس بن ثابت رضی اللہ عنہ کے گھر میں قیام کیا۔

وفات سنہ ۲ ھ میں غزوۂ بدر کا سال تھا حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کے دانے نکلے اور نہایت سخت تکلیف ہوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس زمانہ میں بدر کی تیاریاں کر رہے تھے، غزوہ کو روانہ ہوئے تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو تیمارداری کے لئے چھوڑ دیا[1] عین اسی دن جس دن زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے مدینہ میں آکر فتح کا مژدہ سنایا حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا نے وفات پائی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ کی وجہ سے ان کے جنازہ میں شریک نہ ہو سکے لیکن جب واپس آئے اور اس واقعہ کی اطلاع ہوئی تو نہایت رنجیدہ ہو کر قبر پر تشریف لائے اور ارشاد فرمایا "عثمان ابن مظعون پہلے جا چکے اب تم بھی ان کے پاس چلی جاؤ" اس فقرہ نے عورتوں میں کہرام برپا کر دیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کوڑا لے کر مارنے کے لئے اٹھے، آپ نے ہاتھ پکڑ لیا اور فرمایا "رونے میں کچھ حرج نہیں لیکن نوحہ و بین شیطانی حرکت ہے اس سے قطعاً بچنا چاہئے۔" سیدۂ عالم حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بھی بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئیں، وہ قبر کے پاس بیٹھ کر روتی جاتی تھیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کپڑے سے ان کے آنسو پونچھتے جاتے تھے۔

اولاد حبش کے زمانہ قیام میں ایک لڑکا پیدا ہوا تھا جس کا نام عبداللہ تھا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی کنیت ابو عبداللہ اسی کے نام پر تھی، چھ[2] سال تک زندہ رہا، ایک مرتبہ ایک مرغ نے اس کے چہرہ پر چونچ ماری اور جاں بحق تسلیم ہو گیا، یہ جمادی الاول سنہ ۴ ھ کا واقعہ ہے، عبداللہ کے بعد حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔

حلیہ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا خوبرو اور موزوں اندام تھیں، زرقانی میں ہے[3]

کانت بارعة الجمال — وہ نہایت جمیل تھیں

---

[1] بخاری ج ۱ ص ۴۴۲ [2] دیکھو استیعاب ج ۲ ص ۷۴۴، طبقات ج ۸ ص ۲۴ و اسد الغابہ ج ۵ ص ۴۵۶ و ۴۵۷ [3] زرقانی ج ۳ ص ۲۲۶

(۱۴)

حضرت ام کلثومؓ

نام ونسب یہ تیسری صاحبزادی ہیں، اور کنیت ہی کے ساتھ مشہور ہیں۔

نکاح سنہ۳ھ میں جب حضرت رقیہؓ کا انتقال ہوا۔ تو ربیع الاول میں حضرت عثمانؓ نے حضرت ام کلثومؓ کے ساتھ نکاح کرلیا، بخاری میں ہے کہ جب حضرت حفصہؓ بیوہ ہوئیں تو حضرت عمرؓ نے حضرت عثمانؓ کے ساتھ نکاح کا پیغام دیا، حضرت عثمانؓ نے تامل کیا، لیکن دوسری روایتوں میں ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر معلوم ہوئی تو آپ نے حضرت عمرؓ سے کہا" میں تم کو عثمان سے بہتر شخص کا پتہ دیتا ہوں۔ اور عثمانؓ کے لئے تم سے بہتر شخص ڈھونڈتا ہوں، تم اپنی لڑکی کی شادی مجھ سے کردو اور میں اپنی لڑکی کی شادی عثمانؓ سے کردیتا ہوں" بہرحال نکاح ہوا۔ اور نکاح کے بعد حضرت ام کلثومؓ ۶ برس تک حضرت عثمانؓ کے ساتھ رہیں،

وفات شعبان سنہ۹ھ میں وفات پائی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت صدمہ ہوا۔ قبر پر بیٹھے تو آنکھوں سے آنسو جاری تھے، آپ نے نماز جنازہ پڑھائی اور حضرت ابوطلحہؓ، حضرت علیؓ، فضل بن عباسؓ اور اسامہؓ بن زید نے قبر میں اتارا۔[1]

اولاد کوئی اولاد نہیں ہے۔

---

[1] طبقات ج ۸ ص ۲۵، ۲۶ و صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۷۱

(۱۵)

حضرت فاطمہؓ

نام ونسب فاطمہؓ نام، زہرا لقب تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیوں میں سب سے کم سن تھیں، سنہ ولادت میں اختلاف ہے، ایک روایت ہے کہ سلہ بعثت میں پیدا ہوئیں ابن اسحٰق نے لکھا ہے کہ ابراہیم کے علاوہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام اولاد قبل نبوت پیدا ہوئی، آپ کی بعثت چالیسؓ سال کی عمر میں ہوئی تھی۔ اس بنا پر بعضوں نے دونوں روایتوں میں یہ تطبیق دی ہے کہ سلہ بعثت کے آغاز میں حضرت فاطمہؓ پیدا ہوئی ہونگی اور چونکہ دونوں کی مدت میں بہت کم فاصلہ ہے۔ اس لئے یہ اختلاف روایت ہو گیا ہو گا۔ ابن جوزی نے لکھا ہے۔ کہ بعثت سے پانچ برس پہلے خانہ کعبہ کی تعمیر جب ہو رہی تھی، پیدا ہوئیں، بعض روایتوں میں ہے۔ کہ نبوت سے تقریباً ایک سال پیشتر پیدا ہوئیں۔

نکاح حضرت فاطمہؓ جب مشہور روایت کے مطابق ۱۸ سال اور اگر سلہ بعثت کو ان کا سال ولادت تسلیم کیا جائے تو پندرہ سال ساڑھے پانچ مہینہ کی ہوئیں تو ذیحجہ سلہ ۲ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کے ساتھ ان کا نکاح کر دیا۔ ابن سعد نے روایت کی ہے کہ سب سے پہلے حضرت ابوبکرؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی، آپؐ نے فرمایا کہ جو خدا کا حکم ہو گا۔ پھر حضرت عمرؓ نے جرأت کی، ان کو بھی آپؐ نے کچھ جواب نہیں دیا، بلکہ وہی الفاظ فرمائے، لیکن بظاہر یہ روایت صحیح نہیں معلوم ہوتی حافظ ابن حجر نے اصابہ میں ابن سعد کی اکثر روائتیں حضرت فاطمہؓ کے حال میں روایت کی ہیں، لیکن اس کو نظر انداز کر دیا ہے۔

بہر حال حضرت علیؓ نے جب درخواست کی تو آپ نے حضرت فاطمہؓ کی مرضی دریافت کی، وہ چپ رہیں، یہ ایک طرح کا اظہار رضا تھا۔ آپ نے حضرت علیؓ سے پوچھا، کہ تمہارے پاس مہر میں دینے کے لئے کیا ہے؟ بولے کچھ نہیں، آپ نے فرمایا" اور وہ حطیہ زرہ کیا ہوئی"؟ (جنگ بدر میں ہاتھ آئی تھی) عرض کی وہ تو موجود ہے، آپ نے فرمایا بس وہ کافی ہے حضرت عمرؓ نے حضرت عثمانؓ کے ہاتھ اس کو ۴۸۰ درہم پر فروخت کیا۔ اور قیمت لاکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ڈال دی۔ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے حضرت بلالؓ کو حکم دیا کہ بازار سے خوشبو لائیں۔

زرہ کے سوا اور جو کچھ حضرت علیؓ کا سرمایہ تھا۔ وہ ایک بھیڑ کی کھال اور ایک بوسیدہ یمنی چادر تھی۔ حضرت علیؓ نے یہ سب سرمایہ حضرت فاطمہ زہراؓ کے نذر کیا حضرت علیؓ اب تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے پاس رہتے تھے، شادی کے بعد ضرورت ہوئی کہ الگ گھر لیں۔ حارثہؓ بن نعمان انصاری کے متعدد مکانات تھے جن میں سے وہ کئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نذر کر چکے تھے۔ حضرت فاطمہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ ان ہی سے کوئی مکان دلوا دیجئے۔ آپ نے فرمایا کہ کہاں تک، اب ان سے کہتے شرم آتی ہے۔ حارثہؓ نے سنا تو دوڑے آئے کہ حضور میں اور میرے پاس جو کچھ ہے، سب آپ کا ہے۔ خدا کی قسم میرا جو مکان آپ لے لیتے ہیں مجھ کو اس سے زیادہ خوشی ہوتی ہے کہ وہ میرے پاس رہ جائے، غرض انہوں نے اپنا ایک مکان خالی کر دیا، حضرت فاطمہؓ اس میں اٹھ گئیں

شہنشاہِ مدینہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے سیدۂ عالمؓ کو جو جہیز دیا وہ بان کی چارپائی، چمڑے کا گدا جس کے اندر روئی کے بجائے کھجور کے پتے تھے، ایک چھاگل، دو مٹی کے گھڑے، ایک مشک اور دو چکیاں، اور یہ عجیب اتفاق ہے کہ یہی دو چیزیں عمر بھر ان کی رفیق رہیں۔

حضرت فاطمہؓ جب نئے گھر میں جا لیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس

تشریف لے گئے، دروازے پر کھڑے ہو کر اذن مانگا، پھر اندر آئے، ایک برتن میں پانی منگوایا، دونوں ہاتھ اس میں ڈالے، اور حضرت علیؓ کے سینہ اور بازوؤں پر پانی چھڑکا، پھر حضرت فاطمہؓ کو بلایا، وہ شرم سے لڑکھڑاتی آئیں، ان پر بھی پانی چھڑکا، اور فرمایا کہ میں نے اپنے خاندان میں بہتر شخص سے تمہارا نکاح کیا ہے[1]

داغ بے پدری حضرت فاطمہؓ کی عمر مشہور روایت کے مطابق ۲۹ سال کی تھی کہ جناب رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رحلت فرمائی، حضرت فاطمہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوب ترین اولاد تھیں، اور اب صرف وہی باقی رہ گئی تھیں، اس لئے ان کو صدمہ بھی اوروں سے زیادہ ہوا۔ وفات سے پہلے ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بلا بھیجا، تشریف لائیں۔ تو ان سے کچھ کان میں باتیں کیں، وہ رونے لگیں، پھر بلا کر کچھ کان میں کہا، تو ہنس پڑیں، حضرت عائشہؓ نے دریافت کیا تو کہا "پہلی دفعہ آپ نے فرمایا کہ میں اسی مرض میں انتقال کروں گا۔ جب میں رونے لگی تو فرمایا کہ میرے خاندان میں سب سے پہلے تمہیں مجھ سے آکر ملو گی، تو ہنسنے لگی"[2]

وفات سے پہلے جب بار بار آپؐ پر غشی طاری ہوئی تو حضرت فاطمہؓ یہ دیکھ کر بولیں واکرب اباہ، ہائے میرے باپ کی بے چینی! آپؐ نے فرمایا "تمہارا باپ آج کے بعد بے چین نہ ہوگا۔[3]" آپؐ کا انتقال ہوا تو حضرت فاطمہؓ پر ایک مصیبت ٹوٹ پڑی، اسد الغابہ میں لکھا ہے کہ جب تک زندہ رہیں کبھی تبسم نہیں فرمایا[4]، بخاری میں لکھا ہے کہ جب صحابہؓ نعش مبارک کو دفن کر کے واپس آئے تو حضرت فاطمہؓ نے حضرت انسؓ سے پوچھا کہ "کیا تم کو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) پر خاک ڈالتے اچھا معلوم ہوا؟[5]"

---

[1] یہ تمام تفصیل صحیح بخاری ج ۲ ص ۵۷۱، طبقات ابن سعد ج ۸، زرقانی ج ۲ اور اصابہ ج ۸ سے ماخوذ ہے [2] صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۳۸ [3] صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۴۱ [4] اسد الغابہ ج ۵ ص ۵۲۴ [5] (صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۴۱)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد میراث کا مسئلہ پیش ہوا۔ حضرت عباسؓ حضرت علیؓ، ازواج مطہراتؓ، یہ تمام بزرگ میراث کے مدعی تھے، حضرت فاطمہؓ کا بھی ایک قائم مقام موجود تھا، چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جائداد خالصہ جائداد تھی اور اس میں قانونِ وراثت جاری نہیں ہو سکتا تھا۔ اس لئے حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعزہ کو اپنے اعزہ سے زیادہ محبوب رکھتا ہوں، لیکن دقت یہ ہے کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ انبیاء جو متروکہ چھوڑتے ہیں وہ کل کا کل صدقہ ہوتا ہے۔ اور اس میں وراثت جاری نہیں ہوتی اس بنا پر میں اس جائداد کو کیونکر تقسیم کر سکتا ہوں، البتہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں اہل بیت جس حد تک اس سے فائدہ اٹھاتے تھے اب بھی اٹھا سکتے ہیں صحیح بخاری میں لکھا ہے کہ اس گفتگو کا حضرت فاطمہؓ کو سخت قلق ہوا۔ اور وہ حضرت ابوبکرؓ سے اس قدر ناراض ہوئیں کہ آخر وقت تک ان سے گفتگو نہیں کی[1] (طبقات ابن سعد میں ہے کہ حضرت فاطمہؓ بعد کو حضرت ابوبکر صدیقؓ سے راضی ہو گئی تھیں[2])

وفات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کو ۶ ماہ گذرے تھے کہ رمضان ۱۱ھ میں حضرت فاطمہؓ نے وفات پائی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ پیشین گوئی کہ "میرے خاندان میں سب سے پہلے تم ہی مجھ سے آکر ملو گی" پوری ہوئی، یہ منگل کا دن اور رمضان کی تیسری تاریخ تھی اس وقت ان کا سن ۲۹ سال کا تھا۔ لیکن اگر دوسری روایتوں کا لحاظ کیا جائے تو اس سے مختلف ثابت ہوگا۔ چنانچہ ایک روایت میں ۲۴ سال، ایک میں ۲۵ سال اور ایک میں ۳۰ سال مذکور ہے۔ زرقانی نے لکھا ہے کہ پہلی روایت (۲۹ سال) زیادہ صحیح ہے، اگر ۴۱ سنہ (محمدی) کو سال ولادت قرار دیا جائے تو اس وقت ان کا یہ سن نہیں ہو سکتا تھا، البتہ اگر ۲۴ سال کی عمر تسلیم کی جائے تو اس سنہ کو سال ولادت قرار دیا جا سکتا ہے لیکن

---

[1] بخاری شریف ج ۱ ص ۵۲۶ و ج ۲ ص ۶۰۹ [2] طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۱۷

اگر یہ روایت صحیح مان لی جائے کہ پانچ برس قبل نبوت میں پیدا ہوئیں۔ تو اس وقت ان کا سن ۲۹ سال کا ہو سکتا ہے۔

حضرت فاطمہؓ کی تجہیز و تکفین میں خاص جدت کی گئی، عورتوں کے جنازہ پر جو آجکل پردہ لگانے کا دستور ہے، اس کی ابتدا ان ہی سے ہوئی۔ اس سے پیشتر عورت اور مرد سب کا جنازہ کھلا ہوا جاتا تھا۔ چونکہ حضرت فاطمہؓ کے مزاج میں انتہا کی حیا و شرم تھی، اس لیئے انہوں نے حضرت اسمار بنت عمیسؓ سے کہا کہ کھلے جنازہ میں عورتوں کی بے پردگی ہوتی ہے جس کو میں ناپسند کرتی ہوں، اسمارؓ نے کہا جگر گوشۂ رسول! میں نے حبش میں ایک طریقہ دیکھا ہے۔ آپ کہیں تو اس کو پیش کروں، یہ کہہ کر خرمے کی چند شاخیں منگوائیں اور ان پر کپڑا تانا جس سے پردہ کی صورت پیدا ہو گئی، حضرت فاطمہؓ بے حد مسرور ہوئیں کہ یہ بہترین طریقہ ہے۔[1] حضرت فاطمہؓ کے بعد حضرت زینبؓ کا جنازہ بھی اسی طریقہ سے اٹھایا گیا۔[2]

حضرت فاطمہؓ کی قبر کے متعلق بھی سخت اختلاف ہے، بعضوں کا خیال ہے کہ وہ بقیع میں حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے مزار کے پاس مدفون ہوئیں، ابن زبالہ نے یہی لکھا ہے اور مورخ مسعودی نے بھی اسی قسم کی تصریح کی ہے۔ مورخ موصوف نے ۳۳۲ھ میں بقیع کی ایک قبر پر ایک کتبہ دیکھا تھا، جس میں لکھا تھا کہ "یہ فاطمہ زہراؓ کی قبر ہے" لیکن طبقات کی متعدد روایتوں سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہ دار عقیل کے ایک گوشہ میں مدفون ہوئیں۔[3]

ایک روایت یہ ہے کہ وہ خاص اپنے مکان میں دفن کی گئیں، اس پر ابن شبیہ نے یہ اعتراض کیا ہے کہ پھر بردہ دار جنازہ کی کیا ضرورت تھی؟ لیکن طبقات کی ایک روایت سے اس کا یہ جواب دیا جا سکتا ہے کہ حضرت فاطمہؓ سلمی کے گھر میں بیمار ہوئی تھیں، وہیں انتقال کیا، اور وہیں ان کو غسل دیا گیا۔ پھر حضرت علیؓ جنازہ اٹھا کر باہر لائے اور دفن کیا،[4] آج حضرت فاطمہؓ کی قبر متفقہ طور پر دار عقیل ہی میں سمجھی جاتی ہے، چنانچہ محمد لبیب بک

---

[1] اسد الغابہ ج ۵ ص ۵۲۴ [2] خلاصۃ الوفا ص ۲۱۷ [3] طبقات ج ۸ ص ۲۰ [4] ایضاً ص ۱۸

تبنونی نے جو ۱۳۲۷ھ میں خدیو مصر کے سفر حجاز میں ہمرکاب تھے، اپنے سفرنامہ میں اس کی تصریح کی ہے[1]

اولاد حضرت فاطمہؓ کے پانچ اولادیں ہوئیں حسنؓ، حسینؓ، محسنؓ، ام کلثومؓ، زینبؓ محسنؓ نے بچپن ہی میں انتقال کیا، حضرت زینبؓ، حضرت حسنؓ، حضرت حسینؓ اور ام کلثومؓ اہم واقعات کے لحاظ سے تاریخ میں مشہور ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سب سے نہایت محبت تھی، اور حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ بھی ان کو بہت محبوب رکھتے تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیوں میں صرف حضرت فاطمہؓ کو یہ شرف حاصل ہے۔ کہ ان سے آپؐ کی نسل باقی رہی۔

حلیہ حضرت فاطمہؓ زہرا کا حلیہ مبارک جناب رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتا جلتا تھا حضرت عائشہؓ کا قول ہے کہ فاطمہؓ کی گفتگو، لب ولہجہ اور نشست وبرخاست کا طریقہ بالکل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ تھا[2] اور رفتار بھی بالکل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رفتار تھی[3]

فضل وکمال حضرت فاطمہؓ سے کتب حدیث میں ۱۸ روایتیں منقول ہیں۔ جن کو بڑے بڑے جلیل القدر صحابہؓ نے ان سے روایت کیا ہے حضرت علیؓ بن ابی طالب، حضرت حسنؓ حضرت حسینؓ، حضرت عائشہؓ، حضرت ام کلثومؓ، حضرت سلمیؓ، ام رافعؓ اور حضرت انسؓ بن مالک ان سے احادیث روایت کرتے ہیں۔

تفقہ پر واقعات ذیل شاہد ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کسی سفر میں گئے تھے، واپس آئے تو حضرت فاطمہؓ نے قربانی کا گوشت پیش کیا، ان کو عذر ہوا، حضرت فاطمہؓ نے کہا، اس کے کھانے میں کچھ حرج نہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی اجازت دیدی ہے[4]

---

[1] الرحلۃ الحجازیہ [2] صحیح ترمذی ص ۶۳۶ [3] صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۳۰ [4] مسند ج ۶ ص ۲۸۲

ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ہاں گوشت تناول فرما رہے تھے کہ نماز کا وقت آ گیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح اٹھ کھڑے ہوئے، چونکہ ایک مرتبہ آپ نے فرمایا تھا کہ آگ پر پکی ہوئی چیز کھانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، اس لئے حضرت فاطمہؓ نے دامن پکڑا کہ وضو کر لیجئے، ارشاد ہوا۔ بیٹی! وضو کی ضرورت نہیں ہے، تمام اچھے کھانے آگ ہی پر تو پکتے ہیں[1]

فضل و کمال حضرت فاطمہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوب ترین اولاد تھیں[2] آپ نے ارشاد فرمایا ہے،

فاطمة بضعة منی فمن اغضبها فقد اغضبنی[3]	فاطمہ میرے جسم کا ایک حصہ ہے جو اس کو ناراض کرے گا مجھ کو ناراض کرے گا۔

ابوجہل کی لڑکی کو حضرت علیؓ نے نکاح کا پیغام بھیجا تھا، بارگاہِ نبوت میں اطلاع ہوئی تو حضورؐ منبر پر چڑھے اور حسب ذیل خطبہ ارشاد فرمایا۔

ان بنی هشام بن المغیرة استاذنونی فی ان ینکحوا ابنتهم علی بن ابی طالب فلا اٰذن ثم لا اٰذن ثم لا اٰذن الا ان یرید ابن ابی طالب ان یطلق ابنتی وینکح ابنتهم فانما هی بضعة منی یریبنی ما رابها ویؤذینی ما اٰذاها۔	آل ہشام، علی بن ابی طالب سے اپنی بیٹی کا عقد کرنا چاہتی ہے اور مجھ سے اجازت مانگتی ہے لیکن میں اجازت نہ دوں گا! اور کبھی نہ دوں گا۔ البتہ ابن ابی طالب میری بیٹی کو طلاق دے کر ان کی لڑکی سے نکاح کر سکتے ہیں۔ فاطمہ میرے جسم کا ایک حصہ ہے جس نے اسکو اذیت دی مجھ کو اذیت دی۔

(صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۸۰)

ان فاطمة منی وانا اتخوف	(اس کے بعد ابو العاص بن ربیع کا جو آپ کے

[1] ایضاً ص ۲۸۳ [2] اصابہ ج ۸ ص ۱۵۷۔ [3] صحیح بخاری ج ۱ ص ۵۳۲۔

ان تفتن فی دینها ثم ذکر صهرا لہ	داماد تھے ذکر فرمایا کہ) اس نے مجھ سے جو
من بنی عبد شمس فاثنی علیہ فی	بات کہی اس کو سچ کر کے دکھلا دیا اور
مصاهرته ایاه قال حدثنی	جو وعدہ کیا وفا کیا، اور میں حلال کو
فصدقنی ووعدنی فوفی لی وانی	حرام اور حرام کو حلال کرنے نہیں کھڑا
لست احرم حلالا ولا احل حراما	ہوا لیکن خدا کی قسم! ایک پیغمبر اور ایک
ولکن واللہ لا تجتمع بنت رسول اللہ	دشمن خدا کی بیٹیاں ایک ساتھ جمع نہیں
وبنت عدو اللہ ابدا (صحیح بخاری ج ۱ ص ۴۳۸)	ہو سکتیں۔

اس کا یہ اثر ہوا کہ جناب سیدہؓ کی حیات تک حضرت علیؓ نے دوسری شادی نہیں کی حضرت فاطمہؓ رضی اللہ عنہا کا شمار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان چند مقدس خواتین میں فرمایا ہے جو دنیا میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک برگزیدہ قرار پائی ہیں جیسا کہ حدیث میں آیا ہے۔

کفاک من نساء العالمین مریم	تمہاری تقلید کے لئے تمام دنیا کی
بنت عمران وخدیجة بنت	عورتوں میں مریمؑ، خدیجہؓ، فاطمہؓ اور
خویلد وفاطمة بنت محمد و	آسیہؓ کافی ہیں........
آسیة امرأة فرعون (ترمذی کتاب المناقب)	....

زہد وورع کی یہ کیفیت تھی کہ گو وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوب ترین اولاد تھیں اور اسلام میں رہبانیت کا قلع قمع بھی کر دیا گیا تھا اور فتوحات کی کثرت مدینہ میں مال و زر کے خزانے لٹا رہی تھی، لیکن جانتے ہو کہ اس میں جگر گوشہ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کا کتنا حصہ تھا؟ اس کا جواب سننے سے پہلے آنکھوں کو اشکبار ہو جانا چاہئے۔

سیدۂ عالمؓ کی خانگی زندگی یہ تھی کہ چکی پیستے پیستے ہاتھوں میں چھالے پڑ پڑ گئے تھے مشک میں پانی بھر بھر کر لانے سے سینہ پر گھٹے پڑ گئے تھے۔ گھر میں جھاڑو دیتے دیتے کپڑے چیکٹ ہو جاتے تھے، چولہے کے پاس بیٹھتے بیٹھتے کپڑے دھوئیں سے سیاہ ہو جاتے تھے لیکن با ایں ہمہ

جب انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک بار گھر کے کاروبار کے لئے ایک لونڈی مانگی، اور ہاتھ کے چھالے دکھائے تو ارشاد ہوا کہ جان پدر! بدر کے یتیم تم سے پہلے اس کے مستحق ہیں[1]۔

ایک دفعہ آپ حضرت فاطمہؓ کے پاس تشریف لائے، دیکھا کہ انہوں نے ناداری سے اس قدر چھوٹا دوپٹہ اوڑھا ہے کہ سر ڈھانکتی ہیں تو پاؤں کھل جاتے ہیں اور پاؤں چھپاتی ہیں تو سر برہنہ رہ جاتا ہے۔ شعر

یوں کی ہے اہل بیت مطہرؓ نے زندگی — یہ ماجرائے دختر خیر الانامؐ تھا (شبلی)

صرف یہی نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود ان کو آرائش یا زیب و زینت کی کوئی چیز نہیں دیتے تھے۔ بلکہ اس قسم کی جو چیزیں ان کو دوسرے ذرائع سے ملتی تھیں۔ ان کو بھی ناپسند فرماتے تھے، چنانچہ ایک دفعہ حضرت علیؓ نے ان کو سونے کا ہار دیا، آپ کو معلوم ہوا۔ تو فرمایا "کیوں فاطمہؓ! کیا لوگوں سے کہلوانا چاہتی ہو کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی لڑکی آگ کا ہار پہنتی ہے"۔ حضرت فاطمہؓ نے اس کو فوراً بیچ کر اس کی قیمت سے ایک غلام خرید لیا۔

ایک دفعہ آپ کسی غزوہ سے تشریف لائے، حضرت فاطمہؓ نے بطور خیر مقدم کے گھر کے دروازے پر پردے لٹکائے، اور حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کو چاندی کے کنگن پہنائے، آپ حسب معمول حضرت فاطمہؓ کے یہاں آئے تو اس دنیوی ساز و سامان کو دیکھ کر واپس گئے، حضرت فاطمہؓ کو آپ کی ناپسندیدگی کا حال معلوم ہوا تو پردہ چاک کر دیا۔ اور بچوں کے ہاتھ سے کنگن نکال ڈالے، بچے آپ کی خدمت میں روتے ہوئے آئے، آپ نے فرمایا "یہ میرے اہل بیت ہیں، میں یہ نہیں چاہتا کہ وہ ان زخارف سے آلودہ ہوں"۔ اس کے بدلے فاطمہؓ کے لئے ایک عصیب کا ہار اور ہاتھی دانت کے کنگن خرید لاؤ[2]۔

صدق و راستی میں بھی ان کا کوئی حریف نہ تھا حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں[3]

---

[1] ابو داؤد [2] یہ تمام واقعات ابو داؤد اور نسائی میں مذکور ہیں [3] استیعاب ج ۲ ص ۷۷۲

مارأیت احدا کان اصدق لہجۃ	میں نے فاطمہؓ سے زیادہ کسی کو صاف گو
من فاطمۃ الا ان یکون الذی	نہیں دیکھا البتہ ان کے والد صلی اللہ
ولدھا صلی اللہ علیہ وسلم	علیہ وسلم اس سے مستثنیٰ ہیں۔

حد درجہ حیادار تھیں، ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو طلب فرمایا تو وہ شرم سے لڑکھڑاتی ہوئی آئیں۔ اپنے جنازہ پر پردہ کرنے کی جو وصیت کی تھی وہ بھی اسی بنا پر تھی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نہایت محبت کرتی تھیں۔ جب وہ خورد سال تھیں اور آپ مکہ معظمہ میں مقیم تھے تو عقبہ بن ابی معیط نے نماز پڑھنے کی حالت میں ایک مرتبہ آپ کی گردن پر اونٹ کی اوجھ لاکر ڈال دی، قریش مارے خوشی کے ایک دوسرے پر گرے پڑتے تھے۔ کسی نے جاکر حضرت فاطمہؓ کو خبر کی، وہ اگرچہ اس وقت صرف ۵-۶ برس کی تھیں لیکن جوش محبت سے دوڑی آئیں اور اوجھ ہٹاکر عقبہ کو برا بھلا کہا اور بددعائیں دیں[1]۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان سے نہایت محبت کرتے تھے معمول تھا کہ جب کبھی سفر فرماتے تو سب سے آخر میں حضرت فاطمہؓ کے پاس جاتے اور سفر سے واپس تشریف لاتے تو جو شخص سب سے پہلے باریاب خدمت ہوتا وہ بھی حضرت فاطمہؓ ہی ہوتیں، حضرت فاطمہؓ جب آپ کی خدمت میں تشریف لاتیں تو آپ کھڑے ہو جاتے، ان کی پیشانی چومتے اور اپنی نشست سے ہٹ کر اپنی جگہ پر بٹھاتے۔

آپ ہمیشہ حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ کے تعلقات میں خوشگواری پیدا کرنے کی کوشش فرماتے تھے۔ چنانچہ جب حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ میں کبھی کبھی خانگی معاملات کے متعلق رنجش ہو جاتی تھی۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دونوں میں صلح کرادیتے تھے۔ ایک مرتبہ ایسا اتفاق ہوا آپ گھر میں تشریف لے گئے اور صفائی کرا دی، گھر سے مسرور نکلے، لوگوں نے پوچھا

---

[1] صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۸ و ۷۴

آپ گھر میں گئے تھے تو اور حالت تھی۔ اب آپ اس قدر خوش کیوں ہیں؟ فرمایا میں نے ان دو شخصوں میں مصالحت کرادی ہے جو مجھ کو محبوب تر ہیں۔

ایک مرتبہ حضرت علیؓ نے ان پر کچھ سختی کی، وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس شکایت لے کر چلیں پیچھے پیچھے حضرت علیؓ بھی آئے، حضرت فاطمہؓ نے شکایت کی، آپ نے فرمایا "بیٹی! تم کو خود سمجھنا چاہئے کہ کون شوہر اپنی بی بی کے پاس خاموش چلا آتا ہے" حضرت علیؓ پر اس کا یہ اثر ہوا کہ انہوں نے حضرت فاطمہؓ سے کہا "اب میں تمہارے خلاف مزاج کوئی بات نہ کروں گا۔"

(۱۶)

حضرت امامہؓ

نام ونسب ابوالعاصؓ بن ربیع کی صاحبزادی ہیں جو زینبؓ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بطن سے پیدا ہوئیں، آبائی شجرۂ نسب یہ ہے۔ امامہؓ بنت ابوالعاصؓ بن ربیع بن عبدالعزیٰ ابن عبدشمس بن عبدمناف

عام حالات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو امامہؓ سے نہایت محبت تھی۔ آپ ان کو اوقاتِ نماز میں بھی جدا نہیں کرتے تھے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ ایک مرتبہ آپؐ مسجد میں امامہؓ کو کندھے پر چڑھائے ہوئے تشریف لائے اور اسی حالت میں نماز پڑھائی، جب رکوع میں جاتے تو ان کو اتار دیتے، پھر جب کھڑے ہوتے تو چڑھا لیتے اسی طرح پوری نماز ادا فرمائی [۱] اللہ اکبر!

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک مرتبہ کسی نے کچھ چیزیں ہدیہ میں بھیجیں جن میں ایک زریں ہار بھی تھا۔ امامہؓ ایک گوشہ میں کھیل رہی تھیں آپؐ نے فرمایا میں اپنی محبوب ترین اہل کو دونگا۔ ازواج نے سمجھا کہ یہ شرف حضرت عائشہؓ کو حاصل ہوگا لیکن آپ نے امامہؓ کو بلا کر وہ ہار خود ان کے گلے میں ڈال دیا، بعض روایتوں میں ہار کی بجائے انگوٹھی کا ذکر ہے [۲] اور اس میں ہدیہ بھیجنے والے کا نام بھی آگیا ہے یعنی نجاشی [۳]

نکاح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت سن شعور کو پہنچ چکی تھیں، اس لیے جب حضرت فاطمہؓ نے انتقال فرمایا تو حضرت علیؓ نے امامہؓ سے نکاح کر لیا، ابوالعاصؓ نے حضرت زبیرؓ

---

[۱] صحیح بخاری ج ۱ ص ۷۴، و (زرقانی ج ۳ ص ۲۵۵) [۲] زرقانی ج ۳ ص ۲۲۵ بروایت مسند ابن حنبل [۳] (طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۲۷)

ابن عوام کو جو عشرہ مبشرہ میں داخل اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپھیرے بھائی تھے امامہؓ کے نکاح کی وصیت کی تھی۔ چنانچہ یہ تقریب ان ہی کی مرضی سے انجام پائی۔ اور نکاح بھی خود انہی نے پڑھایا یہ ۱۲ھ کا واقعہ ہے۔

۴۰ھ میں جب حضرت علیؓ نے شہادت پائی تو مغیرہ بن نوفل (عبد المطلب کے پڑپوتے) کو وصیت کر گئے کہ امامہؓ سے نکاح کر لیں، چنانچہ مغیرہ نے تعمیل کی، اس کے قبل امیر معاویہؓ کا پیغام پہنچا تھا، اور انہوں نے مروان کو لکھا تھا کہ ایک ہزار دینار (۵ ہزار روپے) اس تقریب میں خرچ کیے جائیں، لیکن امامہؓ نے مغیرہ کو اطلاع دی تو انہوں نے فوراً حضرت حسنؓ کی اجازت سے نکاح پڑھا لیا[1]

وفات حضرت امامہؓ نے مغیرہ کے ہاں وفات پائی[2]

اولاد مغیرہ سے ایک لڑکا پیدا ہوا، جس کا نام یحییٰ تھا، لیکن بعض روایتوں میں ہے کہ امامہؓ کے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔

---

[1] طبقات ج ۸ ص ۲۷ و اسد الغابہ ج ۵ ص ۴۰۰ و استیعاب ج ۲ ص ۷۲۸ [2] اصابہ ج ۸ ص ۱۴

(۱۷)

حضرت صفیہؓ

نام و نسب صفیہ نام، عبدالمطلب جد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دختر تھیں ماں کا نام ہالہ بنت وہب تھا، جو حضرت آمنہ (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ) کی ہمشیر ہیں، اس بنا پر حضرت صفیہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی ہونے کے ساتھ آپ کی خالزاد بہن بھی تھیں، حضرت حمزہؓ عم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہالہ سے پیدا ہوئے تھے۔ اس لیئے وہ اور حضرت صفیہؓ حقیقی بھائی بہن تھے۔

نکاح ابوسفیان بن حرب کے بھائی حارث سے شادی ہوئی، جس سے ایک لڑکا پیدا ہوا۔ اس کے انتقال کے بعد حضرت خدیجہؓ کے بھائی عوام بن خویلد سے نکاح ہوا۔ جس سے حضرت زبیرؓ پیدا ہوئے۔

اسلام ۴۰ برس کی عمر ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام پھوپھیوں میں یہ شرف صرف حضرت صفیہؓ کو حاصل ہے کہ انہوں نے اسلام قبول کیا۔ اسدالغابہ میں ہے۔ والصحیح انہ لم یسلم غیرھا[1] یعنی صحیح یہ ہے کہ ان کے سوا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی پھوپھی ایمان نہیں لائیں۔

عام حالات حضرت زبیرؓ کے ساتھ ہجرت کی، غزوہ احد میں جب مسلمانوں نے شکست کھائی تو وہ مدینہ سے نکلیں، صحابہؓ سے عتاب آمیز لہجہ میں کہتی تھیں کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر

---

[1] اسدالغابہ ج ۵ ص ۴۹۲

چل دیئے[1]"۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو آتے ہوئے دیکھا تو حضرت زبیرؓ کو بلا کر ارشاد کیا کہ حمزہؓ کی لاش نہ دیکھنے پائیں حضرت زبیرؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام سنایا، بولیں کہ میں اپنے بھائی کا ماجرا سن چکی ہوں لیکن خدا کی راہ میں یہ کوئی بڑی قربانی نہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دی لاش پر گئیں، خون کا جوش تھا، اور عزیز بھائی کے ٹکڑے بکھرے پڑے ہوئے تھے لیکن انا للہ وانا الیہ راجعون کہہ کر چپ ہو گئیں[2] اور مغفرت کی دعا مانگی۔ واقعہ چونکہ نہایت درد انگیز تھا۔ اس لئے ایک مرثیہ کہا، جس کے ایک شعر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح مخاطب کرتی ہیں[3]۔

ان یوماً اتیٰ علیک لیوم   کورت شمسہ وکان مضیاء

آج آپ پر وہ دن آیا ہے جس میں آفتاب سیاہ ہو گیا ہے حالانکہ پہلے وہ روشن تھا

غزوۂ احد کی طرح غزوۂ خندق میں بھی انہوں نے نہایت ہمت اور استقلال کا ثبوت دیا، انصار کے قلعوں میں فارع سب سے مستحکم قلعہ تھا، اور حضرت حسانؓ کا تھا، یہ قلعہ یہود بنو قریظہ کے آبادی سے متصل تھا مستورات اسی میں تھیں اور ان کی حفاظت کے لئے حضرت حسانؓ (شاعر) متعین کر دیئے گئے تھے۔ یہود نے یہ دیکھ کر کہ تمام جمعیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہے قلعہ پر حملہ کر دیا، ایک یہودی قلعہ کے پھاٹک تک پہنچ گیا اور قلعہ پر حملہ کرنے کا موقع ڈھونڈ رہا تھا حضرت صفیہؓ نے دیکھ لیا، حسانؓ سے کہا کہ اتر کر قتل کر دو ورنہ یہ جا کر دشمنوں کو پتہ دیگا، حضرت حسانؓ کو ایک عارضہ ہو گیا تھا جس نے ان میں اس قدر جبن پیدا کر دیا تھا کہ وہ لڑائی کے طرف نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھ سکتے تھے اس بنا پر اپنی معذوری ظاہر کی اور کہا کہ میں اس کام کا ہوتا تو یہاں کیوں ہوتا؟ حضرت صفیہؓ نے خیمہ کی ایک چوب اکھاڑ لی اور اتر کر یہودی کے سر پر اس زور سے ماری کہ سر پھٹ گیا حضرت صفیہؓ چلی آئیں اور حسانؓ سے کہا کہ ہتھیار اور کپڑے چھین لاؤ۔ حسانؓ نے کہا جانے دیجئے، مجھ کو اس کی کوئی ضرورت نہیں حضرت صفیہؓ نے کہا اچھا جاؤ اس کا سر کاٹ کر قلعہ

[1] طبقات ج ۸ ص ۲۸ [2] (اسد الغابہ ج ۵ ص ۴۹۲ و اصابہ ج ۸ ص ۱۲۹) [3] اصابہ ج ۸ ص ۱۲۹

کے نیچے پھینک دو تاکہ یہودی مرعوب ہو جائیں، لیکن یہ خدمت بھی حضرت صفیہؓ ہی کو انجام دینی پڑی، یہودیوں کو یقین ہوا۔ کہ قلعہ میں بھی کچھ فوج متعین ہے۔ اس خیال سے پھر انہوں نے حملہ کی جرأت نہ کی[1]

سنہ ۱۱ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انتقال فرمایا۔ حضرت صفیہؓ کو جو صدمہ ہوا۔ ہوگا ظاہر ہے، نہایت پر درد مرثیہ لکھا، جس کا مطلع یہ ہے۔

لفقد رسول اللہ اذحان یومہ فیاعین جودی بالدموع السواجم

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر اے آنکھ خوب آنسو بہا

یہ مرثیہ ابن اسحاق نے اپنی سیرت میں نقل کیا ہے[2]

وفات حضرت صفیہؓ نے سنہ ۲۰ھ میں وفات پائی اور بقیع میں دفن ہوئیں، اس وقت تہتر[3] برس کا سن تھا۔

فضل و کمال حضرت صفیہؓ نے بقول صاحب اصابہ[3] کچھ حدیثیں بھی روایت کی ہیں، لیکن ہماری نظر سے نہیں گذریں اور نہ مسند میں ان کی حدیثوں کا پتہ چلتا ہے۔

---

[1] طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۲۷ و ۲۸ و اسد الغابہ ج ۵ ص ۴۹۳ [2] اصابہ ج ۸ ص ۱۲۹ [3] اصابہ ج ۸ ص ۱۲۸

(۱۸)

حضرت ام ایمنؓ

نام ونسب برکۃ نام، ام ایمن کنیت، ام الظباء عرف، سلسلہ نسب یہ ہے، برکۃ بنت ثعلبہ بن عمرو بن حصن بن مالک بن سلمہ بن عمرو بن نعمان، حبشہ کی رہنے والی تھیں، اور حضرت عبداللہ (پدر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) کی کنیز تھیں۔ بچپن سے عبداللہ کے ساتھ رہیں اور جب انہوں نے انتقال کیا تو حضرت آمنہ کے پاس رہنے لگیں، ان کے بعد خود سرور کائنات صلے اللہ علیہ وسلم کے حلقہ غلامی میں داخل ہونے کا شرف حاصل کیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ان ہی نے پرورش اور پرداخت کی تھی[۱]

نکاح حارث بن خزرج[۲] کے خاندان میں عبید بن زید ایک شخص تھے، ام ایمنؓ کا ان ہی کے ساتھ عقد ہوا، لیکن جب انہوں نے وفات پائی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زیدؓ بن حارثہ۔ جوکہ محبوب خاص تھے۔ نکاح پڑھایا۔ یہ بعثت کے بعد کا واقعہ ہے۔

اسلام حضرت زیدؓ چونکہ مسلمان ہوچکے تھے، ام ایمنؓ نے بھی اسلام قبول کیا۔

عام حالات جب مسلمانوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کی تو وہ بھی گئیں اور وہاں سے ہجرت کے بعد مدینہ واپس آئیں، غزوۂ احد میں شرکت کی، اس موقع پر وہ لوگوں کو پانی پلاتیں اور زخمیوں کی تیمارداری کرتی تھیں، غزوۂ خیبر میں بھی شریک ہوئیں۔

---

[۱] (اصابہ ج ۸ ص ۲۱۲ و ۲۱۳ [۲] صحیح بخاری (ج ۱ ص ۵۲۹) میں ایمنؓ کے متعلق مذکور ہے۔ وھو رجل من الانصار۔

سلہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انتقال فرمایا، ام ایمن رضؓ سخت مغموم تھیں، اور رو رہی تھیں، حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ نے سمجھایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے خدا کے پاس بہتر چیز موجود ہے۔ جواب ملا "یہ خوب معلوم ہے" اور یہ رونے کا سبب بھی نہیں، رونے کا اصلی سبب یہ ہے کہ اب وحی کا سلسلہ منقطع ہو گیا حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ پر اس جواب کا اس قدر اثر ہوا کہ وہ بھی ان کے ساتھ ملکر زار و قطار رونے لگے[1]

سنہ ۲۳ھ میں حضرت عمرؓ نے وفات شہادت پائی، ام ایمنؓ کو معلوم ہوا تو بہت روئیں، لوگوں نے کہا اب کیوں روتی ہو؟ بولیں اب اس لئے کہ اسلام کمزور پڑ گیا[2]

وفات | ام ایمنؓ نے حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں وفات پائی۔

اولاد | دو اولادیں ہوئیں، ایمنؓ اور اسامہؓ، ایمنؓ پہلے شوہر سے تھے، صحابی ہیں حنین میں شہادت پائی، اسامہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب خاص تھے۔ اور ان کے والد کو بھی یہی درجہ حاصل تھا، نہایت جلیل القدر صحابی تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سے بے انتہا محبت تھی،

فضل و کمال | آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے چند حدیثیں روایت کی ہیں۔ راویوں میں حضرت انسؓ بن مالک، حنش بن عبداللہ صنعانی اور ابو یزیدؓ مدنی داخل ہیں۔

اخلاق | آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کی نہایت عزت کرتے اور فرماتے تھے کہ "ام ایمنؓ میری ماں ہیں" اکثر ان کے مکان تشریف لے جاتے، ایک مرتبہ تشریف لائے تو انہوں نے شربت پیش کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم (کسی وجہ سے) متردد ہوئے، اس پر ام ایمنؓ ناراض ہوئیں (حضرت ام ایمنؓ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پرورش کرنے کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک قسم کا ناز تھا۔ یہ خفگی اسی محبت کی خفگی تھی)[3]

---

[1] صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۴۱ [2] اصابہ ج ۸ ص ۲۱۴ بحوالہ ابن سعد [3] صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۴۱ (نووی شرح مسلم)

انصار نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت سے نخلستان دیئے تھے، جب بنو قریظہ اور بنو نضیر پر فتح حاصل ہوئی تو آپ نے انصارؓ کو ان کے نخلستان واپس کرنا شروع کئے حضرت انسؓ کے کچھ باغ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھے اور آپ نے ام ایمنؓ کو عطا فرمائے تھے۔ حضرت انسؓ آئے تو حضرت ام ایمنؓ نے ان کے واپس کرنے سے انکار کر دیا، اس پر مصر رہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دیکھ کر ان کو باغ سے ۱۰ گنا زیادہ عطا فرمایا۔[1]

[1] صحیح بخاری (زرقانی ج ۳ ص ۲۳۷)

(۱۹)

حضرت فاطمہؓ بنت اسد

نام ونسب | فاطمہ نام، اسد بن ہاشم کی بیٹی اور عبدالمطلب جد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بھتیجی تھیں۔

نکاح | ابو طالب بن عبدالمطلب سے نکاح ہوا جن سے حضرت علیؓ پیدا ہوئے۔

اسلام | آغاز اسلام میں خاندان ہاشم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے زیادہ ساتھ دیا تھا اور ان میں اکثر مسلمان بھی ہو گئے تھے۔ حضرت فاطمہؓ بھی ان ہی لوگوں میں تھیں، اور گو ان کے شوہر ایمان نہیں لائے، تاہم وہ اور ان کی بعض اولاد مشرف بہ اسلام ہوئی۔ جب ابو طالب کا انتقال ہوا۔ تو ان کے بجائے حضرت فاطمہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دست و بازو رہیں۔

ہجرت اور عام حالات | جب مسلمان ہو کر ہجرت کی اجازت ملی تو حضرت فاطمہؓ نے مدینہ کی طرف ہجرت کی، یہاں حضرت علیؓ کا حضرت فاطمہؓ زہرا سے عقد ہوا۔ تو حضرت علیؓ نے اپنی والدہ (حضرت فاطمہؓ بنت اسد) سے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی آتی ہیں، میں پانی بھرونگا اور باہر کا کام کرونگا۔ اور وہ چکی پیسنے اور آٹا گوندھنے میں آپ کی مدد کریں گی۔[1]

وفات | آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں وفات پائی، بعض کا خیال ہے کہ ہجرت سے قبل فوت ہوئیں لیکن یہ صحیح نہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قمیض اتار کر کفن دیا اور

[1] اسد الغابہ ج ۵ ص ۵۱۷

قبر میں اتر کر لیٹ گئے، لوگوں نے وجہ دریافت کی تو فرمایا کہ ابوطالب کے بعد ان سے زیادہ میرے ساتھ کسی نے سلوک نہیں کیا تھا۔ اس بنا پر میں نے ان کو قمیص پہنایا کہ جنت میں ان کو حلّہ ملے اور قبر میں لیٹ گیا کہ شدائد قبر میں کمی واقع ہو[1]

اولاد حسب ذیل اولاد چھوڑی، حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ، طالب عقیل۔

اخلاق اصابہ میں ہے۔

کانت امراءۃ صالحۃ وکان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یزورھا ویقیل فی بیتھا[2]	وہ نہایت صالح بی بی تھیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کی زیارت کو تشریف لاتے اور انکے گھر میں آرام کرتے تھے۔

---

[1] اسد الغابہ ج ۵ ص ۵۱۷　[2] اصابہ ج ۸ ص ۱۶۰

(۲۰)

حضرت ام الفضلؓ

نام ونسب لبابہ نام، ام الفضل کنیت، کبریٰ لقب، سلسلہ نسب یہ ہے۔ لبابۃ الکبریٰ بنت الحارث بن حمزن بن بجیر بن الہرام بن رویبہ بن عبداللہ بن ہلال بن عامر بن صعصعہ، والدہ کا نام ہند بنت عوف تھا۔ اور قبیلہ کنانہ سے تھیں، لبابہ کی حقیقی اور اخیافی کئی بہنیں تھیں جو خاندان ہاشم اور قریش کے دوسرے معزز گھرانوں میں منسوب تھیں، چنانچہ حضرت میمونہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو، لبابہ حضرت عباسؓ (عم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کو سلمیٰ حضرت حمزہؓ (عم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کو اور اسماءؓ حضرت جعفر طیارؓ (برادر حضرت علیؓ) کو منسوب تھیں، اسی بنا پر ان کی والدہ (ہند بنت عوف) کی نسبت مشہور ہے کہ سسرالی قرابت میں ان کا کوئی نظیر نہیں،

نکاح حضرت عباسؓ سے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عم محترم تھے، نکاح ہوا،

اسلام ہجرت سے قبل مسلمان ہوئیں، ابن سعد کا خیال ہے کہ انہوں نے حضرت خدیجہؓ کے بعد اسلام قبول کیا تھا، باقی اور عورتیں ان کے بعد ایمان لائیں، اس لحاظ سے ان کے ایمان لانے کا زمانہ بہت قدیم ہو جاتا ہے۔

حالات ام الفضلؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج بھی کیا ہے، چنانچہ حجۃ الوداع میں جب لوگوں کو عرفہ کے دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صائم ہونے کی نسبت شبہ ہوا اور ان کے پاس آکر ذکر کیا، تو انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک پیالہ دودھ بھیجا، آپ چونکہ روزہ سے نہ تھے پی لیا اور لوگوں کو تشفی ہو گئی[1]

---

[1] صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۶۷

وفات ام الفضل رضی اللہ عنہا نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں وفات پائی، اس وقت حضرت عباس رضی اللہ عنہ زندہ تھے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جنازہ کی نماز پڑھائی۔

اولاد حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی اکثر اولاد ان ہی کے بطن سے پیدا ہوئی، اور چونکہ سب بیٹے نہایت قابل تھے۔ اس لئے بڑی خوش قسمت سمجھی جاتی تھیں، فضل، عبداللہ رضی اللہ عنہ، معبد، عبیداللہ، قثم، عبدالرحمٰن اور ام حبیبہ ان ہی کی یادگار ہیں، ان میں حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ اور عبیداللہ آسمانِ علم کے مہر و ماہ تھے۔

فضل و کمال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ۳۰ حدیثیں روایت کی ہیں، راوی حسب ذیل اصحاب ہیں، عبداللہ، تمام (پسران عباس رضی اللہ عنہ) انس بن مالک، عبداللہ بن حارث بن نوفل، عمیر، کریب، قابوس

اخلاق عابدہ اور زاہدہ تھیں، ہر دوشنبہ اور پنجشنبہ کو روزہ رکھتی تھیں[1] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتی تھیں، آپ اکثر ان کے ہاں جاتے اور دوپہر کے وقت آرام فرماتے تھے۔

---

[1] خلاصۂ تہذیب ص ۴۹۵

(۲۱)

حضرت ام رومانؓ

نام ونسب نام معلوم نہیں، ام رومان کنیت ہے۔ قبیلۂ کنانہ کے خاندان فراس[1] سے تھیں، سلسلۂ نسب یہ ہے، ام رومان بنت عامر بن عویمر بن عبد شمس بن عتاب بن اذینہ بن سبیع ابن وہمان بن حارث بن غنم بن مالک بن کنانہ،

نکاح عبد اللہ بن سنجرہ سے نکاح ہوا۔ اور انہی کے ہمراہ مکہ آکر اقامت کی، عبداللہ حضرت ابوبکرؓ کے حلیف بن گئے تھے، اس بنا پر جب انہوں نے انتقال کیا تو حضرت ابوبکرؓ نے خود نکاح کرلیا۔

اسلام کچھ زمانے کے بعد مکہ سے اسلام کی صدا بلند ہوئی، تو حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ انہوں نے بھی اس صدا کو لبیک کہا۔

ہجرت ہجرت کے وقت حضرت ابوبکرؓ تنہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں مدینہ کو روانہ ہوگئے تھے لیکن ان کا خاندان مکہ میں مقیم تھا۔ مدینہ پہنچے تو وہاں سے زیدؓ ابن حارثہ اور ابو رافع مستورات کو لانے کے لئے بھیجے گئے، ام رومانؓ بھی ان ہی کے ہمراہ مدینہ میں آئیں۔

عام حالات شعبان ۶ھ میں افک کا واقعہ پیش آیا، ام رومانؓ کے لئے یہ نہایت مصیبت کا وقت تھا حضرت عائشہؓ کو اس واقعہ کی خبر ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لیکر میکہ آئیں حضرت ابوبکرؓ بالاخانے پر تھے اور ام رومان نیچے بیٹھی تھیں، پوچھا کیسے آئیں؟

---

[1] صحیح بخاری ج ۱ ص ۸۵

حضرت عائشہؓ نے سارا واقعہ بیان کیا بولیں" بیٹی اس میں گھبرانے کی کوئی بات نہیں جو عورت اپنے خاوند کو زیادہ محبوب ہوتی ہے۔ اس کی سوتیں حسد کی وجہ سے ایسا کرتی ہیں" لیکن حضرت عائشہؓ کو اس سے کچھ تسکین نہ ہوئی۔ اور چیخ مار کر رو دیں۔ حضرت ابوبکرؓ نے آواز سنی تو بالاخانہ سے اتر آئے اور خود بھی رونے لگے پھر ان سے کہا کہ تم اپنے گھر واپس جاؤ اس کے ساتھ ہی ام رومانؓ کو لے کر خود بھی روانہ ہوئے، حضرت عائشہؓ کو چونکہ اس صدمہ سے بخار آ گیا تھا۔ دونوں نے ان کو گود میں لٹایا، عصر پڑھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور فرمایا" عائشہؓ! اگر واقعی تم سے ایسی غلطی ہوئی تو خدا سے توبہ کرو۔" حضرت عائشہؓ نے والدین سے کہا کہ آپ لوگ جواب دیں، لیکن جواب ملا کہ ہم کیا کہہ سکتے ہیں؟ غرض حضرت عائشہؓ نے خود جواب دیا، جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوئی، جس میں ان کی صاف طور پر برأت کی گئی تھی تو حضرت ام رومانؓ بولیں کہ "تم اٹھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤ" حضرت عائشہؓ نے کہا" میں ان کی مشکور ہوں اور نہ آپ کی ہوں صرف اپنے خدا کا شکریہ ادا کرتی ہوں"[1]

اسی سنہ کے اخیر میں مہمانوں کا واقعہ پیش آیا، حضرت ابوبکرؓ اصحاب صفہ میں سے ۳ صاحبوں کو اپنے گھر لائے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے، تو واپسی میں دیر ہو گئی، گھر آئے تو ام رومانؓ نے کہا کہ مہمانوں کو چھوڑ کر کہاں بیٹھ رہے؟ بولے تم نے کھانا نہیں کھلایا؟ جواب ملا کھانا بھیجا تھا لیکن ان لوگوں نے انکار کیا، غرض کھانا کھلایا گیا اور اس قدر برکت ہوئی کہ نہایت افراط کے ساتھ بچ رہا تھا حضرت ابوبکرؓ نے حضرت ام رومانؓ سے پوچھا اب کتنا ہے؟ بولیں ۳ گنے سے زیادہ، چنانچہ سب اٹھوا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیج دیا گیا۔[2]

وفات | حضرت ام رومانؓ نے ۶ھ یا اس کے بعد انتقال کیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] صحیح بخاری ج ۲ ص ۵۹۵ و ۵۹۶ و ۶۹۹ و ۷۰۰ [2] صحیح بخاری ج ۱ ص ۸۴ و ۸۵

خود قبر میں اترے اور ان کے لئے مغفرت کی دعا کی بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ۶ھ میں وفات پائی تھی۔ لیکن یہ صحیح نہیں، کیونکہ واقعات سے اس کی تردید ہوتی ہے۔

اولاد اوپر گذر چکا ہے۔ کہ حضرت ام رومانؓ نے دو نکاح کئے تھے۔ پہلے شوہر سے ایک لڑکا پیدا ہوا۔ جس کا نام طفیل تھا۔ حضرت ابوبکرؓ سے دو اولادیں ہوئیں۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ اور حضرت عائشہؓ،

(۲۲)

حضرت سمیہ رض

خیاط کی بیٹی اور حضرت عمار بن یاسر رض کی والدہ ہیں۔ ابو حذیفہ بن مغیرہ مخزومی کی کنیز تھیں۔

نکاح | یاسر عبسی سے کہ ابو حذیفہ کے حلیف تھے، نکاح ہوا، حضرت عمار رض پیدا ہوئے تو ابو حذیفہ نے ان کو آزاد کر دیا[1]

اسلام | ایام پیری میں مکہ سے اسلام کی صدا بلند ہوئی، تو حضرت سمیہ رض، یاسر رض اور عمار رض تینوں نے اس دعوت کو لبیک کہا، تاریخ میں ہے۔ کہ حضرت سمیہ رض کا اسلام قبول کرنے والوں میں ساتواں نمبر تھا۔ کچھ دن اطمینان سے گذرے تھے، کہ قریش کا ظلم وستم شروع ہوگیا۔ اور بہ تدریج بڑھتا گیا، چنانچہ جو شخص جس مسلمان پر قابو پاتا طرح طرح کی دردناک تکلیفیں دیتا تھا حضرت سمیہ رض کو بھی خاندانِ مغیرہ نے شرک پر مجبور کر دیا۔ لیکن وہ اپنے عقیدہ پر نہایت شدت سے قائم رہیں۔ جس کا صلہ یہ ملا کہ مشرکین ان کو مکہ کی جلتی تپتی ریت پر لوہے کی زرہ پہنا کر دھوپ میں کھڑا کرتے تھے، لیکن ان کے عزم و استقلال کے چھینٹوں کے سامنے یہ آتش کدہ سرد پڑ جاتا تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ادھر سے گذرتے تو یہ حالت دیکھ کر فرماتے، آل یاسر! صبر کرو اس کے عوض تمہارے لئے جنت ہے،

شہادت | دن بھر اس مصیبت میں رہ کر شام کو نجات ملتی تھی، ایک مرتبہ شب کو گھر آئیں تو ابو جہل نے ان کو گالیاں دینی شروع کیں اور پھر اس کا غصہ اس قدر تیز ہوا کہ اٹھ کر ایسی

[1] اصابہ ج ۸ ص ۱۱۴ و استیعاب ج ۲ ص ۷۵۹

برچھی ماری کہ حضرت سمیہؓ جان بحق تسلیم ہوگئیں، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔

بنا کردند خوش رسمے بخون و خاک غلطیدن خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را۔

حضرت عمارؓ کو اپنی والدہ کی اس بے کسی پر سخت افسوس تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے آکر کہا کہ اب حد ہوگئی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صبر کی تاکید فرمائی، اور کہا خداوندا! آل یاسرؓ کو جہنم سے بچا" یہ واقعہ ہجرت نبوی سے قبل کا ہے، اس بنا پر حضرت سمیہؓ اسلام میں سب سے پہلے شہید ہوئیں۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہا[1]

غزوۂ بدر میں جب ابوجہل مارا گیا، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمارؓ سے فرمایا" دیکھو تمہاری ماں کے قاتل کا خدا نے فیصلہ کر دیا[2]

[1] استیعاب ج ۲ ص ۷۶۰ [2] اصابہ ج ۸ ص ۱۱۴ بحوالہ ابن سعد

(۲۳)

حضرت ام سلیمؓ

نام ونسب | سہلہ یا رملہ نام، ام سلیم کنیت، غمیصاء اور رمیصا لقب، سلسلہ نسب یہ ہے ام سلیم بنت ملحان بن خالد بن زید بن حرام بن جندب بن عامر بن غنم بن عدی بن نجار، ماں کا نام ملیکہ[1] بنت مالک بن عدی بن زید مناۃ تھا۔ آبائی سلسلہ سے حضرت ام سلیمؓ سلمیٰ بنت زید کی پوتی تھیں سلمیٰ، عبدالمطلب جد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ تھیں اسی بنا پر ام سلیمؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خالہ مشہور ہیں۔

نکاح | مالک بن نضر سے نکاح ہوا۔

اسلام | مدینہ میں اوائل اسلام میں مسلمان ہوئیں، مالک چونکہ اپنے آبائی مذہب پر قائم رہنا چاہتے تھے۔ اور ام سلیمؓ تبدیل مذہب پر اصرار کرتی تھیں اس لئے دونوں میں کشیدگی پیدا ہوئی اور مالک ناراض ہو کر شام چلے گئے، اور وہیں انتقال کیا، ابوطلحہ نے جو اسی قبیلہ سے تھے نکاح کا پیغام دیا۔ لیکن ام سلیمؓ کو اب بھی وہی عذر تھا۔ یعنی ابوطلحہ مشرک تھے۔ اس لئے وہ ان سے نکاح نہیں کر سکتی تھیں۔

غرض ابوطلحہ نے کچھ دن غور کر کے اسلام کا اعلان کیا اور ام سلیمؓ کے سامنے آکر کلمہ پڑھا، حضرت ام سلیمؓ نے حضرت انسؓ سے کہا کہ اب تم ان کے ساتھ میرا نکاح کردو[2] ساتھ ہی مہر معاف کر دیا اور کہا "میرا مہر اسلام ہے" حضرت انسؓ کہا کرتے تھے کہ یہ نہایت عجیب وغریب مہر تھا۔

[1] اصابہ ج ۸ ص ۲۴۴ [2] اصابہ بحوالہ ابن سعد

عام حالات نکاح کے بعد حضرت ابوطلحہؓ نے بیعت عقبہ میں شرکت کی اور چند ماہ کے بعد جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تشریف لائے، حضرت ام سلیمؓ اپنے صاحبزادے (حضرت انسؓ) کو لے کر حضور میں آئیں اور کہا "انیس کو آپ کی خدمت کے لئے پیش کرتی ہوں، یہ میرا بیٹا ہے آپ اس کے لئے دعا فرمائیں" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی[1]

اسی زمانہ میں آپ نے مہاجرین اور انصار میں مواخاۃ کی، اور یہ مجمع ان ہی کے مکان میں ہوا[2]

غزوات میں حضرت ام سلیمؓ نے نہایت جوش سے حصہ لیا صحیح مسلم میں ہے[3]:

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یغزو بام سلیم و نسوۃ من الانصار معہ اذا غزا فیسقین الماء و یداوین الجرحی۔	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ام سلیمؓ اور انصار کی چند عورتوں کو غزوات میں ساتھ رکھتے تھے، جو لوگوں کو پانی پلاتیں اور زخمیوں کی مرہم پٹی کرتی تھیں۔

غزوہ احد میں جب مسلمانوں کے جمے ہوئے قدم اکھڑ گئے تھے، وہ نہایت مستعدی سے کام کر رہی تھیں صحیح بخاری میں حضرت انسؓ سے منقول ہے کہ "میں نے حضرت عائشہؓ اور حضرت ام سلیمؓ کو دیکھا کہ مشک بھر بھر کر لاتی تھیں، اور زخمیوں کو پانی پلاتی تھیں، مشک خالی ہو جاتی تھی تو پھر جا کر بھر لاتی تھیں"[4]

۵ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینبؓ سے نکاح کیا، اس موقع پر حضرت ام سلیمؓ نے ایک لگن میں مالیدہ بنا کر حضرت انسؓ کے ہاتھ بھیجا اور کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہنا کہ اس حقیر ہدیہ کو قبول فرمائیں[5]

---

[1] صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۵۲ و صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۴۴ [2] بخاری [3] مسلم ج ۲ ص ۱۰۳ [4] صحیح بخاری کتاب المغازی ج ۲ ص ۵۸۱
[5] صحیح مسلم ج ۱ ص ۵۵

سنہ ھ میں خیبر کا واقعہ ہوا حضرت ام سلیمؓ اس میں شریک تھیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صفیہؓ سے نکاح کیا۔ تو حضرت ام سلیمؓ (ہی نے حضرت صفیہؓ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے سنوارا تھا[1])

غزوۂ حنین میں وہ ایک خنجر ہاتھ میں لئے تھیں۔ ابوطلحہؓ نے دیکھا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ ام سلیمؓ خنجر لئے ہیں آپؐ نے پوچھا کیا کرو گی؟ بولیں "اگر کوئی مشرک قریب آئے گا تو اس سے اس کا پیٹ چاک کردوں گی" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ سن کر مسکرا دیئے حضرت ام سلیمؓ نے کہا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) مکہ کے جو لوگ فرار ہوگئے ہیں ان کے قتل کا حکم دیجئے، ارشاد ہوا "خدا نے خود ان کا انتظام کردیا ہے[2]"

وفات حضرت ام سلیمؓ کی وفات کا سال اور مہینہ معلوم نہیں، لیکن قرینہ یہ ہے کہ انہوں نے خلافت راشدہ کے ابتدائی زمانہ میں وفات پائی ہے۔

اولاد جیسا کہ اوپر معلوم ہوا انہوں نے دو نکاح کئے تھے، پہلے شوہر سے حضرت انسؓ پیدا ہوئے، حضرت ابوطلحہؓ سے دو لڑکے پیدا ہوئے، ابوعمیر اور عبداللہ، ابوعمیر صغر سنی میں فوت ہوگئے اور عبداللہ سے نسل چلی۔

فضل و کمال حضرت ام سلیمؓ سے چند حدیثیں مروی ہیں، جن کو حضرت انسؓ، حضرت ابن عباسؓ، زید بن ثابت، ابوسلمہ اور عمرو بن عاصم نے ان سے روایت کیا ہے لوگ ان سے مسائل دریافت کرتے تھے، حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور زید بن ثابتؓ میں ایک مسئلہ میں اختلاف ہوا تھا تو ان بزرگوں نے ان ہی کو حکم مانا[3]

ان کو مسائل کے پوچھنے میں کچھ عار نہ تھا۔ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خدمت میں آئیں۔ اور کہا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) خدا حق بات سے نہیں شرماتا کیا عورت پر خواب میں غسل واجب ہے، ام المومنین حضرت ام سلمہؓ یہ سوال سن رہی تھیں، بیساختہ ہنس پڑیں کہ تم نے

---

[1] ایضاً ص ۵۴۶ [2] ایضاً ج ۲ ص ۱۰۳ [3] مسند ج ۶ ص ۴۳۰ و ۴۳۱

عورتوں کی بڑی فضیحت کی؟ بھلا کہیں عورتوں کو بھی ایسا ہوتا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کیوں نہیں؟ ورنہ بچے ماں کے ہم شکل کیوں ہوتے ہیں[1]

اخلاق حضرت ام سلیمؓ میں بڑے بڑے فضائل اخلاق جمع تھے، جوش ایمان کا یہ عالم تھا کہ اپنے پہلے شوہر سے صرف اس بنا پر علیحدگی اختیار کی کہ وہ اسلام قبول کرنے پر رضامند نہ تھے حضرت ابو طلحہؓ نے نکاح کا پیغام دیا تو محض اس وجہ سے رد کر دیا کہ وہ مشرک اس موقع پر انہوں نے ابو طلحہؓ کو جس خوبی سے اسلام کی دعوت دی وہ سننے کے قابل ہے مسند احمد میں ہے۔

قالت یا ابا طلحۃؓ! الست تعلم	ام سلیمؓ نے کہا ابو طلحہؓ! تم جانتے ہو کہ تمہارا
ان الٰھك الذی تعبد نبت من	معبود زمین سے اگا ہے؟ انہوں نے جواب دیا
الارض قال بلی قالت افلا تستحی	ہاں حضرت ام سلیمؓ بولیں تو پھر تم کو درخت
تعبد شجرۃ (اصابہ ج ۸ ص ۲۴۳ بحوالہ مسند)	کی پوجا کرتے شرم نہیں آتی؟

حضرت ابو طلحہؓ پر اس تقریر کا اثر ہوا کہ فوراً مسلمان ہو گئے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حد درجہ محبت کرتی تھیں، آپ اکثر ان کے مکان تشریف لے جاتے اور دوپہر کو آرام فرماتے تھے۔ جب بستر سے اٹھتے تو وہ آپ کے پسینے اور ٹوٹے ہوئے بالوں کو ایک شیشی میں جمع کرتی تھیں[2]

ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی مشک سے منہ لگا کر پانی پیا تو وہ اٹھیں اور مشک کا منہ کاٹ کر اپنے پاس رکھ لیا کہ اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دہن مبارک مس ہوا ہے[3]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ان سے خاص محبت تھی، صحیح مسلم میں ہے[4]

کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا یدخل	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ازواج مطہرات کے
علی احد من النساء الا علی ازواجہ الا	علاوہ اور کسی عورت کے یہاں نہیں جاتے تھے لیکن
ام سلیمؓ فانہ یدخل علیھا	ام سلیمؓ کے یہاں جاتے تھے، لوگوں نے دریافت کیا، تو

[1] ایضاً ص ۱۹۲ و ۳۰۶ (۳۷۶ ج ۶) [2] صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۲۹ [3] مسند ج ۶ ص ۳۷۶ [4] صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۴۱

فقیل لہ فی ذالک فقال انی ارحمھا قتل اخوھا معی — فرمایا مجھے ان پر رحم آتا ہے، ان کے بھائی (حرام رضؓ) نے میرے ساتھ رہ کر شہادت پائی ہے۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ اکثر اوقات حضرت ام سلیمؓ کے مکان پر تشریف لیجاتے تھے۔

حضرت ام سلیمؓ نہایت صابر اور مستقل مزاج تھیں، ابوعمیر ان کا بہت لاڈلا اور پیارا بیٹا تھا لیکن جب اس نے انتقال کیا تو نہایت صبر سے کام لیا اور گھر والوں کو منع کیا کہ ابو طلحہؓ کو اس واقعہ کی خبر نہ کریں، رات کو ابو طلحہؓ آئے تو ان کو کھانا کھلایا اور نہایت اطمینان سے بستر پر لیٹے، کچھ رات گذرنے پر ام سلیمؓ نے اس واقعہ کا تذکرہ کیا لیکن عجیب انداز سے کیا۔ بولیں اگر تم کو کوئی شخص عاریۃً ایک چیز دے اور پھر اس کو واپس لینا چاہے تو کیا تم اس کے دینے سے انکار کردگے؟ ابو طلحہؓ نے کہا کبھی نہیں، کہا تو اب تم کو اپنے بیٹے کی طرف سے صبر کرنا چاہیئے۔ ابو طلحہؓ یہ سن کر غصہ ہوئے، کہ پہلے سے کیوں نہ بتلایا۔ صبح اٹھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے اور سارا واقعہ بیان کیا، آپ نے فرمایا، خدا نے اس رات تم دونوں کو بڑی برکت دی[1]۔

اسی طرح ایک مرتبہ ابو طلحہؓ آئے اور کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھوکے ہیں کچھ بھیجدو، حضرت ام سلیمؓ نے چند روٹیاں ایک کپڑے میں لپیٹ کر حضرت انسؓ کو دیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جاکر پیش کردیں۔ آپ مسجد میں تھے اور صحابہؓ بھی بیٹھے ہوئے تھے حضرت انسؓ کو دیکھ کر فرمایا ابو طلحہؓ نے تم کو بھیجا ہے؟ بولے جی ہاں، فرمایا کھانے کے لیے؟ کہا ہاں، آپ تمام صحابہؓ کو لے کر ابو طلحہؓ کے مکان پر تشریف لائے۔ ابو طلحہؓ گھبرا گئے، اور حضرت ام سلیمؓ سے کہا اب کیا کیا جائے؟ کھانا نہایت قلیل ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک مجمع کے ساتھ تشریف لائے ہیں، حضرت ام سلیمؓ نے نہایت استقلال سے جواب دیا، کہ ان باتوں کو خدا اور رسول زیادہ جانتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اندر آئے، تو حضرت ام سلیمؓ نے وہی روٹیاں اور سالن سامنے رکھ دیا، خدا کی شان اس میں بڑی برکت ہوئی

[1] صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۴۲

اور سب لوگ کھا کر سیر ہو گئے۔[1]

حضرت ام سلیمؓ کے فضائل و مناقب بہت ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میں جنت میں گیا تو مجھکو آہٹ معلوم ہوئی، میں نے کہا کون ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ انسؓ کی والدہ غمیصا بنت ملحان ہیں۔[2]

---

[1] صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۱۰ [2] صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۴۲

(۲۴)

حضرت ام عمارہؓ

نام ونسب | نسیبہ نام، ام عمارہ کنیت۔ قبیلۂ خزرج کے خاندان نجار سے ہیں۔ نسب نامہ یہ ہے، ام عمارہؓ بنت کعب بن عمرو بن عوف بن مبذول بن عمرو بن غنم بن مازن بن نجار

نکاح | پہلا نکاح زید بن عاصم سے ہوا۔ پھر عزیہ بن عمرو کے عقد نکاح میں آئیں۔

اسلام | اوران ہی کے ساتھ بیعت عقبہ میں شرکت کی، سیرت کی کتابوں میں مذکور ہے کہ بیعت عقبہ میں ۷۳ مرد اور دو عورتیں شامل تھیں، حضرت ام عمارہؓ کا بھی ان ہی میں شمار ہے۔

غزوات | غزوۂ احد میں شریک ہوئیں اور نہایت پامردی سے لڑیں، جب تک مسلمان فتحیاب تھے۔ وہ مشک میں پانی بھر کر لوگوں کو پلا رہی تھیں، لیکن جب شکست ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچیں اور سینہ سپر ہوگئیں، کفار جب آپ پر بڑھتے تھے تو تیر اور تلوار سے روکتی تھیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خود بیان ہے کہ میں احد میں انکو اپنے داہنے اور بائیں برابر لڑتے ہوئے دیکھتا تھا، ابن قمیہ جب ڈراتا ہوا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچ گیا تو حضرت ام عمارہؓ نے بڑھ کر روکا، چنانچہ کندھے پر زخم آیا اور غار پڑ گیا انہوں نے بھی تلوار ماری لیکن وہ دوہری زرہ پہنے ہوئے تھا۔ اس لئے کارگر نہ ہوئی[1] بعض روایتوں میں ہے کہ انہوں نے ایک کافر کو قتل کیا تھا۔ احد کے بعد بیعت الرضوان، خیبر اور فتح مکہ میں بھی شرکت کی

حضرت ابوبکرؓ کے عہد میں یمامہ کی جنگ پیش آئی مسیلمۂ کذاب سے جو مدعی نبوت تھا مقابلہ تھا حضرت ام عمارہؓ اپنے ایک لڑکے (حبیب) کو لے کر حضرت خالدؓ کے ساتھ روانہ ہوئیں،

---

[1] ابن ہشام ص ۸۴

اور جب مسیلمہ نے ان کے لڑکے کو قتل کردیا، تو انہوں نے منت مانی کہ "یا مسیلمہ قتل ہوگا یا وہ خود جان دیدینگی" یہ کہہ کر تلوار کھینچ لی اور میدان جنگ کی طرف روانہ ہوئیں اور اس پامردی سے مقابلہ کیا کہ ۱۲ زخم کھائے اور ایک ہاتھ کٹ گیا۔

اس جنگ میں مسیلمہ بھی مارا گیا

وفات اس کے بعد معلوم نہیں کب تک زندہ رہیں۔

اولاد وفات کے وقت چار اولادیں یادگار چھوڑیں، حبیب، عبد اللہ (پہلے شوہر سے) تمیم، خولہ (دوسرے شوہر سے)

فضل وکمال چند حدیثیں روایت کی ہیں جو عباد بن تمیم (پوتے) لیلے (کنیز) عکرمہ، حارث ابن کعب اور ام سعد بنت سعد بن ربیع سے مروی ہیں۔

اخلاق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کو جو محبت تھی اس کا اصلی منظر تو غزوہ احد میں نظر آتا ہے، لیکن اور بھی چھوٹے چھوٹے واقعات ہیں، ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے مکان میں تشریف لائے تو انہوں نے کھانا پیش کیا۔ ارشاد ہوا تم بھی کھاؤ۔ بولیں میں روزہ سے ہوں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کھانا نوش فرمایا اور فرمایا کہ روزہ دار کے پاس اگر کچھ کھایا جائے تو اس پر فرشتے درود بھیجتے ہیں[1]

جوش اسلام کا نظارہ بھی اوپر کے واقعات سے ہوسکتا ہے۔

---

[1] مسند ج ۶ ص ۳۶۵

(۲۵)

حضرت ام عطیہ رضؓ

نام و نسب نسیبہ بنت حارث نام، انصار کے قبیلہ ابی مالک بن النجار سے تھیں[۱]۔

اسلام ہجرت سے قبل مسلمان ہوئیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو انصار کی عورتوں کو ایک مکان میں بیعت کے لئے جمع کیا اور حضرت عمرؓ کو دروازہ پر بھیجا کہ ان شرائط پر بیعت لیں کہ شرک نہ کریں گی، چوری اور زنا سے بچیں گی، اولاد کو قتل نہ کریں گی، کسی پر بہتان نہ باندھیں گی، اچھی باتوں سے انکار نہ کریں گی، عورتوں نے یہ سب تسلیم کیا، تو حضرت عمرؓ نے اندر کی طرف ہاتھ بڑھایا، اور عورتوں نے اپنے ہاتھ باہر نکالے جو بیعت کی علامت تھی" اس کے بعد حضرت ام عطیہؓ نے پوچھا کہ اچھی باتوں سے انکار کرنے کے کیا معنی ہیں؟ حضرت عمرؓ نے فرمایا نوحہ اور بین نہ کرنا[۲]۔

غزوات اور عام حالات حضرت ام عطیہؓ عہد رسالت کے سات معرکوں میں شریک ہوئیں جن میں وہ مردوں کے لئے کھانا پکاتی، ان کے سامان کی حفاظت کرتی، مریضوں کی تیمارداری اور زخمیوں کی مرہم پٹی کرتی تھیں[۳]۔

سنہ ۸ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت زینبؓ کا انتقال ہوا، تو حضرت ام عطیہؓ اور چند عورتوں نے ان کو غسل دیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو نہلانے کی ترکیب بتلائی[۴]۔

---

[۱] (طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۳۲۱ و ۳۲۲) [۲] مسند ج ۶ ص ۴۰۹ [۳] صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۰۵

[۴] صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۶۸ (و مسلم ج ۱ ص ۳۴۶ و ۳۴۷)

خلافت راشدہ کے زمانہ میں ان کا ایک لڑکا کسی غزوہ میں شریک تھا، بیمار ہو کر بصرہ آیا، حضرت ام عطیہؓ مدینہ میں تھیں، خبر ملی تو نہایت عجلت سے بصرہ روانہ ہوئیں، لیکن پہنچنے کے ایک دو دن قبل وہ وفات پاچکا تھا، یہاں آکر انہوں نے بنو خلف کے قصر میں قیام کیا، تیسرے روز انہوں نے خوشبو منگا کر ملی اور کہا کہ شوہر کے علاوہ اور کسی کے لئے ۳ دن سے زیادہ سوگ نہیں کرنا چاہئے[1]

اس کے بعد بصرہ میں مستقل سکونت اختیار کر لی[2]

وفات وفات کی تاریخ اور سنہ معلوم نہیں اور نہ اولاد کی تفصیل کا علم ہے۔

فضل و کمال چند حدیثیں روایت کی ہیں، راویوں میں حسب ذیل اصحاب ہیں۔

حضرت انسؓ، ابن سیرین، حفصہ بنت سیرین، اسمٰعیل بن عبدالرحمٰن بن عطیہ عبدالملک ابن عمیر، علی بن الاقمر، ام شراحیل۔

صحابہ اور تابعین ان سے میت کے نہلانے کا طریقہ سیکھتے تھے[3]

اخلاق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت محبت کرتی تھیں، اور آپؐ بھی ان سے محبت کرتے تھے، ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے پاس صدقہ کی ایک بکری بھیجی تو انہوں نے اس کا گوشت حضرت عائشہؓ کے پاس روانہ کیا، آپؐ گھر میں تشریف لاتے تو کھانے کے لئے مانگا۔ بولیں اور تو کچھ نہیں ہے البتہ جو بکری آپ نے نسیبہؓ کے پاس بھیجی تھی اس کا گوشت رکھا ہے۔ آپ نے فرمایا لاؤ، کیونکہ وہ مستحق کے پاس پہنچ چکی ہے[4]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپ کے اعزہ و اقارب سے بھی خاص تعلقات تھے۔ چنانچہ ابن سعد نے لکھا ہے کہ حضرت علیؓ حضرت عطیہؓ کے مکان میں قیلولہ فرماتے تھے[5]

احکام نبوی کی پوری پابندی کرتی تھیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعت میں نوحہ

---

[1] صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۷۰ (باب احداد المرأۃ علی غیر زوجہا) [2] اسد الغابہ ج ۵ ص ۶۰۳

[3] تہذیب ج ۱۲ ص ۴۵۵ (اصابہ ج ۸ ص ۲۵۱) [4] صحیح مسلم ج ۱ ص ۴۰۱ [5] اصابہ ج ۸ ص ۲۵۹

کی ممانعت کی تھی، اس پر انہوں نے ہمیشہ عمل کیا۔ چنانچہ بیعت ہی کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ فلاں خاندان کے لوگ میرے ہاں رہ چکے ہیں۔ اس لئے مجھ کو بھی ان کے ہاں جاکر رہنا ضروری ہے، آپؐ اس خاندان کو مستثنیٰ کر دیجئے۔ چنانچہ آپ نے مستثنیٰ کر دیا[1] (بعض روایات میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام عطیہؓ کو کوئی جواب نہیں دیا اور جن روایات سے ثابت ہے کہ حضور نے ان کو مستثنیٰ کر دیا۔ ان کا مطلب یہ ہے کہ یہ استثناء حضرت ام عطیہؓ کے لئے خاص تھا۔ ورنہ اصلی مسئلہ کہ نوحہ جائز نہیں ہے اپنی جگہ پر ثابت ہے لڑکے کی وفات اور اس پر سوگ کرنے کا حال ابھی گذر چکا ہے۔

---

[1] مسند ج ۶ ص ۴۰۷ ([2] مجمع بحار الانوار ج ۲ ص ۱۱۴)

(۲۶)

حضرت ربیعؓ بنت معوذ بن عفراء

نام ونسب | ربیع نام، قبیلہ خزرج کے خاندان نجار سے ہیں سلسلہ نسب یہ ہے۔ ربیع بنت معوذ بن حارث بن رفاعہ بن حارث بن سواد بن مالک بن غنم بن مالک بن نجار، والدہ کا نام ام یزید تھا، جو قیس بن زعوراء کی بیٹی تھی، حضرت ربیعؓ اور ان کے تمام بھائی عفراء کی اولاد مشہور ہیں، عفراء ان لوگوں کی دادی تھیں[1]

اسلام | ہجرت کے قبل مسلمان ہوئیں۔

نکاح | ایاس بن بکیر لیثی سے شادی ہوئی، صبح کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے گھر تشریف لائے اور بستر پر بیٹھ گئے، لڑکیاں دف بجا بجا کر شہدائے بدر کے مناقب میں اشعار پڑھ رہی تھیں، اس ضمن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں بھی کچھ اشعار پڑھے۔ جن میں ایک مصرع یہ تھا،

وفینا نبی یعلم ما فی غد — اور ہم میں وہ ہی ہے جو کل کی بات جانتا ہے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ نہ کہو (اور اس کے علاوہ جو کہتی تھیں وہ کہو)[2]

عام حالات | غزوات میں شرکت کرتی تھیں، زخمیوں کا علاج کرتیں لوگوں کو پانی پلاتیں اور مقتولوں کو مدینہ پہنچاتی اور فوج کی خدمت کرتی تھیں[3]

غزوہ حدیبیہ میں بھی موجود تھیں، جب بیعت رضوان کا وقت آیا تو انہوں نے بھی آکر بیعت کی۔

سنہ ۳۵ھ میں اپنے شوہر سے علیحدہ ہوئیں، شرط یہ تھی کہ جو کچھ میرے پاس ہے اس کو لیکر مجھ سے

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۱۲ ص ۴۱۸ [2] صحیح بخاری ج ۲ ص ۵۷۰ [3] مسند ج ۶ ص ۳۵۸

دست بردار ہو جاؤ، چنانچہ اپنا تمام سامان ان کو دے دیا، صرف ایک کرتی رہنے دی لیکن شوہر کو یہ بھی گوارا نہ ہوا۔ جاکر حضرت عثمانؓ کی عدالت میں مقدمہ دائر کیا، چونکہ ربیع نے کل چیزوں کی شرط کی تھی حضرت عثمان نے فرمایا۔ کہ تم کو اپنا وعدہ پورا کرنا چاہیئے۔ اور شوہر سے فرمایا کہ تم ان کے جوڑا باندھنے کی دھجی تک لے سکتے ہو[1]

وفات حضرت ربیعؓ کی وفات کا سال نامعلوم ہے۔

اولاد اولاد میں محمد مشہور ہیں۔

فضل وکمال حضرت ربیعؓ سے ۲۱ حدیثیں مروی ہیں، علمی حیثیت سے ان کا یہ پایہ تھا کہ حضرت ابن عباس اور حضرت زین العابدینؒ ان سے مسائل دریافت کرتے تھے[2] راویوں میں بہت سے بزرگ ہیں، مثلاً عائشہؓ بنت انس بن مالک، سلیمان بن یسار، ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن، نافع، عبادہ بن الولید، خالد بن ذکوان، عبداللہ بن محمد بن عقیل، ابوعبیدہ بن محمد (حضرت عمارؓ ابن یاسر کے پوتے) محمد بن عبدالرحمٰن بن ثوبان،

اخلاق جوش ایمان اس سے ظاہر ہے کہ ایک مرتبہ اسماء بنت مخربہ جو ابوربیعہ مخزومی کی بیوی تھی، اور عطر بیچتی تھی، چند عورتوں کے ساتھ ربیعؓ کے گھر آئی، اور ان کا نام ونسب دریافت کیا، چونکہ ربیعؓ کے بھائی نے ابوجہل کو بدر میں قتل کیا تھا، اور اسماء قریش کے قبیلے سے تھی بولی "تو تم ہمارے سردار کے قاتل کی بیٹی ہو؟" حضرت ربیعؓ کو ابوجہل کی نسبت سردار کا لفظ نہایت ناگوار ہوا۔ بولیں "سردار نہیں بلکہ غلام کے قاتل کی بیٹی ہوں" اسماء کو ابوجہل کی شان میں یہ گستاخی پسند نہ آئی جھنجھلا کر کہا کہ مجھ کو تمہارے ہاتھ سودا بیچنا حرام ہے حضرت ربیعؓ نے برجستہ کہا، مجھ کو تم سے کچھ خریدنا حرام ہے، کیونکہ تمہارا عطر عطر نہیں بلکہ گندگی ہے[3]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بے انتہا محبت تھی، آپ ان کے گھر اکثر تشریف لے جاتے تھے[4]

[1] اصابہ ج ۸ ص ۸۰ بحوالۂ ابن سعد (۲ مسند ج ۶ ص ۳۵۸)

[3] اسد الغابہ ج ۵ ص ۴۵۲ [4] مسند ج ۶ ص ۳۵۸

ایک مرتبہ آپؐ تشریف لائے اور ان سے وضو کے لئے پانی مانگا[1] ایک مرتبہ دو طباقوں میں چھوہارے اور انگور لے کر گئیں، تو آپؐ نے زیور یا سونا مرحمت فرمایا[2]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک مرتبہ کسی نے حلیہ پوچھا تو بولیں "بس یہ سمجھ لو کہ آفتاب طلوع ہو رہا ہے[3]

[1] ابوداؤد ج ۱ ص ۱۳ [2] مسند ج ۶ ص ۳۵۹ [3] اسد الغابہ ج ۵ ص ۴۵۲

(۲۷)

حضرت ام ہانی

نام ونسب فاختہ نام، ام ہانی کنیت، ابوطالب عم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دختر تھیں ماں کا نام فاطمہ بنت اسد تھا، اس بنا پر حضرت علیؓ حضرت جعفر طیارؓ اور ام ہانیؓ حقیقی بھائی بہن ہیں۔

نکاح ہبیرہ بن عمرو (بن عائذ) مخزومی سے نکاح ہوا۔

اسلام ۸ھ میں جب مکہ فتح ہوا مسلمان ہوئیں، آپ نے اس روز ان کے مکان میں غسل کیا تھا، اور چاشت کی نماز پڑھی تھی۔ انہوں نے اپنے دو عزیزوں کو جو مشرک تھے پناہ دیدی تھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ان کو پناہ دی[1]، ان کا شوہر ہبیرہ فتح مکہ میں نجران بھاگ گیا تھا۔

وفات ترمذی کی روایت ہے۔ کہ حضرت علیؓ کی وفات کے بعد مدت تک زندہ رہیں، تہذیب میں ہے امیر معاویہؓ کے زمانۂ خلافت میں انتقال کیا۔

اولاد حسب ذیل اولاد چھوڑی، عمرو، ہانی، یوسف، جعدہ

فضل وکمال حضرت ام ہانیؓ سے ۴۶ حدیثیں مروی ہیں، جن کے راوی حسب ذیل حضرات ہیں، جعدہ، یحیٰی، ہارون، ابومرہ، ابوصالح، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، عبداللہ بن حارث بن نوفل ابن ابی لیلیٰ، مجاہد، عروہ، عبداللہ بن عیاش، شعبی، عطاء، کریب، محمد بن عقبہ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کبھی کبھی مسائل دریافت کرتی تھیں جس سے ان کی فقہ دانی

[1] مسند جلد ۶ ص ۳۴۲۔

کا پتہ چلتا ہے ایک مرتبہ اس آیت کی تفسیر پوچھی تھی، وتاتون فی نادیکم المنکر[1]،

اخلاق | آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کو جو عقیدت تھی، وہ اس سے ظاہر ہے کہ آپ فتح مکہ کے زمانہ میں ان کے مکان پر تشریف لائے اور شربت نوش فرمایا، اس کے بعد ان کو دیا (انہوں نے کہا میں روزہ سے ہوں لیکن آپ کا جھوٹا واپس نہیں کرنا چاہتی ہوں بعض روایتوں میں ہے کہ انہوں نے پی لیا اور پھر خود ہی عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) میں روزہ سے ہوں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر روزہ رمضان کی قضا کا ہے تو کسی دوسرے دن یہ روزہ رکھ لینا اور اگر محض نفل ہے تو اس کی قضا کرنے یا نہ کرنے کا تم کو اختیار ہے[2])

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ان سے بہت محبت تھی، ایک مرتبہ فرمایا، ام ہانی! بکری لے لو یہ بڑی خیر و برکت کی چیز ہے[3]

ایک مرتبہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ اب میں بوڑھی ہو گئی ہوں اور چلنے پھرنے میں ضعف معلوم ہوتا ہے۔ اس لئے ایسا عمل بتلایا جائے جس کو بیٹھے بیٹھے انجام دے سکوں، آپ نے ایک وظیفہ بتلایا (فرمایا کہ سبحان اللہ ایک سو مرتبہ الحمد للہ ایک سو مرتبہ، اللہ اکبر ایک سو مرتبہ اور لا الہ الا اللہ ایک سو مرتبہ کہہ لیا کرو[4])

---

[1] مسند ج ۶ ص ۳۴۱ [2] ایضاً ص ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴) [3] ایضاً [4] ایضاً ص ۳۴۴

(۲۸)

حضرت فاطمہؓ بنت خطاب

نام ونسب | فاطمہ نام، ام جمیل کنیت، حضرت عمرؓ کی ہمشیر ہیں۔

نکاح | حضرت سعیدؓ بن زید سے نکاح ہوا۔

اسلام | اور انہی کے ساتھ مسلمان ہوئیں۔ یہ اوائل اسلام کا واقعہ ہے۔ ان کے کچھ دنوں کے بعد ان کے بھائی، یعنی حضرت عمرؓ مسلمان ہوئے، اور ان ہی کے سبب سے ہوئے۔ اس کا قصہ جیسا کہ حضرت عمرؓ نے خود بیان کیا ہے۔ یہ ہے کہ حضرت عمرؓ حضرت حمزہ کے مسلمان ہونے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جا رہے تھے۔ راستہ میں ایک مخزومی صحابی سے ملاقات ہوئی، پوچھا کہ تم نے اپنا آبائی مذہب چھوڑ کر محمدؐ کا مذہب اختیار کر لیا ہے؟ بولے ہاں، لیکن پہلے اپنے گھر کی خبر لو، تمہارے بہن اور بہنوئی نے بھی محمدؐ کا مذہب قبول کر لیا ہے۔ حضرت عمرؓ سیدھے بہن کے گھر پہنچے، دروازہ بند تھا، اور وہ قرآن پڑھ رہی تھیں، ان کی آہٹ پا کر چپ ہو گئیں، اور قرآن کے اجزار چھپا دیئے، لیکن آواز ان کے کان میں پڑ چکی تھی، پوچھا کہ یہ کیا آواز تھی؟ انہوں نے کہا کچھ نہیں بولے میں سن چکا ہوں کہ تم دونوں مرتد ہو گئے ہو۔ یہ کہہ کر بہنوئی سے دست و گریباں ہو گئے، حضرت فاطمہؓ بچانے کو آئیں تو ان کی بھی خبر لی۔ بال پکڑ کر گھسیٹے اور اس قدر مارا کہ ان کا بدن لہولہان ہو گیا۔ اسی حالت میں ان کی زبان سے نکلا، عمر! جو ہو سکے کرو، لیکن اب اسلام دل سے نہیں نکل سکتا۔ ان الفاظ نے حضرت عمرؓ کے دل پر ایک خاص اثر کیا، بہن کی طرف محبت کی نگاہ سے دیکھا، ان کے بدن سے خون

جاری تھا، یہ دیکھ کر اور بھی رقت ہوئی، فرمایا کہ تم لوگ جو پڑھ رہے تھے، مجھ کو بھی سناؤ، فاطمہؓ نے قرآن کے اجزاء لاکر سامنے رکھ دیئے، حضرت عمرؓ ان کو پڑھتے جاتے تھے اور ان پر رعب چھاتا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ ایک آیت پر پہنچ کر پکار اٹھے۔

اشھد ان لا الٰہ الا اللہ واشھد ان محمدا رسول اللہ[1]

ہجرت	اپنے شوہر کے ساتھ ہجرت کی،
وفات	وفات کا سنہ اور مہینہ معلوم نہیں۔
اولاد	ایک لڑکا چھوڑا، عبدالرحمٰن نام تھا۔

[1] اصابہ ج ۸ ص ۱۶۱ و اسد الغابہ ج ۲ ص ۵۴

(۲۹)

حضرت اسماءؓ بنت عمیس

نام ونسب اسماء نام، قبیلہ خثعم سے تھیں، سلسلۂ نسب یہ ہے، اسماء بنت عمیس بن معد بن حارث بن تیم بن کعب بن مالک بن قحافہ بن عامر بن ربیعہ بن عامر بن معاویہ بن زید بن مالک ابن بشیر بن وہب اللہ بن شہران بن عفرس بن خلف بن اقبل (خثعم) ماں کا نام ہند (خولہ) بنت عوف تھا، اور قبیلہ کنانہ سے تھیں، اس بنا پر حضرت میمونہؓ (ام المومنین) اور اسماءؓ اخیافی بہنیں تھیں۔

نکاح حضرت جعفرؓ سے کہ حضرت علیؓ کے بھائی تھے (اور دس برس بڑے تھے) نکاح ہوا۔

اسلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خانۂ ارقم میں مقیم ہونے سے قبل مسلمان ہوئیں حضرت جعفرؓ نے بھی اسی زمانہ میں اسلام قبول کیا تھا۔[1]

عام حالات حبشہ کی ہجرت کی، اور کئی سال تک مقیم رہیں، ۷ھ میں جب خیبر فتح ہوا، تو مدینہ آئیں، حضرت حفصہؓ کے گھر گئیں، تو حضرت عمرؓ بھی آگئے، پوچھا یہ کون ہیں جواب ملا اسماء، بولے "ہاں وہ حبش والی وہ سمندر والی" حضرت اسماء نے کہا "ہاں وہی" حضرت عمرؓ نے کہا ہم کو تم پر فضیلت ہے، اس لئے کہ ہم مہاجر ہیں، حضرت اسماءؓ کو یہ فقرہ سنکر غصہ آیا، بولیں "کبھی نہیں! تم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے، آپؐ بھوکوں کو کھلاتے اور جاہلوں کو پڑھاتے تھے لیکن ہماری حالت بالکل جداگانہ تھی، ہم نہایت دور دراز مقام میں صرف خدا اور رسول کی خوشنودی کے لئے پڑے رہے اور بڑی بڑی تکلیفیں اٹھائیں،

---

[1] سیرت ابن ہشام ج ۱ ص ۱۳۶، اصابہ ج ۸ ص ۹ بحوالۂ ابن سعد

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکان تشریف لائے تو انہوں نے سارا قصہ بیان کیا، ارشاد ہوا "انہوں نے ایک ہجرت کی اور تم نے دو ہجرتیں کیں۔ اس لئے تم کو زیادہ فضیلت ہے" حضرت اسماءؓ اور دوسرے مہاجرین کو اس سے اس درجہ مسرت ہوئی کہ دنیا کی تمام فضیلتیں ہیچ معلوم ہوتی تھیں، مہاجرین حبشہ جوق در جوق حضرت اسماءؓ کے پاس آتے اور یہ واقعہ دریافت کرتے تھے[1]

۸ھ غزوۂ موتہ میں حضرت جعفرؓ نے شہادت پائی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہوئی (حضرت اسماءؓ فرماتی ہیں کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی دیکھا کہ حضورؐ آبدیدہ تھے میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ غمگین کیوں ہیں۔ کیا جعفرؓ کے متعلق کوئی اطلاع آئی ہے، حضور نے ارشاد فرمایا کہ ہاں وہ لوگ شہید ہو گئے ہیں، بچوں کو نہلا دھلا کر ہمراہ لے گئی تھی، حضورؐ نے بچوں کو اپنے پاس بلایا اور میں چیخ اٹھی) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے (اہل بیت کے پاس تشریف لے گئے) اور فرمایا "جعفرؓ کے بچوں کے لئے کھانا پکاؤ۔ کیونکہ وہ رنج و غم میں مصروف ہیں"[2]

اس کے بعد مسجد میں جا کر غم زدہ بیٹھے، اور اس خبر کا اعلان کیا، اسی حالت میں ایک شخص نے آکر کہا کہ جعفرؓ کی مستورات ماتم کر رہی ہیں اور رو رہی ہیں۔ آپؐ نے ان کو منع کرا بھیجا، وہ گئے اور واپس آکر کہا کہ میں نے منع کیا۔ لیکن وہ باز نہیں آتیں، آپ نے دوبارہ بھیجا وہ پھر گئے اور واپس آکر عرض کی کہ ہم لوگوں کی نہیں چلتی، آپ نے ارشاد فرمایا "تو ان کے منہ میں خاک بھر دو" یہ واقعہ حضرت عائشہؓ سے صحیح بخاری میں منقول ہے صحیح بخاری میں یہ بھی ہے کہ حضرت عائشہؓ نے اس شخص سے کہا کہ "خدا کی قسم تم یہ نہ کرو گے (منہ میں خاک ڈالنا) تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف سے نجات نہ ملے گی"[3]

تیسرے[4] دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت اسماءؓ کے گھر تشریف لائے، اور سوگ

---

[1] صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۰۷ و ۶۰۸ [2] مسند ج ۶ ص ۳۷۰ [3] صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۱۱ [4] مسند ج ۶ ص ۳۶۹

کی ممانعت کی[1] تقریباً ۶ مہینے کے بعد شوال ۸ھ میں جو غزوۂ حنین کا زمانہ تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکرؓ سے ان کا نکاح پڑھا دیا[2] جس کے دو برس بعد ذوقعدہ ۱۰ھ میں محمد بن ابوبکرؓ پیدا ہوئے" اس وقت حضرت اسماءؓ حج کی غرض سے مکہ آئی تھیں چونکہ محمد ذوالحلیفہ میں پیدا ہوئے تھے۔ اسماءؓ نے دریافت کرایا کہ میں کیا کروں؟ ارشاد ہوا نہا کر احرام باندھیں[3]۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض الموت میں حضرت ام سلمہؓ اور اسماءؓ نے ذات الجنب تشخیص کر کے دوا پلانی چاہی، چونکہ گوارا نہ تھی، آپ نے انکار فرمایا، اسی ممانعت میں غشی طاری ہوگئی، انہوں نے منہ کھول کر پلادی، افاقہ کے بعد آپ کو احساس ہوا تو فرمایا "یہ مشورہ اسماءؓ نے دیا ہوگا۔ وہ حبشہ سے اپنے ساتھ یہی حکمت لائی ہیں، عباسؓ کے علاوہ سب کو دوا پلائی جائے" چنانچہ تمام ازواج مطہراتؓ کو دوا پلائی گئی[4]۔

۱۳ھ میں حضرت ابوبکرؓ نے وفات پائی تو وصیت کی کہ اسماءؓ غسل دیں[5]۔ حضرت ابوبکرؓ کے بعد اسماءؓ حضرت علیؓ کے عقد نکاح میں آئیں، محمد بن ابوبکرؓ بھی ساتھ آئے اور حضرت علیؓ کے آغوش تربیت میں پرورش پائی، ایک دن عجیب لطیفہ ہوا۔ محمد بن جعفر اور محمدؓ بن ابوبکر نے باہم فخراً کہا کہ ہم تم سے بہتر ہیں۔ اس لئے کہ ہمارے باپ تمہارے باپ سے بہتر تھے حضرت علیؓ نے حضرت اسماءؓ سے کہا کہ اس جھگڑے کا فیصلہ کرو۔ بولیں کہ تمام نوجوانوں پر جعفرؓ کو اور تمام بوڑھوں پر ابوبکرؓ کو فضیلت حاصل ہے حضرت علیؓ بولے "پھر ہمارے لئے کیا رہا[6]"۔

---

[1] (جس عورت کے شوہر کا انتقال ہو جائے اس کو ۴ ماہ ۱۰ دن سوگ کرنا چاہیئے مسئلہ یہی ہے حضرت اسماءؓ کی اس روایت سے شبہ میں نہ پڑنا چاہیئے اس لئے کہ یہ روایت تمام صحیح احادیث کے خلاف ہے اور شاذ ہے اور اجماع اس کے مخالف امام طحاوی کے نزدیک یہ روایت منسوخ ہے اور امام بیہقی کے نزدیک منقطع ہے ملاحظہ ہو فتح الباری ج ۹ ص ۴۲۹ ان کے سوا اور بہت سے جوابات ہیں جن کی تفصیل کا یہاں موقع نہیں ہے) [2] اصابہ ج ۸ ص ۹ [3] صحیح مسلم ج ۱ ص ۳۸۵ و ۳۹۴ [4] صحیح بخاری ج ۲ و طبقات ج ۲ قسم ۲ ص ۳۱ و ۳۲ و مسند ج ۶ ص ۴۳۸ [5] اصابہ ج ۸ ص ۹ بحوالہ ابن سعد [6] اصابہ ج ۸ ص ۹۔

سنہ ۳۸ھ میں محمد بن ابوبکرؓ مصر میں قتل ہوئے اور گدھے کی کھال میں ان کی لاش جلائی گئی حضرت اسماءؓ کے لئے اس سے زیادہ تکلیف دہ واقعہ کیا ہو سکتا تھا؟ ان کو سخت غصہ آیا لیکن نہایت صبر سے کام لیا، اور مصلے پر کھڑی ہوگئیں[۱]۔

وفات | سنہ ۴۰ھ میں حضرت علیؓ نے شہادت پائی اور ان کے بعد حضرت اسماءؓ کا بھی انتقال ہوگیا[۲]۔

اولاد | جیسا کہ اوپر گذر چکا ہے۔ حضرت اسماءؓ نے ۳ نکاح کئے، چنانچہ حضرت جعفرؓ سے محمد، عبداللہ، عون، حضرت ابوبکرؓ سے محمد، اور حضرت علیؓ سے یحییٰ پیدا ہوئے[۳]۔

ریاض النضرہ میں لکھا ہے کہ حضرت علیؓ کے دو لڑکے ہوئے تھے، یحییٰ اور عون[۴]، لیکن علامہ ابن اثیر نے اس کو غلط کہا ہے اور لکھا ہے کہ یہ ابن کلبی کا خیال ہے جو مشہور دروغ گو تھا۔

فضل و کمال | حضرت اسماءؓ سے ۶۰ حدیثیں مروی ہیں، جن کے راویوں کے نام یہ ہیں حضرت عمرؓ، ابوموسیٰ اشعریؓ، عبداللہ بن جعفرؓ، ابن عباسؓ، قاسم بن محمد، عبداللہ بن شداد بن الہاد، عروہ ابن مسیب، ام عون بنت محمد بن جعفر، فاطمہؓ بنت علی، ابویزید مدنی،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے براہ راست تعلیم حاصل کرتی تھیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مصیبت و تکلیف میں پڑھنے کے لئے ان کو ایک دعا بتائی تھی[۵]۔

ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جعفرؓ کے بچوں کو دبلا دیکھا تو پوچھا کہ یہ اس قدر دبلے کیوں ہیں، اسماءؓ نے کہا ان کو نظر بہت لگتی ہے، فرمایا تو تم جھاڑ پھونک کرو حضرت اسماءؓ کو ایک منتر یاد تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سنایا، فرمایا "ہاں یہی سہی[۶]"

حضرت اسماءؓ کو خواب کی تعبیر میں بھی دخل تھا، چنانچہ حضرت عمرؓ اکثر ان سے خوابوں کی تعبیر پوچھتے تھے[۷]۔

---

[۱] ایضاً [۲] خلاصہ تہذیب ص ۴۸۸ [۳] استیعاب ج ۲ ص ۷۲۵، [۴] ریاض النضرہ ج ۲ ص ۲۴۹، [۵] مسند ج ۶ ص ۳۶۹ [۶] صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۲۳ [۷] اصابہ ج ۸ ص ۹۔

(۳۰)

حضرت اسماءؓ (بنت ابی بکرؓ)

نام ونسب اسماء نام، ذات النطاقین لقب، حضرت ابوبکرؓ کی صاحبزادی ہیں، ماں کا نام قتلہ بنت عبدالعزیٰ تھا، ہجرت سے ۲۷ سال قبل مکہ میں پیدا ہوئیں

نکاح حضرت زبیرؓ بن عوام سے نکاح ہوا۔

اسلام اپنے شوہر کی طرح انہوں نے بھی قبول اسلام میں سبقت کی، ابن اسحاق کے قول کے مطابق ان کا ایمان لانے والوں میں اٹھارہواں نمبر تھا۔

عام حالات جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کی طرف ہجرت کی تو حضرت ابوبکرؓ رفیق صحبت تھے، آپؐ دوپہر کو ان کے گھر تشریف لائے، اور ہجرت کا خیال ظاہر فرمایا۔ حضرت اسماءؓ نے سفر کا سامان کیا، دو تین دن کا کھانا ناشتہ دان میں رکھا، نطاق جس کو عورتیں کمر میں لپیٹتی ہیں پھاڑ کر اس سے ناشتہ دان کا منہ باندھا، یہ وہ شرف تھا، جس کی بنا پر آج تک ان کو ذات النطاقین کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے[1]

حضرت ابوبکرؓ ہجرت کے وقت کل روپیہ ساتھ لے گئے تھے۔ ابو قحافہ کہ ان کے والد تھے، معلوم ہوا۔ بولے کہ انہوں نے جانی اور مالی دونوں قسم کی تکلیف دی، حضرت اسماءؓ نے کہا وہ کثیر دولت چھوڑ گئے ہیں، یہ کہہ کر اٹھیں اور جس جگہ حضرت ابوبکرؓ کا مال رہتا تھا بہت سے پتھر رکھ دیئے اور ان پر کپڑا ڈال دیا، پھر ابو قحافہ کو لے گئیں اور کہا ٹٹول لیجئے، دیکھیے یہ رکھا ہے۔ ابو قحافہ نابینا ہو گئے تھے اس لئے مان گئے اور کہا کھانے کے لئے بہت

---

[1] صحیح بخاری ج ۱ ص ۵۵۳ و ۵۵۵

ہے۔ حضرت اسماءؓ کا بیان ہے کہ میں نے صرف ابو قحافہ کی تسکین کے لئے ایسا کیا تھا ورنہ وہاں ایک حبہ بھی نہ تھا[1]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ پہنچ کر مستورات کو بلوایا تو حضرت اسماءؓ بھی آئیں[2] قبا میں قیام کیا، یہاں عبداللہ بن زبیر پیدا ہوئے۔ ان کو لیکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ آپؐ نے عبداللہ کو گود میں لیا، گھٹی دی اور ان کے لئے دعا فرمائی[3] عبداللہ بن زبیرؓ جوان ہوئے تو حضرت اسماءؓ ان کے پاس رہنے لگیں کیونکہ حضرت زبیرؓ نے ان کو طلاق دے دی تھی[4]

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے گھٹی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا لعاب مبارک پیا تھا۔ اس بنا پر جب سن شعور کو پہنچے تو فضائل اخلاق کے پیکر مجسم تھے، ادھر سلطنت بنوامیہ کا فرمانروا (یزید) سرتاپا فسق وفجور تھا۔ حضرت عبداللہ نے اس کی بیعت سے انکار کیا مکہ میں پناہ گزین ہوئے اور وہیں سے اپنی خلافت کی صدا بلند کی، چونکہ حضرت عبداللہؓ کی عظمت و جلالت کا ہر شخص معترف تھا اس لئے تمام دنیائے اسلام نے اس صدا پر لبیک کہی، اور ملک کا بڑا حصہ ان کے علم کے نیچے آگیا، لیکن جب عبدالملک بن مروان تخت نشین ہوا۔ تو اس نے اپنی حکمت عملی سے بعض صوبوں پر قبضہ کرلیا اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے مقابلہ کی تیاریاں کیں، شامی لشکر نے خانہ کعبہ کا محاصرہ کیا تو ابن زبیرؓ حضرت اسماءؓ کے پاس آئے، وہ بیمار تھیں پوچھا "کیا حال ہے"؟ بولیں "بیمار ہوں" کہا "آدمی کو موت کے بعد آرام ملتا ہے" حضرت اسماءؓ نے کہا "شائد تم کو میرے مرنے کی تمنا ہے، لیکن میں ابھی مرنا پسند نہیں کرتی میری آرزو یہ ہے کہ تم لڑکر قتل ہو، اور میں صبر کروں، یا تم کامیاب ہو اور میری آنکھیں ٹھنڈی ہوں" ابن زبیرؓ ہنس کر چلے گئے، شہادت کا وقت آیا تو دوبارہ ماں کی خدمت میں آئے، وہ مسجد میں بیٹھی تھیں،

[1] مسند ابن حنبل ج ۶ ص ۳۵۰ [2] اصابہ ج ۴ ص ۲۲۹، طبقات ج ۸ ق ا ص ۱۶۱ و تہذیب ج ۵ ص ۲۱۴
[3] صحیح بخاری ج ا ص ۵۵۵ [4] فتح الباری ج ۶ ص ۱۶۴ و اسد الغابہ ج ۵ ص ۳۹۴

صلح کے متعلق مشورہ کیا، بولیں "بیٹا! قتل کے خوف سے ذلت آمیز صلح بہتر نہیں۔ کیونکہ عزت کے ساتھ تلوار مارنا ذلت کے ساتھ کوڑا مارنے سے بہتر ہے"[1] حضرت ابن زبیرؓ نے اس پر عمل کیا اور لڑکر مردانہ وار شہادت حاصل کی۔ حجاج نے ان کی لاش کو سولی پر لٹکا دیا، ۳ دن گذرنے پر حضرت اسماءؓ کنیز کو ساتھ لے کر اپنے بیٹے کی لاش پر آئیں، لاش الٹی لٹکی تھی دل تھام کر اس منظر کو دیکھا اور نہایت استقلال سے کہا "کیا اس سوار کے گھوڑے سے اترنے کا ابھی وقت نہیں آیا"[1] حجاج کو چھیڑ منظور تھی، آدمی بھیجا کہ ان کو جا کر لائے، حضرت اسماءؓ نے انکار کیا، اس نے پھر آدمی بھیجا کر" ابھی خیریت ہے ورنہ آئندہ جو شخص بھیجا جائیگا وہ بال پکڑ کر گھسیٹ لائے گا" حضرت اسماءؓ صرف خدا کی شان جباری کی معترف تھیں، جواب دیا میں نہیں جاسکتی حجاج نے مجبوراً خود جوتا پہنا اور حضرت اسماءؓ کی خدمت میں آیا اور حسب ذیل گفتگو ہوئی، حجاج نے کہا "کہیے میں نے دشمن خدا (ابن زبیرؓ) کے ساتھ کیا سلوک کیا" حضرت اسماء بولیں "تو نے ان کی دنیا بگاڑی اور انہوں نے تیری عاقبت خراب کی! میں نے سنا ہے کہ تو ان کو طنزاً ذات النطاقین کا بیٹا کہتا ہے، خدا کی قسم ذات النطاقین میں ہوں میں نے نطاق سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکرؓ کا کھانا باندھا تھا اور دوسرے کو کمر میں لپیٹتی تھی لیکن یہ یاد رہے کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ ثقیف میں ایک کذاب اور ایک ظالم پیدا ہوگا، چنانچہ کذاب کو دیکھ چکی ہوں اور ظالم تو ہے" حجاج نے یہ حدیث سنی تو چپکا اٹھ کھڑا ہوا[2]۔

چند دنوں کے بعد عبدالملک کا حکم پہنچا تو حجاج نے لاش اتروا کر یہود کے قبرستان میں پھنکوادی، حضرت اسماءؓ نے لاش اٹھوا کر گھر منگوایا اور غسل دلوا کر جنازہ کی نماز پڑھی، حضرت ابن زبیر کا جوڑ جوڑ الگ تھا، نہلانے کے لئے کوئی عضو اٹھایا جاتا تو ہاتھ کے ساتھ چلا آتا تھا، لیکن حضرت اسماءؓ نے یہ کیفیت دیکھ کر صبر کیا کہ خدا کی رحمت ان ہی پارہ پارہ

---

[1] اسد الغابہ ج ۳ ص ۱۶۳ و استیعاب ج ۱ ص ۳۶۶ [2] صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۷۵

ٹکڑوں پر نازل ہوتی ہے۔

وفات حضرت اسماءؓ دعا کرتی تھیں کہ جب تک میں عبداللہؓ کی لاش نہ دیکھ لوں مجھے موت نہ آئے[1] چنانچہ ایک ہفتہ بھی نہ گذرا تھا کہ حضرت اسماءؓ نے داعیِ اجل کو لبیک کہا یہ جمادی الاولیٰ ۷۳ھ کا واقعہ ہے اُس وقت ان کی عمر سو سال کی تھی۔

اولاد حسب ذیل اولاد ہوئی، عبداللہؓ، منذر، عروہ، مہاجر، خدیجۃ الکبریٰ ام الحسن عائشہ[2]

حلیہ حضرت اسماءؓ باایں ہمہ سو برس کی تھیں لیکن ایک دانت بھی نہیں گرا تھا اور ہوش و حواس بالکل درست تھے[3]۔ دراز قد اور جسیم و شحیم تھیں، اخیر عمر میں بینائی جاتی رہی تھی[4]

فضل و کمال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت اسماءؓ نے (۵۶) حدیثیں روایت کی ہیں جو صحیحین اور سنن میں موجود ہیں، راویوں میں حسب ذیل اصحاب ہیں۔

عبداللہؓ، عروہ (پسران) عباد بن عبداللہ، عبداللہ بن عروہ (نبیرگان) فاطمہ بنت المنذر ابن زبیرؓ، عبادہ بن حمزہ بن عبداللہ بن زبیرؓ، عبداللہ بن کیسان (غلام) ابن عباسؓ، صفیہ بنت شیبہ، ابن ابی ملیکہ، وہب بن کیسان، ابوبکر و عامر (پسران ابن زبیرؓ)، مطلب بن حنطب، محمد بن منکدر، مسلم معری، ابونوفل ابن ابوعقرب

اخلاق حضرت اسماءؓ بالطبع نیکی کی طرف مائل تھیں، ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسوف کی نماز پڑھا رہے تھے۔ نماز کو بہت طول دیا تو حضرت اسماءؓ نے اِدھر اُدھر دیکھنا شروع کیا ان کے پاس دو عورتیں کھڑی تھیں جن میں ایک فربہ اور دوسری لاغر تھی یہ دیکھ کر انہوں نے اپنے دل کو تسلی دی کہ مجھے ان سے زیادہ دیر تک کھڑا رہنا چاہئے[5] لیکن چونکہ نماز کئی گھنٹے تک ہوئی تھی، حضرت اسماءؓ کو غش آگیا، اور سر پر پانی چھڑکنے کی نوبت آئی[6]

ابن ابی ملیکہ کا بیان ہے کہ ان کے سر میں درد ہوتا تو سر پکڑ کر کہتیں (یہ میرا گناہ ہے اور جو

---

[1] استیعاب ج ۱ ص ۳۶۶ [2] طبری ج ۳ ص ۲۴۶۱ اور الریاض النضرہ ص ۲۷۹، ۲۸۰ [3] اصابہ ج ۸ ص ۸ [4] مسند ج ۶ ص ۳۴۸ و اسد الغابہ ج ۵ ص ۳۹۳ [5] مسند ج ۶ ص ۳۴۹ [6] صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۲۴

گناہ خدا معاف کرتا رہتا ہے، وہ اس سے کہیں زیادہ ہیں)

حق گوئی ان کا خاص شعار تھا اس کی متعدد مثالیں اوپر گذر چکی ہیں، حجاج بن یوسف جیسے ظالم اور جبار کے سامنے وہ جس صاف گوئی سے کام لیتی تھیں، وہ بجائے خود اپنی آپ ہی نظیر ہے۔ ایک دن وہ منبر پر بیٹھا ہوا تھا، حضرت اسماءؓ اپنی کنیز کے ساتھ آئیں اور دریافت کیا کہ "امیر کہاں ہے" معلوم ہوا تو حجاج کے قریب گئیں، اس نے دیکھتے ہی کہا "تمہارے بیٹے نے خدا کے گھر میں الحاد پھیلایا تھا۔ اس لئے خدا نے اس کو بڑا دردناک عذاب دیا" حضرت اسماءؓ نے برجستہ جواب دیا تو جھوٹا ہے۔ وہ ملحد نہ تھا بلکہ صائم، پارسا اور شب بیدار تھا،[1]

نہایت صابر تھیں، حضرت ابن زبیرؓ کی شہادت ایک قیامت تھی جو ان کے لئے قیامت کبریٰ بن گئی تھی۔ لیکن اس میں انہوں نے جس عزم، جس استقلال، جس صبر اور جس تحمل سے کام لیا اس کی تاریخ میں بہت کم نظیریں مل سکتی ہیں۔

حد درجہ خوددار تھیں، حجاج بن یوسف جیسے امیر کی نخوت بھی ان کی خودداری کی چٹان سے ٹکرا کر چور چور ہو جاتی تھی۔

بااینہمہ نہایت متواضع اور خاکسار تھیں، محنت مشقت میں ان کو بالکل عار نہ تھا، چنانچہ جب ان کا نکاح ہوا۔ تو حضرت زبیرؓ کے پاس کچھ نہ تھا، صرف ایک اونٹ اور ایک گھوڑا تھا۔ وہ گھوڑے کو دانہ دیتی۔ پانی بھرتی اور ڈول سیتی تھیں، روٹی پکانی نہیں آتی تھی، اس لئے آٹا گوندھ کر رکھتی اور انصار کی بعض عورتیں پکا دیتی تھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زبیرؓ کو جو زمین عنایت فرمائی تھی وہاں جا کر وہ چھوہارہ کی گٹھلیاں چنتی اور تین فرلانگ سے سر پر لاد کر لاتی تھیں ایک دن اسی حالت میں آرہی تھیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات ہوگئی آپ نے اپنے اونٹ کو بٹھایا کہ سوار ہو جائیں، لیکن ان کو شرم معلوم ہوئی اور اونٹ پر نہ بیٹھیں گھر آکر حضرت زبیرؓ سے سارا قصہ بیان کیا انہوں نے کہا "سبحان اللہ سر پر بوجھ لادنے سے شرم نہیں

---

[1] مسند ج ۶ ص ۳۵۱

آئی؟" کچھ زمانہ کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے ان کو ایک غلام دیا جو گھوڑے کی تربیت اور پرداخت کرتا تھا اسی وقت حضرت اسماءؓ کی مصیبت کم ہوئی، کہتی تھیں "فکانما اعتقنی" یعنی گویا ابوبکرؓ نے مجھ کو آزاد کر دیا[1]

غربت کی وجہ سے جو کچھ خرچ کرتیں ناپ تول کر خرچ کرتی تھیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منع کیا کہ پھر خدا بھی ناپ کر دیگا۔ اس وقت سے یہ عادت چھوڑ دی، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آمدنی وافر ہوگئی اور پھر کبھی تنگدست نہیں ہوئیں[2]

حد درجہ فیاض تھیں، عبداللہ بن زبیرؓ فرماتے تھے کہ میں نے ان سے بڑھ کر کسی کو فیاض نہیں دیکھا۔ حضرت عائشہؓ نے اپنی وفات کے وقت ترکہ میں ایک جنگل چھوڑا تھا جو ان کے حصہ میں آیا تھا، لیکن انہوں نے اس کو لاکھ درہم پر فروخت کر کے کل رقم عزیزوں پر تقسیم کر دی[3] بیمار پڑتیں تو اپنے تمام غلام آزاد کر دیتی تھیں[4] حضرت زبیرؓ کا مزاج تیز تھا اس لئے انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ میں بلا اجازت ان کے مال سے فقراء کو خیرات دے سکتی ہوں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دی[5]

ایک مرتبہ ان کی ماں مدینہ میں آئیں اور ان سے روپیہ مانگا، حضرت اسماءؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ وہ مشرک ہیں۔ کیا ایسی حالت میں ان کی مدد کر سکتی ہوں؟ ارشاد ہوا "ہاں (اپنی ماں کے ساتھ صلہ رحمی کرو)[6]

حضرت اسماءؓ نے کئی حج کئے، پہلا حج آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیا تھا[7] اس میں جو کچھ دیکھا تھا[8] ان کو بالکل یاد تھا، چنانچہ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جب حج کے لئے آئیں[9]، اور مزدلفہ میں ٹھہریں تو رات کو نماز پڑھی۔ پھر اپنے غلام سے پوچھا "چاند چھپ گیا" اس نے کہا نہیں، جب چاند ڈوب گیا بولیں کہ اب رمی کے لئے چلو، رمی کے بعد پھر واپس

---

[1] صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۸۶، [2] مسند ج ۶ ص ۳۵۲ [3] صحیح بخاری باب الواحد للجماعت [4] خلاصہ تہذیب ص ۴۸۸ [5] مسند ج ۶ ص ۳۵۳ [6] صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۸۴ [7] صحیح مسلم ج ۱ ص ۴۷۹ [8] صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۲۷

آئیں اور صبح کی نماز پڑھی، اس نے کہا آپ نے بڑی عجلت کی، فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پردہ نشینوں کو اس کی اجازت دی ہے[۱] جب کبھی حجون سے گذرتیں، کہتیں کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں یہاں ٹھہرے تھے اس وقت ہمارے پاس بہت کم سامان تھا، ہم نے اور عائشہؓ اور زبیرؓ نے عمرہ کیا تھا اور طواف کرکے حلال ہوئے تھے[۲]

نہایت بہادر تھیں، اخلاقی جرأت کے چند واقعات اوپر گذر چکے ہیں، سعید بن عاص کے زمانہ حکومت میں جب اسلام میں فتنہ پیدا ہوا، اور بدامنی شروع ہو گئی تو انہوں نے ایک خنجر رکھا تھا، لوگوں نے پوچھا، اس کا کیا فائدہ ہے؟ بولیں اگر کوئی چور آئے گا تو اس سے اس کا پیٹ چاک کر دونگی[۳]

حضرت اسماءؓ کے تقدس کا عام چرچا تھا۔ لوگ ان سے دعا کراتے تھے، جب کوئی عورت بخار میں مبتلا ہوتی اور دعا کے لئے آتی تو اس کے سینہ پر پانی چھڑکتیں اور کہتیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اس کو پانی سے ٹھنڈا کرو[۴] (حضرت ابن عمرؓ اور حضرت عائشہؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ بخار آتش جہنم کی گرمی سے ہے، اس کو پانی سے ٹھنڈا کرو[۵]) گھر کا کوئی آدمی بیمار ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جبہ (جس کو حضرت عائشہ نے وفات کے وقت ان کے سپرد کیا تھا) دھوتی اور اس کا پانی پلاتی تھیں۔ اس سے بیمار کو شفا ہوجاتی تھی[۶]

---

[۱] صحیح بخاری ج ا ص ۲۲۷ [۲] ایضاً [۳] ذیل طبری ج ۱۳ ص ۲۴۶۱ [۴] صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۵۲ ([۵] ایضاً باب الحمی من فیح جہنم) [۶] مسند ج ۶ ص ۳۴۸

(۳۱)

حضرت فاطمہ بنت قیسؓ

نام و نسب فاطمہ نام، سلسلہ نسب یہ ہے، فاطمہ بنت قیس بن خالد اکبر بن وہب بن ثعلبہ ابن وائلہ بن عمرو بن شیبان بن محارب بن فہر، والدہ کا نام امیمہ بنت ربیعہ تھا اور بنی کنانہ سے تھیں

نکاح ابو عمرو بن حفص بن مغیرہ سے نکاح ہوا۔

اسلام اسلام کے ابتدائی دور میں ایمان لائیں۔

ہجرت اور ہجرت کی۔

عام حالات سنہ ۱۰ھ میں حضرت علیؓ ایک لشکر لے کر یمن گئے تھے ابو عمرو بھی ان کے ساتھ تھے۔ چلتے وقت عیاش بن ابی ربیعہ کی معرفت اپنی بیوی کو آخری طلاق (دو طلاق پہلے دے چکے تھے) اور ۵-۵ صاع جو اور خرمے بھیجے، حضرت فاطمہؓ نے کھانے اور مکان کا مطالبہ کیا تو عیاش نے کہا کہ جو کچھ دیا گیا ہے محض احسان ہے ورنہ ہمارے ذمہ یہ بھی ضروری نہیں اس جواب پر فاطمہؓ کو غصہ آیا اور اپنے کپڑے لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گئیں، خالد بن ولید وغیرہ بھی پہنچے، آپ نے دریافت کیا کہ انہوں نے تم کو کے مرتبہ طلاق دی، بولیں ۳ مرتبہ، فرمایا اب تم کو نفقہ نہیں مل سکتا[1] تم ام شریک کے ہاں عدت کے دن پورے کرو، لیکن چونکہ ام شریکؓ کے اعزہ و اقارب ان کے مکان میں آتے جاتے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "ابن ام مکتوم نابینا اور تمہارے ابن عم ہیں اس لئے بہتر ہے۔ کہ تم

(۱؎ عدت کے اندر عورت کا کھانا کپڑا اسی مرد کے ذمہ ہے۔ جس نے طلاق دی ہے، حضرت فاطمہؓ بنت قیس کی اس روایت کے متعلق بڑی بحث ہے جس کے ذکر کا یہاں موقع نہیں ہے)

ان کے ہاں رہو" عدت کا زمانہ پورا ہوا تو ہر طرف سے پیغام آئے، امیر معاویہؓ، ابوجہم اور اسامہ بن زیدؓ نے بھی پیغام دیا، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے دو شخصوں کا پیغام اس لئے مسترد کر دیا کہ اول الذکر مفلس اور دوسرے تند مزاج تھے پھر فاطمہؓ سے فرمایا کہ تم اسامہؓ سے نکاح کر لو، چونکہ فاطمہؓ کو خیال تھا کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کو اپنی زوجیت کا شرف عطا فرمائیں گے، اس لئے انکار کیا، ارشاد ہوا "خدا اور رسول کی اطاعت کرو اس میں تمہارے لئے بھلائی ہے" یہ سن کر فاطمہؓ مجبور ہوئیں، اور حضرت اسامہؓ سے نکاح کر لیا کہتی ہیں کہ پھر میں قابل رشک بن گئی[1]

۲۳ھ میں جب حضرت عمرؓ نے انتقال کیا تو مجلس شوریٰ کا اجلاس فاطمہؓ ہی کے مکان میں ہوتا تھا[2]

۵۴ھ میں حضرت اسامہؓ نے انتقال فرمایا، فاطمہؓ کو سخت صدمہ ہوا، دوسری شادی نہیں کی اور اپنے بھائی ضحاک کے ساتھ رہیں جب یزید نے اپنے عہد حکومت میں ان کو عراق کا گورنر مقرر کیا۔ تو فاطمہؓ بھی ان کے ساتھ کوفہ چلی آئیں اور یہیں سکونت اختیار کی۔

وفات وفات کا سال معلوم نہیں، حضرت ابن زبیرؓ کے زمانہ خلافت تک زندہ تھیں[3]

حلیہ خوبصورت تھیں[4]

فضل و کمال اسد الغابہ میں ہے۔

لھا عقل و کمال (ج ۵ ص ۵۲۶) یعنی وہ نہایت عقیل اور صاحب کمال تھیں

حضرت سعید بن زیدؓ کی صاحبزادی، عبداللہ بن عمرو (بن عثمان) کو منسوب تھیں انہوں نے ان کو تین طلاقیں دیں، فاطمہؓ ان کی خالہ ہوتی تھیں کہلا بھیجا کہ میرے گھر

---

[1] صحیح مسلم ج ۱ ص ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵ و مسند ج ۶ ص ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴ [2] اسد الغابہ ج ۵ ص ۵۲۶ [3] صحیح مسلم ج ۱ ص ۵۸۶ [4] اصابہ ج ۸ ص ۱۶۴

چلی آؤ، مروان نے قبیصہ کو بھیجا کہ فاطمہؓ سے سبب دریافت کرو، قبیصہ نے آکر کہا کہ آپ ایک عورت کو ایام عدت گذرنے سے قبل کیوں گھر سے نکالتی ہیں، بولیں اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو یہی حکم دیا تھا، اس کے بعد اپنا واقعہ بیان کیا اور اس کی قرآن مجید سے تائید کی قرآن مجید میں ہے،

اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ	جب تم عورتوں کو طلاق دو تو ان کو عدت
لِعِدَّتِهِنَّ وَاَحْصُوا الْعِدَّةَ وَاتَّقُوا	کے وقت تک طلاق دو اور عدت کو
اللّٰهَ رَبَّكُمْ لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْ بُيُوْتِهِنَّ	شمار کرو اور خدا سے ڈرو اور ان کو ان کے
وَلَا يَخْرُجْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ	گھروں سے نہ نکالو اور نہ وہ نکلیں مگر یہ کہ
مُّبَيِّنَةٍ (طلاق - ۱)	کھلی ہوئی بے حیائی کی مرتکب ہوں۔

یہ مراجعہ کی صورت تھی، اس کے بعد ہے۔

فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ	پس جب میعاد کو پہنچ جائیں تو ان کو اچھی
بِمَعْرُوْفٍ اَوْ فَارِقُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ (طلاق - ۱)	طرح روک کے رکھو یا اچھی طرح جدا کردو۔

اس بنا پر تین مرتبہ کے بعد پھر کسی صورت کا احتمال نہیں ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ چونکہ تمہارے نزدیک عورت جب تک حاملہ نہ ہو اس کا نفقہ نہ دینا چاہئے۔ اس لئے اس کو روک رکھنا بالکل بے کار ہے۔ (جب مروان کو حضرت فاطمہؓ کی اس گفتگو کی اطلاع ہوئی، تو کہا یہ ایک عورت کی بات ہے اور ان متعلقہ خاتون کو حکم دیا کہ اپنے گھر واپس آئیں، چنانچہ وہ واپس آئیں اور وہیں عدت گذاری)[1]

فاطمہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے چند حدیثیں روایت کی ہیں، جو متعدد اشخاص کے ذریعہ سے مروی ہیں، ان میں سے چند نام یہ ہیں۔

قاسم بن محمد، ابوبکر بن ابوالجہم، ابوسلمہ، سعید بن مسیب، عروہ، عبداللہ بن عبداللہ

---

[1] صحیح مسلم ج ۱ ص ۴۸۳ و مسند ج ۶ ص ۴۱۵ و ۴۱۶

اسود، سلیمان بن یسار، عبداللہ البہی، محمد بن عبدالرحمان بن ثوبان، شعبی، عبدالرحمان ابن عاصم، تمیم

اخلاق | عادات واخلاق نہایت شریفانہ تھے، شعبی جو ان کے شاگرد تھے، ملنے کو آئے تو انہوں نے چھوہارے کھلائے اور ستو پلایا[1]

[1] صحیح مسلم ج ۱ ص ۵۸۵

(۳۲)

حضرت شفاءؓ بنت عبداللہ

نام و نسب شفاء نام، قبیلہ قریش کے خاندان عدی سے ہیں، سلسلہ نسب یہ ہے شفاء بنت عبداللہ بن عبد شمس بن خلف بن سداد بن عبداللہ بن قرط بن زراح بن عدی ابن کعب بن لوئی، والدہ کا نام فاطمہ بنت وہب بن عمرو بن عائذ بن عمر بن مخزوم تھا۔

نکاح ابو حشمہ بن حذیفہ عدوی سے نکاح ہوا۔

اسلام ہجرت کے قبل مسلمان ہوئیں[1]

عام حالات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کو بہت محبت تھی، آپ کبھی ان کے گھر تشریف لے جاتے تو آرام فرماتے تھے! انہوں نے آپ کے لئے علیحدہ ایک بچھونا اور ایک تہمد رکھ چھوڑی تھی۔ چونکہ ان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پسینہ جذب ہوتا تھا یہ بڑی متبرک چیزیں تھیں، حضرت شفاءؓ کے بعد ان کی اولاد نے ان تبرکات کو نہایت احتیاط سے محفوظ رکھا۔ لیکن مروان نے ان سے یہ سب چیزیں لے لیں[2]۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ایک مکان بھی عنایت فرمایا تھا اور وہ اپنے بیٹے کے ساتھ اسی میں سکونت پذیر تھیں[3]

حضرت عمرؓ نے اپنے زمانۂ خلافت میں ان کے ساتھ خاص رعایتیں کیں چنانچہ ابن سعد میں ہے:۔

کان عمر یقدمها فی الرائے ویرعاها	حضرت عمرؓ ان کو رائے میں مقدم رکھتے
ویفضلها وربما ولاها شیئا	ان کی فضیلت کی رعایت کرتے اور ان
من امر السوق[4]	کو بازار کا اہتمام سپرد کرتے تھے۔

[1] اصابہ ج ۸ ص ۰۲۰ [2] اسد الغابہ ج ۵ ص ۴۸۶ (اصابہ ج ۸ ص ۱۲۱) [3] اصابہ ص ۱۲۱ بحوالہ ابن سعد [4] اصابہ ص ۱۲۱

وفات وفات کا سنہ معلوم نہیں۔

اولاد اولاد میں دو کا پتہ چلتا ہے، سلیمان اور ایک لڑکی جو شرجیل بن حسنہ کو منسوب تھی

فضل وکمال جاہلیت میں دو چیزوں میں مشہور تھیں، جھاڑ پھونک اور لکھنا، جھاڑ پھونک کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے انہوں نے استفسار کیا تھا؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دی تھی اور فرمایا تھا کہ حفصہؓ کو بھی سکھا دو لکھنے کے متعلق بھی یہی ارشاد ہوا تھا[۱] چیونٹی کے کاٹے میں یہ منتر پڑھتی تھیں "بسم اللہ صلو صلب جبر تعوذا من افواھھا فلا تضر احدا اللھم اکشف الباس رب الناس"[۲]

حضرت شفاءؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عمرؓ سے چند حدیثیں روایت کی ہیں جن کی تعداد صاحب خلاصہ کے نزدیک (۱۲) ہے، راویوں میں ان کے بیٹے اور دو پوتے ابوبکر و عثمان اور ابوسلمہ، حضرت حفصہؓ اور ابواسحاق شامل ہیں،

اخلاق اسد الغابہ میں ہے[۳]

کانت من عقلاء النساء وفضلائھن یعنی وہ بڑی عاقلہ اور فاضلہ تھیں،

حضرت عمرؓ نے ایک مرتبہ ان کو بلا کر ایک چادر عنایت کی اور عاتکہ بنت اسید کو ان سے بہتر چادر دی، تو بولیں تمہارے ہاتھ غبار آلود ہوں، ان کو مجھ سے بہتر چادر دی، حالانکہ میں ان سے پہلے مسلمان ہوئی، تمہاری بنت عم بھی ہوں، اس کے علاوہ تم نے مجھ کو طلب کیا تھا اور یہ خود چلی آئیں، حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ میں تمہیں عمدہ چادر دیتا لیکن جب یہ آگئیں تو مجھے ان کی رعایت کرنی پڑی کیونکہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نسباً قریب تر ہیں[۴]

---

[۱] مسند ج ۶ ص ۳۷۲ [۲] اسد الغابہ ج ۵ ص ۴۸۷ [۳] اسد الغابہ ج ۵ ص ۴۸۶ [۴] اسد الغابہ ج ۵ ص ۴۹۷ حالات عاتکہؓ

(۳۴)

حضرت زینبؓ بنت ابی معاویہ

نام ونسب | زینبؓ نام، رائطہ عرف، قبیلہ ثقیف سے تھیں، سلسلہ نسب یہ ہے زینب بنت عبداللہ ابی معاویہ بن معاویہ بن عتاب بن اسعد بن غاضرہ بن حطیط بن جشم ابن ثقیف

نکاح | حضرت عبداللہ بن مسعود سے نکاح ہوا۔ چونکہ ان کا کوئی ذریعہ معاش نہ تھا اور زینبؓ دستکار تھیں، اس لئے اپنے شوہر اور اولاد کی خود کفیل ہوئیں، ایک دن کہنے لگیں کہ تم نے اور تمہاری اولاد نے مجھ کو صدقہ وخیرات سے روک رکھا ہے۔ جو کچھ کماتی ہوں تم کو کھلا دیتی ہوں، بھلا اس میں میرا کیا فائدہ؟ حضرت ابن مسعودؓ نے جواب دیا، تم اپنے فائدہ کی صورت نکال لو۔ مجھ کو تمہارا نقصان منظور نہیں، حضرت زینبؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچیں، اور عرض کی کہ میں دستکار ہوں، اور جو کچھ اس سے پیدا کرتی ہوں، شوہر اور بال بچوں پر صرف ہو جاتا ہے۔ کیونکہ میرے شوہر کا کوئی ذریعہ معاش نہیں ہے۔ اس بنا پر میں محتاجوں کو صدقہ نہیں دے سکتی، اس حالت میں کیا مجھ کو کچھ ثواب ملتا ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں تم کو ان کی خبر گیری کرنا چاہیئے[1]

عام حالات | حضرت زینبؓ کے حالات بہت کم معلوم ہیں سالِ وفات کا بھی یہی حال ہے،

اولاد | ابو عبیدہ جو اپنے زمانہ کے مشہور محدث گذرے ہیں حضرت زینبؓ کے نور نظر تھے۔

---

[1] صحیح مسلم

فضل وکمال | آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عمرؓ اور ابن مسعودؓ سے چند حدیثیں روایت کیں راویوں میں حسب ذیل اصحاب ہیں، ابوعبیدہ، عمرو بن حارث بن ابی ضرار، بسر بن سعید عبید بن سباق، کلثوم، محمد بن عمرو بن حارث،

اخلاق | بارگاہ نبوت میں ان کو مخصوص درجہ حاصل تھا، اکثر آپ کے مکان میں آتی جاتی تھیں، ایک دن وہ آپ کے سر کی جوئیں دیکھ رہی تھی۔ مہاجرین کی اور عورتیں بھی بیٹھی ہوئی تھیں ایک مسئلہ پیش ہوا۔ تو انہوں نے اپنا کام چھوڑ کر بولنا شروع کیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم آنکھ سے نہیں بولتی ہو، کام بھی کرو اور گفتگو بھی[1]

[1] مسند ج ۶ ص ۳۶۳

(۳۴)

حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا

نام و نسب | اسماء نام، ام سلمہ کنیت، سلسلۂ نسب یہ ہے، اسماء بنت یزید بن السکن بن رافع بن امراء القیس بن زید بن عبد الاشہل بن جشم بن حارث بن خزرج بن عمرو بن مالک بن اوس۔

اسلام | ہجرت کے بعد مسلمان ہوئیں اور چند عورتوں کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیعت کے لئے آئیں، آپ صحابہ کے مجمع میں تشریف فرما تھے، انہوں نے عرض کی کہ "مسلمان عورتوں کی طرف سے ایک پیغام لے کر آئی ہوں، خدا نے آپ کو مرد و عورت سب کی ہدایت کے لئے بھیجا ہے، ہم نے آپ کی پیروی کی ہے اور آپ پر ایمان لائے ہیں۔ لیکن ہماری حالت مردوں سے بالکل جداگانہ ہے۔ ہم پردہ نشین ہیں، اس لئے جمعہ اور جماعت میں شریک نہیں ہو سکتے،

اور مرد جمعہ اور جماعت میں شریک ہوتے ہیں، مریضوں کی عیادت کرتے ہیں، نماز جنازہ پڑھتے ہیں، حج کو جاتے ہیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ جہاد کرتے ہیں لیکن ان تمام صورتوں میں ہم گھر میں بیٹھ کر ان کی اولاد کو پالتے ہیں، گھروں کی حفاظت کرتے ہیں، کپڑوں کے لئے چرخہ کاتتے ہیں، تو کیا اس صورت میں ہم کو بھی ثواب ملے گا" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا تو صحابہ سے فرمایا کہ تم نے کسی عورت سے ایسی گفتگو بھی سنی ہے؟ لوگوں نے کہا نہیں، آپ نے اسماء رضی اللہ عنہا کو جواب دیا کہ عورت کے لئے شوہر کی رضا جوئی نہایت ضروری چیز ہے، اگر وہ فرائض زوجیت ادا کرتی اور شوہر کی مرضی پر چلتی ہے تو مرد کو جس قدر ثواب ملتا ہے، عورت کو بھی اسی قدر ملتا ہے۔[1]

---

[1] اسد الغابہ ج ۵ ص ۳۹۸ و استیعاب ج ۲ ص ۷۲۶

جامع ترمذی، ابن سعد اور مسند ابن حنبل میں اس بیعت کا کسی قدر تذکرہ آیا ہے مسند میں ہے کہ اس بیعت میں اسماءؓ کی خالہ بھی شریک تھیں، جو سونے کے کنگن اور انگوٹھیاں پہنے تھیں، آپ نے فرمایا ان کی زکوٰۃ دیتی ہو؟ بولیں نہیں، فرمایا تو کیا تم کو یہ پسند ہے کہ خدا آگ کے کنگن اور انگوٹھیاں پہنائے، حضرت اسماءؓ نے کہا خالہ ان کو اتار دو چنانچہ فوراً تمام چیزیں اتار کر پھینک دیں، اسماءؓ نے کہا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم زیور نہ پہنیں گے تو شوہر بے وقعت سمجھے گا۔ ارشاد ہوا "تو پھر چاندی کے زیور بنواؤ اور ان پر زعفران مل دو کہ سونے کی چمک پیدا ہو جائے" غرض ان باتوں کے بعد جب بیعت کا وقت آیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زبانی چند اقرار کرائے۔ حضرت اسماءؓ نے کہا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم آپ سے بیعت کرتے ہیں اپنا ہاتھ بڑھائیے، فرمایا میں عورتوں سے مصافحہ نہیں کرتا۔

بعض روایتوں میں یہ بھی ہے کہ کنگن کا واقعہ خود حضرت اسماءؓ کا تھا[1]

عام حالات سنہ ۱ھ میں حضرت عائشہ کی رخصتی ہوئی اور وہ میکہ سے کاشانہ نبوت میں آئیں، تو جن عورتوں نے ان کو سنوارا تھا، ان میں حضرت اسماءؓ بھی داخل تھیں حضرت عائشہؓ کو جلوے میں بٹھا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع کی، آپ ان کے پاس آکر بیٹھ گئے، کسی نے دودھ پیش کیا تو تھوڑا سا پی کر حضرت عائشہؓ کو دے دیا، ان کو شرم معلوم ہوئی اور سر جھکا لیا، حضرت اسماءؓ نے ڈانٹا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) جو دیتے ہیں لے لو، حضرت عائشہؓ نے دودھ لے کر کسی قدر پی لیا اور پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو واپس کر دیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اسماءؓ کو دیا، انہوں نے پیالہ کو گھٹنے پر رکھ کر گردش دینا شروع کیا کہ جس طرف سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نوش فرمایا تھا وہاں بھی منہ لگ جائے۔ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اور عورتوں کو بھی دو لیکن سب نے جواب دیا کہ ہم کو اس وقت خواہش نہیں ہے ارشاد ہوا بھوک

---

[1] ان واقعات کے لئے دیکھو مسند ج ۶ ص ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۶۰، ۴۶۱

کے ساتھ جھوٹ بھی؟[1]

۱۵ھ میں یرموک کا واقعہ پیش آیا، اس میں حضرت اسماءؓ نے اپنے خیمہ کی چوب سے ۹ رومیوں کو قتل کیا[2]

وفات | یرموک کے بعد مدت تک زندہ رہیں اور پھر وفات پائی، وفات کا سال معلوم نہیں ہے۔

فضل وکمال | حضرت اسماءؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے چند حدیثیں روایت کی ہیں جن کے راوی اصحاب ذیل ہیں، محمود بن عمرو انصاری، مہاجر بن ابی مسلم، شہر بن حوشب، مجاہد، اسحاق بن راشد، لیکن ان میں سب سے زیادہ شہر بن حوشب نے روائتیں کی ہیں۔

اخلاق | استیعاب میں ہے۔

کانت من ذوات العقل والدین۔ یعنی وہ عقل اور دین دونوں سے متصف تھیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کرتی تھیں[3] ایک مرتبہ ناقہ عضباء کی مہار تھامے تھیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوئی، ان کا بیان ہے کہ وحی کا اتنا بار تھا کہ مجھے خوف ہوا۔ کہ کہیں اونٹنی کے ہاتھ پاؤں نہ ٹوٹ جائیں[4]

حضرت اسماءؓ اکثر اوقات کاشانۂ نبوت میں حاضر ہوتیں، ایک مرتبہ بیٹھی تھیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دجال کا ذکر فرمایا، گھر میں کہرام مچ گیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دوبارہ واپس آئے تو وہی حالت قائم تھی، فرمایا کیوں روتی ہو؟ حضرت اسماءؓ نے کہا ہماری حالت یہ ہے کہ لونڈی آٹا گوندھنے بیٹھی ہے، ہم کو سخت بھوک ہوتی ہے وہ پکا کر فارغ نہیں ہوتی کہ ہم بھوک سے بیتاب ہو جاتے ہیں پھر دجال کے زمانہ میں جو قحط پڑیگا اس پر کیونکر صبر کرسکیں گے (یعنی فوراً اس کے دام میں پھنس جائیں گے) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

[1] مسند ج ۶ ص ۴۵۸ [2] اصابہ ج ۸ ص ۱۳ [3] مسند ج ۶ ص ۴۵۹ [4] ایضاً ص ۴۵۵ و ۴۵۸

اس دن تسبیح اور تکبیر بھوک سے بچائے گی۔ پھر کہا رونے کی ضرورت نہیں، اگر میں اس وقت تک زندہ رہا تو میں خود سینہ سپر ہوں گا، ورنہ میرے بعد خدا ہر مسلمان کی حفاظت کرے گا[1]

مہمان نوازتھیں (ایک بار حضرت) شہر بن حوشب آئے تو (انہوں نے) ان کے سامنے کھانا رکھا (حضرت شہر بن حوشب نے) انکار کیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک واقعہ بیان کیا (جس سے یہ اشارہ مقصود تھا کہ انکار مناسب نہیں ہے) انہوں نے کہا اب دوبارہ ایسی غلطی نہ کروں گا[2]

---

[1] مسند ج ۶ ص ۴۵۳، ۴۵۴ [2] ایضاً ص ۴۵۸

(۳۵)

حضرت ام الدرداءؓ

نام و نسب | ام الدرداء دو تھیں، اور دونوں حضرت ابو درداءؓ کے عقد نکاح میں آئیں لیکن جو بڑی تھیں وہ صحابیہ ہیں۔ امام احمد بن حنبل اور یحییٰ بن معین کے قول کے مطابق ان کا نام خیرہ تھا اور ابو حدرد اسلمی کی صاحبزادی تھیں۔

وفات | حضرت ابو درداءؓ سے دو سال قبل شام میں وفات پائی یہ خلافت عثمانی کا زمانہ تھا۔

فضل و کمال | حافظ ابن عبد البر لکھتے ہیں،

کانت من فضلی النساء و عقلائھن	وہ بڑی عاقلہ اور فاضلہ اور صاحب
و ذوات الرای فیھن [1]	الرائے تھیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو درداءؓ سے چند حدیثیں روایت کی ہیں ان کے شاگرد میمون بن مہران ہیں، جن کی سماعت پر جمہور کا اتفاق ہے، حافظ ابن عبد البر نے بعض اور راویوں کے نام بھی لکھے ہیں، لیکن یہ سخت غلطی ہے کیونکہ ان میں سے کسی نے ام الدرداءؓ کا زمانہ نہیں پایا۔

اخلاق | نہایت عابدہ اور زاہدہ تھیں [2]

(۱) اصابہ ج ۸ ص ۷۳) (۲) ایضاً۔

(۳۶)

حضرت اُم حکیمؓ

نام ونسب قریش کے خاندان مخزوم سے تھیں، باپ کا نام حارث بن ہشام بن المغیرہ اور ماں کا نام فاطمہ بنت الولید تھا۔ فاطمہ حضرت خالد بن الولید کی ہمشیر تھیں۔

نکاح عکرمہ بن ابوجہل سے (جو ان کے ابن عم تھے) شادی ہوئی۔

عام حالات غزوہ احد میں کفار کے ساتھ شریک تھیں۔ لیکن جب ۸ھ میں مکہ فتح ہوا، تو پھر اسلام سے چارہ نہ تھا، ان کا خسر (ابوجہل) مکہ میں اسلام کا سب سے بڑا دشمن اور کفر کا سرغنہ رہ چکا تھا، شوہر (عکرمہ) کی رگوں میں بھی اسی کا خون دوڑتا تھا، ماموں (خالد) بھی مدت سے اسلام سے برسرپیکار رہ چکے تھے لیکن باایں ہمہ ام حکیمؓ نے اپنی فطری سلامت روی کی بنا پر فتح مکہ میں اسلام قبول کرنے میں بہت عجلت کی، ان کے شوہر جان بچا کر یمن بھاگ گئے تھے، ام حکیمؓ نے ان کے لئے امن کی درخواست کی تو رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا دامن عفو نہایت کشادہ تھا۔ غرض یمن جا کر ان کو واپس لائیں، اور عکرمہ نے صدق دل سے اسلام قبول کیا، حضرت عکرمہؓ نے مسلمان ہو کر اپنے تمام گناہوں کا کفارہ ادا کیا۔ نہایت جوش سے غزوات میں شرکت کی اور بڑی بامردی اور جانبازی سے لڑے حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ خلافت میں رومیوں سے جنگ چھڑی، حضرت عکرمہؓ ام حکیمؓ کو لے کر شام گئے اور اجنادین کے معرکہ میں داد شجاعت دیکر شہادت حاصل کی۔ حضرت ام حکیمؓ نے عدت کے بعد خالدؓ بن سعید بن العاص سے نکاح کیا، ۴۰۰ دینار مہر بندھا اور رسم عروسی ادا کرنے کی تیاریاں ہوئیں۔ چونکہ نکاح مرج الصفر میں ہوا تھا۔ جو دمشق کے قریب ہے اور ہر وقت رومیوں کے حملہ کا اندیشہ

تھا۔ حضرت ام حکیمؓ نے خالدؓ سے کہا کہ "ابھی توقف کرو" لیکن خالدؓ نے کہا کہ مجھے اسی معرکہ میں اپنی شہادت کا یقین ہے غرض ایک پل کے پاس جو اب قنطرہ ام حکیمؓ کہلاتا ہے رسم عروسی ادا ہوئی، دعوت ولیمہ سے لوگ فارغ نہیں ہوئے تھے کہ رومی آپہنچے اور لڑائی شروع ہوگئی، خالد میدان جنگ میں گئے اور شہادت حاصل کی، حضرت ام حکیمؓ اگرچہ عروس تھیں، تاہم اٹھیں، کپڑوں کو باندھا اور خیمہ کی چوب اکھاڑ کر کفار پر حملہ کیا، لوگوں کا بیان ہے کہ انہوں نے اس چوب سے ۷ کافروں کو قتل کیا تھا[1]

وفات | حضرت ام حکیمؓ کی وفات کا زمانہ معلوم نہیں اولاد کا بھی یہی حال ہے۔

---

[1] اصابہ ج ۸ ص ۲۲۵

حضرت خنساءؓ

نام ونسب تماضر نام، خنساء لقب، قبیلۂ قیس کے خاندان سلیم سے ہیں، سلسلہ نسب یہ ہے خنساء بنت عمرو بن الشرید بن رباح بن یقظہ بن عصیتہ بن خفاف بن امراء القیس بن بہثہ ابن سلیم بن منصور بن عکرمہ بن حفصہ بن قیس بن عیلان بن مضر، نجد کی رہنے والی تھیں۔

نکاح پہلا نکاح قبیلہ سلیم کے ایک شخص رواحہ بن عبدالعزی سے ہوا، اس کے انتقال کے بعد مرداس بن ابو عامر کے عقد نکاح میں آئیں[1]

اسلام پیری کا زمانہ تھا کہ مکہ کے افق سے ماہتاب رسالت طلوع ہوا، حضرت خنساءؓ کو خبر ہوئی، تو اپنی قوم کے کچھ لوگوں کے ساتھ مدینہ میں آئیں اور مشرف باسلام ہوئیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دیر تک ان کے اشعار سنتے اور تعجب کرتے رہے، یہ ہجرت کے بعد کا واقعہ ہے۔

عام حالات حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت میں جب قادسیہ (عراق) میں جنگ ہوئی تو حضرت خنساءؓ اپنے چار بیٹوں کو لے کر میدان میں آئیں اور ان کو مخاطب کرکے یہ نصیحت کی، پیارے بیٹو! تم نے اسلام اور ہجرت اپنی مرضی سے اختیار کی ہے ورنہ تم اپنے ملک کو بھاری نہ تھے اور نہ تمہارے یہاں قحط پڑا تھا، باوجود اس کے تم اپنی بوڑھی ماں کو یہاں لائے اور فارس کے آگے ڈال دیا، خدا کی قسم! تم ایک ماں اور باپ کی اولاد ہو میں نے نہ تمہارے باپ سے خیانت کی اور نہ تمہارے ماموں کو رسوا کیا، تم جانتے ہو کہ دنیا

---

[1] طبقات الشعراء لابن قتیبہ ص ۱۹۷ (اسد الغابہ ج ۵ ص ۴۴۱)

فانی ہے اور کفار سے جہاد کرنے میں بڑا ثواب ہے خداوند تعالیٰ فرماتا ہے یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا ، اس بنا پر صبح اٹھ کر لڑنے کی تیاری کرو اور آخر وقت تک لڑو لے" چنانچہ بیٹوں نے ایک ساتھ باگیں اٹھائیں، اور نہایت جوش میں رجز پڑھتے ہوئے بڑھے ، اور شہید ہوئے حضرت خنساءؓ کو خبر ہوئی تو خدا کا شکر ادا کیا۔

حضرت عمرؓ ان کے لڑکوں کو ۲۰۰ درہم سالانہ وظیفہ عطا کرتے تھے۔ ان کی شہادت کے بعد یہ رقم حضرت خنساءؓ کو ملتی رہی[1]

وفات اس واقعہ کے دس برس کے بعد حضرت خنساءؓ نے وفات پائی ، سال وفات ۲۴ھ ہے۔

اولاد چار لڑکے تھے جو قادسیہ میں شہید ہوئے ، ان کے نام یہ ہیں عبداللہ ابو شجرہ (پہلے شوہر سے تھے) زید، معاویہ (دوسرے شوہر سے)

فضل و کمال اقسام سخن میں سے مرثیہ میں حضرت خنساءؓ اپنا جواب نہیں رکھتی تھیں صاحب اسد الغابہ لکھتے ہیں[2]

اجمع اھل العلم بالشعر انہ	یعنی ناقدان سخن کا فیصلہ ہے کہ خنساءؓ
لم تکن امرءۃ قبلھا ولا بعدھا	کے برابر کوئی عورت شاعر نہیں
اشعر منھا	پیدا ہوئی۔

لیلائے اخیلیہ کو شعراء نے تمام شاعر عورتوں کا سرتاج تسلیم کیا ہے ، تاہم اس میں بھی حضرت خنساءؓ مستثنیٰ رکھی گئی ہیں[3] ، بازار عکاظ میں جو شعرائے عرب کا سب سے بڑا مرکز تھا حضرت خنساءؓ کو یہ امتیاز حاصل تھا کہ ان کے خیمے کے دروازہ پر ایک علم نصب ہوتا تھا ، جس پر یہ الفاظ لکھے تھے ارثی العرب یعنی عرب میں سب سے بڑی مرثیہ گو، نابغہ جو اپنے زمانہ کا سب سے بڑا شاعر تھا اس کو حضرت خنساءؓ نے اپنا کلام سنایا تو بولا کہ اگر میں ابو بصیر (اعشیٰ)

---

[1] اسد الغابہ ج ۵ ص ۴۴۲ [2] ایضاً [3] ایضاً ص ۴۴۱ [4] طبقات الشعراء ص ۲۷۱

کا کلام نہ سن لیتا تو تجھ کو تمام عالم میں سب سے بڑا شاعر تسلیم کرتا[1]

حضرت خنساءؓ ابتداءً ایک دو شعر کہتی تھیں لیکن صخر کے مرنے سے ان کو جو صدمہ پہنچا اس نے ان کی طبیعت میں ایک ہیجان پیدا کر دیا تھا چنانچہ کثرت سے مرثیے لکھے ہیں، یہ شعر خاص طور پر مشہور ہے۔

وان صخراً لتاتم الھداۃ بہ — کانہ علمٌ فی راسہ نار

صخر کی بڑے بڑے لوگ اقتدا کرتے ہیں — گویا وہ ایک پہاڑ ہے جس کی چوٹی پر آگ روشن ہے

حضرت خنساءؓ کا دیوان بہت ضخیم ہے ۱۸۸۸ء میں بیروت میں مع شرح کے چھاپا گیا ہے اس میں حضرت خنساءؓ کے ساتھ ۶۰ عورتوں کے اور بھی مرثیے شامل ہیں ۱۸۸۹ء میں اس کا فرنچ زبان میں ترجمہ ہوا اور دوبارہ طبع کیا گیا۔

---

[1] طبقات الشعراء ص ۱۹۸

(۳۸)

حضرت ام حرامؓ

نام و نسب نام معلوم نہیں، ام حرام کنیت تھی، قبیلۂ خزرج کے خاندان بنو نجار سے تھیں سلسلۂ نسب یہ ہے، ام حرام بنت ملحان بن خالد بن زید بن حرام بن جندب بن عامر بن غنم بن عدی ابن نجار، والدہ کا نام ملیکہ تھا۔ جو مالک بن عدی بن زید بن مناۃ بن عدی بن عمرو بن مالک بن نجار کی دختر تھیں، اس بنا پر ام حرام حضرت ام سلیمؓ کی بہن اور حضرت انسؓ کی خالہ ہوتی ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی ان کا یہی رشتہ تھا۔[۱]

نکاح عمرو بن قیس انصاریؓ سے نکاح ہوا[۲] لیکن جب انہوں نے احد میں شہادت پائی تو حضرت عبادہؓ بن صامت کے عقد نکاح میں آئیں۔ جو بڑے رتبہ کے صحابی تھے۔

عام حالات اور وفات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب کبھی قبا کی طرف تشریف لے جاتے تو حضرت ام حرامؓ کے گھر آتے اور کھانا نوش فرماتے تھے، حجۃ الوداع کے بعد ایک روز آپؐ تشریف لائے اور کھانا کھا کر آرام فرمایا تو حضرت ام حرامؓ نے جوئیں دیکھنا شروع کیا آپ کو نیند آگئی، لیکن تھوڑی دیر کے بعد مسکراتے ہوئے اٹھے اور فرمایا میں نے ایک خواب دیکھا ہے اور وہ یہ کہ "میری امت کے کچھ لوگ سمندر میں غزوہ کے ارادہ سے سوار ہیں" حضرت ام حرامؓ نے کہا "یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) دعا کیجئے کہ میں بھی ان میں شامل ہوں"۔ آپ نے دعا کی اور پھر آرام فرمایا، کچھ دیر کے بعد پھر مسکراتے ہوئے اٹھے اور اسی خواب کا اعادہ کیا، حضرت ام حرامؓ نے پھر اپنی شرکت کے لئے دعا کی درخواست کی، فرمایا تم پہلی جماعت کے ساتھ ہو، اس

---

[۱] تہذیب ج ۱۲ ص ۴۶۲ [۲] (زرقانی ج ۳ ص ۹۹ و اصابہ ج ۸ ص ۲۲۲ و ۲۲۳

خواب کی تعبیر ۲۸ھ میں پوری ہوئی۔

حضرت امیر معاویہؓ حضرت عمرؓ کی طرف سے شام کے حاکم تھے، انہوں نے متعدد بار جزائر پر حملہ کرنے کی خواہش ظاہر کی، لیکن حضرت عمرؓ نے اجازت نہیں دی، حضرت عثمانؓ کے زمانہ خلافت میں انہوں نے اپنا ارادہ ظاہر کیا تو اجازت ملی، انہوں نے جزیرہ قبرص (سائپرس) پر حملہ کرنے کے لئے ایک بیڑا تیار کیا، اس حملہ میں بہت سے صحابہ شریک تھے، حضرت ابوذرؓ حضرت ابو درداءؓ، حضرت عبادہؓ بن صامت، حضرت ام حرامؓ بھی ان ہی میں داخل تھیں[1]، بیڑا حمص[2] کے ساحل سے روانہ ہوا۔ اور قبرص فتح ہو گیا۔ واپسی میں حضرت ام حرامؓ سواری پر چڑھ رہی تھیں کہ نیچے گریں اور جان بحق تسلیم ہوئیں، لوگوں نے وہیں ان کو دفن کر دیا[3]

اولاد | حضرت ام حرامؓ سے ۳ لڑکے پیدا ہوئے، پہلے شوہر سے قیس اور عبد اللہ اور حضرت عبادہؓ سے محمد۔

فضل و کمال | آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے چند حدیثیں روایت کیں، راویوں میں حضرت عبادہؓ حضرت انسؓ، عمرو بن اسود، عطاء بن یسار اور یعلی بن شداد بن اوس ہیں۔

---

[1] اسد الغابہ ج ۵ ص ۵۷۵ [2] زرقانی ج ۷ ص ۱۶۱ [3] صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۲۹

(۳۹)

حضرت ام ورقہ بنت عبد اللہ رضی اللہ عنہا

نام ونسب | نام معلوم نہیں، ام ورقہ کنیت اور انصار کے کسی قبیلہ سے تھیں، سلسلہ نسب یہ ہے، ام ورقہ بنت عبد اللہ بن حارث بن عویمر بن نوفل۔

اسلام | ہجرت کے بعد مسلمان ہوئیں،

غزوات | غزوۂ بدر پیش آیا تو انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے شرکت کی اجازت مانگی کہ مریضوں کی تیمارداری کرونگی، ممکن ہے کہ اس سلسلہ میں شہادت نصیب ہو، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تم گھر میں رہو خدا تم کو وہیں شہادت عطا فرمائے گا"

شہادت | چونکہ قرآن پڑھی ہوئی تھیں، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو عورتوں کا امام بنایا تھا۔ اس لئے درخواست کی کہ ایک موذن بھی مقرر فرمایئے، چنانچہ موذن اذان دیتا اور عورتوں کی امامت کرتی تھیں[1] راتوں کو قرآن پڑھا کرتیں انہوں نے ایک لونڈی اور ایک غلام کو مدبر بنایا یعنی اس شرط پر آزادی کا وعدہ کیا تھا۔ کہ میرے بعد تم آزاد ہو، ان بدبختوں نے اس وعدے سے (ناجائز) فائدہ اٹھانا چاہا۔ اور رات کو ایک چادر ڈال کر ان کا کام تمام کردیا۔ یہ خلافت فاروقی کا واقعہ ہے، صبح کو حضرت عمرؓ نے لوگوں سے پوچھا، آج خالہ کے پڑھنے کی آواز نہیں آئی معلوم نہیں کیسی ہیں؟ مکان میں گئے تو دیکھا کہ ایک چادر میں لپٹی پڑی ہوئی ہیں نہایت افسوس ہوا۔ اور فرمایا خدا اور رسول نے سچ کہا تھا، آنحضرت صلی اللہ

---

[1] عورتوں کی امامت کے متعلق دیباچہ کے صفحہ پر ایک نوٹ ہے۔ وہ ملاحظہ فرمائیں۔

علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے۔ کہ "شہیدہ کے گھر چلو" اس کے بعد منبر پر چڑھے اور کہا غلام اور لونڈی دونوں گرفتار کئے جائیں، چنانچہ وہ گرفتار ہو کر آئے، تو حضرت عمرؓ نے ان کو سولی پر لٹکا دیا (یہ دونوں وہ پہلے مجرم ہیں) جن کو مدینہ منورہ میں سولی دی گئی[1]

[1] اصابہ ج ۸ ص ۲۸۹

(۴۰)

حضرت ہندؓ

نام ونسب: ہند نام، قبیلہ قریش سے تھیں، سلسلہ نسب یہ ہے، ہند بنت عتبہ بن ربیعہ بن عبد شمس ابن عبد مناف، ہند کا باپ قریش کا سب سے معزز رئیس تھا۔

نکاح: فاکہ بن مغیرہ مخزومی سے نکاح ہوا۔ لیکن پھر کسی وجہ سے جھگڑا ہو گیا۔ تو ابوسفیان ابن حرب کے عقد میں آئیں جو قبیلہ امیہ کے مشہور سردار تھے

عام حالات: عتبہ، ابوسفیان اور ہند تینوں کو اسلام سے سخت عداوت تھی اور وہ اسلام کی غیر معمولی ترقی کو نہایت رشک سے دیکھتے تھے۔ اور حتی الامکان اس کی راہ میں رکاوٹ پیدا کرتے تھے۔ **ابوجہل** ان سب کا سردار تھا۔ لیکن جب بدر کے معرکہ میں جو اسلام اور کفر کا پہلا معرکہ تھا۔ قریش کے بڑے بڑے سردار مارے گئے اور ابوجہل اور عتبہ وغیرہ بھی قتل ہو گئے تو ابوسفیان بن حرب نے جو عتبہ کے داماد تھے اس کی جگہ لی اور ابوجہل کی طرح مکہ میں انکی سیادت مسلّم ہو گئی چنانچہ بدر کے بعد سے جس قدر معرکے پیش آئے، ابوسفیان سب میں پیش پیش تھے، غزوہ احد ان ہی کے جوش انتقام کا نتیجہ تھا۔ اس موقعہ پر ان کے ساتھ ان کی بیوی ہند بھی آئی تھیں جنہوں نے اپنے باپ کے انتقام میں سنگدلی اور خونخواری کا ایسا خوفناک منظر پیش کیا جس کے تخیل سے بھی جسم لرز اٹھتا ہے۔ حضرت حمزہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا تھے۔ انہوں نے عتبہ کو قتل کیا تھا، ہند ان کی فکر میں تھیں چنانچہ انہوں نے وحشیؓ کو جو جبیر بن مطعم کے غلام اور حربہ اندازی میں کمال رکھتے تھے۔ حضرت حمزہؓ کے قتل پر آمادہ کیا تھا (یہ حضرت وحشیؓ کے قبل از اسلام کا واقعہ ہے) اور یہ اقرار ہوا کہ اس کارگذاری کے صلہ میں وہ

آزاد کر دیئے جائیں گے، چنانچہ حضرت حمزہؓ جب ان کے برابر آئے تو وحشی نے حربہ پھینک کر مارا جو ناف میں لگا اور پار ہو گیا، حضرت حمزہؓ نے ان پر حملہ کرنا چاہا، لیکن لڑکھڑا کر گر پڑے اور روح پرواز کر گئی۔

خاتونانِ قریش نے انتقام بدر کے جوش میں مسلمانوں کی لاشوں سے بھی بدلہ لیا تھا۔ ان کے ناک کان کاٹ لئے، ہند نے ان پھولوں کا ہار بنایا، اور اپنے گلے میں ڈالا حضرت حمزہؓ کی لاش پر گئیں اور ان کا پیٹ چاک کر کے کلیجہ نکالا اور چبا گئیں لیکن گلے سے اتر نہ سکا، اس لئے اگل دینا پڑا (حضرت ابوسفیانؓ اور ہند کے یہ سب واقعات اسلام قبول کرنے سے پہلے کے ہیں) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس فعل سے جس قدر صدمہ ہوا تھا، اس کا کون اندازہ کر سکتا ہے؟ لیکن ایک اور چیز تھی جو ایسے نازک موقعوں پر بھی جبینِ رحمت کو شکن آلود نہیں ہونے دیتی تھی۔

اسلام | چنانچہ جب مکہ فتح ہوا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں سے بیعت لینے کے لئے بیٹھے، تو مستورات میں ہند بھی آئیں، شریف عورتیں عموماً نقاب پہنتی تھیں، ہندؓ بھی نقاب پہن کر آئیں، جس سے اس وقت یہ غرض بھی تھی کہ کوئی ان کو پہچاننے نہ پائے، بیعت کے وقت انہوں نے نہایت دلیری سے باتیں کیں جو حسب ذیل ہیں۔

ہند: یارسول اللہ! آپ ہم سے کن باتوں کا اقرار لیتے ہیں

رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا۔

ہند: یہ اقرار آپ نے مردوں سے تو نہیں لیا، لیکن بہر حال ہم کو منظور ہے۔

رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) چوری نہ کرنا

ہند: میں اپنے شوہر کے مال میں سے کبھی کچھ لے لیا کرتی ہوں معلوم نہیں یہ بھی جائز ہے یا نہیں؟

رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اولاد کو قتل نہ کرنا۔

ہند: ربیناھم صغاراً وقتلتھم کباراً فانت وھم اعلم، ہم نے تو اپنے بچوں کو پالا تھا

بڑے ہوئے تو جنگ بدر میں آپ نے ان کو مار ڈالا۔ اب آپ اور وہ باہم سمجھ لیں،
(اس دیدہ دلیری کے باوجود) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہند سے درگذر فرمایا (ہند کے قلب پر اس کا بہت اثر ہوا۔) اور ان کے دل نے اندر سے گواہی دی کہ آپ سچے پیغمبر ہیں، انہوں نے کہا یا رسول اللہ! اس سے پہلے آپ کے خیمہ سے زیادہ میرے نزدیک کوئی مبغوض خیمہ نہ تھا۔ لیکن اب آپ کے خیمہ سے زیادہ کوئی محبوب خیمہ میرے نزدیک نہیں ہے[1]

حضرت ہند رضؓ مسلمان ہو کر گھر گئیں تو اب وہ ہند نہ تھیں، ابن سعد نے لکھا ہے کہ انہوں نے گھر جا کر بت توڑ ڈالا اور کہا کہ ہم تیری طرف سے دھوکے میں تھے[2]

(اسد الغابہ میں ان کے حسن اسلام کے متعلق لکھا ہے کہ (اسلمت یوم الفتح وحسن اسلامہا)[3]

غزوات فتح مکہ کے بعد اگرچہ اسلام کو علانیہ غلبہ حاصل ہو گیا تھا، اور اس لئے عورتوں کو غزوات میں شریک ہونے کی ضرورت باقی نہیں رہی تھی، تاہم جب حضرت عمر رضؓ کے عہد میں روم و فارس کی مہم پیش آئی تو بعض مقامات میں اس شدت کا رن پڑا۔ کہ مردوں کے ساتھ ساتھ عورتوں کو بھی تیغ و خنجر سے کام لینا پڑا چنانچہ شام کی لڑائیوں میں جنگ یرموک ایک یادگار جنگ تھی، اس میں حضرت ہند اور ان کے شوہر حضرت ابوسفیان رضؓ دونوں نے شرکت کی اور فوج میں رومیوں کے مقابلہ کا جوش پیدا کیا۔

وفات حضرت ہند رضؓ نے حضرت عمر رضؓ کے عہد خلافت میں انتقال کیا۔ اسی دن حضرت ابوبکر رضؓ کے والد ابو قحافہ نے بھی وفات پائی تھی ابن سعد کی روایت ہے کہ ان کی وفات حضرت عمر رضؓ کے زمانہ میں نہیں بلکہ حضرت عثمان رضؓ کے زمانہ میں ہوئی، کتاب الامثال سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ چنانچہ اس میں مذکور ہے کہ جب حضرت ابوسفیان رضؓ نے وفات پائی (ابوسفیان رضؓ نے حضرت عثمان رضؓ کے زمانہ خلافت میں وفات پائی ہے) تو کسی نے حضرت امیر معاویہ رضؓ سے

---
[1] صحیح بخاری [2] اصابہ ج ۸ ص ۲۰۶ [3] اسد الغابہ ج ۵ ص ۵۶۲

کہا کہ مجھ سے ہندؓ کا نکاح کر دو۔ انہوں نے نہایت متانت سے جواب دیا کہ اب ان کو نکاح کرنے کی ضرورت نہیں[1]۔

اولاد اولاد میں حضرت امیر معاویہؓ زیادہ مشہور ہیں۔

اخلاق حضرت ہندؓ میں وہ تمام اوصاف موجود تھے جو ایک عرب عورت کے بالامتیاز ہو سکتے ہیں، صاحب اسد الغابہ نے لکھا ہے۔

کانت امرءۃ لھا نفس وانفتہ ورائی وعقل[2]	ان میں عزت نفس، غیرت ارائے وتدبیر اور دانشمندی پائی جاتی تھی،

فیاض تھیں، حضرت ابوسفیانؓ ان کو ان کے حوصلہ کے مطابق خرچ نہیں دیتے تھے اسلام لانے کے وقت جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے عہد لیا کہ چوری نہ کریں تو انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ! ابوسفیانؓ مجھے پورا خرچ نہیں دیتے اگر ان سے چھپا کر لوں تو جائز ہے؟ آپ نے اجازت دی[3]۔

---

[1] اصابہ ج ۸ ص ۲۰۶ [2] اسد الغابہ ج ۵ ص ۵۶۲ [3] صحیح بخاری

(۴۱)

حضرت ام کلثومؓ بنت عقبہ

نام ونسب اور اسلام ام کلثوم کنیت، سلسلۂ نسب یہ ہے، ام کلثوم بنت عقبہ بن ابی معیط ابن ابی عمرو بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف، والدہ کا نام اروی بنت کریز تھا۔ اس بنا پر حضرت عثمانؓ اور حضرت ام کلثومؓ اخیافی بھائی بہن ہیں ام کلثومؓ کا باپ عقبہ بن ابی معیط قبیلۂ امیہ کا ایک ممتاز شخص تھا اس کو اسلام سے سخت عداوت تھی، لیکن خدا کی قدرت دیکھو! اس نے اسی ظلمت کدہ میں ایمان کا چراغ روشن کیا، یعنی اس کی صاحبزادی حضرت ام کلثومؓ مشرف بہ اسلام ہوئیں۔

ہجرت ۷ھ میں صلح حدیبیہ کے بعد حضرت ام کلثومؓ نے مدینہ کی طرف ہجرت کی خزاعہ کے ایک شخص کے ہمراہ مکہ سے پا پیادہ روانہ ہوئیں، چونکہ بھاگ کر نکلی تھیں، اس لئے ان کے بھائی پیچھے سے آئے، مدینہ پہنچیں تو دوسرے دن وہ بھی پہنچ گئے، حضرت ام کلثومؓ نے فریاد کی کہ مجھ کو اپنے ایمان کا خوف ہے، میں عورت ہوں اور عورتیں کمزور ہوتی ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صلح نامہ میں یہ شرط کی تھی کہ قریش کا کوئی آدمی مدینہ آئے گا تو واپس کردیا جائے گا۔ اس لئے آپؐ کو فکر ہوئی، لیکن چونکہ اس میں عورتیں داخل نہ تھیں اس لئے ان کے متعلق خاص یہ آیت اتری۔

یا ایھا الذین امنوا اذا جاءکم	مسلمانو! جب تمہارے پاس مسلمان عورتیں
المومنات مھاجرات فامتحنوھن	ہجرت کرکے آئیں تو انکو جانچ لو خدا انکے
اللہ اعلم بایمانھن فان علمتموھن	ایمان کو اچھی طرح جانتا ہے اب اگر تم کو معلوم

مومنات فلا ترجعوھن الی الکفار۔ ہو کہ وہ مسلمان ہیں تو ان کو کافروں کے ہاں واپس بھیجو،

اور آپ نے اس کے مطابق حضرت ام کلثومؓ کو واپس کرنے سے انکار کر دیا۔

نکاح | حضرت ام کلثومؓ اب تک کنواری تھیں اس لئے حضرت زید بن حارثہؓ سے کہ بڑے رتبہ کے صحابی تھے، ان کا نکاح کیا گیا، لیکن جب زیدؓ نے غزوہ موتہ میں شہادت پائی تو حضرت زبیرؓ بن العوام کے عقد نکاح میں آئیں، لیکن انہوں نے طلاق دے دی اور حضرت عبدالرحمٰن بنؓ عوف سے نکاح ہوا۔ ان کی وفات کے بعد حضرت عمرو بنؓ العاص سے نکاح پڑھایا اور یہ آخری نکاح تھا۔

وفات | ایک مہینہ کے بعد وفات پائی، اس زمانہ میں حضرت عمروؓ والیِ مصر تھے۔

اولاد | حضرت ام کلثومؓ کے حضرت زیدؓ اور حضرت عمروؓ بن عاص سے کوئی اولاد نہیں پیدا ہوئی لیکن حضرت زبیرؓ سے زینب اور حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف سے ابراہیم، حمید، محمد اور اسماعیل پیدا ہوئے۔

فضل و کمال | حمید اور ابراہیم نے ان سے کچھ حدیثیں روایت کی ہیں۔

(۴۲)

حضرت زینبؓ بنت ابی سلمہ

نام ونسب زینب نام قبیلہ مخزوم سے ہیں، سلسلۂ نسب یہ ہے، زینب بنت ابی سلمہ عبداللہ بن عبدالاسد بن عمرو بن مخزوم، حبشہ میں حضرت ام سلمہؓ کے بطن سے پیدا ہوئیں، اور اور ان ہی کے ساتھ کچھ زمانہ کے بعد مدینہ کو ہجرت کی، حضرت اسماءؓ بنت ابی بکرؓ نے دودھ پلایا[1]، پہلے برہ نام تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زینب نام رکھا[2]

عام حالات ۴ھ میں ابو سلمہؓ نے وفات پائی، تو حضرت ام سلمہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد نکاح میں آئیں، اس وقت زینبؓ شیر خوار تھیں، والدہ ماجدہ کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آغوش تربیت میں آئیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سے محبت تھی پیروں چلنے لگیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتیں، آپ غسل فرماتے تو ان کے منہ پر پانی چھڑکتے تھے، لوگوں کا بیان ہے کہ اسی کی یہ برکت تھی کہ بڑھاپے تک ان کے چہرے پر شباب کا آب و رنگ باقی رہا،

حضرت عبداللہ بن زمعہ بن اسود اسدی سے شادی ہوئی، دو لڑکے پیدا ہوئے، جن میں ایک کا نام ابو عبیدہ تھا۔ ۶۳ھ میں حرہ کی لڑائی میں دونوں کام آئے اور حضرت زینبؓ کے سامنے ان کی لاشیں لا کر رکھی گئیں، انہوں نے انا للہ پڑھا اور کہا مجھ پر بہت بڑی مصیبت پڑی، ایک تو میدان میں لڑ کر قتل ہوا، لیکن دوسرا تو خانہ نشین تھا لوگوں نے اس کو گھر میں گھس کر مارا"

---

[1] اصابہ ج ۸ ص ۹۶ بحوالہ ابن سعد [2] صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۳۱ باب استحباب تعبیر الاسم البقیع الی حسن)

وفات | بیٹوں کے قتل ہونے کے بعد وس برس زندہ رہیں اور ۷۳ھ میں انتقال فرمایا یہ طارق کی حکومت کا زمانہ تھا[1] حضرت ابن عمرؓ جنازہ میں تشریف لائے۔

فضل وکمال | حضرت زینبؓ فضل وکمال میں شہرہ آفاق تھیں اور اس وصف میں کوئی عورت ان سے ہمسری کا دعوی نہیں کر سکتی تھیں، اسد الغابہ میں ہے،

کانت من افقه نساء زمانها[2] وہ اپنے عصر کی فقیہ بیوی تھیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ حدیثیں روایت کیں، آپؐ کے علاوہ حضرت ام سلمہؓ حضرت عائشہؓ، حضرت ام حبیبہؓ اور حضرت زینب بنت جحش سے بھی چند حدیثیں سنیں، جن لوگوں نے ان سے حدیث روایت کی ہے ان کے نام یہ ہیں۔

امام زین العابدین رضی اللہ عنہ۔ ابو عبیدہ، محمد بن عطاء، عراک بن مالک، حمید ابن نافع، عروہ، ابو سلمہ، کلیب بن وائل، ابو قلابہ جرمی

---

[1] تہذیب جلد ۲ ص ۴۲۱ ([2] اسد الغابہ جلد ۵ ص ۴۶۹)

(۴۳)

حضرت ام ابی ہریرہؓ

نام ونسب امیمہ نام تھا، باپ کا نام صبیح یا صفیح بن الحارث تھا۔

اسلام اگرچہ حضرت ابوہریرہؓ جو ان کے صاحبزادے تھے مسلمان ہو چکے تھے، تاہم وہ مشرک تھیں۔ ایک دن انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کی تو حضرت ابوہریرہؓ کو سخت ناگوار ہوا۔ روتے ہوئے خدمت اقدس میں پہنچے اور کہا "حضور! اب میری ماں کے مسلمان ہونے کے لئے دعا فرمائیے۔" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی، ادھر ان کی حالت میں دفعۃً انقلاب پیدا ہو گیا، غسل کر کے کپڑے بدلے اور حضرت ابوہریرہؓ کے سامنے کلمہ پڑھا، حضرت ابوہریرہؓ فرط مسرت سے آبدیدہ ہو گئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر کی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا کا شکر ادا کیا۔[1]

وفات وفات کی تاریخ معلوم نہیں۔

اولاد اولاد میں حضرت ابوہریرہؓ زیادہ مشہور ہیں۔

---

[1] صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۵۷ (باب فضائل ابی ہریرہؓ)

(۴۴)

حضرت خولہؓ بنت حکیم

نام ونسب خولہ نام، ام شریک کنیت، قبیلہ سلیم سے تھیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خالہ ہوتی ہیں[1] نسب نامہ یہ ہے خولہ بنت حکیم بن امیہ بن حارثہ بن الاوقص بن مرہ بن ہلال بن فالج بن ذکوان بن ثعلبہ بن بہثہ بن سلیم،

نکاح حضرت عثمانؓ بن مظعون سے جو بڑے رتبہ کے صحابی تھے، نکاح ہوا۔

عام حالات مسلمان ہو کر مدینہ کو ہجرت کی سنہ ۲ھ میں غزوہ بدر کے بعد حضرت عثمانؓ بن مظعون نے وفات پائی تو حضرت خولہؓ نے دوسرا نکاح نہیں کیا، اکثر پریشان رہتی تھیں، صحیح بخاری میں روایت آئی ہے کہ انہوں نے اپنے کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا تھا[2]

فضل وکمال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پندرہ[15] حدیثیں روایت کیں، راویان حدیث میں حضرت سعدؓ ابن ابی وقاص، سعید بن مسیب، بشر بن سعید، عروہ اور ربیع بن مالک داخل ہیں۔

اخلاق اسد الغابہ میں ہے کانت امرءۃ صالحۃ "وہ ایک نیک بی بی تھیں" مسند میں ہے تصوم النہار وتقوم اللیل "یعنی دن کو روزہ رکھتی اور رات کو عبادت کرتی تھیں"

ابتداء زیور کا بڑا شوق تھا، چنانچہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ اگر طائف فتح ہو تو آپ مجھ کو فلاں عورت کا زیور دیدیجئے گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اگر خدا اس کی اجازت نہ دے تو پھر میں کیا کر سکتا ہوں[3]

---

[1] مسند ج ۶ ص ۴۰۹ [2] بخاری ج ۲ ص ۷۶۶ (باب ہل للمرءۃ ان تہب نفسہا لاحد) و تہذیب ج ۲ ص ۲۱۵)

[3] اصابہ ج ۸ ص ۷۰

(۴۵)

حضرت حمنہ رضؓ بنت جحش

نام ونسب حمنہ نام، حضرت زینبؓ کی ہمشیر ہیں، سلسلۂ نسب اوپر گذر چکا ہے۔

نکاح حضرت مصعبؓ بن عمیر سے نکاح ہوا۔

اسلام اور ان ہی کے ساتھ دائرۂ اسلام میں داخل ہوئیں،

عام حالات مدینہ کی ہجرت کا شرف حاصل کیا اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین اور انصار کی عورتوں سے بیعت لی تو اس میں یہ بھی شامل ہوئیں، مسند ابن حنبل اور ابن سعد وغیرہ میں اکثر عورتوں کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ کانت من المبایعات، اس سے یہی بیعت مراد ہے، چنانچہ حضرت اسماء بنتؓ یزید کے حالات میں ہم اس کا ذکر کر آئے ہیں۔

غزوات میں سے احد میں نہایت نمایاں شرکت کی، وہ پانی پلاتیں اور زخمیوں کا علاج کرتی تھیں، ان کے علاوہ اور عورتیں بھی یہ خدمت انجام دے رہی تھیں، چنانچہ رفیدہؓ اور ام کبشہؓ وغیرہ کی نسبت بھی اسی قسم کی تصریحات موجود ہیں،

اس واقعہ میں حضرت حمنہؓ کے شوہر حضرت مصعبؓ بن عمیر نے شہادت پائی، جس کے بعد انہوں نے حضرت طلحہؓ سے کہ عشرہ مبشرہ میں تھے، نکاح کیا۔

افک کے واقعہ میں منافقین کے ساتھ غلطی سے جو مسلمان شریک ہوگئے تھے، ان میں حضرت حسانؓ اور حضرت مسطحؓ کے ساتھ حضرت حمنہؓ بھی تھیں، چنانچہ صحیح بخاری میں حضرت عائشہ سے منقول ہے[1]

---

[1] صحیح بخاری ج ۲ ص ۵۹۶

وطفقت اختها حمنة تحارب	یعنی حضرت زینبؓ کی بہن حمنہ برابر میرے
لها فهلكت فيمن هلك من اصحاب	خلاف رہیں، یہاں تک کہ اور اصحاب افک
الافك	کی طرح برباد ہوئیں۔

فتح الباری میں ہے کہ حضرت حمنہؓ کے شریک ہونے کی وجہ یہ تھی کہ حضرت عائشہؓ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نظروں سے گرا کر حضرت زینبؓ (اپنی بہن) کو بلند کریں[1] لیکن تعجب ہے کہ خود حضرت زینبؓ نے اس موقع سے فائدہ نہیں اٹھایا، چنانچہ اس کا تذکرہ ان کے حالات میں آچکا ہے۔

وفات | وفات کا سنہ صحیح طور پر معلوم نہیں، اتنا علم ہے کہ حضرت زینبؓ کی وفات تک زندہ تھیں، حضرت زینبؓ نے ۲۰ھ میں وفات پائی ہے،

اولاد | حضرت طلحہؓ سے حضرت حمنہ کے دو لڑکے پیدا ہوئے، محمد اور عمران، محمد کو سجاد کے لقب سے شہرت تھی۔

۱؎ فتح الباری ج ۸ ص ۳۶۷

اسلاف کے حیرت انگیز کارنامے

تاریخ اسلام کے طویل مطالعہ کے بعد دلچسپ اور انوکھے واقعات کا بہترین مجموعہ

ترتیب و تحریر

مولانا حکیم محمد یوسف ہاشمی
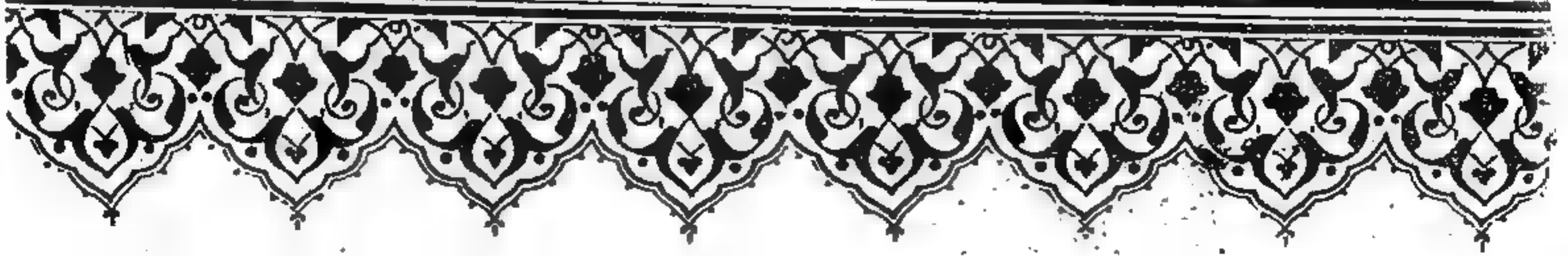
-/۱۸

ادارۂ اسلامیات
۱۹۰- انارکلی، لاہور

فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَیْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰہُ

سیر صحابہؓ

(جلد ۱۱)

اسوۂ صحابیات

جسمیں خاص طور پر عورتوں اور لڑکیوں کے درس، ہدایت اور مطالعہ کیلیے ازواجِ مطہرات، بنات طیبات اور اکابر صحابیاتؓ کی زندگی کے مذہبی اخلاقی معاشرتی واقعات اور مذہبی اخلاقی اور علمی خدمات کی تفصیل مستند حوالوں سے لی گئی ہے

از

مولانا عبد السلام ندوی

ادارہ اسلامیات ۱۹۰، انار کلی لاہور

فہرست مضامین

اُسوۂ صحابیات رض

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ

عورتوں کی تعلیم و تربیت کے مسئلہ سے اصولاً کسی کو اختلاف نہیں، گفتگو جو کچھ ہے یہ ہے کہ موجودہ دور کی تعلیم و تربیت سے متمتع ہو کر ایک مسلمان عورت، مذہب، اخلاق اور معاشرت کے قدیم اصول کو قائم رکھ سکے گی یا نہیں؟ یا دوسرے الفاظ میں قدیم اسلامی روایات کا تحفظ کر سکے گی یا نہیں؟ جن لوگوں کو مسئلہ تعلیم نسواں سے اختلاف ہے، وہ اس شبہہ کو اپنی دلیل قرار دیتے ہیں اور موجودہ دور میں تعلیم یافتہ مردوں نے جو مذہبی، اخلاقی اور معاشرتی نمونے قائم کئے ہیں ان سے بھی اس شبہہ کی تائید ہوتی ہے اور غیر قوموں کی تعلیم یافتہ عورتوں نے بھی ہماری خواتین کے لئے کوئی عمدہ نمونہ نہیں قائم کیا ہے لیکن اسلام کی قدیم تاریخ ہمارے سامنے مسلمان عورت کا بہترین اور اصلی نمونہ پیش کرتی ہے اور آج جب کہ زمانہ بدل رہا ہے، یورپین تمدن اور یورپین طرز معاشرت سے ہمارے جدید تعلیم یافتہ لوگ بھی بیزاری ظاہر کر رہے ہیں اگر ہماری عورتوں کے سامنے اسلام کی ممتاز اور برگزیدہ خواتین کا نمونہ پیش کر دیا جائے تو ان کی فطرتی لچک ان سے اور بھی زیادہ متاثر ہو سکے گی اور موجودہ دور کے مؤثرات سے بیزار ہو کر خالص اسلامی اخلاق، اسلامی معاشرت اور اسلامی تمدن کا نمونہ بن جائے گی۔

اسلام کے ہر دور میں اگرچہ عورتوں نے مختلف حیثیتوں سے امتیاز حاصل کیا ہے لیکن ازواج مطہراتؓ بنات طیباتؓ اور اکابر صحابیاتؓ ان تمام حیثیات کی جامع ہیں اور ہماری عورتوں کے لئے انہی کے مذہبی اخلاقی، معاشرتی اور علمی کارنامے اسوۂ حسنہ بن سکتے ہیں اور موجودہ دور کے تمام معاشرتی اور تمدنی

خطرات سے ان کو محفوظ رکھ سکتے ہیں،

میں نے اسوۂ صحابہ کی دونوں جلدوں میں عہد صحابہؓ کے جو مذہبی، اخلاقی، معاشرتی اور علمی واقعات جمع کئے ہیں، ان میں اگرچہ صحابیاتؓ کے یہ تمام کارنامے بھی نمایاں طور پر نظر آتے ہیں لیکن ان کی اہمیت، ان کی عظمت اور ان کی اسلامی خدمت کے لحاظ سے میں نے ان واقعات کو جو اس کتاب کی دونوں جلدوں میں متفرق طور پر موجود تھے، متعدد واقعات کے اضافہ کے ساتھ اس مختصر سے رسالہ میں الگ جمع کر دیا ہے جس سے ایک طرف تو یہ فائدہ ہوگا کہ صحابیاتؓ کی مذہبی، اخلاقی معاشرتی اور علمی زندگی ایک مستقل حیثیت اختیار کر لے گی، دوسری طرف ہماری عورتوں اور لڑکیوں کے درس ہدایت اور مطالعہ کے لئے مستند اور مؤثر واقعات کا ایک مجموعہ مرتب ہو جائے گا جس پر عمل کر کے وہ خالص اسلامی تعلیمات کا بہترین نمونہ بن جائیں گی اور ان کی تعلیم و تربیت کے متعلق جو شبہات ظاہر کئے جا رہے ہیں ان کی عملی تردید کر سکیں گی، وَمَا تَوفِیقِی اِلّا بِاللہِ،

عبد السلام ندوی

شبلی منزل، اعظم گڈھ

۱۴ر دسمبر سنہ ۱۹۲۲ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قبولِ اسلام

لطافتِ طبع رقتِ قلب اور اثر پذیری ایک نیک سرشت انسان کا اصلی جوہر ہیں اور ان ہی کے ذریعہ سے وہ ہر قسم کی پند و موعظت تعلیم و تربیت اور ارشاد و ہدایت کو قبول کر سکتا ہے پھولوں کی پنکھڑیاں نسیم صبح کی خاموش حرکت سے ہل جاتی ہیں لیکن تناور درخت کو بادِ صرصر کے جھونکے بھی نہیں ہلا سکتے، شعاعِ نگاہ آئینہ کے اندر سے گذر جاتی ہے لیکن پتھروں پر فولادی تیر بھی نہیں اثر کرتے، بعینہٖ یہی حال انسان کا بھی ہے، لطیف الطبع اور رقیق القلب آدمی ہر دعوت حق کو آسانی سے قبول کر لیتا ہے لیکن سنگ دل اور غلیظ القلب لوگوں پر بڑے بڑے معجزے بھی اثر نہیں کرتے اس فرق مراتب کی جزئی مثالیں ہر جگہ مل سکتی ہیں لیکن اشاعتِ اسلام کی تاریخ تمام تر اسی قسم کی مثالوں سے لبریز ہے کفار میں ہم کو بہت سے اشقیاء کا نام معلوم ہے جنہوں نے ہزاروں کوششوں کے بعد بھی خدائے ذو الجلال کے آگے سر نہیں جھکایا لیکن صحابۂ کرامؓ میں سیکڑوں بزرگ ہیں جو توحید کی آواز کے سننے کے ساتھ ہی اسلام کے حلقے میں داخل ہو گئے صحابہؓ کے ساتھ صحابیاتؓ بھی اس فضیلت میں شریک ہیں اور نہ صرف شریک ہیں بلکہ ان سے اسبق واقدم ہیں چنانچہ سب سے پہلے حضرت خدیجہؓ نے بغیر کسی قسم کی کد و کاوش اور جبر و اکراہ کے اسلام قبول کرنے کے ساتھ ہی اپنے خدا کے آگے سر جھکایا، تاریخ ابن خمیس میں حضرت رافعؓ سے مروی ہے،

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم بعثت یوم ـــــ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں

لہ ص ۲۸۶

الاثنین وصلت خدیجۃ آخر	دوشنبہ کے دن مبعوث ہوا اور خدیجہؓ نے
یوم الاثنین وصلی علی یوم الثلاثاء	اس دن کے آخری حصہ میں نماز پڑھی اور علیؓ نے
من الغد ثم زید بن حارثہ	دوسرے دن منگل کو نماز پڑھی اس کے بعد زید
ثم ابوبکر،	بن حارثہؓ اور ابوبکرؓ شریک نماز ہوئے،

جس سے ثابت ہوتا ہے کہ آفتاب رسالت سے پہلے دن جو شعاع افق عالم پر چمکی وہ ایک رقیق القلب مقدس خاتون کے سینہ پر نور سے چھن کر نکلی،

اعلان اسلام ابتدائے اسلام میں اسلام قبول کرنے سے زیادہ اظہار اسلام کے لئے ہمت، شجاعت اور جسارت کی ضرورت تھی لیکن باوجود کفار کی روک ٹوک اور جبر و ستم کے صحابہؓ کے ساتھ صحابیات نے بھی نہایت جرأت و بیباکی کے ساتھ اپنے اسلام کا اظہار کیا چنانچہ ابتدا میں جن سات بزرگوں نے اپنے اسلام کا اعلان کیا تھا ان میں چھ آدمی یعنی خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ، حضرت بلالؓ حضرت خبابؓ، حضرت صہیبؓ، حضرت عمارؓ مرد تھے اور ساتویں ایک غریب صحابیہ یعنی حضرت عمارؓ کی والدہ حضرت سمیہؓ تھیں[1]

صحابیات نے اپنی نیک طینتی سے صرف آسانی کے ساتھ اسلام ہی کو قبول نہیں کیا، بلکہ انہوں نے نہایت آسانی کے ساتھ اسلام کی اشاعت بھی کی، چنانچہ صحیح بخاری کتاب التیمم میں ہے کہ صحابۂ کرام نے ایک سفر میں ایک عورت کو پکڑ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا اس کے پاس پانی کے مشکیزے تھے اور صحابہ نے پانی ہی کی ضرورت سے اس کو پکڑا تھا لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا پانی لیا تو اس کی قیمت ادا فرمائی اس کو آپ کی اس دیانت سے اسی وقت آپ کی نبوت کا یقین آگیا، اور اس کے اثر سے اس کا تمام قبیلہ بھی مسلمان ہو گیا،

تحمل شدائد صحابۂ کرام کے ساتھ صحابیات نے بھی اسلام کے لئے ہر قسم کی تکلیفیں برداشت کیں اور ان کے ایمان میں ذرہ برابر بھی تزلزل واقع نہیں ہوا،

حضرت سمیہؓ نے اسلام قبول کیا، تو ان کو کفار نے طرح طرح کی اذیتیں دینا شروع کیں سب سے سخت اذیت یہ تھی کہ ان کو مکہ کی تپتی ریت میں لوہے کی زرہ پہنا کر دھوپ میں کھڑا کر دیتے تھے لیکن باایں ہمہ

---

[1] تاریخ خمیس ص ۲۵۷،

وہ اسلام پر ثابت قدم رہتی تھیں ایک دن کفار نے حسب معمول ان کو لوہے کی زرہ پہنا کر دھوپ میں زمین پر لٹا دیا تھا اسی حالت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ہوا تو فرمایا صبر کرو تمہارا ٹھکانا جنت میں ہے" لیکن کفار کو اس پر بھی تسکین نہیں ہوئی اور ابوجہل نے ان کی ران میں برچھی مار کر ان کو شہید کر دیا چنانچہ اسلام میں سب سے پہلے شرف شہادت ان ہی کو نصیب ہوا[1] اور صحابیات کی یہ سب سے بڑی فضیلت ہے کہ سب سے پہلے ایک صحابیہ نے اسلام قبول کیا اور سب سے پہلے ایک صحابیہ نے شرف شہادت حاصل کیا۔

حضرت عمرؓ کی بہن جب اسلام لائیں اور حضرت عمرؓ کو اس کا حال معلوم ہوا تو اس قدر مارا کہ بدن لہولہان ہو گیا لیکن انہوں نے صاف صاف کہدیا کہ جو کچھ کرنا ہو کرو میں تو اسلام لا چکی[2] لبینہؓ کو بھی حضرت عمرؓ مارتے مارتے تھک جاتے تو کہتے کہ میں نے رحم کی بنا پر نہیں بلکہ تم کو اس وجہ سے چھوڑ دیا ہے کہ تھک گیا ہوں"۔ اسی طرح وہ زنیرہؓ کو بھی جو ان کے گھرانے کی کنیز تھیں، نہایت اذیت دیتے تھے

قطع علائق صحابۂ کرام ایمان لائے تو ان کے تمام رشتے ناتے منقطع ہو گئے لیکن اس سے ان کی قوت ایمانی میں کوئی تزلزل واقع نہیں ہوا، صحابیات کی حالت اس معاملہ میں صحابۂ کرام سے بھی زیادہ نازک تھی انسان اگرچہ اپنے تمام اعزہ واقارب کی اعانت کا محتاج ہوتا ہے لیکن عورت کی زندگی کا تمام تر دارومدار شوہر کی اعانت وامداد پر ہوتا ہے اور وہ کسی حالت میں بھی اس سے بے نیاز نہیں ہو سکتی، باپ بیٹے سے، بیٹا باپ سے قطع تعلق کر کے زندگی بسر کر سکتا ہے لیکن عورت شوہر سے جدا ہو کر بالکل بیکس وبیچارہ ہو جاتی ہے لیکن بایں ہمہ صحابیاتؓ نے اسلام کے لئے اس نازک رشتے کو بھی منقطع کیا اور اپنے کافر شوہروں سے ہمیشہ کے لئے علیحدہ ہو گئیں چنانچہ صلح حدیبیہ کے بعد جب یہ آیت نازل ہوئی

ولا تمسکوا بعصم الکوافر کافرہ عورتوں سے تعلق نہ رکھو

تو جس طرح صحابۂ کرام نے اپنی کافرہ عورتوں کو طلاق دے دی، اسی طرح بہت سی صحابیاتؓ بھی کافر شوہروں کو چھوڑ کر ہجرت کر آئیں اور ان میں سے ایک بھی اپنے شوہر کے پاس واپس نہ گئی چنانچہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں:۔

ما نعلم ان احدا من المھاجرات ہم کو کسی ایسی مہاجرہ عورت کا حال معلوم

---

[1] اسد الغابہ تذکرہ حضرت سمیہؓ [2] ایضاً تذکرہ حضرت عمرؓ

ارتدت بعد ایمانها[1] نہیں جو ایمان لاکر مرتد ہوئی ہو،

عقائد

توحید کفار نے صحابیاتؓ کو طرح طرح کی اذیتیں دیں، لیکن ان کی زبان سے کلمۂ توحید کے سوا کلمۂ شرک نہیں نکلا حضرت ام شریکؓ ایمان لائیں تو ان کے اعزہ واقارب نے ان کو دھوپ میں لیجا کر کھڑا کر دیا اس حالت میں جب کہ وہ دھوپ میں جل رہی تھیں روٹی کے ساتھ شہد جیسی گرم چیز کھلاتے اور پانی نہیں پلاتے تھے جب اس مصیبت میں تین دن گذر گئے تو ظالموں نے کہا کہ "جس مذہب پر تم ہو اب اس کو چھوڑ دو" وہ اس قدر بدحواس ہوگئی تھیں کہ ان جملوں کا مطلب نہ سمجھ سکیں اب ان ظالموں نے آسمان کی طرف انگلی اٹھا کر بتایا تو سمجھیں کہ توحید الٰہی کا انکار مقصود ہے، بولیں خدا کی قسم میں تو اب تک اس پر قائم ہوں[2]

شرک سے علیحدگی عورتیں قدیم رسم ورواج اور قدیم عقائد کی نہایت پابند ہوتی ہیں اور عرب میں مشرکانہ عقائد ایک مدت سے پھیل کر قلوب میں راسخ ہو گئے تھے لیکن صحابیاتؓ نے اسلام لانے کے ساتھ ہی شدت کے ساتھ ان عقائد کا انکار کیا، عرب کا خیال تھا کہ جو لوگ بتوں کی برائی بیان کرتے ہیں، وہ مختلف امراض میں مبتلا ہو جاتے ہیں اس لئے حضرت زنیرہؓ اسلام لانے کے بعد اندھی ہوگئیں تو کفار نے کہنا شروع کیا ان کو لات اور عزیٰ نے اندھا کر دیا، لیکن انہوں نے صاف صاف کہہ دیا کہ لات وعزیٰ کو اپنے پوجنے والوں کی کیا خبر یہ خدا کی طرف سے ہے[3]

جاہلیت کے زمانہ میں بچوں کے بچھونوں کے نیچے استرا رکھ دیتے تھے اور سمجھتے تھے کہ اس طرح بچے آسیب سے محفوظ رہتے ہیں حضرت عائشہؓ نے ایک بار کسی بچے کے سرہانے استرا دیکھا تو منع فرمایا اور کہا "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ٹوٹکے کو سخت ناپسند فرماتے تھے"[4]

عرب میں شرک کا اصلی مرکز بت تھے جو گھر گھر میں نصب تھے لیکن صحابیاتؓ نے ہر موقع پر ان سے تبری ظاہر کی چنانچہ حضرت ہند بنت عتبہ جب ایمان لائیں تو گھر میں بت نصب تھے اس کو توڑ پھوڑ

---

[1] بخاری کتاب الشروط ذکر صلح حدیبیہ [2] طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت ام شریکؓ [3] اسد الغابہ تذکرہ حضرت زنیرہؓ [4] ادب المفرد باب الطیرۃ من الجن،

ڈالا اور کہا کہ "ہم تیری نسبت بڑے دھوکے میں مبتلا تھے"۔[1]

حضرت ابو طلحہؓ نے جب ام سلیمؓ سے نکاح کی خواہش کی تو انہوں نے کہا "ابو طلحہ کیا تم کو یہ خبر نہیں کہ جس خدا کو تم پوجتے ہو وہ ایک درخت ہے (یعنی لکڑی کا بت) جو زمین سے اگا ہے، اس کو فلاں حبشی نے گڑھ کر تیار کیا ہے"، بولے مجھے معلوم ہے" بولیں" کیا تمہیں اس کی عبادت سے شرم نہیں آتی چنانچہ جب تک انہوں نے بت پرستی سے توبہ کر کے کلمہ توحید نہیں پڑھا، انہوں نے ان سے نکاح کرنا پسند نہیں کیا۔[2]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر ایمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا اعتقاد نہ صرف صحابیات کے لوح دل پر کالنقش فی الحجر تھا بلکہ ان کی چھوٹی چھوٹی لڑکیوں کے دل پر بھی یہ عقیدہ نہایت شدت سے راسخ ہو گیا تھا ایک بار آپ نے ایک لڑکی کو بددعا دی کہ "تیرا سن زیادہ نہ ہو" اس نے شدتِ اعتقاد کی بنا پر اس کا یقین کر لیا اور حضرت ام سلیمؓ کے پاس روتی ہوئی آئی اور کہا کہ آپ نے مجھ کو یہ بددعا دی ہے اب میرا سن نہ بڑھے گا وہ بدحواس آپ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور کہا کہ آپ نے میری یتیمہ کو یہ بددعا دے دی" آپ ہنس پڑے اور فرمایا میں بھی آدمی ہوں اور آدمیوں کی طرح خوش اور رنجیدہ ہوتا ہوں بس جس کو میں ایسی بددعا دوں جس کا وہ مستحق نہیں ہے تو یہ اس کے لئے پاکی تزکیہ اور نیکی ہو گی۔[3]

عبادات

ابواب الصلوٰۃ

پابندی جماعت اگرچہ عورتوں پر جماعت کی پابندی فرض نہیں ہے اور اس بنا پر بعض غیور صحابہ جماعت میں اپنی عورتوں کی شرکت کو پسند بھی نہیں کرتے تھے تاہم بعض صحابیات پر اس کا کچھ اثر نہیں پڑتا تھا اور وہ مناسب اوقات میں نماز باجماعت ادا فرماتی تھیں حضرت عمرؓ کی بی بی برابر عشاء اور فجر کی نماز میں شریک جماعت ہوتی تھیں، ایک بار ان سے لوگوں نے کہا کہ تمہیں معلوم ہے کہ عمر اس کو پسند نہیں کرتے

---

[1] طبقات ابن سعد تذکرۂ ہند بنت عتبہؓ [2] طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت ام سلیمؓ [3] مسلم کتاب البر و الصلۃ و الآداب باب من لعنہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم وسبہ ودعا علیہ۔

پھر کیوں ایسا کرتی ہو، بولیں تو پھر روک کیوں نہیں دیتے ہیں[۱]

نماز جمعہ | عورتوں پر اگرچہ جمعہ فرض نہیں ہے تاہم صحابیات اس دن کی بہت عزت کرتی تھیں اور اسکی برکتوں میں عمدہ طریقوں سے شریک ہوتی تھیں ایک صحابیہ تھیں جو اپنے کھیتوں میں چقندر بو دیا کرتی تھیں جب جمعہ کا دن آتا تھا تو اس کو پکا کر نمازِ جمعہ کے بعد تمام صحابہؓ کو کھلاتی تھیں[۲]

نماز اشراق | نمازِ اشراق اگرچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جیسا کہ حضرت ام ہانیؓ سے مروی ہے تمام عمر میں صرف ایک بار پڑھی تھی لیکن بعض صحابیاتؓ نے اس کا التزام کر لیا تھا چنانچہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے اگرچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی نماز اشراق پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا لیکن میں خود پڑھتی ہوں کیونکہ آپ بہت سی چیزوں کو پسند فرماتے تھے لیکن اس پر عمل نہیں کرتے تھے کہ امت پر فرض نہ ہو جائیں[۳]

تہجد و نماز شبانہ | صحابۂ کرام تہجد پڑھتے تھے تو اس میں صحابیات بھی شریک ہوتی تھیں چنانچہ حضرت عمرؓ رات کو تہجد کے لئے اپنے اہل و عیال کو جگاتے تھے، تو یہ آیت پڑھتے تھے وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا لَا نَسْـَٔلُكَ رِزْقًا نَحْنُ نَرْزُقُكَ وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى[۴] حضرت ابو ہریرہؓ نے رات کے تین حصے کر دیئے تھے ایک میں خود، دوسرے میں ان کی بیوی اور تیسرے میں ان کا خادم تہجد پڑھتا تھا، اور ایک دوسرے کو جگاتا تھا[۵]

ابواب الزکوٰۃ والصدقات

زیور عورتوں کو سب سے زیادہ محبوب ہوتے ہیں لیکن صحابیاتؓ کو خدا کی مرضی ان سے بھی زیادہ عزیز تھی ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک صحابیہؓ اپنی لڑکی کو لیکر حاضر ہوئیں لڑکی کے ہاتھ میں سونے کے موٹے موٹے کنگن تھے آپ نے ان کو دیکھ کر فرمایا کیا تم اس کی زکوٰۃ دیتی ہو؟ بولیں نہیں فرمایا تمہیں یہ اچھا معلوم ہوتا ہے کہ خدا قیامت کے دن اس کے بدلے اس کے ہاتھ میں آگ کے کنگن پہنائے انہوں نے یہ سنا تو فوراً کنگن آپ کے سامنے ڈال دیئے کہ یہ خدا اور خدا کے رسول کے ہیں[۶]

ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبۂ عید میں صدقہ و خیرات کی ترغیب دی صحابیاتؓ کا مجمع تھا،

---

۱ بخاری باب ہل علی من لا یشہد الجمعۃ غسل من النساء والصبیان وغیرہم ۲ بخاری کتاب الجمعۃ فی قول اللہ عزوجل فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ ۳ مسلم کتاب الصلوۃ باب استحباب صلوۃ الضحیٰ ۴ موطا کتاب الصلوۃ باب فی صلوۃ اللیل ۵ بخاری کتاب الاطعمہ باب التقشف ۶ ابوداؤد کتاب الزکوۃ باب الکنز ما ہو و زکوۃ الحلی

حضرت بلالؓ دامن پھیلائے ہوئے تھے اور صحابیاتؓ اپنے کان کی بالیاں، گلے کے ہار اور انگلیوں کے چھلے تک پھینکتی جاتی تھیں[۱]۔ حضرت اسماءؓ کے پاس صرف ایک ہی لونڈی تھی انہوں نے اس کو فروخت کیا اور روپیہ گود میں لے کر بیٹھیں اسی حالت میں ان کے شوہر حضرت زبیرؓ آئے اور کہا کہ روپیہ مجھے دیدو بولیں میں نے تو اس کو صدقہ کر دیا[۲]۔

اعزہ واقارب پر صدقہ کرنا | ایک بار حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی بی بی حضرت زینبؓ نے ان سے کہا کہ تم نادار ہو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤ اگر آپ اجازت دیں تو میں صدقہ کرنا چاہتی ہوں تمہیں کو دوں، لیکن حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے کہا کہ تمہیں جاؤ، وہ آئیں تو آستان مبارک پر اسی غرض سے ایک دوسری صحابیہؓ بھی موجود تھیں دونوں نے حضرت بلالؓ کے ذریعہ سے پوچھوایا کہ دو عورتیں اپنے شوہروں اور چند یتیموں پر جو ان کی کفالت میں ہیں صدقہ کرنا چاہتی ہیں" کیا یہ جائز ہے؟ آپ نے فرمایا ان کو دو دو ثواب ملیں گے ایک قرابت کا دوسرا صدقہ کا۔

ایک بار حضرت ام سلمہؓ نے پوچھا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر میں ابوسلمہ کے لڑکوں پر صدقہ کروں تو مجھ کو ثواب ملے گا میں ان کو چھوڑ نہیں سکتی کیونکہ وہ میرے لڑکے ہیں آپ نے فرمایا ہاں تمہیں ثواب ملے گا"

ایک صحابیہؓ نے اپنی ماں کو ایک لونڈی صدقہ دی تھی ماں کا انتقال ہو گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی نسبت دریافت کیا آپ نے فرمایا صدقے کا ثواب تمہیں مل چکا اور اب وہ لونڈی تمہاری وراثت میں داخل ہو گئی[۳]۔

محتاج کی حسب حاجت امداد | صحابیات موت و حیات دونوں حالتوں میں اہل حاجت کی اعانت و امداد فرماتی تھیں غزوہ احد میں حضرت صفیہؓ آئیں اور اپنے بھائی حضرت حمزہ سید الشہداءؓ کے کفن کے لئے دو کپڑے لائیں لیکن ان کی لاش کے پاس ایک انصاری کی لاش بھی اسی طرح برہنہ نظر آئی دل میں شرمائیں کہ حمزہ دو کپڑوں میں کفنائے جائیں اور انصاری کے لئے ایک کپڑا بھی نہ ہو تاہم تو ایک کا قد بڑا نکلا مجبوراً کپڑے پر قرعہ ڈالا گیا اور جو کپڑا جس کے حصے میں پڑا وہ اسی میں کفنایا گیا[۴]۔

---

[۱] ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب الخطبہ و باب الصلوٰۃ بعد صلوٰۃ العید [۲] مسلم کتاب الآداب باب جواز ارداف المراۃ الاجنبیۃ [۳] ابوداؤد کتاب الزکوٰۃ باب من تصدق بصدقۃ ثم ورثہا [۴] مسند احمد بن حنبل جلد ۱ ص ۱۶۵

ابوابُ الصّوم

صائم الدہر رہنا | آج ہماری عورتیں صومِ مفروضہ میں بھی لیت ولعل کرتی ہیں لیکن بعض صحابیات صائم الدہر رہتی تھیں یعنی ہمیشہ روزہ رکھتی تھیں حضرت ابو امامہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بار بار دعائے شہادت کی درخواست کی لیکن آپ نے سلامتی کی دعا فرمائی، اخیر میں عرض کی کہ کسی ایسے عمل کی ہدایت فرمایئے کہ خدا مجھے اس سے نفع دے آپ نے روزہ کا حکم دیا اور انہوں نے متصل روزہ رکھنے کا التزام کرلیا، ان کے ساتھ ان کے خادم اور بی بی نے بھی اس عمل صالح میں شرکت کی اور روزہ ان کے گھر کی امتیازی علامت ہوگئی، اگر کسی دن ان کے گھر میں دھواں اٹھتا تو لوگ سمجھتے کہ آج ان کے گھر میں کوئی مہمان آیا ہے ورنہ اس گھر میں دن کا کھانا کیونکر پک سکتا ہے[1]

نفل کے روزے | بعض صحابیہ نفل کے روزے رکھتی تھیں، جس سے ان کے شوہر کو تکلیف ہوتی تھی، انہوں نے روکا تو سخت ناگوار ہوا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جاکر شکایت کی لیکن آپ نے حکم دیا کہ عورت شوہر کی اجازت کے بغیر نفل کا روزہ نہیں رکھ سکتی ہے[2]

مُردوں کی جانب سے روزہ رکھنا | صحابیات نہ صرف اپنی طرف سے بلکہ اپنے مُردوں کی جانب سے بھی روزے رکھتی تھیں، ایک صحابیہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ میری ماں کا انتقال ہوگیا ہے اور اس پر روزے فرض تھے کیا میں ان کو پورا کردوں؟ آپ نے ان کو اجازت دے دی[3]

اعتکاف | صحابیات کو اعتکاف کا اس قدر شوق تھا کہ ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعتکاف کے لئے خیمہ نصب کرنے کا حکم دیا تو حضرت عائشہ نے اپنا خیمہ الگ نصب کروایا ان کی دیکھا دیکھی تمام ازواجِ مطہرات نے بھی خیمے نصب کروائے[4]

ابوابُ الحج

حج | فرائض اسلام میں اگرچہ حج صرف ایک بار فرض ہے لیکن صحابیات کو ایک بار کے حج سے کیا

---

[1] مسند احمد بن حنبل جلد ۵ ص ۲۵۵ [2] ابوداؤد کتاب الصیام باب المراۃ تصوم بغیر اذن زوجھا [3] بخاری کتاب الصوم باب من مات وعلیہ صوم [4] ابوداؤد کتاب الصیام باب فی الاعتکاف

تسکین ہوسکتی تھی اس لئے تقریباً ہر سال فریضۂ حج ادا کرتی تھیں ایک بار حضرت عائشہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جہاد کی اجازت چاہی تو آپ نے فرمایا، بہترین جہاد حج مبرور ہے" اس کے بعد سے ان کا کوئی سال حج سے خالی نہ گیا۔[1]

صحابیات جس ذوق وشوق سے حج ادا کرتی تھیں اس کا موثر منظر حجۃ الوداع میں دنیا کو نظر آیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان حج کیا تو حضرت اسماء بنت عمیسؓ اگرچہ حاملہ تھیں لیکن وہ بھی روانہ ہوئیں

بہت سے صحابہؓ حجۃ الوداع کی شرکت کے لئے جارہے تھے راستے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات ہوئی تو ایک صحابیہ جھپٹ کے آپ کے پاس آئیں اور ہودج سے اپنے بچے کو نکال کر پوچھا کیا اس کا حج بھی ہوسکتا ہے؟ فرمایا ہاں تمہیں اس کا ثواب ملے گا۔[2]

صحابیات فریضۂ حج کے ادا کرنے میں طرح طرح کا التزام مالا یلتزم کرتی تھیں ایک صحابیہ نے خانہ کعبہ تک پاپیادہ جانے کی نذر مانی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا تو آپ نے فرمایا پا پیادہ بھی چلو، اور سوار بھی ہولو[3] اگر کسی مجبوری سے حج کے فوت ہوجانے کا اندیشہ ہوجاتا تھا، تو صحابیاتؓ کو سخت صدمہ ہوتا تھا حجۃ الوداع میں حضرت عائشہؓ کو ضرورت نسوانی سے معذوری ہوگئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گذر ہوا تو دیکھا کہ رو رہی ہیں فرمایا کیا ماجرا ہے؟ بولیں کہ میں نے اب تک حج نہیں کیا تھا، فرمایا سبحان اللہ یہ تو فطری چیز ہے، تمام مناسک حج ادا کرلو صرف خانہ کعبہ کا طواف نہ کرو۔[4]

ماں باپ کی طرف سے حج ادا کرنا

صحابیات نہ صرف خود بلکہ اپنے ماں باپ کی جانب سے بھی حج ادا کرتی تھیں حجۃ الوداع کے زمانہ میں ایک صحابیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور کہا کہ میرے باپ پر حج فرض ہوگیا ہے لیکن وہ بڑھاپے کی وجہ سے سواری پر بیٹھ نہیں سکتے، کیا میں ان کی جانب سے حج ادا کردوں"؟ آپ نے ان کو اس کی اجازت دے دی[5] ایک صحابیہ کی ماں کا انتقال ہوچکا تھا، وہ آپ کی خدمت میں آئیں اور کہا کہ میری ماں نے کبھی حج نہیں کیا کیا میں اس کی جانب سے یہ فرض ادا کردوں"؟ آپ نے ان کو بھی اجازت دی۔[6]

---

[1] بخاری کتاب الحج باب حج النساء [2] ابوداؤد کتاب المناسک باب فی الصبی الحج [3] بخاری کتاب الحج باب وجوب الحج وفضلہ [4] ابوداؤد کتاب المناسک باب فی افراد الحج [5] بخاری کتاب الحج باب وجوب الحج وفضلہ [6] مسلم کتاب الصوم باب قضاء الصیام عن المیت،

عمرہ ادا کرنا عمرہ فرض ہو یا نہ ہو، لیکن صحابیات اس کو نہایت پابندی کے ساتھ ادا کرتی تھیں اور جب وہ فوت ہو جاتا تھا تو ان کو سخت قلق ہوتا تھا جب حجۃ الوداع میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ جن لوگوں کے پاس ہدی نہ ہو وہ عمرہ ادا کر سکتے ہیں تو خیمے میں آ کر دیکھا کہ حضرت عائشہؓ رو رہی ہیں، وجہ پوچھی تو بولیں کہ میں ضرورت نسوانی سے مجبور ہوں لیکن لوگ دو دو فرض (حج و عمرہ) کا ثواب لے کر جاتے ہیں اور میں صرف ایک کا، فرمایا کوئی حرج نہیں خدا تم کو عمرہ کا ثواب بھی عطا فرمائے گا، چنانچہ آپ نے حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ کو ساتھ کر دیا اور مقام تنعیم میں انہوں نے جا کر عمرہ کا احرام باندھا اور آدھی رات کو فارغ ہو کر آئیں[1]

ابوابُ الجہاد

شوق شہادت عہد نبوت میں شہادت ایک ابدی زندگی خیال کی جاتی تھی اس لئے ہر شخص اس آب حیات کا پیاسا رہتا تھا حضرت ام ورقہ بنت نوفل ایک صحابیہ تھیں، جب غزوۂ بدر پیش آیا تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی کہ مجھ کو شریک جہاد ہونے کی اجازت عطا فرمائی جائے میں مریضوں کی تیمارداری کروں گی شاید مجھے بھی درجۂ شہادت حاصل ہو جائے آپ نے فرمایا گھر ہی میں رہو خدا تمہیں اسی میں شہادت دے گا یہ معجزانہ پیش گوئی کیونکر غلط ہو سکتی تھی، انہوں نے دو غلام مدبر کئے تھے[2] دونوں نے ان کو شہید کر دیا کہ جلد آزاد ہو جائیں[3]

عملُ بالقرآن

صحابیاتؓ پر قرآن مجید کا شدت سے اثر پڑتا تھا ایک بار حضرت عائشہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا کہ قرآن مجید کی یہ آیت:۔

مَنْ یَّعْمَلْ سُوْٓءًا یُّجْزَ بِہٖ — جو شخص کوئی بھی برائی کرے گا اس کو اس کا بدلہ دیا جائے گا

نہایت سخت ہے ارشاد ہوا کہ عائشہ تم کو خبر نہیں کہ مسلمان کے پاؤں میں اگر ایک کانٹا بھی چبھ جاتا ہے تو وہ

---

[1] بخاری ابواب العمرہ کتاب الحج [2] مدبران غلاموں کو کہتے ہیں جن سے آقا کہہ دیتا ہے کہ وہ ان کی موت کے بعد آزاد ہو جائیں گے اس لئے قدرتی طور پر یہ لوگ آقا کی موت کے متمنی ہوتے ہیں [3] ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب امامۃ النساء،

اس کے اعمالِ بد کا معاوضہ ہو جاتا ہے، بولیں لیکن خدا تو کہتا ہے :

فَسَوْفَ یُحَاسَبُ حِسَابًا یَّسِیْرًا ۝ خدا ذرا ذرا سی برائی کا بھی حساب لے گا۔

فرمایا اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر عمل خدا کی بارگاہ میں پیش ہوگا، عذاب اسی کو دیا جائے گا جس کے حساب میں رد و قدح ہوگی[1]۔ اس اثر پذیری کا نتیجہ یہ تھا کہ صحابیات نہایت سرعت کے ساتھ قرآن مجید کے احکام پر عمل کرنے کو تیار ہو جاتی تھیں حضرت ابو حذیفہؓ بن عتبہ نے حضرت سالم کو اپنا منہ بولا بیٹا بنایا تھا اس لئے زمانۂ جاہلیت کے رسم و رواج کے مطابق ان کو حقیقی بیٹے کے حقوق حاصل ہو گئے تھے، لیکن جب قرآن مجید کی یہ آیت :۔

اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ ۝ ان کو ان کے حقیقی باپوں کے بیٹے کہہ کر پکارو۔

نازل ہوئی تو ان کی بی بی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور کہا کہ سالم پہلے ہمارے ساتھ گھر میں رہتے تھے اور ان سے کوئی پردہ نہ تھا، اب آپ کا کیا حکم ہے؟ فرمایا کہ دودھ پلا دو، وہ تمہارے رضاعی بیٹے ہو جائیں گے[2]۔

زمانۂ جاہلیت میں عرب کی عورتیں نہایت بے پروائی کے ساتھ ڈوپٹہ اوڑھتی تھیں اس لئے سینہ اور سر وغیرہ کھلا رہتا تھا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی،

وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ ۝ عورتوں کو چاہئے کہ اپنے ڈوپٹوں کو اپنے سینوں پر ڈال لیں۔

اس کا یہ اثر ہوا کہ عورتوں نے اپنے تہ بند اور متفرق کپڑوں کو پھاڑ کر ڈوپٹے بنائے اور اپنے آپ کو سیاہ چادروں سے اس طرح ڈھانپ توپ لیا کہ حضرت عائشہؓ کے قول کے مطابق یہ معلوم ہوتا تھا کہ ان کے سر کوؤں کے آشیانے بن گئے ہیں[3]۔

---

[1] ابوداؤد کتاب الجنائز باب الامراض المکفرۃ للذنوب [2] ابوداؤد کتاب النکاح باب من حرم بہ [3] ابوداؤد کتاب اللباس باب فی قول اللہ تعالیٰ ولیضربن بخمرہن،

منہیات شرعیہ سے اجتناب

مزامیر سے اجتناب راگ باجا تو بڑی چیز ہے حضرت عائشہؓ کا یہ حال تھا کہ اونٹ کی گھنٹی کی آواز سننا بھی پسند نہیں کرتی تھیں اگر سامنے سے گھنٹی کی آواز آتی تو ساربان سے کہتیں کہ ٹھہر جاؤ تاکہ یہ آواز سننے میں نہ آئے اور اگر سن لیتیں تو کہتیں کہ تیزی کے ساتھ لے چلو تاکہ میں اس آواز کو نہ سن سکوں[1]

ایک بار ایک لڑکی ان کے گھر میں گھنگرو پہنے ہوئے داخل ہوئی گھنگرو کی آواز سننے کے ساتھ ہی بولیں کہ گھنگرو پہنے ہوئے وہ میرے پاس نہ آنے پائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس گھر میں اس قسم کی آوازیں آتی ہیں اس میں فرشتے نہیں آتے[2]

مشتبہات سے اجتناب حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو چیز مشتبہ ہے اس کو چھوڑ کر وہ چیز اختیار کرو جو مشتبہ نہیں ہے، حلال بھی واضح ہے اور حرام بھی لیکن ان کے درمیان مشتبہ چیزیں ہیں پس جو شخص مشتبہ گناہوں کو چھوڑ دے گا وہ کھلے ہوئے گناہوں کا سب سے زیادہ چھوڑنے والا ہوگا اور جو شخص مشتبہ گناہوں کا مرتکب ہوگا بہت ممکن ہے کہ کھلے ہوئے گناہوں کا مرتکب ہو جائے گناہ خدا کی چراگاہ ہے اور جو شخص چراگاہ کے آس پاس چرائے گا ممکن ہے کہ اس کے مویشی اس میں پڑ جائیں'' صحابیات اس حدیث پر نہایت شدت سے عامل تھیں ایک صحابیہ نے اپنی لونڈی کو اپنی ماں پر صدقہ کر دیا تھا وہ مر گئیں تو اس لونڈی کی حالت مشتبہ ہو گئی صدقہ کر چکی تھیں اور صدقہ کا مال واپس لینا جائز نہیں ماں اس کی مالک ہو گئی تھیں اور اس کے مرنے کے بعد یہ اس کی وارث ہو گئی تھیں اس لئے وہ ان کو وراثت میں مل سکتی تھی اس اشتباہ کے رفع کرنے کے لئے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور واقعہ بیان کیا آپ نے فرمایا تمہیں صدقہ کا ثواب مل چکا اور اب وہ تمہاری وراثت میں آگئی[3]

---

[1] مسند ابن حنبل جلد ۶ ص ۱۵۲ [2] ایضاً ص ۲۴۲ [3] ابوداؤد کتاب الوصایا باب ما جاء فی الرجل یہب الہبۃ ثم یوصی لہ

حضرت اسماءؓ کی ماں قتیلہ کافرہ تھیں اور حضرت ابوبکرؓ نے زمانہ جاہلیت ہی میں ان کو طلاق دیدی تھی، ایک بار وہ حضرت اسماءؓ کے پاس متعدد چیزیں ہدیہ لے کر آئیں چونکہ یہ کافرہ کا ہدیہ تھا اس لئے حضرت اسماءؓ نے ان کو قبول کرنے سے انکار کیا اور حضرت عائشہؓ کے ذریعہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کرایا آپ نے اس کے قبول کرنے کی اجازت دی[1]۔

مذہبی زندگی کے مظاہر مختلفہ

تسبیح و تہلیل تسبیح و تہلیل پاک مذہبی زندگی کی مخصوص علامات ہیں اور صحابیات میں یہ علامت پائی جاتی ہے، ایک صحابیہؓ سامنے کنکری یا گٹھلی رکھ کر تسبیح پڑھ رہی تھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا تو فرمایا کہ اس کی کیا ضرورت ہے، ہمیں اس سے آسان ترکیب بتاتا ہوں، اس کے بعد ایک دعا بتادی[2]۔

مقامات مقدسہ کی زیارت حصول برکت کا شوق صحابیات کو مقامات مقدسہ کی طرف کھینچ لے جاتا تھا ایک بار ایک صحابیہ بیمار ہوئیں اور یہ نذر مانی کہ اگر خدا شفا دے گا تو بیت المقدس میں جاکر نماز پڑھوں گی۔ صحت یاب ہوئیں تو سامان سفر کیا اور رخصت ہونے کے لئے حضرت میمونہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئیں انہوں نے کہا کہ مسجد نبویؐ ہی میں نماز پڑھ لو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میری مسجد میں ایک نماز دوسری مساجد کی ہزاروں نمازوں سے بہتر ہے[3]۔

ایک صحابیہ نے مسجد قبا تک پاپیادہ جانے کی نذر مانی تھی، ابھی نذر پوری کرنے بھی نہیں پائی تھیں کہ انتقال ہو گیا، حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فتویٰ دیا کہ ان کی صاحبزادی نذر پوری کریں[4]۔

فرائض مذہبی ادا کرنے میں جسمانی تکلیفیں اٹھانا شوق عبادت ہر قسم کی جسمانی تکلیفوں کو آسان کر دیتا ہے اور صحابیات میں یہ شوق موجود تھا اس لئے وہ ہر قسم کی تکلیفیں برداشت کرتی تھیں اور فرائض اسلام کو بخوشی ادا کرتی تھیں حضرت حمنہ بنت جحشؓ ایک صحابیہ تھیں ان کا معمول تھا کہ برابر مصروف نماز رہتی تھیں جب تھک جاتی تھیں تو ستون مسجد میں ایک رسی باندھ رکھی تھی اس سے لٹک جاتی تھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس رسی کو دیکھا تو فرمایا، ان کو صرف اسی قدر نماز پڑھنی چاہیئے جو ان کی طاقت

[1] طبقات ابن سعد تذکرۂ حضرت اسماءؓ [2] ابوداؤد ابواب تفریع شہر رمضان باب التسبیح بالحصی [3] مسلم باب فضل الصلوٰۃ فی مسجد المدینہ ومکہ [4] موطائے امام محمد باب الرجل یحلف بالمشی الی بیت اللہ

ہیں سو اگر تھک جائیں تو بیٹھ جانا چاہیے چنانچہ وہ رسی کھلوا کر پھنکوا دی ۔[1]

پابندی قسم | ہم لوگ بات بات پر قسم کھایا کرتے ہیں اور ہم کو یہ محسوس نہیں ہوتا کہ یہ کس قدر ذمہ داری کا کام ہے لیکن صحابیات بہت کم قسم کھاتی تھیں اور جس بات پر قسم کھالیتی تھیں اس کو پورا کرتی تھیں ایک بار حضرت عائشہؓ عبداللہ بن زبیرؓ سے ناراض ہوگئیں اور قسم کھالی کہ اب ان سے بات چیت نہ کریں گی لیکن جب حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے معافی مانگ لی اور دوسرے صحابہ نے بھی اس کی سفارش کی تو رو کر کہنے لگیں ،

انی نذرت والنذر شدید — میں نے نذر مان لی ہے اور نذر کا معاملہ نہایت سخت ہے ،

بالآخر اصرار و سفارش سے ان کا قصور معاف کر دیا تو کفارۂ قسم میں ۴۰ غلام آزاد کیے ۔[2]

---

[1] ابو داؤد کتاب الصلوٰۃ باب النعاس فی الصلوٰۃ [2] بخاری کتاب الادب باب الہجرۃ ،

تبجیلُ الرَّسُول

برکت اندوزی صحابیات ہمیشہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ پاک سے برکت اندوز ہوتی رہتی تھیں اس لئے جو بچہ پیدا ہوتا، صحابیات سب سے پہلے اس کو آپ کی خدمت میں حاضر کرتیں آپ بچے کے سر پر ہاتھ پھیرتے، اپنے منہ میں کھجور ڈال کر اس کے منہ میں ڈالتے اور اس کے لئے برکت کی دعا فرماتے[۱]

محافظتِ یادگارِ رسول صحابیات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یادگاروں کو جان سے زیادہ عزیز رکھتی تھیں، حضرت عائشہؓ کے پاس آپ کا ایک جبہ محفوظ تھا جب ان کا انتقال ہوا تو حضرت اسماءؓ نے اس کو لے لیا اور محفوظ رکھا چنانچہ جب کوئی شخص آپ کے خاندان میں بیمار ہوتا تھا تو شفا حاصل کرنے کے لئے اس کو دھو کر اس کا پانی پلاتی تھیں[۲]

جن کپڑوں میں آپؐ کا وصال ہوا تھا حضرت عائشہؓ نے ان کو محفوظ رکھا تھا، چنانچہ ایک دن انہوں نے ایک صحابی کو ایک یمنی تہ بند اور ایک کمل دکھا کر کہا کہ خدا کی قسم آپ نے انہی کپڑوں میں داعیِ اجل کو لبیک کہا تھا[۳]

ایک بار ایک صحابیہ نے آپ کی دعوت کی آپ نے کھانے کے بعد جس مشکیزہ سے پانی پیا اس کو انہوں نے محفوظ رکھا جب کوئی شخص بیمار ہوتا یا برکت حاصل کرنے کا موقع آتا تو وہ اس سے پانی پیتی اور پلاتی تھیں[۴]

جب آپ حضرت انسؓ کے گھر تشریف لاتے تھے تو ان کی والدہ آپ کے پسینے کو نچوڑ کر ایک شیشی میں بھر لیتی تھیں اور اس کو محفوظ رکھتی تھیں[۵]

---

[۱] مسلم کتاب الفضائل باب فی قرب النبی من الناس و تبرکہم [۲] مسند ابن حنبل جلد ۶ ص ۳۴۸ [۳] ابو داؤد کتاب اللباس باب فی لبس الصوف والشعر [۴] طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت ام نیارؓ [۵] بخاری کتاب الاستیذان باب من زار قوماً فقال عندہم

غزوۂ خیبر میں آپ نے ایک صحابیہ کو خود دست مبارک سے ایک ہار پہنایا تھا، وہ اس کی اس قدر قدر کرتی تھیں کہ عمر بھر اس کو گلے سے جدا نہیں کیا اور جب انتقال کرنے لگیں تو وصیت کی کہ ان کے ساتھ وہ بھی دفن کر دیا جائے[1]

ایک دن آپ حضرت ام سلیمؓ کے مکان پر تشریف لائے گھر میں ایک مشکیزہ لٹک رہا تھا آپ نے اس کا دہانہ اپنے منہ سے لگایا اور پانی پیا، حضرت ام سلیمؓ نے مشکیزے کے دہانے کو کاٹ کر اپنے پاس بطور یادگار کے رکھ لیا[2]

آپ حضرت شفا بنت عبداللہ کے یہاں کبھی کبھی قیلولہ فرماتے تھے اس غرض سے انہوں نے آپ کے لئے ایک بستر اور ایک خاص تہ بند بنوالیا تھا جس کو پہن کر آپ استراحت فرماتے تھے یہ یادگاریں ایک مدت تک آپ کے خاندان میں محفوظ رہیں اخیر میں مروان نے ان سے لے لیا[3]

ادب رسول صحابیات آپ کی خدمت میں حاضر ہوتیں تو دربار نبوت کے ادب و عظمت کے لحاظ سے تمام کپڑے زیب تن کر لیتیں، ایک صحابیہ فرماتی ہیں،

جمعت علی ثیابی فاتیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم[4]	میں نے تمام کپڑے پہن لئے اور آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی،

اگر نادانستگی کی حالت میں بھی کوئی کلمہ آپ کی شان کے خلاف منہ سے نکل جاتا تو اس کی معافی چاہتیں ایک صحابیہ کا بچہ مر گیا اور وہ اس پر رو رہی تھی آپ کا گذر ہوا تو فرمایا "خدا سے ڈرو، اور صبر کرو" بولیں تمہیں میری مصیبت کی کیا پرواہ ہے؟ آپ چلے گئے تو لوگوں نے کہا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے، دوڑی ہوئی آئیں اور عرض کی کہ میں نے حضور کو نہیں پہچانا[5]

حمایت رسول صحابیات اپنے دلوں میں نہایت شدت کے ساتھ آپ کی حمایت کی آرزو رکھتی تھیں حضرت طلیب بن عمیرؓ اسلام لائے، اور اپنی ماں اروی بنت عبدالمطلب کو اس کی خبر دی تو بولیں کہ تم نے جس شخص کی حمایت کی وہ اس کا سب سے بڑا مستحق تھا اگر مردوں کی طرح ہم بھی استطاعت رکھتے تو آپ

---

[1] مسند ابن حنبل جلد ۶ ص ۳۸۰ [2] ابوداؤد کتاب اللباس باب فی لبس الصوف والشعر [3] طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت ام سلیمؓ [4] ابوداؤد کتاب الطلاق باب فی عدۃ الحامل، اسد الغابہ تذکرہ حضرت شفاء بنت عبداللہ [5] ابوداؤد کتاب الجنائز باب الصبر عند الصدمہ،

کی حفاظت کرتے اور آپ کی طرف سے لڑتے"۔[۱]

خدمت رسول | صحابیات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کو اپنا سب سے بڑا شرف خیال کرتی تھیں حضرت سلمیٰؓ ایک صحابیہ تھیں انہوں نے اس استقلال کیساتھ آپ کی خدمت کی کہ ان کو خادمۂ رسول اللہ کا لقب حاصل ہوا۔[۲]

سفینہ حضرت سلمہؓ کی والدہ کی لونڈی تھی انہوں نے اس کو اس شرط پر آزاد کرنا چاہا کہ وہ اپنی عمر آپ کی خدمت گذاری میں صرف کرے اس نے کہا "اگر آپ یہ شرط نہ بھی کرتیں تب بھی میں تا نفس والپسین آپ کی خدمت سے علیحدہ نہ ہوتی ہے"۔[۳]

ہیبت رسول | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پر عظمت روحانیت سے صحابیات اس قدر مرعوب ہو جاتی تھیں کہ جسم پر رعشہ پڑ جاتا تھا ایک بار حضرت خدیجہؓ نے آپ کو مسجد میں اکڑو بیٹھے ہوئے دیکھا ان پر آپ کے اس خشوع و خضوع کی حالت کا یہ اثر پڑا کہ کانپ اٹھیں۔[۴]

نعت رسول | صحابیات کی چھوٹی چھوٹی لڑکیاں تک آپ کی مدح میں رطب اللسان رہتی تھیں آپ جب ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو لڑکیاں دف بجا بجا کر یہ شعر گاتی پھرتی تھیں،

نحن جوار من بنی النجار	یا حبذا محمد امن جار
ہم خاندان بنو نجار کی لڑکیاں ہیں	محمد کتنے اچھے پڑوسی ہیں،

پردہ نشین عورتیں یہ اشعار پڑھتی تھیں۔

طلع البدر علینا	من ثنیات الوداع
ثنیۃ الوداع کی گھاٹیوں سے ہم پر چودھویں رات کا چاند طلوع ہوا ہے	
وجب الشکر علینا	ما دعی للہ داعی
جب تک دعا کرنے والے دعا کریں	ہم پر خدا کا شکر واجب ہے

حضرت عائشہؓ جب رخصت ہو کر آئیں تو چھوکریاں دف بجا بجا کر واقعات بدر کے متعلق اشعار گاتی تھیں ان میں سے ایک نے یہ مصرعہ گایا،

---

[۱] استیعاب تذکرۂ حضرت طیب بہ عمیرؓ [۲] ابوداؤد کتاب الطب باب الحجامۃ [۳] ایضاً کتاب العتق باب فی العتق علی الشرط [۴] شمائل ترمذی باب ماجاء فی جلسۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

وفینا نبی یعلم ما فی غدٍ ہم میں ایک پیغمبر ہے جو کل کی بات جانتا ہے

تو آپ نے روک دیا اور کہا کہ وہی گاؤ جو پہلے گا رہی تھیں[1]

پابندی احکام رسول | صحابیات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کی نہایت شدت کے ساتھ پابندی کرتی تھیں آپ نے شوہر کے علاوہ اور اعزہ کے ماتم کے لئے صرف تین دن مقرر فرمائے تھے صحابیات نے اس کی اس شدت کے ساتھ پابندی کی کہ جب حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے بھائی کا انتقال ہوا تو چوتھے دن کچھ عورتیں ان سے ملنے آئیں انہوں نے ان سب کے سامنے خوشبو لگائی اور کہا کہ مجھے خوشبو کی ضرورت نہ تھی، لیکن میں نے آپ سے سنا ہے کہ کسی مسلمان عورت کو شوہر کے سوا تین دن سے زیادہ کسی کا ماتم کرنا جائز نہیں" اس لئے یہ اسی حکم کی تعمیل تھی،

جب حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے والد نے انتقال کیا، تو انہوں نے تین روز کے بعد تیل لگایا خوشبو ملی اور کہا کہ" مجھے اس کی ضرورت نہ تھی، صرف آپ کے حکم کی تعمیل مقصود تھی[2]

ایک بار حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس ایک سائل آیا، انہوں نے روٹی کا ایک ٹکڑا دیدیا پھر اس کے بعد ایک خوش لباس شخص آیا تو انہوں نے اس کو بٹھا کر خوب کھانا کھلایا لوگوں نے اس تفریق و امتیاز پر اعتراض کیا، تو بولیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ

انزلوا الناس علی قدر منازلھم لوگوں کو ان کے درجہ پر رکھو،

ایک بار آپ مسجد سے نکل رہے تھے دیکھا کہ راستے میں مرد عورت مل جل کر چل رہے ہیں عورتوں کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا پیچھے رہو تم وسط راہ سے نہیں گذر سکتیں" اس کے بعد عورتوں کا یہ حال ہو گیا کہ گلی کے کنارے سے اس طرح لگ کے چلتی تھیں کہ ان کے کپڑے دیواروں سے الجھ جاتے تھے[3]

رضامندی رسول ﷺ | صحابیات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رضامندی کی ہمیشہ فکر رہتی تھی اس لئے اگر آپ کبھی ناراض ہو جاتے تھے تو ہر ممکن تدبیر سے آپ کے رضامند کرنے کی کوشش کرتی تھیں آپ جب حجۃ الوداع کے لئے تشریف لے گئے تو تمام بی بیاں ساتھ تھیں سوء اتفاق سے راستہ میں حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا اونٹ تھک کر بیٹھ گیا وہ رونے لگیں آپ کو خبر ہوئی تو خود تشریف لائے اور دست مبارک سے ان کے

---

[1] بخاری کتاب النکاح باب ضرب الدف فی النکاح [2] ابوداؤد کتاب الطلاق باب احداد المتوفی عنہا زوجہا،

[3] ابوداؤد کتاب الادب باب فی مشی النساء فی الطریق،

آنسو پونچھے آپ جس قدر ان کو رونے سے منع فرماتے تھے اسی قدر وہ اور زیادہ روتی تھیں جب کسی طرح چپ نہ ہوئیں تو آپ نے ان کی سرزنش فرمائی اور تمام لوگوں کو منزل کرنے کا حکم دیا اور خود بھی اپنا خیمہ نصب کروایا، اب حضرت صفیہؓ کو خیال ہوا کہ آپ ان سے ناراض ہو گئے اس لئے آپ کی رضامندی کی تدبیریں اختیار کیں اس غرض سے حضرت عائشہؓ کے پاس گئیں اور کہا کہ آپ کو معلوم ہے کہ میں اپنی باری کا دن کسی چیز کے معاوضہ میں نہیں دے سکتی لیکن اگر آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مجھ سے راضی کردیں تو میں اپنی باری کا دن آپ کو دیتی ہوں، حضرت عائشہؓ نے آمادگی ظاہر کی اور ایک ڈیڑھا دوڑھا جوز عفرانی رنگ میں رنگا ہوا تھا پھر اس پر پانی کے چھینٹے دیئے کہ خوشبو خوب پھیلے، اس کے بعد آپ کی خدمت میں گئیں اور خیمہ کا پردہ اٹھایا تو آپ نے فرمایا، عائشہؓ یہ تمہاری باری کا دن نہیں ہے، بولیں "

ذالک فضل اللہ یو تیہ من یشاء[1] یہ خدا کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے دیتا ہے

تفویض الی الرسول عورت کے لئے نکاح کا مسئلہ سب سے زیادہ اہم ہے لیکن صحابیات نے اپنے آپ کو بالکل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں دے دیا تھا، اس لئے آپ جس سے چاہتے تھے ان کا نکاح کردیتے تھے اور وہ بخوشی اس کو قبول کرلیتی تھیں حضرت فاطمہ بنت قیسؓ ایک صحابیہ تھیں جن سے ایک طرف تو حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ جو نہایت دولتمند صحابی تھے نکاح کرنا چاہتے تھے دوسری طرف آپ نے حضرت اسامہ بن زیدؓ کے متعلق ان سے گفتگو کی تھی لیکن حضرت فاطمہ بنت قیسؓ نے آپ کو اپنی قسمت کا مالک بنادیا اور کہا کہ میرا معاملہ آپ کے ہاتھ میں ہے جس سے چاہئے نکاح کردیجئے[2]

جبیبؓ ایک ظریف الطبع صحابی تھے جو راستوں میں بھی ظرافت اور مذاق کی باتیں کرتے تھے اس لئے صحابہ انکو عموماً ناپسند کرتے تھے ایک بار آپ نے ان کے لئے ایک انصاری لڑکی سے پیغام نکاح دیا انہوں نے کہا کہ اس کی ماں سے مشورہ کرلوں، ماں نے جبیب کا نام سنا تو انکار کیا لیکن لڑکی نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات نامنظور نہیں کی جاسکتی مجھے آپ کے حوالے کردو خدا مجھے ضائع نہ کرے گا[3]

ضیافت رسول اگر خوش قسمتی سے صحابیات کو کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ضیافت کا موقع ملتا تو نہایت عزت، محبت اور ادب کے ساتھ اس فرض کو بجالاتیں ایک بار آپ حضرت ام حرامؓ کے مکان پر

---

[1] مسند ابن حنبل جلد ۶ ص ۳۳۸ [2] نسائی کتاب النکاح، الخطبۃ فی النکاح [3] مسند جلد ۴ ص ۴۲۲

تشریف لے گئے تو انہوں نے دعوت کی آپ نے قبول فرمائی اور وہیں قیلولہ فرمایا[۱]

ایک بار ایک صحابی نے آپ کی دعوت کی دعوت کھا کر آپ روانہ ہوئے تو ان کی بی بی نے پردے سے سر نکال کر کہا کہ "یا رسول اللہ مجھ پر اور میرے شوہر پر درود بھیجتے جائیے" آپ نے فرمایا "خدا تم پر اور تمہارے شوہر پر رحمت نازل فرمائے"[۲]

بعض صحابیات خود کوئی نئی چیز پکا کر آپ کی خدمت میں پیش کرتی تھیں ایک بار حضرت ام ایمنؓ نے آٹا چھانا اور اس کی روٹیاں تیار کر کے آپ کی خدمت میں پیش کیں آپ نے فرمایا یہ کیا ہے؟ بولیں ہمارے ملک میں اس کا رواج ہے میں نے چاہا کہ آپ کے لئے بھی اسی قسم کی روٹیاں تیار کروں لیکن آپ نے کمال زہد و تقشف سے فرمایا "آٹے میں چوکر ملا کر پھر گوندھو"[۳]

محبت رسول صحابیات کے دل آپ کی محبت سے لبریز تھے اور وہ اس کا اظہار مختلف طریقوں سے کرتی تھیں حضرت ام عطیہؓ ایک صحابیہ تھیں وہ جب آپ کا ذکر کرتیں تو فرط محبت سے کہتیں بابا یعنی میں آپ پر قربان[۴]

آپ جب کسی غزوہ میں تشریف لے جاتے تو صحابیات فرط محبت سے آپ کی واپسی اور سلامتی کے لئے نذریں مانتی تھیں، ایک بار آپ کسی غزوہ سے واپس آئے تو ایک صحابیہ نے کہا کہ یا رسول اللہ میں نے نذر مانی تھی کہ اگر خدا آپ کو صحیح و سالم واپس لائے گا تو آپ کے سامنے دف بجا بجا کر گیت گاؤں گی[۵]

شوق صحبتِ رسول صحابیات کے دل میں آپ کی صحبت سے مستفیض ہونے کا نہایت شوق رہتا تھا حضرت قیلہؓ بیوہ ہو گئیں تو بچوں کو ان کے چچا نے لے لیا، اب وہ تمام دنیوی جھگڑوں سے آزاد تھیں اس لئے ایک صحابی کے ساتھ خدمتِ مبارک میں حاضر ہوئیں اور آپ کی تعلیمات و تلقینات سے عمر بھر فائدہ اٹھایا[۶]

---

[۱] ابوداؤد کتاب الجہاد باب فی رکوب البحر فی الغزو [۲] مسند ابن حنبل جلد ۳ ص ۳۹۸ [۳] سنن ابن ماجہ کتاب الاطعمہ [۴] نسائی کتاب الحیض باب شہود الحیض العیدین و دعوت المسلمین [۵] ترمذی کتاب المناقب مناقب ابی حفص عمر بن الخطاب [۶] طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت قیلہؓ۔

فضائلِ اخلاق

استغفاف فیضِ تربیتِ نبوی ؐ نے صحابیات کے ایک ایک فرد کو غیرت، خودداری اور عزت نفس کا مجسمہ بنا دیا تھا اس لئے وہ کسی کے سامنے دستِ سوال نہیں پھیلاتی تھیں ماں باپ سے مانگتے ہوئے کسی کو شرم نہیں آتی لیکن صحابیات کی غیرت اس کو بھی گوارا نہیں کرتی تھی کہ ماں باپ سے بھری محفل میں سوال کیا جائے حضرت فاطمہ ؓ گھر کے کام کاج سے تنگ آگئی تھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ لونڈی غلام آئے، حاضر خدمت ہوئیں کہ آپ سے ایک غلام مانگیں، دیکھا کہ آپ سے کچھ لوگ باتیں کر رہے ہیں، شرم کے مارے واپس آئیں[1]

ایثار فیاضی ایک اخلاقی وصف ہے لیکن ایثار فیاضی کی اعلیٰ ترین قسم ہے اور وہ صحابیات میں بدرجہ اتم پائی جاتی تھی، حضرت عائشہ ؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر ؓ کے پہلو میں اپنی قبر کے لئے جگہ مخصوص کر رکھی تھی لیکن جب حضرت عمر ؓ نے درخواست کی تو انہوں نے یہ تختہ جنت ان کو دے دیا اور فرمایا،

کنت اریدہ لنفسی ولا وثرن بہ	میں نے خود اپنے لئے اس کو محفوظ رکھا تھا لیکن
الیوم علی نفسی[2]	آج اپنے اوپر آپ کو ترجیح دیتی ہوں،

ایک دن وہ روزہ سے تھیں گھر میں ایک روٹی کے سوا کچھ نہ تھا ایک مسکین عورت آئی انہوں نے لونڈی سے کہا کہ روٹی اس کو دے دو اس نے کہا افطار کس چیز سے کیجئے گا بولیں، دے تو دو، شام ہوئی تو کسی نے بکری کا گوشت بھجوا دیا، لونڈی کو بلا کر کہا "یہ تیری روٹی سے بہتر ہے"[3]

فیاضی صحابہ ؓ کی طرح اسلام کو صحابیات کی فیاضی سے بھی بہت کچھ ثبات واستحکام حاصل ہوا، حضرت

---

[1] ابوداؤد کتاب الآداب باب فی التسبیح [2] بخاری کتاب المناقب باب قصۃ البیعۃ [3] موطا امام مالک کتاب الجامع باب الترغیب فی الصدقہ

اُم سلیمؓ نے اپنا نخلستان خاص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے وقف کر دیا تھا[۱]

حضرت عائشہؓ اس قدر فیاض تھیں کہ جو کچھ ہاتھ آجاتا تھا اس کو صدقہ کر دیتی تھیں حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ نے ان کو اس فیاضی سے روکنا چاہا تو اس قدر برہم ہوئیں کہ ان سے بات چیت کرنے کی قسم کھالی[۲] حضرت اسماءؓ اس سے بھی فیاض تھیں، حضرت عائشہؓ کا معمول یہ تھا کہ جمع کرتی جاتی تھیں جب معتدبہ سرمایہ جمع ہو جاتا تھا تو اس کو تقسیم کر دیتی تھیں لیکن حضرت اسماءؓ کل کے لئے کچھ نہیں رکھتی تھیں روز خرچ کر دیا کرتی تھیں[۳]

ایک بار حضرت منکدر بن عبداللہؓ حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے بولیں کہ تمہارے کوئی لڑکا ہے انہوں نے کہا "نہیں" فرمایا اگر میرے پاس دس ہزار درہم ہوتے تو میں تم کو دے دیتی حسن اتفاق سے شام ہی کو حضرت امیر معاویہؓ نے ان کے پاس روپے بھیجے بولیں کس قدر جلد میری آزمائش ہوئی، فوراً آدمی بھیج کر ان کو بلوایا اور دس ہزار درہم دیدیئے انہوں نے اس رقم سے ایک لونڈی خرید لی اور اس سے ان کے متعدد بچے پیدا ہوئے ،[۴]

ازواج مطہراتؓ میں حضرت زینب بنتؓ جحش نہایت فیاض تھیں، وہ اپنے ہاتھ سے چمڑے کی دباغت کرتی تھیں اور جو کچھ آمدنی اس سے ہوتی تھی، مساکین کو دیدیتی تھیں ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں جس کا ہاتھ سب سے لمبا ہوگا وہ مجھ سے سب سے پہلے ملے گا اس بناپر ازواج مطہرات اپنے ہاتھوں کو ناپتی تھیں، حضرت زینبؓ کے ہاتھ سب سے چھوٹے تھے، لیکن جب سب سے پہلے ان کا انتقال ہوا تو ازواج مطہراتؓ کو معلوم ہوا کہ لمبے ہاتھ سے فیاضی مراد تھی[۵]

مخالف سے انتقام نہ لینا اگر مخالف کسی مصیبت میں مبتلا ہو جائے تو انتقام لینے کا اس سے بہتر کوئی موقع نہیں مل سکتا لیکن صحابیاتؓ کے دل میں خدا اور رسول کی محبت نے بغض و انتقام کی جگہ کب چھوڑی تھی؛ حضرت عائشہؓ اور حضرت زینبؓ میں باہم نوک جھوک رہتی تھی لیکن جب حضرت عائشہؓ پر اتہام لگایا گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینبؓ سے ان کی اخلاقی حالت دریافت فرمائی تو بجائے اس کے کہ وہ انتقام لیتیں، بولیں کہ میں اپنے کان اور اپنی آنکھ کی پوری حفاظت کرتی ہوں مجھے ان کی

---

[۱] صحیح بخاری [۲] بخاری کتاب المناقب باب مناقب قریش [۳] ادب المفرد باب السخاوۃ [۴] طبقات ابن سعد تذکرۂ منکدر بن عبداللہؓ [۵] اصابہ تذکرہ حضرت زینب بنت جحشؓ۔

نسبت بھلائی کے سوا کچھ معلوم نہیں ہے حضرت عائشہؓ کو خود اعتراف ہے،

وھی اللتی تسامینی فعصمھا اللہ بالورع[1] وہ اگرچہ میری حریف تھیں، لیکن خدا نے تورع کی وجہ سے ان کو بچا لیا،

انتقام تو بڑی چیز ہے، صحابیاتؓ اپنے مخالفوں سے بغض رکھنا بھی پسند نہیں کرتی تھیں، حضرت معاویہ بن خدیجؓ نے حضرت عائشہؓ کے بھائی محمد بن ابی بکر کو قتل کر دیا تھا ایک بار وہ کسی فوج کے سپہ سالار تھے، حضرت عائشہؓ نے ایک شخص سے پوچھا کہ اس غزوہ میں معاویہؓ کا سلوک کیسا رہا؟ اس نے کہا "ان میں کوئی عیب نہ تھا، سب لوگ اُن کے مداح رہے، اگر کوئی اونٹ ضائع ہو جاتا تھا تو وہ اس کی جگہ دوسرا اونٹ دیدیتے تھے اگر کوئی گھوڑا مر جاتا تھا تو وہ اس کی جگہ دوسرا گھوڑا دیدیتے تھے اگر کوئی غلام بھاگ جاتا تھا تو وہ اس کی جگہ دوسرا غلام دیدیتے تھے حضرت عائشہؓ نے یہ سن کر کہا استغفر اللہ اگر میں اُن سے اس بنا پر بغض کروں کہ انہوں نے میرے بھائی کو قتل کیا، میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ دعا مانگتے ہوئے سنا کہ خدایا! اس کو جو شخص میری اُمت کے ساتھ ملاطفت کرے، تو بھی اس کے ساتھ ملاطفت کر، اور جو شخص اس پر سختی کرے تو بھی اس پر سختی کر"[2]

مہمان نوازی حضرت ام شریکؓ نہایت دولت مند اور فیاض صحابیہ تھیں انہوں نے اپنے مکان کو گویا مہمان خانہ بنا دیا تھا، اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں باہر سے جو مہمان آتے تھے وہ اکثر انہی کے مکان پر ٹھہرتے تھے،[3]

عزتِ نفس صحابیاتؓ عزتِ نفس کا مجموعہ تھیں حضرت عبداللہ بن زبیرؓ جس دن شہید ہوئے، اس روز اپنی والدہ حضرت اسماءؓ کے پاس تشریف لے گئے انہوں نے ان کو دیکھا تو بولیں "بیٹا قتل کے خوف سے ہر گز کوئی ایسی شرط نہ قبول کر لینا جس پر تم کو ذلت برداشت کرنی پڑے، خدا کی قسم عزت کے ساتھ تلوار کھا کر مر جانا اس سے بہتر ہے کہ ذلت کے ساتھ کوڑے کی مار برداشت کر لی جائے"

صبر و ثبات مُردوں پر نوحہ کرنا، بال نوچنا، کپڑے پھاڑ ڈالنا، مدتوں مرثیہ خوانی کرنا عرب کا قومی شعار تھا لیکن فیض تربیت نبویؐ نے صحابیاتؓ کو صبر کا اس قدر خوگر بنا دیا تھا کہ حضرت ابوطلحہؓ انصاری کی

---

[1] بخاری کتاب الشہادات باب تعدیل النساء بعضہن بعضاً [2] اسد الغابہ تذکرۂ حضرت معاویہ بن خدیجؓ
[3] نسائی کتاب النکاح باب الخطبہ فی النکاح،

لڑکا بیمار ہوا وہ صبح کے وقت اس کو بیمار چھوڑ کر کام کاج کے لئے باہر چلے گئے ان کی عدم موجودگی میں یہاں لڑکا جان بحق تسلیم ہوگیا لیکن ان کی بی بی نے لوگوں سے کہدیا کہ ابوطلحہ سے نہ کہنا وہ شام کو پلٹے تو بی بی سے پوچھا کہ بچہ کیسا ہے ؟ بولیں پہلے سے زیادہ سکون کی حالت میں ہے یہ کہہ کر کھانا لائیں اور انہوں نے کھانا کھایا صبح ہوئی تو کہا کہ اگر ایک قوم کسی کو کوئی چیز عاریۃً دے اور پھر اس کا مطالبہ کرے تو کیا اس کو اس کے روک رکھنے کا حق حاصل ہے ؟ بولے "نہیں" بولیں تو پھر اپنے بیٹے کو بھی صبر کرو"۔[1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ احد سے واپس آئے تو تمام صحابیات اپنے اپنے اعزہ وا قارب کا حال پوچھنے آئیں، انہی میں حضرت حمنہ بنت حجشؓ بھی تھیں وہ آئیں تو آپ نے فرمایا کہ حمنہ! اپنے بھائی عبداللہ بن حجشؓ کو صبر کرو، انہوں نے انا للہ پڑھا اور ان کے لئے دعائے مغفرت کی، آپ نے پھر فرمایا کہ اپنے ماموں حمزہؓ ابن عبدالمطلب کو بھی صبر کرو"، انہوں نے اس پر بھی انا للہ پڑھا اور دعائے مغفرت کر کے خاموش ہو رہیں۔[2]

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ جب حجاج سے معرکہ آرا ہوئے تو ان کی والدہ حضرت اسماءؓ بیمار تھیں وہ اُن کے پاس آئے اور مزاج پرسی کے بعد بولے کہ مرنے میں آرام ہے" بولیں "شاید تم کو میرے مرنے کی آرزو ہے لیکن جب تک دو باتوں میں سے ایک نہ ہو جائے میں مرنا پسند نہ کروں گی، یا تو تم شہید ہو جاؤ اور میں تم کو صبر کر لوں، یا فتح و ظفر حاصل کرو کہ میری آنکھیں ٹھنڈی ہوں" چنانچہ جب وہ شہید ہوچکے تو حجاج نے ان کو سولی پر لٹکا دیا، حضرت اسماءؓ باوجود پیرانہ سالی کے یہ عبرتناک منظر دیکھنے کے لئے آئیں اور بجائے اس کے کہ روتی پیٹتیں، حجاج کی طرف مخاطب ہو کر کہا اس سوار کے لئے ابھی تک وہ وقت نہیں آیا، کہ اپنے گھوڑے سے نیچے اترے۔[3]

شجاعت غزوات میں صحابۂ کرام نے جس طرح دادِ شجاعت دی، صحابیاتؓ کے بہادرانہ کارنامے اس سے بھی حیرت انگیز ہیں غزوہ حنین میں کفار نے اس زور شور سے حملہ کیا تھا کہ میدان جنگ لرز اٹھا تھا لیکن حضرت ام سلیمؓ کی شجاعت کا یہ حال تھا کہ ہاتھ میں خنجر لئے ہوئے منتظر تھیں کہ کوئی کافر سامنے آئے

---

[1] مسلم کتاب الادب باب استحباب تحنیک المولود عند ولادتہ الخ [2] طبقات ابن سعد تذکرۂ حضرت حمنہ بنت جحشؓ
[3] استیعاب تذکرۂ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ۔

تو اس کا کام تمام کر دیں چنانچہ حضرت ابو طلحہؓ نے ان کے ہاتھ میں خنجر دیکھ کر پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ بولیں کہ چاہتی ہوں کہ کوئی کافر قریب آئے تو پیٹ میں بھونک دوں [۱]

غزوۂ خندق میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام عورتوں کو ایک قلعہ میں کر دیا تھا، ایک یہودی آیا اور قلعہ کے گرد چکر لگانے لگا، حضرت صفیہؓ نے دیکھا تو حضرت حسان بن ثابتؓ سے کہا کہ "یہ جاسوس معلوم ہوتا ہے اس کو قتل کر دو، بولے تمہیں تو معلوم ہے کہ میں اس میدان کا مرد نہیں، اب حضرت صفیہؓ خود اتریں اور خیمہ کی ایک میخ اکھاڑ کر اس زور سے مارا کہ وہ وہیں ٹھنڈا ہو گیا [۲]

زہد و تقشف صحابیات نہایت زاہدانہ اور متقشفانہ زندگی بسر کرتی تھیں ایک بار ایک شخص حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوا بولیں، ذرا ٹھہر جاؤ میں اپنی نقاب سی لوں" اس نے کہا "اگر میں لوگوں کو اس کی خبر کر دوں تو لوگ آپ کو بخیل سمجھیں گے، بولیں "جو لوگ پرانا دھرانا کپڑا نہیں پہنتے ان کو آخرت میں نیا کپڑا نصیب نہ ہوگا [۳]

زندہ دلی صحابیات کے جذبات کو اسلام نے تر و تازہ اور شگفتہ کر دیا تھا اس لئے ان میں زندہ دلی پائی جاتی تھی، عید کے دن عموماً لڑکے اور لڑکیاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جمع ہو کر باجے بجاتے تھے اور مسرت کے ترانے گاتے تھے [۴]

رازداری صحابیات کا سینہ راز کا مدفن تھا جس سے وہ قیامت تک باہر نہیں نکل سکتا تھا، ایک دن آپ کی خدمت میں تمام ازواج مطہراتؓ جمع تھیں حضرت فاطمہؓ بھی اسی حالت میں آگئیں آپ نے ان کو مرحبا کہا اور اپنے دائیں جانب بٹھا لیا اور آہستہ سے ان کے کان میں ایک بات کہی وہ چیخ مار کر رو پڑیں پھر آپ نے آہستہ سے ایک بات کہی جس سے وہ ہنس پڑیں آپ چلے گئے تو تمام بی بیوں نے اس کی وجہ پوچھی، بولیں آپ کی زندگی میں آپ کا راز فاش نہیں کر سکتی [۵]

عفت و عصمت اسلام نے پاکیزگی اخلاق کی جو تعلیم دی ہے، اس نے صحابیات کو عصمت و عفت کا مجسمہ بنا دیا، ایک صحابیہ کو جن کی اخلاقی حالت زمانۂ جاہلیت میں اچھی نہ تھی، ایک شخص نے اپنی طرف مائل

---

[۱] ابوداؤد کتاب الجہاد باب فی السلب یعطی القاتل [۲] اسد الغابہ تذکرہ حضرت صفیہؓ بنت عبد المطلب [۳] ادب المفرد باب الرفق فی المعیشۃ [۴] بخاری کتاب العیدین باب سنۃ العیدین لاہل الاسلام [۵] مسلم کتاب الفضائل مناقب فاطمہؓ۔

کرنا چاہا تو بولیں "اب وہ زمانہ گیا اور اسلام آیا[1] اسلام کی تعلیم کا یہ اثر تھا کہ لونڈیاں تک بدکاری سے ابا کرنے لگیں، مسیکہ ایک لونڈی تھی جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آکر شکایت کی کہ میرا آقا مجھ کو بدکاری پر مجبور کرتا ہے اس پر یہ آیت نازل ہوئی،

لَاتُكْرِهُوْا فَتَيَاتِكُمْ عَلَى الْبِغَاءِ[2] اپنی لونڈیوں کو بدکاری پر مجبور نہ کرو

اس جرم کا ارتکاب تو صحابیات سے بہت بعید تھا وہ اس کو بھی گوارا نہیں کرتی تھیں کہ کسی نامحرم کی نگاہ بھی ان پر پڑے، ایک بار حضرت مغیرہ بن شعبہؓ نے نکاح کرنا چاہا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مشورہ طلب کیا آپ نے فرمایا کہ پہلے عورت کو جاکر دیکھ لو، وہ اس غرض سے اس کے گھر گئے، عورت نے پردہ سے کہا "اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے، تو خیر، ورنہ تمہیں خدا کی قسم "[3]

اس معصیت کا ارتکاب تو بڑی چیز ہے اگر خدا نخواستہ صحابیات پر کبھی اس قسم کا اتہام بھی لگ جاتا تھا تو ان کے خرمن عقل وہوش پر بجلی گر پڑتی تھی، حضرت عائشہؓ کے کانوں میں جب واقعہ افک کی بھنک پڑی تو بے ہوش ہو کر گر پڑیں، لرزہ بخار آگیا اور آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی[4]

---

[1] مسند ابن حنبل جلد ۴ ص ۱۸۷ [2] ابوداؤد کتاب الطلاق باب فی تعظیم الزنا [3] سنن ابن ماجہ کتاب النکاح، باب النظر الی المراۃ اذا اراد ان تیزوجہا [4] بخاری کتاب بدء الخلق باب قول اللہ عزوجل لَقَدْ كَانَ فِیْ يُوْسُفَ وَاِخْوَتِهٖ آيَاتٌ لِلسَّائِلِيْنَ،

حُسن معاشرت

مصالحت اور صفائی اگر بہ مقتضائے فطرتِ انسانی صحابیات کسی سے ناراض ہو جاتی تھیں تو ان کو اس چند روزہ ناگواری پر نہایت افسوس ہوتا تھا، ایک معاملہ میں حضرت عائشہؓ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ سے ناراض ہوگئیں، اور بات چیت نہ کرنے کی قسم کھالی، لیکن عفو تقصیر کے بعد جب ان کو یہ قسم یاد آتی تھی تو اس قدر روتی تھیں کہ ڈوپٹہ تر ہو جاتا تھا[1]

صلۂ رحم حضرت زینبؓ اپنے اعزہ واقارب کے ساتھ نہایت سلوک کرتی تھیں، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں،

ولم ار امرأۃ قط خیرا فی الدین	میں نے زینبؓ سے زیادہ دیندار، زیادہ
من زینب واتقی اللہ واصدق	پرہیز گار، زیادہ سچی اور زیادہ صلۂ رحمی کرنے
حدیثا واوصل للرحم[2]	والی عورت نہیں دیکھی،

حضرت اسماءؓ نے ایک جائداد وراثۃً پائی تھی اور ان کو ایک لاکھ کی رقم حضرت امیر معاویہؓ نے دی تھی، لیکن انہوں نے اس مال وجائداد کو حضرت قاسم بن محمد اور حضرت ابن ابی عتیق پر جو ان کے قرابت دار تھے، ہبہ کر دیا[3]

صحابیات کی صلۂ رحمی صرف مسلمان اعزہ کے ساتھ مخصوص نہ تھی، بلکہ وہ کافر قرابت داروں کی قرابت کا بھی لحاظ رکھتی تھیں، حضرت اسماءؓ ہجرت کرکے مدینہ آئیں تو ان کی والدہ جو کافرہ تھیں ان کے پاس آئیں اور مالی مدد مانگی، حضرت اسماءؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت فرمایا کہ کیا وہ ان کے ساتھ صلۂ رحمی کرسکتی ہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں[4] چنانچہ انہوں نے ان کو مدد دی، حضرت صفیہؓ نے اپنے

---

[1] بخاری کتاب الادب باب الہجرۃ [2] مسلم کتاب الفضائل باب فضائل عائشہؓ [3] بخاری کتاب الھبۃ باب ہبۃ الواحد للجماعۃ [4] مسلم کتاب الزکوٰۃ باب فضل النفقۃ والصدقۃ علی الاقربین

ایک یہودی قرابت دار کے لئے ایک جائداد کی وصیت کی تھی [1]

ہدیہ دینا حدیث شریف میں آیا ہے کہ ہدیہ ازدیادِ محبت کا ذریعہ ہے اس لئے صحابیات ایک دوسرے کے پاس عموماً ہدیہ بھیجا کرتی تھیں،

حضرت نسیبہ انصاریہؓ اس قدر مفلس تھیں کہ ان پر صدقہ کا مال حلال تھا تاہم اس حالت میں بھی وہ ازواجِ مطہرات کی خدمت میں ہدیہ بھیجتی تھیں، ایک بار ان کے پاس صدقہ کی بکری آئی تو انہوں نے اس کا گوشت حضرت عائشہؓ کے پاس ہدیۃً بھیجا [2]، حضرت بریرہؓ کے پاس بھی جو صدقہ میں آتا تھا وہ ازواجِ مطہرات کو ہدیۃً دے دیا کرتی تھیں [3]

خادموں کے ساتھ سلوک صحابیات خادموں کے ساتھ جیسا سلوک کرتی تھیں، اس کا اندازہ صرف اس واقعہ سے ہو سکتا ہے کہ ایک بار رات کو عبدالملک اٹھا اور اپنے خادم کو آواز دی، اس نے آنے میں دیر کردی تو اس نے اس پر لعنت بھیجی حضرت ام الدرداءؓ اس کے محل میں تھیں صبح ہوئی تو کہا کہ تم نے رات اپنے خادم پر لعنت بھیجی حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ لعنت بھیجنے والے قیامت کے دن شفعاء یا شہداء نہ ہونگے [4]

باہمی اعانت صحابیات مصیبت میں دوسروں کی اعانت فرماتی تھیں اور ہمسایہ صحابیات اپنی پڑوسنوں کو ہر قسم کی مدد دیتی تھیں، حضرت اسماءؓ کو روٹی پکانا نہیں آتی تھی، لیکن ان کی پڑوسنیں ان کی روٹی پکایا کرتی تھیں [5]

اگر عورتوں کو اپنے شوہروں سے شکایت پیدا ہوتی، تو وہ حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنا دردِ دکھ کہتی تھیں، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں نہایت پُرزور طریقہ سے ان کی سفارش کرتی تھیں، ایک بار ان کی خدمت میں ایک عورت سبز دوپٹہ اوڑھ کر آئی اور جسم کھول کر دکھایا کہ شوہر نے اس قدر مارا ہے کہ بدن پر نیل پڑ گئے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف

---

[1] مسند دارمی کتاب الوصایا باب الوصیۃ لاہل الذمہ [2] بخاری کتاب الزکوٰۃ باب قدر کم یعطی من الزکوٰۃ والصدقۃ ومن اعطی شاۃ [3] مسلم کتاب الزکوٰۃ، باب اباحۃ الہدیہ للنبی صلی اللہ علیہ وسلم ولبنی ہاشم ولبنی عبدالمطلب وان کان المہدی ملکہا بطریق الصدقۃ [4] مسلم کتاب البر والصلۃ والآداب باب النہی عن لعن الدواب وغیرہا [5] مسلم کتاب الآداب باب ارداف المرأۃ الاجنبیۃ اذا اعیت فی الطریق،

لائے، تو حضرت عائشہؓ نے کہا کہ مسلمان عورتیں جو مصیبت برداشت کر رہی ہیں ہم نے ایسی مصیبت نہیں دیکھی دیکھیئے اس کا چمڑا اس کے ڈوپٹے سے زیادہ سبز ہو گیا ہے بخاری کی اس روایت کے آخر میں عموماً عورتوں کی نسبت یہ الفاظ ہیں،

والنساء ینصر بعضھن بعضاً — عورتوں کی یہ فطرت ہے کہ ایک دوسرے کی اعانت کرتی ہیں [۱]

ایک شخص کی بی بی بیمار تھیں وہ حضرت ام الدرداءؓ کے پاس آئے، انہوں نے حال پوچھا تو انہوں نے کہا کہ بی بی بیمار ہے اب انہوں نے ان کو بٹھا کر کھانا کھلایا اور جب تک ان کی بی بی بیمار رہیں حال پوچھتی اور کھانا کھلاتی رہیں [۲]

عیادت صحابیات ہر ممکن طریقہ سے مریضوں کی عیادت کرتی تھیں، ایک بار اہل صفہ میں سے ایک صحابی بیمار تھے حضرت ام الدرداءؓ اونٹ پر سوار ہو کر آئیں اور ان کی عیادت کی [۳]

تیمار داری صحابیات نہایت دلسوزی سے مریضوں کی تیمار داری کرتی تھیں حضرت عبداللہ بن مظعونؓ بیمار ہوئے تو حضرت ام العلاءؓ اور ان کے تمام خاندان نے ان کی تیمار داری کی ان کا انتقال ہو گیا تو کفن پہنانے کے بعد حضرت ام العلاءؓ نے محبت کے لہجہ میں کہا "تم پر خدا کی رحمت ہو، میں شہادت دیتی ہوں کہ خدا نے تمہاری عزت کی [۴]

حضرت زینبؓ مرض الموت میں بیمار ہوئیں تو حضرت عمرؓ نے ازواج مطہرات سے پوچھوایا کہ کون ان کی تیمار داری کرے گا؟ تمام بیبیوں نے کہا "ہم" ان کا انتقال ہوا تو پھر دریافت کیا کہ کون ان کو غسل و کفن دے گا؟ تمام بی بیوں نے کہا "ہم" [۵]

عزاداری صحابیات عزاداری کو اپنا فرض خیال کرتی تھیں ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک صحابی کو دفن کر کے آ رہے تھے، راہ میں دیکھا کہ حضرت فاطمہؓ جا رہی ہیں، پوچھا گھر سے کیوں نکلیں؟ بولیں اس گھر میں عزاداری کے لئے گئی تھی [۶]

عرب جاہلیت میں عزاداری کا طریقہ یہ تھا کہ عورتیں برادری میں جا کر باہم مُردوں پر نوحہ کرتی

---

[۱] بخاری کتاب اللباس باب الثیاب الخضر [۲] ادب المفرد باب عیادۃ المریض [۳] ایضاً باب عیادۃ النساء الرجل المریض [۴] بخاری کتاب الشہادات باب القرعۃ فی المشکلات [۵] طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت زینبؓ [۶] ابوداؤد کتاب الجنائز باب فی التعزیۃ

تھیں لیکن اسلام نے جاہلیت کی اس رسم کو مٹا دیا، چنانچہ جب عورتیں اسلام لاتی تھیں تو ان سے اس رسم کے چھوڑنے کا معاہدہ لیا جاتا تھا، ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام عطیہؓ سے یہ معاہدہ لینا چاہا تو بولیں، فلاں خاندان نے زمانۂ جاہلیت میں ہمارے مردے پر نوحہ کیا ہے مجھے اس کا معاوضہ ادا کرنا ضروری ہے، چنانچہ آپ نے ان کو اجازت دے دی[1]

محبت اولاد صحابیات بچوں سے نہایت محبت رکھتی تھیں، ایک بار ایک صحابی نے بی بی کو طلاق دی اور بچے کو اس سے لینا چاہا وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور کہا کہ میرا پیٹ اس کا ظرف، میری چھاتی اس کا مشکیزہ اور میری گود اس کا گہوارہ تھا اور اب اس کے باپ نے مجھے طلاق دے دی اور اس کو مجھ سے چھیننا چاہتا ہے آپ نے فرمایا جب تک تم دوسرا نکاح نہ کرلو تم بچے کی سب سے زیادہ مستحق ہو[2]، اگرچہ یہ وصف عموماً تمام صحابیات میں پایا جاتا تھا لیکن اس باب میں قریش کی عورتیں خاص طور پر ممتاز تھیں، چنانچہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی اس خصوصیت کی مدح فرمائی،

نعم النساء نساء قریش احناھن	قریش کی عورتیں کس قدر اچھی ہیں بچوں سے
علی الولد وارعاھن علی	محبت رکھتی ہیں اور شوہروں کے مال و اسباب
الزوج[3]	کی نگرانی کرتی ہیں،

بھائی بہن سے محبت صحابیات اپنے بھائی اور بہنوں سے نہایت محبت رکھتی تھیں، حضرت عبداللہ ابن ابی بکرؓ کا مقام حبش میں انتقال ہوا اور لاش مکہ میں دفن ہوئی تو حضرت عائشہؓ فرط محبت سے ان کی قبر تک آئیں اور ایک مشہور مرثیہ کے چند اشعار پڑھے،

وکنا کندمانی جذیمۃ حقبۃ   من الدھر حتی قیل لن یتصدعا

اور ہم دونوں ایک مدت تک جذیمہ کے دونوں ہم نشینوں کی طرح ساتھ رہے یہاں تک کہ لوگوں نے کہا ان میں کبھی جدائی نہ ہوگی،

فلما تفرقنا کان وما لکا   بطول اجتماع لم نبت لیلۃ معاً[4]

---

[1] مسلم کتاب الجنائز باب التشدید فی النیاحۃ [2] ابوداؤد کتاب الطلاق باب من احق بالولد [3] بخاری کتاب النکاح [4] ترمذی کتاب الجنائز باب ما جاء فی الزیارۃ للقبور للنساء۔

لیکن جب جدائی ہوئی تو ایسی کہ گویا ہم نے اور مالک نے باوجود طویل ملاقات کے ایک رات بھی ساتھ بسر نہیں کی تھی۔

حضرت حمزہؓ غزوۂ احد میں شریک ہوئے، تو ان کی بہن حضرت صفیہؓ آئیں کہ مقتل میں ان کا پتہ لگائیں لیکن لوگوں نے ان کی پریشانی کے خیال سے نہیں بتایا، بالآخر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں تو آپ کو خوف پیدا ہوا کہ اس واقعہ سے کہیں ان کی عقل نہ جاتی رہے اس لئے ان کے سینہ پر ہاتھ رکھا تو انہوں نے انا للہ پڑھا اور رونے لگیں[1]

حضرت رقیہؓ کا انتقال ہوا تو تمام عورتیں رونے لگیں حضرت فاطمہؓ ان کی قبر کے پاس روتی تھیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہاتھوں سے اُنؓ کے آنسو پونچھتے تھے[2]

حمایت والدین صحابیات والدین کی حمایت سے سخت موقعوں پر بھی اغماض نہیں کرتی تھیں ایک بار کفار نے حالتِ نماز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی گردن میں اونٹ کی اوجھڑ ڈالدی حضرت فاطمہؓ دوڑ کے آئیں اس کو آپ کی گردن سے نکال کر پھینک دیا اور کفار کو برا بھلا کہا[3]

پرورش یتامیٰ یتیموں کی پرورش بڑی نیکی کا کام ہے، حدیث شریف میں آیا ہے،

انا و کافل الیتیم کھاتین فی الجنۃ

(میں اور یتیموں کی پرورش کرنے والے جنت میں اس قدر قریب ہونگے جس قدر یہ دونوں انگلیاں قریب ہیں)

اس لئے صحابیات یتیموں کی پرورش اپنا فرض سمجھتی تھیں حضرت زینبؓ متعدد یتیموں کی پرورش کرتی تھیں ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور پوچھا کہ میں اپنے شوہر اور ان یتیموں پر صدقہ کردوں تو جائز ہے؟ دوسری صحابیہ بھی اس غرض سے دردولت پر کھڑی تھیں حضرت بلالؓ نے اطلاع کی، تو آپ نے فرمایا کہ اس کا دوہرا ثواب ملے گا، ایک قرابت کا، اور دوسرا صدقہ کا[4]

حضرت عائشہؓ کے بھائی محمد بن ابی بکرؓ کے بچے یتیم ہوگئے تو حضرت عائشہؓ ان کی پرورش

---

[1] طبقات ابن سعد تذکرۂ حضرت حمزہؓ [2] مسند ابو داؤد طیالسی صفحہ ۳۵۱ [3] بخاری کتاب الصلوٰۃ باب المراۃ تطرح عن المصلی شیئاً من الاذی [4] بخاری کتاب الزکوٰۃ باب الزکوٰۃ علی الزوج والایتام فی الحجر

فرماتی تھیں [۱]

یتیموں کے مال کی نگہداشت

خداوند تعالیٰ نے قرآن مجید میں یتیموں کے مال کی حفاظت و نگہداشت کے متعلق ایک نہایت مفصل آیت نازل فرمائی ہے وابتلوا الیتمیٰ حتیٰ اذا بلغوا النکاح الخ اس بنا پر صحابیات نہ صرف ان کے مال کی حفاظت کرتی تھیں بلکہ اس کو ترقی دیتی تھیں حضرت عائشہؓ یتیموں کے مال لوگوں کو دیتی تھیں کہ تجارت کے ذریعہ سے اس کو ترقی دیں [۲]

بچوں کی پرورش

صحابیات بچوں کی پرورش میں اپنے عیش و آرام کو بھی فراموش کردیتی تھیں، حضرت ام سلیمؓ بیوہ ہوئیں تو حضرت انس بن مالکؓ بچے تھے اس لئے انہوں نے یہ عزم بالجزم کرلیا کہ جب تک ان کی نشو ونما کامل طور پر نہ ہوجائے گی وہ دوسرا نکاح نہ کریں گی چنانچہ حضرت انسؓ خود سپاس گذارانہ لہجے میں اعتراف کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ میری ماں کو جزائے خیر دے کہ اس نے میری ولایت کا حق ادا کیا [۳]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابیات کو دنیا کی تمام چیزوں سے زیادہ محبوب تھے لیکن بایں ہمہ جب آپ نے حضرت ام ہانیؓ سے نکاح کا پیغام دیا، تو انہوں نے معذرت کی کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ مجھے میری آنکھوں سے بھی زیادہ عزیز ہیں، لیکن شوہر کا حق بہت زیادہ ہے اس لئے مجھے خوف ہے اگر میں شوہر کا حق ادا کروں گی، تو بچوں کی طرف سے بے پروائی کرنا پڑے گی اور اگر بچوں کی پرورش میں مصروف رہوں گی تو شوہر (یعنی آپ کا اگر نکاح کرلوں گی) کا حق ادا نہ کرسکوں گی، [۴]

شوہر کے مال و اسباب کی حفاظت

زن و شوہر کے معاشرتی تعلقات پر اس کا نہایت عمدہ اثر پڑتا ہے کہ بیوی نہایت دیانت کے ساتھ شوہر کے مال و اسباب اور گھر بار کی حفاظت کرے اور صحابیات میں یہ دیانت پائی جاتی تھی حضرت اسماءؓ بنت ابی بکرؓ کی شادی حضرت زبیرؓ سے ہوئی تھی وہ گھر میں تھیں کہ ایک غریب سوداگر آیا اور کہا کہ اپنے سایۂ دیوار کے نیچے مجھ کو سودا بیچنے کی اجازت دیجئے وہ عجیب کشمکش میں مبتلا ہوئیں فیاضی اور کشادہ دلی سے اجازت دینا چاہتی تھی لیکن شوہر کی اجازت کے بغیر اجازت نہیں دے سکتی تھیں، بولیں اگر میں اجازت دیدوں اور زبیرؓ انکار کردیں، تو

[۱] موطائے امام مالک کتاب الزکوۃ باب الزکوۃ فیہ من الحلی والتبر والعنبر [۲] موطائے امام مالک کتاب الزکوۃ باب اموال الیتامیٰ والتجارۃ فیہا [۳] طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت ام سلیمؓ [۴] ایضاً تذکرہ حضرت ام ہانیؓ

مشکل پڑے گی، زبیرؓ کی موجودگی میں آؤ اور مجھ سے سوال کرو" وہ اسی حالت میں آیا اور کہا "یا ام عبداللہ! میں محتاج آدمی ہوں آپ کی دیوار کے سایہ میں کچھ سودا بیچنا چاہتا ہوں بولیں تم کو مدینہ میں میرا ہی گھر ملتا تھا" حضرت زبیرؓ نے کہا تمہارا کیا بگڑتا ہے جو ایک محتاج کو بیع و شراء سے روکتی ہو؛ وہ تو چاہتی ہی تھیں اجازت دیدی[۱]۔ وہ نہایت فیاض تھیں اس لئے صدقہ و خیرات کرنا بہت پسند کرتی تھیں لیکن شوہر کے مال کے سوا ان کے پاس اور کچھ نہ تھا اور شوہر کے مال میں بلا اجازت تصرف نہیں کر سکتی تھیں، مجبوراً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت فرمایا کہ میں زبیرؓ کی آمدنی میں سے کچھ صدقہ کروں تو کیا کوئی گناہ کی بات ہے؟ ارشاد ہوا جو کچھ ہو سکے دو[۲]۔

ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں سے بیعت لی تو ان میں سے ایک خاتون اٹھیں اور کہا کہ ہم اپنے باپ بیٹے اور شوہر کے محتاج ہیں ان کے مال میں سے ہمارے لئے کس قدر لینا جائز ہے؟ آپ نے فرمایا اس قدر کہ کھا پی لو اور ہدیہ دو[۳]۔

اگرچہ یہ وصف عموماً تمام صحابیات میں پایا جاتا تھا لیکن اس باب میں قریش کی عورتیں خاص طور پر ممتاز تھیں، چنانچہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان مبارک سے ان کی اس خصوصیت کو ان الفاظ میں نمایاں کیا،

نعم النساء نساء قریش احناهن	قریش کی عورتیں کس قدر اچھی ہیں، بچوں سے محبت
علی الولد وارعاهن علی الزوج	رکھتی ہیں اور شوہر کے مال و اسباب کی نگرانی کرتی ہیں[۴]

شوہر کی رضا جوئی صحابیات اپنے شوہروں کی رضامندی اور خوشنودی کا نہایت خیال رکھتی تھیں،

حضرت حولاءؓ عطر فروش تھیں ایک بار حضرت عائشہؓ کی خدمت میں آئیں اور کہا کہ میں ہر رات کو خوشبو لگاتی ہوں، بناؤ سنگار کر کے دلہن بنجاتی ہوں اور خالصۃً لوجہ اللہ اپنے شوہر کے پاس جا کر سو رہتی ہوں لیکن اس پر بھی وہ متوجہ نہیں ہوتے اور منہ پھیر لیتے ہیں، پھر ان کو متوجہ کرتی ہوں اور وہ اعراض کرتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آئے، تو آپ سے بھی اس کا ذکر کیا آپ نے فرمایا "جاؤ اور اپنے شوہر کی اطاعت کرتی رہو[۵]"

[۱] مسلم کتاب الآداب باب جواز ارداف المراۃ الاجنبیہ اذا اعیت فی الطریق [۲] مسلم کتاب الزکوٰۃ باب الحث فی الصدقہ ولو بالقلیل [۳] ابوداؤد کتاب الزکوٰۃ باب المراۃ تصدق من بیت زوجہا [۴] ... [۵] اسد الغابہ تذکرہ حضرت حولاءؓ

ایک روز آپ نے حضرت عائشہؓ کے ہاتھ میں چاندی کے چھلے دیکھے تو فرمایا عائشہؓ یہ کیا ہے؟ بولیں میں نے اس کو اس لئے بنایا ہے کہ آپ کے لئے بناؤ سنگار کروں[1]

ایک صحابیہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئیں ان کے ہاتھ میں سونے کے کنگن تھے، آپؐ نے ان کو پہننے سے منع فرمایا، بولیں "اگر عورت شوہر کے لئے بناؤ سنگار نہ کرے گی تو اس کی نگاہ سے گر جائے گی[2]

شوہر کی محبت | صحابیات اپنے شوہروں سے نہایت محبت رکھتی تھیں حضرت زینبؓ کی شادی ابوالعاص سے ہوئی تھی وہ حالتِ کفر میں تھے کہ بدر کا معرکہ پیش آگیا، اور وہ گرفتار ہو گئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسیرانِ جنگ کو فدیہ لے کر رہا کرنا چاہا تو حضرت زینبؓ نے اپنا ایک یادگار ہار، جس کو حضرت خدیجہؓ نے ان کو رخصتی کے وقت دیا تھا، ابوالعاص کے فدیہ میں بھیج دیا[3]

حضرت حمنہ بنت جحشؓ کو اپنے شوہر کی شہادت کا حال معلوم ہوا تو فرطِ محبت سے چیخ اٹھیں[4]

حضرت عمرؓ کو اہل وعیال کے ساتھ بہت زیادہ شغف نہ تھا تاہم ان کی بی بی حضرت عاتکہ روزے کے دنوں میں بھی فرطِ محبت سے ان کے سر کا بوسہ لیتی تھیں[5]

حضرت عاتکہؓ کو اپنے پہلے شوہر حضرت عبداللہ بن ابی بکرؓ سے نہایت محبت تھی چنانچہ جب وہ طائف میں شہید ہوئے تو حضرت عاتکہؓ نے ایک پردرد مرثیہ لکھا جس کا ایک شعر یہ ہے،

فالیت لا تنفك عینی حزینة علیك ولا ینفك جلدی اغبرا

میں نے قسم کھائی ہے کہ تیرے غم میں میری آنکھ ہمیشہ پرنم اور جسم ہمیشہ غبار آلود رہے گا،

اس کے بعد حضرت عمرؓ نے ان سے شادی کی، دعوتِ ولیمہ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ بھی شریک تھے انہوں نے عاتکہ کو یہ شعر یاد دلایا تو رو پڑیں، حضرت عمرؓ کی شہادت ہوئی تو ان کا بھی نہایت پردرد مرثیہ لکھا اس کے بعد اُن سے حضرت زبیرؓ نے شادی کی اور وہ بھی شہید ہوئے تو عاتکہ نے ان کا بھی مرثیہ لکھا[6]

شوہر کی خدمت | صحابیات شوہر کی خدمت نہایت دل سوزی کے ساتھ کرتی تھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] ابوداؤد کتاب الزکوٰۃ باب الکنز ما ھو و زکوٰۃ الحلی [2] نسائی کتاب الزینۃ [3] ابوداؤد کتاب الجہاد فداء الاسیر بالمال [4] سنن ابن ماجہ کتاب الجنائز باب ماجاء فی البکاء علی المیت [5] موطا کتاب الصیام باب ماجاء فی الرخصۃ فی القبلۃ للصیام [6] اسد الغابہ تذکرۂ عاتکہؓ بنت زید،

کمال طہارت کی وجہ سے مسواک کو بار بار دھلوایا کرتے تھے اور اس پاک خدمت کو حضرت عائشہؓ ادا فرماتی تھیں[1] ایک بار آپ کمبل اوڑھ کر مسجد میں آئے ایک صحابی نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس پہ دھبہ نظر آتا ہے، آپ نے اس کو غلام کے ہاتھ حضرت عائشہؓ کے پاس بھیجدیا، حضرت عائشہؓ نے کٹورے میں پانی منگایا خود اپنے ہاتھ سے دھویا اور خشک کیا اور اس کے بعد آپ کے پاس بھیجدیا[2] جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احرام باندھتے یا احرام کھولتے تھے، تو حضرت عائشہؓ جسم مبارک میں خوشبو لگاتی تھیں[3] جب آپ خانہ کعبہ کی ہدی بھیجتے تھے تو وہ ان کے گلے کا قلادہ بٹتی تھیں[4]

صحابۂ کرام جب تمام دنیا کی خدمت و اعانت سے محروم ہو جاتے تھے تو اس بے کسی کی حالت میں صرف ان کی بی بیاں ان کا ساتھ دیتی تھیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تخلف غزوۂ تبوک کی بنا پر حضرت ہلال بن امیہؓ سے ناراض ہوئے اور اخیر میں تمام مسلمانوں کی طرح ان کی بی بی کو بھی تعلقات کے منقطع کر لینے کا حکم دیا، تو وہ حاضر خدمت ہوئیں اور کہا کہ وہ بوڑھے آدمی ہیں، ان کے پاس نوکر چاکر نہیں اگر میں ان کی خدمت کروں تو آپ ناپسند فرمائیں گے ارشاد ہوا "نہیں،،[5]

عورت کتنی ہی اطاعت گذار اور فرماں بردار ہو لیکن اگر اس سے تعلقات منقطع کر لئے جائیں تو وہ شوہر کی طرف مائل نہیں ہو سکتی، لیکن صحابیات نے اس فطرتی اصول کو بھی توڑ دیا تھا ایک صحابی نے اپنی بی بی سے ظہار کیا یعنی ایک مدت معینہ کے لئے اُن کو اپنے اوپر حرام کر لیا تاہم اس حالت میں بھی وہ ان کی خدمت گذاری میں مصروف رہتی تھیں،

---

[1] ابوداؤد کتاب الطہارۃ باب غسل السواک [2] ایضاً باب الاعادہ من النجاستہ یکون فی الثواب [3] ابوداؤد کتاب المناسک باب الطیب عند الاحرام [4] ایضاً باب من بعث بہدیہ [5] بخاری کتاب المغازی باب غزوۂ تبوک

طرز معاشرت

عسرت و افلاس ابتدائے اسلام میں صحابیات نہایت فقر و فاقہ اور عسرت و افلاس کے ساتھ زندگی بسر کرتی تھیں جس کا اثر ان کے لباس، مکان، اثاث البیت اور سامانِ آرائش غرض ہر چیز سے ظاہر ہوتا تھا،

لباس صحابیات کو کپڑوں کی نہایت تکلیف تھی، حضرت فاطمہؓ جگر گوشہ رسول کی چادر اس قدر چھوٹی تھی کہ ایک بار انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ادب و حیا سے جسم کے ہر حصہ کو چھپانا چاہا لیکن ناکامیابی ہوئی، سر ڈھکتی تھیں تو پاؤں کھل جاتے تھے، پاؤں ڈھکتی تھیں تو سر کھل جاتا تھا [۱]

بعض صحابیات کو تو چادر بھی میسر نہ تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابیات کو عید گاہ میں جانے کی اجازت دی تو ایک صحابیہ نے کہا کہ اگر کسی عورت کے پاس چادر نہ ہو تو وہ کیا کرے؟ ارشاد ہوا کہ اس کو دوسری عورت اپنی چادر اڑھا لے [۲]

شادی بیاہ میں دلہن کے لئے غریب سے غریب آدمی بھی اچھا جوڑا مہیا کرتا ہے لیکن صحابیات کو معمولی جوڑا بھی میسر نہ تھا حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ میرے پاس گاڑھے کی ایک کرتی تھی، شادی بیاہ میں جب کوئی عورت سنواری جاتی تھی تو وہ مجھ سے اس کو مستعار منگوا لیتی تھی [۳]

مکان عسرت و افلاس کی وجہ سے صحابیات کے مکان نہایت مختصر پست اور کم حیثیت ہوتے تھے گھروں میں جائے ضرورت تک نہ تھی [۴] اس لئے راتوں کو صحرا میں جانا پڑتا تھا دروازوں

---

[۱] ابوداؤد کتاب اللباس باب فی العبد ینظر الی شعر مولاتہ [۲] سنن ابن ماجہ کتاب الصلوٰۃ باب ما جاء فی خروج النساء فی العیدین [۳] بخاری کتاب الہبہ باب الاستعارۃ للعروس عند البناء [۴] بخاری قصۃ الافک،

پر پردے نہ تھے[1] راتوں کو جلانے کے لئے چراغ تک میسر نہ تھا[2]

اثاث البیت صحابیات کے گھروں میں نہایت مختصر سامان ہوتے تھے، یہاں تک کہ میاں بی بی دونوں کے لئے صرف ایک بچھونا ہوتا تھا[3] اور وہ بھی کھجور کے پتوں سے بنایا جاتا تھا۔

زیورات صحابیات نہایت معمولی اور سادہ زیور استعمال کرتی تھیں احادیث کی کتابوں کے تتبع واستقرار سے بازوبند، کڑے، بالی، ہار، انگوٹھی اور چھلے کا پتہ چلتا ہے لونگ کا ہار بھی پہنتی تھیں جن کو عربی میں سخاب کہتے ہیں، حضرت عائشہؓ کا ایک ہار جو سفر میں گم ہوگیا تھا وہ مہرۂ یمانی کا تھا[4]

سامانِ آرائش صحابیات سرمہ اور مہندی کا استعمال بھی کرتی تھیں، زچہ خانہ سے نکلتی تھیں تو منہ پر ورس (ایک قسم کی سرخ گھاس کا نام ہے) کا غازہ ملتی تھیں کہ چہرہ سے داغ دھبے مٹ جائیں[5] خوشبو میں زعفران عطر اور سک کا استعمال کرتی تھیں، سک ایک قسم کی خوشبو ہے جو ماتھے پر لگائی جاتی ہے۔

اپنا کام خود کرنا صحابیات خانہ داری کے کاموں کو خود اپنے ہاتھ سے انجام دیتی تھیں اور اس میں سخت سے سخت تکلیفیں برداشت کرتی تھیں حضرت فاطمہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوب ترین صاحبزادی تھیں لیکن چکی پیستے پیستے ہاتھوں میں چھالے پڑ گئے تھے مشکیزے میں پانی لاتے لاتے سینہ داغدار ہو گیا تھا، جھاڑو دیتے دیتے کپڑے چیکٹ ہو گئے تھے[6]

ازواجِ مطہراتؓ باری باری گھر کا کام دھندھا خود کرتی تھیں، ایک دن حضرت عائشہؓ کی باری تھی، جو پیسے اور اس کی روٹی پکائی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتظار شروع کیا آپ کے آنے میں دیر ہوگئی تو سو گئیں، آپ آئے تو جگایا[7] حضرت اسماءؓ حضرت ابوبکرؓ کی صاحبزادی تھیں اور ان کی شادی حضرت زبیرؓ سے ہوئی تھی وہ اس قدر مفلس تھے کہ ایک گھوڑے کے سوا گھر میں کچھ نہ تھا حضرت اسماءؓ خود باغوں میں جا جا کر گھوڑے کے لئے گھاس لاتی تھیں حضرت ابوبکرؓ نے سائیسی کے لئے ایک غلام بھیجا تو انہوں نے اس خدمت سے نجات پائی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زبیرؓ کو ایک قطعہ زمین بطور جاگیر کے دیا تھا، جو مدینہ سے تین فرسخ دور تھا، حضرت اسماءؓ روز وہاں جاتیں اور

---

[1] ابوداؤد کتاب الادب باب الاستیذان فی العورات الثلاث [2] صحیح بخاری [3] ابوداؤد کتاب الطہارت باب فی الرجل یصیب منہا مادون الجماع [4] ایضاً باب فی التیمم [5] ایضاً باب ماجاء فی وقت النفساء [6] کتاب الخراج والامارہ باب فی بیان مواضع قسم الخمس وسہم ذی القربیٰ [7] ادب المفرد باب لا یوذی جارہ

وہاں سے کھجور کی گٹھلیاں اپنے سر پر لاتیں، اور ان کو کوٹ کر ان کی پانی کھینچنے والی اونٹنی کو کھلاتیں،

گھر کے معمولی کاروبار ان کے علاوہ تھے خود پانی لاتیں، مشک پھٹ جاتی تو اس کو سیتیں، آٹا گوندھتیں، روٹی پکاتیں[1] گھر کے کام دھندے کے علاوہ صحابیات بعض صنعتی کام بھی کرتی تھیں

حضرت سودہؓ طائف کی ادھوڑی بناتی تھیں جس کی وجہ سے ان کی مالی حالت تمام ازواج مطہرات سے بہتر تھی[2] بعض صحابیہؓ کپڑے بنتی تھیں[3]

پردہ | عہد نبوت میں اگرچہ اس زمانہ کا سا سخت پردہ رائج نہ تھا، تاہم عورتیں بالکل بے پردہ اور آزاد بھی نہ تھیں،

محفہ میں سفر کرتی تھیں[4] نقاب پوش رہتی تھیں[5] اور غیر محرم سے پردہ کرتی تھیں حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حجۃ الوداع کے زمانہ میں جب لوگ ہمارے سامنے سے گذرتے تھے تو ہم چہرے پر چادر ڈال لیتے تھے، لوگ گذر جاتے تھے تو پھر منہ کھول دیتے تھے[6]

ایک بار حضرت افلح بن ابی القیسؓ حضرت عائشہؓ کی ملاقات کو آئے وہ پردہ میں چھپ گئیں بولے "تم مجھ سے پردہ کرتی ہو میں تو تمہارا چچا ہوں" بولیں کیونکر؟ بولے میرے بھائی کی بی بی نے تم کو دودھ پلایا ہے، بولیں "مرد نے تو دودھ نہیں پلایا"[7]

ایک صحابیہؓ کا بیٹا شہید ہوا۔ وہ نقاب پہن کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئیں صحابہ کرام نے ان کو دیکھ کر کہا بیٹے کی شہادت کا حال پوچھنے آئی ہو اور نقاب پوش ہو کر؟ بولیں میں نے اپنے بیٹے کو کھو دیا ہے، شرم و حیا کو تو نہیں کھویا[8]

ہمارے زمانہ میں پردہ ایک رسمی چیز ہے، مثلاً ایک عورت کسی محرم سے رسماً پردہ کرتی ہے تو اس سے لازمی طور پر ہمیشہ پردہ کرے گی، لیکن دو چار بار کسی نامحرم کے سامنے آنے کا اتفاق ہو گیا، تو

---

[1] مسلم کتاب الآداب باب جواز ارداف المرأۃ الاجنبیۃ اذا اعیت فی الطریق و بخاری کتاب النکاح [2] اسد الغابہ تذکرہ خلیسہ [3] بخاری کتاب البیوع باب النساء [4] ابوداؤد کتاب المناسک باب فی الصبی الحج [5] ابوداؤد کتاب المناسک ما تلبس المحرم [6] ابوداؤد کتاب المناسک باب فی المحرم التغطی وجہہا، [7] ابوداؤد کتاب النکاح باب ذ لبن الفحل [8] ابوداؤد کتاب الجہاد باب فضل قتال الروم علی غیرہم من الامم،

پھر اس کے لئے پردہ کے تمام قیود ٹوٹ جائیں گے لیکن صحابیات رسمی پردے کی پابند نہ تھیں، ان کا پردہ بالکل شرعی تھا، اگر شریعت اجازت دیتی تھی، تو وہ کسی کے سامنے آتی تھیں اور جب شرعی مواقع پیدا ہو جاتے تھے، تو اس سے پردہ کرنے لگتی تھیں، حضرت عائشہؓ کا مذہب ہے کہ غلاموں سے پردہ ضروری نہیں، اس لئے وہ حضرت ابو عبداللہ سالمؓ کے سامنے جو نہایت متدین غلام تھے آتی تھیں اور اُن سے بے تکلف باتیں کرتی تھیں ایک دن وہ آئے اور کہا کہ "خدا نے آج مجھے آزاد کر دیا چونکہ اب وہ غلام باقی نہیں رہے، اس لئے حضرت عائشہؓ نے پردہ گرا دیا اور عمر پھر ان کے سامنے نہ ہوئیں[1]

معاملات

ادائے قرض کا خیال حضرت عائشہؓ اکثر قرض لیا کرتی تھیں، اُن سے پوچھا گیا کہ آپ قرض کیوں لیتی ہیں؟ بولیں کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو بندہ قرض کے ادا کرنے کی نیت رکھتا ہے خدا اپنی جانب سے اس کے لئے مددگار مقرر کر دیتا ہے تو میں اسی مددگار کی جستجو کرتی ہوں[2]

قرض کا ایک حصہ معاف کر دینا حضرت ام سلمہؓ نے ایک غلام کو مکاتب بنایا، اُس نے جب بدل کتابت ادا کرنا چاہا تو کہا کہ اس میں کچھ کمی کر دیجئے، انہوں نے کم کر دیا[3]

تقسیم وراثت میں دیانت حضرت ابو بکرؓ نے حضرت عائشہؓ پر چند کھجور کے درخت ہبہ کئے تھے لیکن اب تک ان کا قبضہ نہیں ہوا تھا اس لئے ہبہ نامکمل تھا حضرت ابو بکرؓ کا انتقال ہونے لگا تو کہا کہ میں نے تم پر جو درخت ہبہ کئے تھے، اگر تمہارا ان پر قبضہ ہو جاتا، تو وہ تمہاری ملک ہو جاتے لیکن آج ▪▪ میرے ترکہ میں داخل ہیں جس کے وارث تمہارے بھائی اور بہنیں ہیں اس لئے کتاب اللہ کے موافق باہم تقسیم کر لو، حضرت عائشہؓ بولیں کہ اگر اس سے بھی زیادہ مال ہوتا تو میں چھوڑ دیتی[4]

---

[1] نسائی کتاب الطہارۃ باب مسح المرأۃ راسہا،

[2] مسند ابن حنبل جلد ۶ ص ۹۹ [3] طبقات ابن سعد تذکرۂ مصباح بن سرجس [4] موطائے امام مالک کتاب الاقضیہ باب مالا یجوز من النحل

خدمات

سیاسی خدمات میں صحابیات کی کوئی قابل الذکر خدمت نہیں ہے صرف اصابہ میں تذکرۂ شفاؓ بنت عدویہ میں اس قدر لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ ان کی رائے کو مقدم سمجھتے تھے ان کی عزت کرتے تھے اور بازار کی بعض خدمتیں بھی ان سے متعلق تھیں، لیکن سیاسی خدمات کے علاوہ صحابیات نے اسلام کی ہر ممکن خدمت کی ہے جس کی تفصیل ذیل کے عنوانات سے معلوم ہوگی،

مذہبی خدمات

اشاعت اسلام مذہبی خدمات میں اشاعت اسلام سب سے اہم ہے اور اس میں ابتدائے اسلام ہی سے صحابیات کی مساعی جمیلہ کا کافی حصہ شامل ہے چنانچہ حضرت ام شریکؓ ایک صحابیہ تھیں جو آغاز اسلام میں مخفی طور پر قریش کی عورتوں کو اسلام کی دعوت دیا کرتی تھیں قریش کو ان کی مخفی کوششوں کا حال معلوم ہوا تو ان کو مکہ سے نکال دیا[1]

ایک غزوہ میں صحابہ کرام پیاس سے بیتاب ہوکر پانی کی تلاش میں نکلے تو حسن اتفاق سے ایک عورت مل گئی جس کے ساتھ پانی کا ایک مشکیزہ تھا، صحابہ اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے اور آپ کی اجازت سے پانی کو استعمال کیا اگرچہ آپ نے اسی وقت اس کو پانی کی قیمت دلوادی تاہم صحابہ پر اس کے احسان کا یہ اثر تھا کہ جب اس عورت کے گاؤں کے آس پاس حملہ کرتے تو خاص اس کے گھرانے کو چھوڑ دیتے تھے، اس پر صحابہ کرام کی اس منت پذیری کا یہ اثر ہوا کہ اس نے اپنے تمام خاندان کو قبول اسلام پر آمادہ کیا اور وہ سب کے سب مسلمان ہو گئے[2]

---

[1] اسد الغابہ تذکرہ حضرت ام شریکؓ [2] بخاری کتاب الغسل باب الصعید الطیب وضوء المسلم

حضرت ام حکیم بنت الحارث کی شادی عکرمہ بن ابی جہل سے ہوئی تھی وہ خود تو فتح مکہ کے دن اسلام لائیں لیکن ان کے شوہر بھاگ کر یمن چلے گئے حضرت ام حکیمؓ نے یمن کا سفر کیا اور اُن کو دعوتِ اسلام دی وہ مسلمان ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ دیکھ کر خوشی سے اچھل پڑے۔[۱]

حضرت ابو طلحہؓ نے حالت کفر میں حضرت ام سلیمؓ سے نکاح کرنا چاہا لیکن انہوں نے کہا تم کافر ہو اور میں مسلمان نکاح کیونکر ہو سکتا ہے؟ اگر اسلام قبول کر لو تو وہی میرا مہر ہو گا اس کے سوا تم سے کچھ نہ مانگونگی؛ چنانچہ وہ مسلمان ہو گئے اور اسلام ہی ان کا مہر قرار پایا۔[۲]

نومسلموں کا تکفل ابتدائے اسلام میں جو لوگ اسلام لاتے تھے ان کو مجبوراً اپنے گھر بار، اہل و عیال اور مال و جائداد سے کنارہ کش ہونا پڑتا تھا اس بنا پر اس وقت اشاعتِ اسلام کے ساتھ اسلام کی سب سے بڑی خدمت یہ تھی کہ ان نومسلموں کی کفالت کی جائے اور صحابیات اس میں نمایاں حصہ لیتی تھیں چنانچہ حضرت ام شریکؓ کا گھر ان نومسلموں کے لئے گویا مہمان خانہ بن گیا تھا یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ بنتؓ قیس کو ان کے یہاں صرف اس بنا پر عدت بسر کرنے کی اجازت نہیں[۳] دی کہ ان کے گھر مہمانوں کی کثرت سے پردہ کا انتظام نہیں ہو سکتا تھا، حضرت درّہؓ بنت لہب بھی نہایت فیاض تھیں اور مسلمانوں کو کھانا کھلایا کرتی تھیں۔[۴]

خدمتِ مجاہدین جس طرح صحابہ کرامؓ بہ شوق غزوات میں شریک ہوتے تھے اسی طرح صحابیاتؓ بھی خدا کی راہ میں ان سے پیچھے نہیں رہنا چاہتی تھیں ان کے لئے سب سے زیادہ موزوں کام زخمیوں کی مرہم پٹی اور مجاہدین کے آرام و آسائش کا سامان بہم پہنچانا تھا اور وہ اس خدمت کو نہایت خلوص اور دل سوزی سے انجام دیتی تھیں غزوۂ خیبر میں متعدد صحابیات شریک جہاد ہوئیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کا حال معلوم ہوا تو ناراضی کے لہجے میں پوچھا تم کس کے ساتھ اور کس کی اجازت سے آئی ہو؟ بولیں یا رسول اللہ! ہم اون کاتتے ہیں اور اس سے خدا کی راہ میں اعانت کرتے ہیں ہمارے ساتھ زخمیوں

---

[۱] موطائے امام مالک کتاب النکاح باب نکاح المشرک اذا اسلمت زوجتہ قبلہ [۲] اسد الغابہ تذکرۂ حضرت زید بن سہل بن اسودؓ [۳] مسلم کتاب الطلاق باب المطلقۃ ثلاثۃ لا نفقۃ لہا و کتاب الفتن و اشراط الساعۃ باب فی خروج الدجال [۴] اصابہ تذکرۂ درہ،

کے دوا علاج کا سامان ہے لوگوں کو تیر اٹھا اٹھا کر دیتے ہیں اور ستو گھول گھول کر پلاتے ہیں [1]

حضرت ام عطیہؓ ایک صحابیہ تھیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سات لڑائیوں میں شریک ہوئیں وہ مجاہدین کے اسباب کی نگرانی کرتی تھیں کھانا پکاتی تھیں مریضوں کی مرہم پٹی کرتی تھیں [2]

غزوہ احد میں خود حضرت عائشہؓ شریک تھیں اور وہ اور حضرت ام سلیمؓ اپنی پیٹھ پر مشک لاد کر لاتی تھیں اور لوگوں کو پانی پلاتی تھیں [3]

حضرت ربیع بنت معوذؓ کا بیان ہے کہ ہم سب غزوات میں شریک ہوئے تھے، پانی پلاتے تھے، مجاہدین کی خدمت کرتے تھے اور مدینہ تک زخمیوں اور لاشوں کو اٹھا اٹھا کر لاتے تھے [4]

حضرت رفیدہؓ نے مسجد نبویؐ میں خیمہ کھڑا کر رکھا تھا جو لوگ زخمی ہو کر آتے تھے وہ اسی خیمے میں ان کا علاج کرتی تھیں چنانچہ حضرت سعد بن معاذؓ غزوہ خندق میں زخمی ہوئے تو ان کا علاج اسی خیمہ میں کیا گیا [5]

صحابیاتؓ کی یہ خدمات خود صحابہ کرامؓ کے زمانہ میں نہایت قابل قدر خیال کی جاتی تھیں، اور خود خلفاء بھی ان کا لحاظ رکھتے تھے چنانچہ ایک بار حضرت عمرؓ نے مدینہ کی عورتوں میں چادر تقسیم فرمائی ایک عمدہ چادر رہ گئی تو کسی نے کہا کہ اپنی بی بی ام کلثوم کو دیدیجئے بولے ام سلیطؓ اس کی زیادہ مستحق ہیں کیونکہ وہ غزوہ احد میں مشک بھر بھر کر پانی لاتی تھیں اور ہم کو پلاتی تھیں [6]

خدمات مساجد | صحابیات مساجد کی صفائی میں نہایت اہتمام کرتی تھیں ایک بار کسی نے مسجد نبویؐ میں تھوک دیا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا تو اس قدر برہم ہوئے کہ چہرۂ مبارک سرخ ہو گیا ایک صحابیہ اٹھیں اور اس کو مٹا دیا اور اس جگہ خوشبو لگائی آپ نہایت خوش ہوئے اور فرمایا کہ خوب کام کیا [7]

ایک صحابیہ تھیں جو ہمیشہ مسجد نبویؐ میں جھاڑو دیا کرتی تھیں یہ ایک ایسا نیک کام تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی نہایت قدر فرمائی چنانچہ جب ان کا انتقال ہوا تو صحابہ کرامؓ نے ان کو راتوں رات

---

[1] ابو داؤد کتاب الجہاد باب فی المراۃ والعبد یحذیان من الغنیمۃ [2] مسلم کتاب الجہاد باب النساء الغازیات یرضخ لہن ولا یسہم والنہی عن قتل صبیان اہل الحرب [3] ایضاً باب غزوۃ النساء مع الرجال [4] بخاری کتاب الجہاد باب رد النساء الجرحیٰ والقتلیٰ [5] اصابہ تذکرۂ رفیدہؓ [6] بخاری کتاب الجہاد باب حمل النساء القرب الی الناس فی الغزو [7] نسائی کتاب الصلوٰۃ باب تخلیق المسجد

دفن کر دیا اور آپ کو اس کی اطلاع نہ دی، آپ کو معلوم ہوا تو فرمایا کہ مجھے کیوں نہیں خبر کی بولے حضور استراحت فرما رہے تھے، ہم نے تکلیف دینا گوارا نہیں کیا[۱]

بدعات کا استیصال بدعت مذہب کے لئے بمنزلۂ گھن کے ہے، اس لئے باا ثر صحابیات ہمیشہ اس بات کی کوشش کرتی تھیں کہ نخلِ اسلام میں گھن نہ لگنے پائے مثلاً مسلمانوں میں غلافِ کعبہ کی جو عزت وحرمت قائم ہے اس کا نتیجہ یہ ہے کہ جب نیا غلاف چڑھایا جاتا ہے تو پرانا غلاف چرا چھپا کر خادموں کو کچھ دے دلا کر لے لیتے تھے اس کو تبرک سمجھ کر لے آتے تھے اور مکانوں میں رکھتے ہیں دوستوں کو بطور سوغات کے تقسیم کرتے ہیں قرآن ان میں رکھتے ہیں، مسجدوں میں لٹکاتے ہیں اور مریض کو اس سے ہوا دیتے ہیں لیکن قرن اول میں یہ حالت نہ تھی متولی کعبہ صرف یہ کرتا تھا کہ غلاف کو زمین میں دفن کر دیتا تھا کہ وہ ناپاک انسانوں کے کام کا نہ رہے شیبہ بن عثمانؓ نے جو اس زمانہ میں کعبہ کے کلید بردار تھے حضرت عائشہؓ سے اس واقعہ کو بیان کیا تو انہوں نے سمجھ لیا کہ یہ تعظیم غیر شرعی ہے، خدا اور رسول نے اس کا حکم نہیں دیا اور ممکن ہے کہ آئندہ اس سے سوءِ اعتقاد اور بدعات کا سرچشمہ پھوٹے اس لئے شیبہ سے کہا کہ "یہ تو اچھی بات نہیں تم برا کرتے ہو جب غلاف کعبہ سے اتر گیا اور کسی نے اس کو ناپاکی کی حالت میں استعمال بھی کر لیا تو کوئی مضائقہ نہیں، تم کو چاہئے کہ اس کو بیچ ڈالا کرو اور اس کی قیمت غریبوں اور مسافروں کو دے دیا کرو[۲]

احتساب جو چیز مذہب واخلاق کو صحیح اصول پر قائم رکھتی ہے شریعت کی اصطلاح میں اس کا نام احتساب ہے، اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے تین درجے مقرر فرما دیئے ہیں،

من رای منکم منکرا فلیغیر بیده فان لم یستطع فبلسانه فان لم یستطع فبقلبه وذالك اضعف الایمان۔ (مسلم)	تم سے جو شخص کسی برائی کو دیکھے اس کو اپنے ہاتھ سے مٹا دے اگر اس میں اس کی طاقت نہیں ہے تو زبان سے اس کا انکار کرے اور اگر یہ بھی نہیں کر سکتا تو دل سے اس کو برا سمجھے اور یہ ایمان کا ضعیف ترین درجہ ہے،

اور باا ثر صحابیات نے پہلے دونوں طریقوں سے اس مذہبی خدمت کو انجام دیا ہے ایک دفعہ

[۱] سنن ابن ماجہ کتاب الجنائز باب ماجاء فی الصلوٰۃ علی القبر [۲] عین الاصابہ بحوالہ سنن بیہقی،

حضرت عائشہؓ ایک گھر میں مہمان اتریں، میزبان کی دو لڑکیوں کو جو جوان ہو چلی تھیں دیکھا کہ بے چادر اوڑھے نماز پڑھ رہی ہیں تاکید کی کہ آئندہ کوئی لڑکی بے چادر اوڑھے ہوئے نماز نہ پڑھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی فرمایا ہے[۱]

ایک دفعہ ان کے بھائی عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ ان کے پاس آئے اور معمولی طور پر جھٹ پٹ وضو کر کے چلے، حضرت عائشہؓ نے ٹوکا کہ عبدالرحمٰن وضو اچھی طرح کیا کرو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو میں نے کہتے ہوئے سنا ہے کہ وضو میں جو عضو نہ بھیگے اس پر جہنم کی پھٹکار ہے[۲]

ایک بار انہوں نے ایک عورت کو دیکھا کہ اس کی چادر میں صلیب کے نقش و نگار بنے ہوئے ہیں دیکھنے کے ساتھ ڈانٹا کہ یہ چادر اتار دو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسے کپڑوں کو دیکھتے تھے تو پھاڑ ڈالتے تھے[۳]

ایک بار ان کی بھتیجی حفصہ بنت عبدالرحمٰن نہایت باریک دوپٹہ اوڑھ کر سامنے آئیں، دیکھنے کے ساتھ ہی غصہ سے دوپٹہ کو چاک کر دیا پھر فرمایا، تم نہیں جانتیں کہ سورۂ نور میں خدا نے کیا احکام نازل فرمائے ہیں اس کے بعد گاڑھے کا دوپٹہ منگوا کر اوڑھایا[۴]

اخلاقی خدمات

نرد بازی کی روک ٹوک فتوحات عجم کے بعد عرب میں نرد بازی، شطرنج بازی اور مرغ بازی وغیرہ کا رواج ہوا، تو صحابیات نے اس پر شدت کے ساتھ دار و گیر کی چنانچہ حضرت عائشہؓ کے گھر میں کچھ کرایہ دار رہتے تھے ان کی نسبت ان کو معلوم ہوا کہ وہ نرد کھیلتے ہیں تو سخت برافروختہ ہوئیں اور کہلا بھیجا کہ اگر نرد کی گوٹیوں کو میرے گھر سے باہر نہ پھینک دو گے، تو میں اپنے گھر سے نکلوا دوں گی[۵]

شراب خواری کی روک ٹوک فتح عجم کے بعد اہل عرب شراب کے جدید اقسام و نام سے آشنا ہوتے جنمیں ایک باذق تھا (یعنی بادہ) چونکہ عربی میں شراب کو خمر کہتے ہیں اور اس کا اطلاق صرف انگوری شراب پر ہوتا ہے اس بنا پر لوگوں کو شبہ تھا کہ ان شرابوں کا کیا حکم ہے؟ لیکن حضرت عائشہؓ نے اپنی

---

[۱] مسند جلد ۶ ص ۹۶ [۲] ایضاً ص ۲۸۵ [۳] مسند جلد ۶ ص ۱۴۰ [۴] موطا امام مالک کتاب اللباس [۵] ادب المفرد باب الادب واخراج الذین یلعبون بالنرد،

مجلس میں بالاعلان کہدیا کہ شراب کے برتنوں میں چھوہارے تک نہ بھگوئے جائیں پھر عورتوں کی طرف خطاب کرکے کہا اگر تمہارے مٹکوں کے پانی سے بھی نشہ آئے تو وہ بھی حرام ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر منشی چیز سے منع فرمایا ہے[1]

مصنوعی بال لگانے کی ممانعت قدیم زمانہ میں یہودیہ عورتوں میں جو بداخلاقیاں پھیل گئی تھیں ان میں ایک یہ تھی کہ جن عورتوں کے بال جھڑ جاتے تھے وہ مصنوعی بال لگا دیتی تھیں لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمان عورتوں کو اس کی ممانعت فرمادی تھی آپکے بعد جب مسلمان عورتوں نے بھی یہی روش اختیار کی تو صحابیات نے اس پر شدت سے روک ٹوک کی، چنانچہ ایک دفعہ کسی عورت نے حضرت عائشہؓ سے کہا کہ "میری بیٹی دلہن بنی ہے لیکن بیماری سے اس کے بال جھڑ گئے ہیں، کیا مصنوعی بال جوڑ دوں"؟ فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قسم کی عورتوں پر لعنت بھیجی ہے[2]

علمی خدمات

علم تفسیر قرآن مجید ایک ایسی مقدس اور ایک ایسی بزرگ ترین کتاب ہے کہ اگر اس کی ایک آیت بھی کسی کی شان میں نازل ہوجائے تو وہ اس کے شرف کے لئے کافی ہے چنانچہ حضرت زینبؓ کے نکاح کے متعلق قرآن مجید کی جو آیت نازل ہوئی تھی اس پر وہ فخر کیا کرتی تھیں،

ایک سفر میں حضرت عائشہؓ کا ایک ہار گم ہوگیا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تلاش میں چند صحابہ کو بھیجا، وہ اس کی تلاش میں نکلے تو راستے میں نماز کا وقت ہوگیا اور لوگوں نے بغیر وضو کے نماز پڑھی واپس آئے تو آپ سے اس کی شکایت کی، اس پر آیت تیمم نازل ہوئی، حضرت اسید بن حضیرؓ نے اس کو حضرت عائشہؓ کی بڑی فضیلت سمجھا اور ان کی طرف مخاطب ہوکر کہا،

جزاک اللہ خیرا فو اللہ ما نزل	خدا تم کو جزائے خیر دے تم کو کوئی ایسا حادثہ
بک امر قط الا جعل اللہ لک منہ	پیش نہیں آیا جس سے خدا نے تمہارے نکلنے کا راستہ
مخرجا وجعل المسلمین فیہ برکۃ	نہیں بتایا اور مسلمانوں کے لئے وہ ایک برکت بن گیا

[1] سنن نسائی کتاب الخمر [2] مسند جلد ۶ ص ۱۱۱ و بخاری کتاب النکاح باب استعارۃ الثیاب للعروس وغیرہا،

حضرت عبادہ بن صامتؓ کی بی بی حضرت خولہؓ کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی تھی،

قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِیْ تُجَادِلُكَ (مجادلہ) خدا نے اس عورت کی بات سن لی جو تم سے جھگڑتی تھی،

اوراس نے ان کے رتبے کو اس قدر بلند کر دیا تھا کہ ایک بار حضرت عمرؓ مسجد سے آرہے تھے راہ میں ان سے ملاقات ہوگئی اور انہوں نے ان کو سلام کیا بولیں "اے عمرؓ میں نے تمہارا وہ زمانہ دیکھا ہے جب تم کو لوگ بازار عکاظ میں عمیر کہتے تھے اور اب تو تمہارا لقب امیر المومنین ہے پس رعایا کے معاملے میں خدا سے ڈرو اور یقین کرو کہ جو شخص عذاب الٰہی سے ڈرے گا اس پر بعید قریب ہو جائے گا اور جو موت سے ڈریگا اس کو فوت ہو جانے کا خوف لگا رہے گا" ایک شخص جو ساتھ میں تھے بولے بی بی تم نے تو امیر المومنین کو بہت کچھ کہہ ڈالا لیکن حضرت عمرؓ نے فرمایا، جانے دو یہ خولہ بنت حکیمؓ ہیں اور عبادہ بن صامتؓ کی بی بی ہیں اللہ تعالیٰ نے سات آسمان کے اوپر سے ان کی بات سن لی تھی، پھر عمرؓ کو تو اور سننا چاہیے،[1]

لیکن جس کتاب کی ایک آیت بھی انسانی شرف وعزت کے لئے کافی ہے اس کا ایک خاص حصہ صحابیات کے متعلق نازل ہوا ہے یعنی ایک مستقل سورہ (نساء) خاص طور پر صحابیات کے احکام ومعاملات کے متعلق نازل ہوئی ہے سورۂ نور کی متعدد آیتیں بھی انہی کے ساتھ مخصوص ہیں، ان کے علاوہ اور بھی متعدد آیتیں ان کی شان میں نازل ہوئی ہیں اس بنا پر اگرچہ ان آیتوں اور ان سورتوں کے شان نزول اور ان کی تفسیر سے اکثر صحابیات کو تعلق ہے تاہم عام طور پر تفسیر کے جو معنی سمجھے جاتے ہیں اور جس معنی کے رو سے ایک شخص مفسر کہا جاسکتا ہے اس کے لحاظ سے تمام صحابیات میں صرف حضرت عائشہؓ علم تفسیر میں اکابر صحابہ کی ہمسر ہیں اور انہوں نے نہایت دقیق آیتوں کی تفسیریں کی ہیں ان سے احادیث کی کتابوں میں جو تفسیری روایتیں مذکور ہیں ان کی دو قسمیں ہیں ایک وہ آیتیں ہیں جن کے متعلق ان کے دل میں کوئی بات کھٹکی ہے اور انہوں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے استفسار فرمایا ہے اور آپ نے ان کی تفسیر کی ہے مثلاً[2] ایک دفعہ آپ نے بیان فرمایا کہ من حوسب عذب قیامت میں جس کا حساب ہوا، اس پر عذاب ہوگیا، حضرت عائشہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ خدا تو فرماتا ہے،

---

[1] اصابہ تذکرہ خولہ [2] ماخوذ از سیرت عائشہؓ، سیرت عائشہؓ میں ان تفسیروں کے حوالے بھی مذکور ہیں،

فَسَوْفَ یُحَاسَبُ حِسَابًا یَّسِیْرًا ۝ اور اس سے آسان حساب لیا جائے گا۔

آپ نے فرمایا" یہ اعمال کی پیشی ہے لیکن جس کے اعمال میں جرح قدح شروع ہوئی، وہ برباد ہی ہوا،

ایک دفعہ انہوں نے پوچھا یا رسول اللہ خدا فرماتا ہے،

یَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَیْرَ الْاَرْضِ	جس دن زمین دوسری زمین سے بدل دی
وَالسَّمٰوٰتُ وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ الْوَاحِدِ	جائے گی اور آسمان بھی بدل دیا جائے گا اور
الْقَهَّارِ ؕ	تمام مخلوق خدائے واحد قہار کے روبرو ہو جائے گی

ایک دوسری روایت میں ہے کہ یہ آیت پڑھی،

وَالْاَرْضُ جَمِیْعًا قَبْضَتُهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ	تمام زمین اس کی مٹھی میں ہوگی اور آسمان
وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِیّٰتٌۢ بِیَمِیْنِهٖ	اس کے ہاتھ میں لپٹے ہونگے

لیکن جب زمین و آسمان کچھ نہ ہوگا تو لوگ کہاں ہونگے آپ نے فرمایا، صراط پر،

قرآن مجید کی ایک آیت ہے،

اَلَّذِیْنَ یُؤْتُوْنَ مَاۤ اٰتَوْا وَّقُلُوْبُهُمْ	جو لوگ جو کام کرتے ہیں خوفزدہ دل سے کرتے
وَجِلَةٌ اَنَّهُمْ اِلٰی رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ	ہیں، وہ اپنے خدا کی طرف رجوع کریں گے،

حضرت عائشہؓ کو شک تھا کہ جو چور ہے، بدکار ہے، شرابی ہے لیکن خدا سے ڈرتا ہے، کیا وہ بھی اس سے مراد ہے، آپ نے فرمایا نہیں، عائشہؓ اس سے وہ مراد ہے جو نمازی ہے، روزہ دار ہے زکوٰۃ دیتا ہے اور پھر خدا سے ڈرتا ہے دوسری وہ آیتیں ہیں جن کے متعلق دوسروں کے دل میں کوئی شبہہ پیدا ہوا ہے اور انہوں نے حضرت عائشہؓ سے ان کے متعلق سوال کیا ہے جس کا انہوں نے نہایت خوبی کے ساتھ ازالہ کیا ہے مثلاً :-

(۱) اعمال حج میں سے ایک کوہ صفا و مروہ کے درمیان دوڑنا بھی ہے قرآن مجید میں اس کے متعلق حسب ذیل الفاظ ہیں :

اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ	صفا اور مروہ کی پہاڑیاں شعائر الٰہی میں سے
فَمَنْ حَجَّ الْبَیْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ	ہیں، پس جو خانہ کعبہ کا حج یا عمرہ کرے کچھ مضائقہ

عَلَیْہِ اَنْ یَّطَّوَّفَ بِھِمَا (بقرہ) نہیں اگر وہ ان کا بھی طواف کرے ،

عروہ نے کہا خالہ جان ! اس کے تو یہ معنی ہوئے کہ اگر کوئی طواف نہ کرے تو بھی کچھ حرج نہیں فرمایا بھانجے تم نے ٹھیک نہیں کہا اگر آیت کا مطلب وہ ہوتا جو تم سمجھے ہو تو خدا یوں فرماتا، لا جناح ان لا یطوّف بہما اگر ان کا طواف نہ کرو تو کچھ ہرج نہیں، اصل میں یہ آیت انصار کی شان میں نازل ہوئی ہے اوس وخزرج اسلام سے پہلے منات کی جسے پکارا کرتے تھے منات مشلل میں نصب تھا اس لئے صفا اور مروہ کے طواف کو وہ برا جانتے تھے اسلام لائے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ ہم لوگ پہلے ایسا کرتے تھے ، اب کیا حکم ہے ، اس پر خدا نے ارشاد فرمایا کہ صفا اور مروہ کا طواف کرو اس میں کوئی مضائقہ کی بات نہیں ،

ابوبکر بن عبدالرحمٰن ایک محدث تھے ان کو حضرت عائشہؓ کی یہ تقریر معلوم ہوئی تو انہوں نے کہا علم اس کو کہتے ہیں "

(۲) قرآن مجید کی ایک آیت ہے

حَتّٰی اِذَا اسْتَایْئَسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوْٓا اَنَّھُمْ قَدْ کُذِبُوْا جَآءَھُمْ نَصْرُنَا

یہاں تک کہ جب پیغمبر ناامید ہو گئے اور ان کو خیال ہوا کہ وہ جھوٹ بولے گئے تو ہماری مدد آگئی

عروہ نے پوچھا وکذبوا (جھوٹ بولے گئے یعنی اس سے جھوٹ وعدہ کیا گیا) یا کذّبوا (وہ جھٹلائے گئے) فرمایا کذّبوا (جھٹلائے گئے عروہ نے کہا اس کا تو ان کو یقین ہی تھا کہ وہ جھٹلائے گئے اور ان کی قوم نے ان کی نبوت کی تکذیب کی، یہ ظن اور خیال تو نہ تھا اس لئے کذبوا (ان سے جھوٹ وعدہ کیا گیا) صحیح ہے بولیں معاذ اللہ پیغمبران الٰہی خدا کی نسبت یہ گمان نہیں کر سکتے کہ اس نے ان سے امداد ونصرت کا جھوٹ وعدہ کیا، عروہ نے پوچھا پھر آیت کا مطلب کیا ہے، فرمایا کہ یہ پیغمبروں کے پیروؤں کے متعلق ہے کہ جب انہوں نے ایمان قبول کیا اور نبوت کی تصدیق کی اور ان کی قوم نے ان کو ستایا اور مدد الٰہی میں ان کو تاخیر نظر آئی یہاں تک کہ پیغمبر اپنی قوم کے منکرین ایمان سے ناامید ہو گئے تو ان کو خیال ہوا کہ شائد اس تاخیر کے سبب سے مومنین بھی ہماری تکذیب نہ کر دیں کہ دفعتہً خدا کی مدد آگئی ،

(۳) جس آیت پاک میں چار بیویوں تک کی اجازت دی گئی ہے اس کے الفاظ یہ ہیں ،

وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِی الْیَتٰمٰی	اگر تمہیں ڈر ہو کہ یتیموں کے بارے میں تم
فَانْکِحُوْا مَا طَابَ لَکُمْ مِّنَ النِّسَآءِ	انصاف نہ کر سکو گے تو عورتوں میں سے دو
مَثْنٰی وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ (نساء)	دو تین تین چار چار سے نکاح کر لو،

بظاہر آیت کے پہلے اور پچھلے ٹکڑوں میں ربط نہیں معلوم ہوتا، یتیموں کے حقوق میں عدم انصاف اور چار نکاح کی اجازت میں باہم کیا تعلق ہے، چنانچہ ایک شاگرد نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سامنے اس اشکال کو پیش کیا تو فرمایا کہ آیت کا شانِ نزول یہ ہے کہ بعض لوگ یتیم لڑکیوں کے ولی ہو جاتے ہیں، اُن سے موروثی رشتہ داری ہوتی ہے وہ اپنی ولایت کے زور سے چاہتے ہیں کہ ان سے نکاح کر کے ان کی جائداد پر قبضہ کر لیں اور چونکہ ان کی طرف سے کوئی بدلنے والا نہیں ہوتا اس لئے مجبور پا کر اس کو ہر طرح دباتے ہیں، خدائے پاک انہی لوگوں کو خطاب کرتا ہے کہ اگر تم ان یتیم لڑکیوں کے معاملے میں انصاف سے پیش نہ آسکو تو ان کے علاوہ اور عورتوں سے دو تین، چار نکاح کر لو، مگر ان کو نکاح کر کے اپنے قابو میں نہ لے آؤ،

یَسْتَفْتُوْنَکَ فِی النِّسَآءِ قُلِ اللّٰہُ	اُن لڑکیوں کی نسبت لوگ تجھ سے پوچھتے
یُفْتِیْکُمْ فِیْھِنَّ وَمَا یُتْلٰی عَلَیْکُمْ فِی	ہیں کہدے کہ خدا ان کے حق میں فیصلہ کرتا ہے
الْکِتٰبِ فِیْ یَتٰمَی النِّسَآءِ الّٰتِیْ لَا تُؤْ	اس کتاب میں (قرآن) جو کچھ تم لوگوں کو
تُوْنَھُنَّ مَا کُتِبَ لَھُنَّ وَتَرْغَبُوْنَ	پڑھ کر سنایا گیا ہے ان یتیم لڑکیوں
اَنْ تَنْکِحُوْھُنَّ	کی نسبت جن کو نہ تو تم ان کے مقررہ
	حقوق دیتے ہو، اور نہ خود ان سے
(نساء)	نکاح کرنا چاہتے ہو۔

اسی سائل نے اس کے بعد اس آیت کا مطلب دریافت فرمایا کہ اس آیت میں یہ جو ارشاد ہوا ہے کہ قرآن میں پہلے جو کچھ ان کے بارے میں پڑھ کر سنایا گیا ہے اس سے وہی آیت مراد ہے، یہ حکم ان اولیا سے متعلق ہے، جو یتیم لڑکیوں کو نہ خود اپنے نکاح میں لاتے ہیں کہ وہ حسن سے محروم ہیں اور نہ دوسروں سے ان کا نکاح کر دینا پسند کرتے کہ جائداد مشترکہ کے ہاتھ

سے نکل جانے کا خوف ہے،

(۵) اس آیت کے مطلب میں لوگوں کو اختلاف ہے،

مَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ وَ	جو تونگر ہو اس کو اس سے بچنا چاہئے
مَنْ كَانَ فَقِيرًا فَلْيَأْكُلْ بِالْمَعْرُوفِ	اور جو تنگدست ہو وہ قاعدے کے مطابق
	اس سے لے لے،

یہ آیت اولیائے یتامیٰ کی شان میں ہے کہ اگر محتاج ہوں تو یتیموں کے مال میں سے لے کر کھا سکتے ہیں لیکن حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ یہ آیت حسب ذیل آیت سے منسوخ ہے،

إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَىٰ	جو لوگ ظلم کر کے یتیموں کا مال کھاتے ہیں
ظُلْمًا إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَارًا	وہ اپنے پیٹ میں آگ کھاتے ہیں،

لیکن اس آیت میں تو یہ سزا ان لوگوں کے لئے بیان کی گئی ہے جو ظلم کر کے یتیموں کا مال کھاتے ہیں حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جس آیت میں کھانے کی اجازت ہے، وہ ان لوگوں کے لئے ہے جو یتیموں کی جائداد کی دیکھ بھال کرتے ہیں ان کا کاروبار سنبھالتے ہیں، اگر ولی صاحب استطاعت ہے تو اس کو اس خدمت کا معاوضہ نہ لینا چاہئے، اور اگر وہ مفلس اور تنگ دست ہے تو قاعدے کے مطابق حسب حیثیت لے سکتا ہے اس تفسیر کی بنا پر دونوں آیتوں میں کوئی تخالف نہیں ہے،

(۶) عورت کو اگر اپنے شوہر سے شکایت ہو تو اس موقع کی آیت ہے،

وَإِنِ امْرَأَةٌ خَافَتْ مِنْ بَعْلِهَا	اگر کسی عورت کو اپنے شوہر کی طرف سے
نُشُوزًا أَوْ إِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا	ناراضمندی اور اعراض کا خوف ہو تو اس
أَنْ يُصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا وَالصُّلْحُ	میں کوئی مضائقہ نہیں کہ دونوں آپس میں صلح
خَيْرٌ، (نساء)	کریں اور صلح تو ہر حال میں بہتر ہے،

لیکن دفع ناراضی کے لئے صلح کرنا تو ایک عام بات ہے اس کے لئے خدائے پاک کو اس حکم کے نازل کرنے کی کیا حاجت تھی؟ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ یہ آیت اُس عورت کی شان میں ہے جس کا شوہر اس کے پاس زیادہ آتا جاتا نہیں یا بیوی سن سے اتر گئی ہے اور شوہر کی خدمت گذاری

رکے قابل نہیں رہی ہے زن وشوئی کے باہمی فرائض انجام دینا ایک فرض دینی ہے لیکن اس خاص حالت میں اگر بیوی طلاق لینا پسند نہ کرے اور اپنے عام حقوق سے شوہر کو سبکدوش کردے تو یہ باہمی مصالحت بُری نہیں، بلکہ قطعی علیحدگی سے بہتر ہے،

ان آیات کے علاوہ حضرت عائشہؓ سے اور آیتوں کی تفسیریں بھی مروی ہیں لیکن ہم نے جن آیتوں کی تفسیریں درج کی ہیں ان سے وقت نظری کے علاوہ یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ جو آیتیں عورتوں کے نکاح و طلاق کے معاملات سے تعلق رکھتی ہیں ان کا مطلب انہوں نے کس قدر صحیح سمجھا ہے اور کس طرح ان کو یاد رکھا ہے اور سچ تو یہ ہے کہ اگر عورتیں اپنے حقوق کا تحفظ کرنا چاہتی ہیں تو ان کو قرآن و حدیث کی صحیح تعلیم کی طرف خصوصیت کے ساتھ توجہ کرنی چاہیئے،

علم اسرار الدین علم اسرار الدین اس علم کو کہتے ہیں جس میں احکام شریعت کے علل و اسباب اور ان کے حکم و مصالح بیان کئے جاتے ہیں اور یہ علم اس قدر دقیقہ سنجی پر مبنی ہے کہ صرف چند فقہائے صحابہؓ یعنی حضرت عمرؓ، حضرت علی کرم اللہ وجہہ، حضرت زیدؓ اور حضرت عبد اللہ بن عباسؓ وغیرہ نے اس کے اصول و قواعد ممہد کئے ہیں باقی اس فن میں اور صحابہ کی مساعی جمیلہ کا حصہ بہت کم شامل ہے بالخصوص اس میں صحابیات کے کارنامے تو بالکل نظر نہیں آتے لیکن تنہا حضرت عائشہؓ نے شریعت کے جن رموز و اسرار کی گرہ کشائی کردی ہے وہ صحابیات کی اس کمی کو پورا کردیتی ہے بلکہ اس فن میں خود صحابہ سے بھی ان کا پلہ بھاری نظر آتا ہے اور صحابہ سے اس علم کے متفرق مسائل احادیث کی کتابوں میں مذکور ہیں لیکن حضرت عائشہؓ کے مسائل کی تعداد ان سے کئی گنا زیادہ ہے اور انہوں نے مذکورہ بالا صحابہ سے بہت زیادہ شریعت کے اسرار و مصالح کی پردہ کشائی کی ہے اور بہ کثرت مسائل کے علل و اسباب بیان کئے ہیں[1] مثلاً عہد نبوت میں عورتوں کی اخلاقی حالت چونکہ قابل اعتماد تھی اس لئے ان کو حضور صلوٰۃ اور شرکت جماعت کی اجازت تھی لیکن جب اخیر زمانہ میں عورتوں کے نظام اخلاق میں انحطاط پیدا ہو گیا تو حضرت عائشہؓ نے صاف صاف کہہ دیا،

لو ادرک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما احدث النساء لمنعھن	عورتوں نے اپنی حالت میں جو تغیرات پیدا کرلئے ہیں اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو

---

[1] ماخوذ از سیرت عائشہؓ

المساجد کما منعہ نساء	دیکھتے تو ان کو مسجد میں آنے سے روک دیتے
بنی اسرائیل ؎	جیسا کہ بنو اسرائیل کی عورتیں روک دی گئیں ۔

قرآن مجید کی مکی اور مدنی سورتوں میں متعدد فرق و امتیازات ہیں، مثلاً جو سورتیں مکہ میں نازل ہوئیں ان میں زیادہ تر عقائد اور وقائع اخروی کا ذکر ہے اور مدنی سورتوں میں تدریج اوامر و نواہی کا مطالبہ کیا گیا ہے کیونکہ اسلام ایک جاہل قوم میں آیا اس لئے اس کو پہلے خطیبانہ اور واعظانہ طریقہ سے جنت اور دوزخ کا حال سنایا گیا جب اس سے لوگ متاثر ہو چکے تو اسلام کے احکام و قوانین اور اوامر و نواہی نازل ہوئے اگر زنا و شرابخواری وغیرہ سے اجتناب کا پہلے ہی دن مطالبہ کیا جاتا تو دفعتہً کون اس نامانوس آواز کو سنتا، اس قسم کے امتیازات و فرق کے دریافت کرنے پر یورپ کے علمائے مستشرقین کو بڑا ناز ہے لیکن حضرت عائشہؓ نے پہلے ہی دن اس راز کو فاش کر دیا تھا صحیح بخاری میں ان سے مروی ہے،

انما نزل اول ما نزل منہ سورۃ	قرآن کی سب سے پہلی سورہ جو نازل ہوئی وہ
من المفصل فیہا ذکر الجنۃ والنار	مفصل کی سورہ ہے جس میں جنت و دوزخ کا ذکر
حتی اذا ثاب الناس الی الاسلام	ہے یہاں تک کہ جب لوگ اسلام کی طرف
ثم نزل الحرام والحلال لو نزل	مائل ہوئے تو پھر حلال و حرام اترا، اگر پہلے یہ اترتا
اول شئی لا تشربوا الخمر لقالوا	کہ شراب مت پیو تو لوگ کہتے کہ ہم ہرگز شراب
لا ندع الخمر ابداً ولو نزل لا	نہ چھوڑیں گے اور اگر یہ اترتا کہ زنا نہ کرو
تزنوا لقالوا لا ندع الزنا ابداً	تو کہتے کہ ہم ہرگز زنا نہ چھوڑیں گے مکہ میں
لقد نزل بمکۃ وانا جاریۃ العب	جب میں کھیلتی تھی تو یہ اترا کہ ان کے وعدہ کا
بل الساعۃ موعدھم والساعۃ	دن قیامت ہے اور قیامت نہایت سخت
ادھی وامر وما نزلت سورۃ البقرۃ	اور نہایت تلخ چیز ہے سورۂ بقرہ اور سورۂ نساء
والنساء الا وانا عندہ (باب تالیف القرآن)	جب اتریں تو میں آپ کی خدمت میں تھی،

اسلام کے ظہور سے پہلے مدینہ میں قبائل باہم خانہ جنگیوں میں مصروف تھے، جن میں ان کے اکثر

ؔ ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب ماجاء فی خروج النساء الی المسجد والتشدید فی ذالک ۔

ارباب ادعا جو اپنے اقتدار کے تحفظ کے لئے ہر نئی تحریک کی کامیابی میں رکاوٹ پیدا کرتے ہیں، قتل ہو گئے، انصار ان لڑائیوں سے اس قدر چور ہو گئے تھے کہ اسلام آیا تو سب نے اس کو اپنے لئے رحمت سمجھا چونکہ ارباب ادعا کا طبقہ مفقود ہو چکا تھا، اس لئے ان کی راہ میں کسی نے موانع نہیں پیدا کئے اس طریقہ سے خدائے پاک نے ہجرت سے پہلے ہی مدینہ میں اسلام کی ترقی کے راستے صاف کر دیئے تھے، یورپ کے فلسفہ تاریخ نے آج اس نکتہ کو حل کیا ہے لیکن حضرت عائشہؓ نے اُن سے پہلے ہم کو بتایا تھا،

کان یوم بعاث یوما قدمہ اللہ لرسولہ صلی اللہ علیہ وسلم فقدم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وقد افترق ملوھم وقتلت سرواتھم وجرحوا فقدمہ اللہ لرسولہ فی دخولھم الاسلام۔	جنگ بعاث وہ واقعہ تھا جس کو خدا نے اپنے رسول کے لئے پہلے ہی سے پیدا کر دیا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں آئے تو انصار کی جمعیت منتشر ہو گئی تھی اور ان کے سردار مارے جا چکے تھے اس لئے خدا نے اپنے رسول کے لئے ان کے حلقہ اسلام میں داخل ہونے کے لئے
(بخاری باب القسامہ فی الجاہلیۃ)	یہ واقعہ پہلے ہی سے مہیا کر دیا ہے

جن نمازوں میں چار رکعتیں ہوتی ہیں، قصر کی حالت میں ان کی صرف دو رکعتیں ہوتی ہیں، بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ چار میں سے دو سہولت کی خاطر ساقط کر دی گئی ہیں لیکن حضرت عائشہؓ اس کی وجہ یہ بتاتی ہیں،

فرضت الصلوٰۃ رکعتین ثم ھاجر النبی صلی اللہ علیہ وسلم ففرضت اربعا وترکت صلوٰۃ السفر علی الاول (بخاری باب ہجرت)	مکہ میں دو دو رکعتیں نمازیں فرض تھیں جب آپ نے ہجرت فرمائی تو چار فرض کی گئیں اور سفر کی نماز اپنی قدیم حالت پر چھوڑ دی گئی،

عبادت کا تو خدا نے ہر وقت حکم دیا ہے لیکن احادیث میں حضرت عمرؓ سے مروی ہے کہ نماز عصر اور نماز فجر کے بعد کوئی نماز یعنی نفل وسنت بھی جائز نہیں اس لئے بظاہر اس ممانعت کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی، لیکن حضرت عائشہؓ اس کی وجہ بیان فرماتی ہیں،

وھم عمر انما نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	عمر کو وہم ہوا آپ نے صرف اس طرح نماز سے

عن الصلوٰۃ ان تتحری طلوع الشمس وغروبھا (مسند احمد جلد ٦ ص ١٢٤)

منع فرمایا ہے کہ کوئی شخص آفتاب کے طلوع یا غروب کے وقت کو تاک کر نماز نہ پڑھے،

یعنی آفتاب پرستی کا شبہہ نہ ہو آفتاب پرستوں کے ساتھ وقتِ عبادت میں تشابہ نہ ہو،

احادیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ کر نفل پڑھتے تھے اس بنا پر لوگ بغیر کسی عذر کے بھی بیٹھ کر نفل پڑھنا مستحب سمجھتے ہیں ایک شخص نے حضرت عائشہؓ سے دریافت کیا کہ کیا آپ بیٹھ کر نماز پڑھتے تھے؟ جواب دیا،

حین حطمہ الناس (ابوداؤد باب صلوٰۃ القاعد)

یہ اس وقت تھا جب لوگوں نے آپ کو توڑ دیا، یعنی آپ کمزور ہو گئے،

ابوداؤد اور مسلم میں ان سے اس قسم کی اور روایتیں بھی مروی ہیں، جن سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ کبر سنی اور ضعف کی وجہ سے ایسا کرتے تھے،

ہجرت کے بعد جب نمازوں میں دو رکعتوں کی بجائے چار رکعتیں ہو گئیں تو مغرب میں یہ اضافہ کیوں نہیں کیا گیا؟ حضرت عائشہؓ اس کا یہ جواب دیتی ہیں،

فانھا وتر النھار، (مسند جلد ٦ ص ٢٤١)

مغرب میں اضافہ نہ ہوا کیونکہ وہ دن کی وتر ہے،

یعنی جس طرح رات کی نمازوں میں تین رکعتیں وتر کی ہیں اسی طرح دن کی نمازوں میں وتر کی یہ تین رکعتیں ہیں،

نماز فجر میں تو اطمینان زیادہ ہوتا ہے اس لئے اس میں رکعتیں اور زیادہ ہونی چاہئیں لیکن اور نمازوں سے کم ہیں، حضرت عائشہؓ اس کی وجہ یہ بیان فرماتی ہیں،

وصلوٰۃ الفجر لطول قراتھا، (مسند جلد ٦ ص ٢٤١)

نماز فجر میں رکعات کا اضافہ اس لئے نہیں ہوا کہ دونوں رکعتوں میں لمبی سورتیں پڑھی جاتی ہیں،

یعنی رکعتوں کی کمی کو طول قرأت نے پورا کر دیا،

اہل جاہلیت عاشورا کا روزہ رکھتے تھے، اور وہ فرضیت صوم سے پہلے اسلام میں بھی واجب رہا حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے اسی قسم کی روایت احادیث میں مذکور ہے لیکن وہ نہیں بیان کرتے کہ جاہلیت

میں اس دن کیوں روزہ رکھا جاتا تھا لیکن حضرت عائشہؓ اس کا سبب یہ بیان فرماتی ہیں،

کانوا یصومون یوم عاشوراء	اہل عرب رمضان کی فرضیت سے پہلے عاشوراء
قبل ان یفرض رمضان وکان یوم	کے دن کا روزہ رکھتے تھے کیونکہ اس روز
تستر فیہ الکعبۃ (مسند احمد جلد ۶ ص ۲۴۴)	کعبہ پر غلاف چڑھایا جاتا تھا،

باوجودیکہ آپ ہمیشہ تہجد پڑھتے تھے، لیکن رمضان کے پورے مہینے میں آپ نے تراویح نہیں پڑھی حضرت عائشہؓ اس کی وجہ بیان فرماتی ہیں کہ پہلے دن جب آپ نے مسجد میں نمازِ تراویح ادا فرمائی تو کچھ اور لوگ بھی شریک ہوگئے، دوسرے دن اور زیادہ مجمع ہوا، تیسرے دن اور بھی لوگ جمع ہوئے چھوتھے دن اتنا مجمع ہوا کہ مسجد میں جگہ نہ رہی لیکن آپ باہر تشریف نہ لائے اور لوگ مایوس ہوکر چلے گئے، صبح کو آپ نے لوگوں سے فرمایا،

امابعد فانہ لم یخف علی شانکم	رات تمہاری حالت مجھ سے پوشیدہ نہ تھی لیکن
اللیلۃ ولکنی خشیت ان تفرض	مجھے ڈر ہوا کہ کہیں تم پر تراویح فرض نہ ہوجائے
علیکم صلوۃ اللیل فتعجزوا	اور تم اس کے ادا کرنے سے قاصر رہو،

حج کے بعض ارکان مثلاً طواف کرنا، بعض مقامات میں دوڑنا، کہیں کھڑا ہونا، کہیں کنکری پھینکنا بظاہر فعل عبث معلوم ہوتے ہیں لیکن حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں،

انما جعل الطواف بالبیت وبالصفا	خانۂ کعبہ، صفا اور مروہ کا طواف کنکریاں پھینکنا
والمروۃ ورمی الجمار لاقامۃ ذکر اللہ	تو صرف خدا کی یاد کرنے کے لئے ہے،
عزوجل (مسند احمد جلد ۶ ص ۶۴)	

قرآن مجید کے اشارات سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ میں یہ بھی ایک طرز عبادت تھا، چونکہ حج یادگار ابراہیمی ہے اس لئے وہی طرز عبادت قائم رکھا گیا،

مکہ معظمہ کے پاس محصب نام ایک وادی ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایام حج میں قیام فرمایا تھا اور آپ کے بعد خلفائے راشدینؓ بھی اس میں قیام فرماتے رہے، اس بناء پر حضرت عبد اللہ بن عمرؓ اس کو سنن حج میں شمار کرتے تھے، لیکن حضرت عائشہؓ اس کو سنت نہیں سمجھتی تھیں اور آپ کے قیام کی وجہ بیان فرماتی تھیں،

انما نزلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لانہ کان منزلا اسمح لخروجہ

آپ نے یہاں صرف اس لئے قیام کیا تھا کہ یہاں سے چلنے میں آسانی ہوتی ہے،

حضرت ابن عباسؓ اور ابورافع بھی اس مسئلہ میں حضرت عائشہؓ کے ہمزبان ہیں[1]

ایک دفعہ آپ نے حکم دیا تھا کہ قربانی کا گوشت تین دن سے زیادہ نہ رکھا جائے، بہت سے صحابہؓ اس حکم کو دائمی سمجھتے تھے لیکن متعدد صحابہ کے نزدیک یہ حکم وقتی تھا، حضرت عائشہؓ بھی ان ہی لوگوں میں ہیں اور اس وقتی حکم کا سبب یہ بتاتی ہیں،

لا ولکن لم یکن یضحی منھم الا قلیل ففعل ذالک لیطعم من ضحی من لم یضح

یہ نہیں ہے کہ قربانی کا گوشت تین دن کے بعد حرام ہو جاتا ہے بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس زمانہ میں کم لوگ قربانی کر سکتے تھے اس لئے آپ نے یہ حکم دیا کہ جو لوگ قربانی کریں وہ ان لوگوں کو کھلائیں جنہوں نے قربانی نہیں کی ہے

(مسند جلد ۶ ص ۱۰۲)

حضرت عائشہؓ کی یہی حدیث امام مسلم نے ایک خبر کی صورت میں بیان کی ہے یعنی یہ کہ ایک سال مدینہ کے آس پاس دیہاتوں میں قحط پڑا اس سال آپ نے یہ حکم دیا اور دوسرے سال جب قحط نہیں رہا تو اس کو منسوخ فرما دیا، حضرت سلمہؓ بن اکوع سے بھی اس قسم کی روایت ہے[2]

کعبہ کے ایک طرف کی دیوار کے بعد کچھ جگہ چھوٹی ہوئی تھی جس کو حطیم کہتے ہیں اور طواف میں اس کو بھی اندر داخل کر لیتے ہیں لیکن ہر شخص کے دل میں یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ جو حصہ کعبہ کے اندر داخل نہیں اس کو طواف میں کیوں شامل کرتے ہیں؟ حضرت عائشہؓ کے دل میں یہ سوال پیدا ہوا، اور انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا یا رسول اللہ! یہ دیواریں بھی خانہ کعبہ میں داخل ہیں؟ ارشاد ہوا "ہاں" عرض کی کہ پھر بناتے وقت لوگوں نے ان کو اندر کیوں نہیں کر لیا؟ فرمایا تیری قوم کے پاس سرمایہ نہ تھا اس لئے اتنا کم کر دیا، پھر عرض کی کہ اس کا دروازہ اتنا بلند کیوں رکھا؟ فرمایا یہ اس لئے تاکہ وہ جس کو چاہیں اندر جانے دیں جس کو چاہیں روک دیں"،

حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ اگر عائشہؓ کی روایت صحیح ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے اسی لئے

---

[1] مسلم استحباب النزول بالمحصب و مسند جلد ۶ ص ۱۹۰ [2] مسلم کتاب الذبائح،

ادھر کے دونوں رکنوں کا بوسہ نہیں دیا لیکن سوال یہ ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ معلوم ہوا کہ خانہ کعبہ اپنے اصلی اساس پر قائم نہیں ہے، شریعت ابراہیمی کے مجدد کی حیثیت سے آپ کا فرض تھا کہ اس کو ڈھا کر نئے سرے سے تعمیر کرتے لیکن آپ نے حضرت عائشہؓ سے خود اس کی وجہ یہ بیان فرمادی کہ "عائشہؓ تیری قوم اگر کفر کے زمانہ سے قریب نہ ہوتی تو میں کعبہ کو ڈھا کر اساس ابراہیمی پر تعمیر کراتا"[1]

آج کل ہجرت کے یہ معنی سمجھے جاتے ہیں کہ گھر بار چھوڑ کر مدینہ جا کر آباد ہو جانا خواہ وہ پہلے جہاں آباد تھے، کیسے ہی امن و امان کا ملک ہو لیکن حضرت عائشہؓ نے ہجرت کی حقیقت یہ بتائی ہے،

لا هجرة اليوم كان المومنون يفر احد	اب ہجرت نہیں ہے، ہجرت اس وقت تھی جب
هم بدينه الى الله والى رسوله	مسلمان اپنے مذہب کو لیکر خدا اور اس کے رسول کے
مخافة ان يفتن عليه فاما اليوم فقد	پاس ڈر سے دوڑا آتا تھا کہ اس کو تبدیل مذہب
اظهر الله الاسلام واليوم يعبد	کی بنا پر ستایا نہ جائے لیکن اب خدا نے اسلام کو
ربه حيث شاء ولكن جهاد ونية	غالب کر دیا، اب مسلمان جہاں چاہے اپنے خدا کو
(بخاری باب الہجرۃ)	پوج سکتا ہے، ہاں جہاد اور نیت کا ثواب باقی ہے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد صحابہؓ میں اختلاف پیدا ہوا کہ آپ کو کہاں دفن کیا جائے، ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے کہا کہ پیغمبر جہاں مرتے ہیں، وہیں دفن ہوتے ہیں لیکن اس کا اصلی سبب حضرت عائشہؓ بیان فرماتی ہیں،

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم في	آپ نے مرض الموت میں فرمایا کہ خدا یہود و نصاریٰ پر
مرضه الذى لم يقم منه لعن الله اليهود	لعنت بھیجے کہ انہوں نے اپنے پیغمبروں کی قبروں کو
والنصارى اتخذوا قبور انبيائهم	سجدہ گاہ بنا لیا (حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں) کہ
مساجد لولا ذالك ابرز قبره غير	اگر یہ نہ ہوتا تو آپ کی قبر کھلے میدان میں ہوتی
انه خشي ان يتخذ مسجداً	لیکن چونکہ اس کا خوف تھا کہ وہ بھی سجدہ گاہ نہ
(بخاری آخر کتاب الجنائز و مسند احمد جلد ۶ ص ۱۲۱)	بن جائے اس لئے آپ حجرے ہی کے اندر مدفون ہوئے

---

[1] مسلم باب نقض الکعبہ،

علم حدیث محدثین نے روایتِ حدیث کے لحاظ سے صحابہ کے پانچ طبقے قرار دیئے ہیں اور تقریباً ہر طبقے میں صحابہ کے ساتھ صحابیات بھی شامل ہیں،

(۱) اول طبقہ یعنی وہ صحابہ جن کی روایتیں ہزار یا ہزار سے زیادہ ہیں، حضرت عائشہؓ کا شمار اسی طبقے سے ہے،

(۲) دوسرا طبقہ، یعنی وہ صحابہ جن کی روایتیں پانچسو یا پانچسو سے زیادہ ہیں اس میں کوئی صحابیہ شامل نہیں،

(۳) تیسرا طبقہ، یعنی وہ صحابہ جن کی روایتیں سو یا سو سے زیادہ ہیں مگر پانچ سو سے کم ہیں حضرت ام سلمہؓ اسی میں محسوب ہیں،

(۴) چوتھا طبقہ، یعنی وہ صحابہ جن کی تعدادِ روایت چالیس سے سو تک ہے اس طبقہ میں بکثرت صحابیات شامل ہیں مثلاً ام المومنین ام حبیبہؓ، ام المومنین میمونہؓ، ام عطیہؓ انصاریہ، ام المومنین حفصہؓ، اسماء بنت ابی بکرؓ، ام ہانیؓ۔

(۵) پانچواں طبقہ، یعنی وہ صحابہ جن کی روایتیں چالیس یا چالیس سے کم ہیں، اس طبقے میں بھی بکثرت صحابیات شامل ہیں، مثلاً حضرت ام قیسؓ، حضرت فاطمہؓ بنت قیس، حضرت ربیع بنت معوذؓ، حضرت سبرہ بنت صفوانؓ، حضرت کلثوم بنت حصین غفاریؓ، حضرت جدامہ بنت وہبؓ وغیرہ،

فن درایت روایت کے علاوہ حدیث کے متعلق درایت کی ابتدا صحابیات ہی سے ہوئی، یعنی حضرت عائشہؓ نے بعض روایتوں پر درایۃً تنقید کی، اور اس سے درایت کے خاص خاص اصول قائم ہوئے مثلاً ان کے سامنے جب یہ روایت کی گئی[1] کہ مردے پر اس کے اہل وعیال کے رونے سے عذاب ہوتا ہے، تو انہوں نے درایۃً اس روایت کے قبول کرنے سے انکار کیا اور کہا کہ خود قرآن مجید میں ہے،

لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی — ایک کے گناہ کا بوجھ دوسرا نہیں اٹھا سکتا،

رونا اہل وعیال کا گناہ ہے اس کا عذاب مردے پر کیوں ہوگا؟ اس سے یہ اصول قائم

[1] یہ روایتیں بہ ترتیب عین الاصابہ فیما استدرکتہ السیدۃ عائشہؓ علی الصحابہ صفحہ ۸ و ۱۷، ۱۸، ۲۱ میں موجود ہیں، اخیر روایت کے علاوہ اور روایتیں بخاری میں بھی ہیں،

ہوا، کہ جو روایت نصوص قرآنیہ کے خلاف ہو وہ قبول نہیں کی جاسکتی، چنانچہ اس اصول کے رو سے انہوں نے متعدد روایتوں کی تنقید کی ہے، مثلاً صحابہ کرام کے دور میں یہ خیال پھیل گیا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج میں خدا کو دیکھا تھا، لیکن حضرت عائشہؓ کے سامنے اس کا ذکر آیا تو بولیں جو شخص یہ روایت کرے وہ دروغ گو ہے اس کے بعد یہ آیت پڑھی،

لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ،	خدا کو کوئی نگاہ پا نہیں سکتی، اور وہ نگاہوں کو پا لیتا ہے، وہ لطیف اور خبیر ہے،

ان کے سامنے جب یہ روایت کی گئی کہ نحوست عورت، گھوڑے اور گھر میں ہے، تو انہوں نے اس کا انکار کیا، اور یہ آیت پڑھی،

ما اصاب من مصيبة في الارض ولا في انفسكم الا في كتاب من قبل ان نبراها	زمین میں یا تمہارے اندر تمہیں جو مصیبتیں پہنچتی ہیں، وہ پہلے سے لکھی ہوتی ہیں،

غزوۂ بدر میں جو کفار مارے گئے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے مدفن پر کھڑے ہو کر فرمایا تھا،

هل وجدتم ما وعد ربكم حقا	خدا نے جو تم سے وعدہ کیا تھا اس کو پالیا

ایک روایت میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے عرض کی یا رسول اللہ! آپ مردوں کو پکارتے ہیں؟ آپ نے اس کے جواب میں فرمایا،

ما انتم باسمع منهم لكن لا يجيبون	تم ان سے زیادہ نہیں سنتے لیکن وہ جواب نہیں دے سکتے

حضرت عائشہؓ کے سامنے جب یہ روایت کی گئی، تو انہوں نے کہا کہ آپ نے یہ نہیں بلکہ یہ ارشاد فرمایا تھا،

انهم ليعلمون الان ان ما كنت اقول لهم حق	وہ اس وقت یقینی طور پر یہ جانتے ہیں کہ میں ان سے جو کچھ کہتا تھا وہ سچ تھا،

اس کے بعد انہوں نے قرآن مجید کی یہ آیت پڑھی،

انك لا تسمع الموتى وما انت بمسمع من في القبور،	اے پیغمبر تو مردوں کو اپنی بات نہیں سنا سکتا اور نہ ان کو جو قبر میں ہیں،

مطلب یہ ہے کہ اس آیت کی رو سے کفار آپ کی بات سن ہی نہیں سکتے تھے[1]

عام طور پر لوگ متعہ کی حرمت میں احادیث پیش کرتے ہیں لیکن حضرت عائشہؓ کے ایک شاگرد نے جواز متعہ کی روایت کی نسبت ان سے پوچھا تو انہوں نے اس کا جواب حدیث سے نہیں دیا بلکہ فرمایا میرے تمہارے درمیان خدا کی کتاب ہے، پھر یہ آیت پڑھی،

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ، جو لوگ کہ اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں بجز اپنی بی بیوں یا لونڈیوں کے ان پر کوئی ملامت نہیں،

اس لئے ان دو صورتوں کے علاوہ کوئی اور صورت جائز نہیں[2]

حضرت ابوہریرہؓ سے ایک روایت ہے کہ حرامی لڑکا تینوں میں (ماں، باپ، بچہ) بدتر ہے حضرت عائشہؓ نے سنا تو فرمایا یہ صحیح نہیں ہے، واقعہ یہ ہے کہ ایک منافق تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو برا بھلا کہا کرتا تھا، لوگوں نے عرض کی کہ یا رسول اللہ! اس کے علاوہ وہ ولد الزنا بھی ہے آپ نے فرمایا کہ وہ تینوں میں بدتر ہے" یعنی اپنے ماں باپ سے زیادہ برا ہے، یہ ایک خاص واقعہ تھا عام نہ تھا، خدا خود فرماتا ہے،

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى کوئی کسی دوسرے کے گناہ کا بوجھ نہیں اٹھاتا۔

یعنی قصور تو ماں کا ہے بچہ کا کیا گناہ ہے[3] جس کی بنا پر وہ اُن سے برا قرار دیا جائے،

علم فقہ عہد نبوت میں علم فقہ کوئی مدون و مرتب علم نہ تھا کہ صحابہ باقاعدہ اس کی تعلیم حاصل کرتے سوال و استفسار کے ذریعہ بے شبہہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت سے مسائل دریافت کئے جا سکتے تھے لیکن صحابہ کرام کچھ تو فرط ادب سے اور کچھ اس لئے کہ قرآن مجید نے سوال کی ممانعت کر دی تھی آپ سے بہت کم مسائل دریافت کرتے تھے، مسند دارمی میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ صحابہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صرف تیرہ مسائل دریافت کئے جو کل کے کل قرآن مجید میں مذکور ہیں[4] اس بنا پر آپ سے فقہی تعلیم حاصل کرنے کا صرف یہ طریقہ تھا کہ صحابہ کرام آپ کے تمام اعمال مثلاً وضو، نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ کا بغور مطالعہ کرتے تھے اور قرائن و امارات سے ان اعمال کے شروط و ارکان

---

[1] بخاری غزوہ بدر [2] اصابہ سیوطی بحوالہ حاکم [3] ایضاً [4] مسند دارمی ص ۲۹

کو مباح، واجب اور منسوخ وغیرہ قرار دیتے تھے[1] لیکن صحابیات کو اس طرح سے فائدہ اٹھانے کا بہت کم موقع ملتا تھا اس کے ساتھ جو فقہی مسائل عورتوں کے ساتھ مخصوص ہیں وہ عام طور پر بیان بھی نہیں کئے جا سکتے تھے۔ اس لئے صحابیات کو زیادہ تر آپ سے سوال و استفسار کی ضرورت پیش آتی تھی، چنانچہ خود حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں،

نعم النساء نساء الانصار لم یکن یمنعھن الحیاء ان یتفقھن فی الدین[2]

انصار یہ عورتیں کس قدر اچھی تھیں کہ تفقہ فی الدین سے ان کو حیا باز نہیں رکھ سکتی تھی،

غرض اس طریقہ تعلیم سے صحابہ و صحابیات کو مختلف فوائد پہنچے اور اس طرح ان کے تین طبقے قرار پائے،

(۱) مکثرین یعنی وہ لوگ جن سے بکثرت مسائل منقول ہیں،

(۲) مقلین یعنی وہ لوگ جن سے بہت کم مسائل مروی ہیں،

(۳) متوسطین یعنی وہ لوگ جو ان دونوں طبقوں کے بین بین ہیں،

اور ان تینوں طبقوں میں صحابہ کے ساتھ جو صحابیات شامل ہیں ان کے نام حسب ذیل ہیں،

مکثرین میں جن کے متعلق علامہ ابن حزم نے لکھا ہے کہ اگر ان کے فتاوی جمع کئے جائیں تو ہر ایک کے فتاوی سے ضخیم جلدیں تیار ہو سکتی ہیں، حضرت عائشہؓ داخل ہیں،

متوسطین میں جن کے فتاوی رسالوں کی صورت میں جمع ہو سکتے ہیں حضرت ام سلمہؓ شامل ہیں،

مقلین جن سے صرف چند مسائل منقول ہیں، ان میں بکثرت صحابیات شامل ہیں، مثلاً حضرت ام عطیہؓ، حضرت صفیہؓ، حضرت حفصہؓ، حضرت ام حبیبہؓ، لیلی بنت قانف، حضرت اسماءؓ، حضرت ام شریکؓ، حضرت خولاؓ، حضرت عاتکہ بنت زیدؓ، حضرت سہلہؓ، حضرت جویریہؓ، حضرت میمونہؓ، حضرت فاطمہ، حضرت فاطمہ بنت قیسؓ، رضی اللہ عنہم وغیرہ،

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ مطبوعہ مصر ص ۱۱۲ [2] مسلم کتاب الطہارت باب استحباب استعمال المغتسلۃ من الحیض فرصۃ من مسک فی موضع الدم،

خاتمہ

مناقبِ صحابیات رضی اللہ عنہن

یہ ایک مختلف فیہ مسئلہ ہے، کہ صحابہ کرام میں سب سے افضل کون ہے؟ عام اہلِ سنت والجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ خلفائے راشدین تمام صحابہ میں افضل ہیں اور خود خلفاء میں فضیلت کے مدارج ترتیب خلافت کی رو سے قائم ہوئے ہیں، لیکن علامہ ابن حزم ظاہری کے نزدیک ازواج مطہرات تمام صحابہ سے افضل ہیں، اور اس مسئلہ کو انھوں نے اپنی کتاب ملل و النحل میں نہایت تفصیل کے ساتھ لکھا ہے اور اسی سلسلہ میں اُن آیات و احادیث کے جوابات بھی دیئے ہیں، جن سے بظاہر یہ ثابت ہوتا ہے کہ عورتوں کا درجہ عموماً مردوں سے کم ہے لیکن اس وقت ہم ان مباحث میں پڑنا نہیں چاہتے، بلکہ مذہبی اور اخلاقی حیثیت سے جو وجوہ فضیلت قائم ہو سکتی ہیں، ان کو پیشِ نظر رکھ کر صحابیات کے مناقب میں صحیح حدیثیں نقل کر دیتے ہیں، جن سے ثابت ہوگا کہ جن وجوہ کی بنا پر صحابہ کرام کے فضائل کی بنیاد قائم ہوئی ہے ان میں ان کے ساتھ صحابیات بھی شامل ہیں،

اسلام میں سب سے بڑی فضیلت تقدم فی الاسلام ہے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس فضائل میں یہ فضیلت سب سے نمایاں ہے، لیکن اس فضیلت میں ان کے ساتھ دو عورتیں بھی شامل ہیں، یعنی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اور سمیہ رضی اللہ عنہا یا ام ایمن رضی اللہ عنہا، چنانچہ بخاری مناقب ابوبکر رضی اللہ عنہ میں حضرت عمار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے،

رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وما معہ الا خمسۃ اعبد	میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس حالت میں دیکھا ہے کہ آپ کے ساتھ صرف پانچ غلام

امرأتان وابوبکر — دو عورتیں اور حضرت ابوبکرؓ تھے ،

تقدم فی الاسلام کے بعد سب سے بڑی فضیلت تقدم فی الہجرت ہے اور اس فضیلت میں تمام مہاجرات اولات صحابہ کی شریک ہیں، چنانچہ علامہ ابن حزم ظاہری ملل ونحل میں لکھتے ہیں :

فلسنا نشك ان المهاجرات	ہم کو اس میں شک نہیں ہے کہ صحابہ رضی اللہ
الاولات من نساء الصحابة رضي الله	عنہم کی بی بیوں میں مہاجرات اولات فضیلت
عنهم يشاركن الصحابة في الفضل	میں صحابہ کی شریک ہیں ان میں کسی عورت کو کسی
ففاضلة ومفضولة وفاضل	عورت پر اور کسی مرد کو کسی مرد پر فضیلت حاصل
ومفضول ففيهن من يفضل	ہے، عورتوں میں بعض عورتیں بہت سے مردوں
كثيراً من الرجال وفي الرجال	پر فضیلت رکھتی ہیں اور اسی طرح مردوں
من يفضل كثيراً منهن و	میں بعض مرد بہت سی عورتوں پر فضیلت
ما ذكر الله تعالى منزلة	رکھتے ہیں، خدا نے فضیلت کا کوئی درجہ
من الفضل الا وقرن النساء	ایسا نہیں بیان کیا جس میں مردوں کے
مع الرجال فيها كقوله تعالى	ساتھ عورتوں کو نہ شامل کیا ہو، مثلاً خدا کا
إِنَّ الْمُسْلِمِينَ وَالْمُسْلِمَاتِ [1]	یہ قول کہ مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں،

اسلام میں سب سے پہلی ہجرت حبشہ کی ہجرت ہے، اور اس ہجرت میں ایک صحابیہ کو ایک ایسا شرف حاصل ہوا جس پر تمام مہاجرین حبشہ کو ناز تھا، چنانچہ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ جب ہم کو مدینہ کی طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کا حال معلوم ہوا تو ہم نے بھی اپنی قوم کے ۵۲ یا ۵۳ آدمی کے ساتھ ہجرت کا ارادہ کیا اور اس غرض سے کشتی پر سوار ہو کر مدینہ کی طرف روانہ ہوئے سو اتفاق سے کشتی حبش میں جا پڑی، اور ان لوگوں کی ملاقات حضرت جعفر بن ابی طالبؓ اور ان کے رفقاء سے ہوگئی، چنانچہ حضرت جعفرؓ نے ان لوگوں سے کہا کہ ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں بھیجا ہے اور یہیں اقامت کا حکم دیا ہے تم لوگ بھی ہمارے ساتھ اقامت کرو، ان لوگوں نے وہاں اقامت اختیار کی، یہاں تک کہ جب خیبر فتح ہوا تو سب کے سب ایک ساتھ آئے اور خیبر ہی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] ملل ونحل جلد ۴ ص ۱۲۶،

سے ملے، اس موقع پر ان کو یہ فضیلت حاصل ہوئی کہ جو لوگ غزوۂ خیبر میں شریک نہ تھے، ان میں ان کے سوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو مال غنیمت میں حصہ نہیں دیا، ان لوگوں سے بعض صحابہ نے کہا کہ ہم نے تم سے پہلے ہجرت کی ہے، حضرت اسماء بنت عمیس بھی ان ہی لوگوں کے ساتھ حبشہ سے آئی تھیں، وہ ایک روز حضرت حفصہؓ کی ملاقات کو گئیں تو حضرت عمرؓ بھی آگئے اور ان کو دیکھ کر پوچھا کہ یہ کون ہے؟ حضرت حفصہؓ نے جواب دیا کہ اسماء بنت عمیس، ان کا نام سن کر حضرت عمرؓ نے فرمایا حبشیہ ہے یہ بحریہ (یعنی سمندر کی رہنے والی) ہے، حضرت اسماء بنت عمیسؓ نے کہا کہ ہاں میں ہوں، اب حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ تم نے ہم سے پہلے ہجرت کی ہے ہم تم سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مستحق ہیں، یہ سن کر حضرت اسماءؓ برہم ہوئیں اور کہا کہ عمر تم غلط کہتے ہو خدا کی قسم تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہتے تھے اور آپ تمہارے بھوکے کو کھانا کھلاتے تھے اور تمہارے جاہل کو نصیحت کرتے تھے اور ہم حبش کے دور ترین مبغوض زمین میں پڑے ہوئے تھے، ہم کو ایذا دی جاتی تھی، ہم خائف رہتے تھے اور یہ سب کچھ صرف خدا اور خدا کے رسول کی ذات کے لئے تھا، خدا کی قسم تم نے جو کچھ کہا ہے جب تک اس کا ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہ کرلوں گی نہ کھانا کھاؤں گی نہ پانی پیوں گی، خدا کی قسم کسی قسم کا جھوٹ نہ بولوں گی، کج روی نہ اختیار کروں گی اور اس واقعہ میں کوئی اضافہ نہ کروں گی، چنانچہ جب آپ تشریف لائے تو انہوں نے اس واقعہ کو بیان کیا اور آپ نے اس کو سن کر فرمایا وہ تم سے زیادہ میرے مستحق نہیں ہیں، عمر اور ان کے اصحاب کی صرف ایک ہجرت ہے اور تم اہل کشتی کی دو ہجرتیں ہیں، حضرت اسماءؓ کا بیان ہے کہ ابو موسیٰؓ اور دوسرے کشتی والے جوق در جوق میرے پاس آتے تھے اور اس حدیث کو پوچھتے تھے ان کے لئے دنیا کی کوئی چیز اس سے زیادہ مسرت خیز اور باعظمت نہ تھی، حضرت ابو موسیٰؓ بار بار مجھ سے اس حدیث کو پوچھتے تھے۔[1]

فضیلت کی ایک بڑی وجہ محبت رسول ہے اور اس محبت کی وجہ سے بعض صحابیات کو وہ درجۂ تقرب رسول حاصل ہوا، جو صرف مخصوص صحابہ کو حاصل تھا، صحیح مسلم میں روایت ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ازواج مطہرات کے سوا بجز حضرت ام سلیمؓ (حضرت انسؓ کی ماں) کے کسی عورت کے پاس تشریف نہیں لے جاتے تھے چنانچہ آپ سے اس کی وجہ پوچھی گئی تو آپ نے فرمایا مجھے ان پر

[1] مسلم باب من فضائل جعفر بن ابی طالبؓ و اسماء بنت عمیسؓ و اہل سفینتہم۔

رحم آتا ہے کیونکہ ان کے بھائی میرے ساتھ شہید ہوئے تھے[1] جس لطف و محبت کے ساتھ آپ ان کے گھر تشریف لیجاتے تھے اسی لطف و محبت کے ساتھ وہ آپ کی خدمت گذاری بھی کرتی تھیں، بخاری کتاب الاستیذان میں ہے کہ جب آپ ان کے گھر تشریف لیجاتے تھے تو وہ آپکے لئے بچھونا بچھا دیتیں، آپ آرام فرماتے جب سوکر اٹھتے تو وہ آپ کا پسینہ ایک شیشی میں جمع کرلیتیں، مرتے وقت وصیت کی کہ کفن میں خوشبو کے ساتھ عرق مبارک بھی شامل کیا جائے حضرت انس بن مالکؓ کی خالہ ام حرامؓ کو بھی اکثر یہ شرف حاصل ہوتا تھا، چنانچہ معمول تھا کہ جب آپ قبا کو تشریف لیجاتے تو ان کے پاس ضرور جاتے وہ اکثر کھانا لاکر پیش کرتیں اور آپ نوش فرماتے آپ سوجاتے تو وہ آپکے بالوں سے جوئیں نکالتیں[2]

مخصوص صحابیات کے علاوہ قومی حیثیت سے بھی بعض صحابیات کو بعض معاشرتی فضائل حاصل ہیں اور ان فضائل میں اس قبیلے کی تمام صحابیات شامل ہیں مثلاً ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام ہانیؓ سے نکاح کی خواہش کی، تو انہوں نے یہ معذرت کی کہ میرا سن زیادہ ہوگیا اور میرے لڑکے ہیں (جن کی پرورش میرے لئے ضروری) ہے اس موقع پر آپ نے عموماً قریشی عورتوں کی یہ فضیلت بیان کی،

خیر نساء رکبن الابل نساء	شترسوار عورتوں میں سب سے بہتر قریش کی
قریش احناہ علی یتیم فی	عورتیں ہیں، بچپن میں اپنے یتیم بچے سے محبت
صغرہ و ارعاہ علی زوج فی	رکھتی ہیں، اور اپنے شوہر کے مال کی بہت
ذات یدہ[3]	زیادہ حفاظت کرتی ہیں،

انصار کا قبیلہ اسلام میں ایک خاص درجہ فضیلت رکھتا ہے اور اس قبیلہ کے مرد اور عورت دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یکساں محبوب تھے چنانچہ حضرت انس بن مالکؓ سے مروی ہے کہ ایک بار انصار کی عورتیں اور انصار کے لڑکے ایک شادی کی تقریب سے واپس آرہے تھے آپ نے ان کو دیکھا تو کھڑے ہوگئے اور تین بار فرمایا کہ "تم لوگ میرے نزدیک تمام لوگوں سے زیادہ محبوب ہو" دوسری روایت میں ہے کہ ایک انصاریہ اپنا بچہ لیکر آئیں اور آپ نے ان سے گفتگو فرمائی

[1] صحیح مسلم باب من فضائل ام انسؓ ابن مالک و بلالؓ [2] بخاری کتاب الجمعہ، ص ۲۹۱، [3] مسلم باب من فضائل نساء قریش،

اور اسی سلسلہ میں دوبارہ فرمایا کہ "اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، تم تمام لوگوں میں مجھے سب سے زیادہ محبوب ہو۔"[1]

ان فضائل کی بنیاد پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم بھی صحابیات کی قدر و منزلت کو قائم رکھا چنانچہ صحیح مسلم میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا کی ملاقات کو تشریف لے جایا کرتے تھے آپ کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ آؤ چلیں، جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی ملاقات کو جایا کرتے تھے اسی طرح ہم بھی ان کی ملاقات کر آئیں چنانچہ جب ان کے پاس پہنچے تو وہ رو پڑیں ان لوگوں نے کہا کیوں روتی ہو خدا کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جو درجہ ہے وہ نہایت بہتر ہے بولیں میں اس لئے نہیں روتی کہ میں اس سے ناواقف ہوں بلکہ اس لئے روتی ہوں کہ وحی کا آسمانی سلسلہ ٹوٹ گیا اس پر یہ دونوں بزرگ بھی رو پڑے۔[2]

عام صحابیات کے علاوہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو جو عزت حاصل تھی عورتوں کی تاریخ میں اس کی نظیر نہیں مل سکتی، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حرم محترم نے انتقال کیا تو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سجدے میں گر پڑے لوگوں نے کہا آپ اس وقت سجدہ کرتے ہیں؟ بولے "جب قیامت کی کوئی نشانی دیکھو تو سجدہ کر لیا کرو، پھر ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کی موت سے بڑھ کر قیامت کی کون سی نشانی ہوگی؟"[3] مقام سرف میں حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا نے وفات پائی، تو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بھی ساتھ تھے بولے کہ "یہ میمونہ ہیں ان کا جنازہ اٹھاؤ تو مطلق حرکت و جنبش نہ دو۔"[4]

بعض صحابہ رضی اللہ عنہم عزت و محبت کی وجہ سے ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن پر اپنی جائدادیں وقف کرتے تھے چنانچہ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے لئے ایک باغ کی وصیت کی تھی جو چار ہزار پر فروخت کیا گیا۔[5]

خلفاء ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کا نہایت ادب و احترام کرتے تھے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کی تعداد کے لحاظ سے نو پیالے تیار کرائے تھے جب ان کے پاس کوئی میوہ اور کوئی کھانے

---

[1] مسلم بخاری کتاب المناقب باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم للانصار انتم احب الناس الی۔ [2] مسلم، باب من فضائل ام ایمن۔ [3] ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب السجود عند الآیات۔ [4] نسائی کتاب النکاح ذکر امر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی النکاح وازواجہ وما اباح اللہ عزوجل لنبیہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ [5] ترمذی کتاب المناقب مناقب عبدالرحمن ابن عوف۔

کی عمدہ چیز آتی، تو ان پیالوں میں کر کے تمام ازواجِ مطہراتؓ کی خدمت میں بھیجتے تھے[1]

۲۳ھ میں جب حضرت عمر امیر الحاج بن کر گئے تو ازواجِ مطہراتؓ کو بھی نہایت عزت کے ساتھ ہمراہ لے گئے، حضرت عثمانؓ اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کو سواریوں کے ساتھ کر دیا تھا، یہ لوگ آگے پیچھے چلتے تھے اور کسی کو سواریوں کے قریب آنے نہیں دیتے تھے ازواجِ مطہراتؓ منزل پر اترتی تھیں تو حضرت عثمانؓ اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کسی کو قیام گاہ کے متصل آنے کی اجازت نہیں دیتے تھے[2]

عام مسلمان ازواجِ مطہراتؓ کے ساتھ جو حسنِ عقیدت رکھتے تھے اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ لوگ عام طور پر حضرت عائشہؓ کی خدمت میں چھوٹے چھوٹے بچوں کو لاتے تھے اور وہ ان کے لئے دعائے برکت فرماتی تھیں[3] حضرت عائشہؓ بنت طلحہ نے حضرت عائشہؓ کے دامنِ تربیت میں پرورش پائی تھی، ان کا بیان ہے کہ لوگ دور دور سے میرے پاس آتے تھے اور چونکہ مجھ کو حضرت عائشہؓ سے تقرب حاصل تھا اس لئے بوڑھے بوڑھے لوگ میرے پاس آتے تھے، جوان لوگ مجھ سے بھائی چارہ کرتے تھے، اور مجھ کو ہدیہ دیتے تھے اور اطرافِ ملک سے خطوط بھیجتے تھے[4]

غرض ان تمام واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ اسلام نے عورت اور مرد دونوں کا درجہ یکساں بلند کیا اور خلفائے راشدینؓ اور عام مسلمانوں نے اس درجہ کو قائم رکھا لیکن صحابیات کو یہ درجہ صرف مذہب، اخلاق اور حسنِ معاشرت کی بنا پر حاصل ہوا تھا، اور آج بھی انہی چیزوں سے عورتیں اپنے درجے کو بلند کر سکتی ہیں،

---

[1] موطا، امام مالک کتاب الزکوٰۃ باب حرمۃ اہل الکتاب والمجوس [2] طبقات ابن سعد تذکرۂ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ [3] ادب المفرد باب الطیرۃ من الجن [4] ادب المفرد باب الکتابۃ الی النساء وجوابہن،

وان من اهل الکتاب لمن یومن باللہ وما انزل الیکم وما انزل الیہم

سیر الصحابہؓ ——— حصہ دوازدہم / ۱۲

اہل کتاب صحابہؓ و تابعینؒ

جس میں ترانوے ۹۳ ایسے صحابہؓ، صحابیاتؓ، تابعینؒ اور تابعاتؒ کے سوانح اور کارنامے درج ہیں، جو مذہباً یہودی یا نصرانی تھے اور مشرف باسلام ہوئے۔ شروع میں ایک مقدمہ ہے، جس میں جزیرۂ عرب میں یہود و نصاریٰ کی قدیم تاریخ، ان کے تمدنی و سیاسی اثرات اور ان کی دینی و اخلاقی حالت کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔

تحریر و ترتیب

مولانا حافظ مجیب اللہ صاحب ندوی رفیق دار المصنفین

ناشر

ادارۂ اسلامیات ○ ۱۹۰۔ انارکلی ○ لاہور ۲

۴۸۶

فہرست مضامین

اہل کتاب صحابہؓ و تابعینؒ

نصاریٰ

فہرست اسمار

پیش لفظ

(از مولانا عبدالماجد دریا بادی)

موضوع کی ندرت یقین ہے کہ ہر پڑھنے والے کے دلکش ثابت ہوگی، کس کو خیال تھا کہ یہ بھی موضوع کسی مستقل کتاب کا بن سکتا ہے؟

فاطر کائنات کے انعامات اور نوازشیں کسی خاص عہد و زمانہ تک محدود نہیں، صدیوں پر صدیاں گذر گئیں، صحابیوں پر بہتر سے بہتر اور کیسی کیسی جامع کتابیں مرتب ہوگئیں، اس پہلو کی طرف کسی کا ذہن بھی منتقل نہ ہوا کہ جو اہل کتاب میں سے صحابہ ہوتے ہیں مخصوص ان کا تذکرہ یکجا کر دیا جائے، یہ سعادت چودھویں صدی ہجری کے وسط کے عہد کے ایک فرزند ندوہ کے لیے اُٹھ رہی تھی، ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاءُ۔

خیال کو عمل میں لانا آسان نہ تھا، کتنی ہی کتابیں غور و استیعاب کے ساتھ پڑھنی پڑیں، اور پھر بھی حالات و تفصیلات خاطر خواہ بہم نہ پہنچ سکے۔ سمندر کے کھنگالنے پر جتنے بھی موتی ہاتھ آگئے یہی بہت غنیمت ہیں، ۶۳ صحابی ۸ صحابیات ۱۳ تابعی، ۲ تابعات کے نام اور کم و بیش حالات فراہم ہوجانا کچھ تھوڑی بات نہ ہوئی، فرط احتیاط سے مؤلف سلمہ خود ہی کچھ رُک گئے، ورنہ چند نام تو اور اس فہرست میں بڑھ سکتے تھے۔

دُنیا کس طرف جا رہی ہے، روشن خیال دُنیا، قلم ہاتھ میں لیے ہوئے، نفس پرستی کے کیسے کیسے نئے عنوانوں کی طرف ہر روز لپک رہی ہے، اور کچھ اللہ کے بندے ہیں، اللہ اور رسول کے نام کے دیوانے اب بھی ایسے پڑے ہوئے ہیں کہ دن رات، اللہ والوں اور اللہ والیوں

ہی کے حالات کی ادھیڑ بن میں لگے ہوتے ہیں، نفع فوری اور صلہ عاجل حاصل ہو یا نہ ہو۔ "اجر غیر ممنون" کی توقع انہیں ـــــ بنائے رکھنے کے لیے کافی ہے۔

شروع کتاب میں عرب میں یہودیت و نصرانیت کی اجمالی تاریخ اور جغرافی نقشے بڑے کام کی چیزیں ہیں ـــــ رسالہ بحیثیت مجموعی "بہ قامت کہتر" ہونے کے ساتھ صحیح معنی میں "بہ قیمت بہتر" ہے۔ اور بڑی خوشی کی بات ہے کہ اس کی طبع و اشاعت کا سامان بھی اُسی ادارہ کی طرف سے ہو رہا ہے، جو سیرت صحابہ کے سلسلہ میں خدماتِ خصوصی کا امتیاز حاصل کئے ہوتے ہے۔

۲۰/ اپریل ۱۹۵۱ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ

وجہ تصنیف ندوہ کی تعلیم کا آخری سال تھا، علامہ زمخشری کی کشاف میں سورۂ آل عمران درس میں تھی، مومنینِ اہل کتاب کے متعلق جب کوئی آیت سامنے آتی تو اس کے شانِ نزول اور مصداق کے سلسلہ میں بار بار حضرت عبداللہ بن سلام یا ایک دو اور صحابی کا نام آتا، جب سورہ کی آخری آیت

وَاِنَّ مِنْ اَھْلِ الْکِتٰبِ	اہل کتاب میں سے بعض ہیں جو اللہ پر ایمان
لَمَنْ یُّؤْمِنُ بِاللّٰہِ وَمَآ	لاتے ہیں اور جو کتاب تمہاری طرف نازل کی گئی
اُنْزِلَ اِلَیْکُمْ وَمَآ اُنْزِلَ	(قرآن) اور جو کتاب ان کی طرف نازل کی گئی
اِلَیْھِمْ (الآیۃ)	اس پر یقین رکھتے ہیں۔

کی تفسیر شروع ہوئی تو حضرت عبداللہ بن سلام کے ساتھ اصحمۃ النجاشی، اور حبشہ اور نجران کے وفود کا ذکر بھی آیا، اس وقت میرے دل میں یہ سوال پیدا ہوا کہ تفسیر کی جتنی کتابیں اب تک نظر سے گذر چکی ہیں، ان سب میں یہ چیز مشترک ہے کہ جب مومنین اہل کتاب کا ذکر آتا ہے تو ارباب تفسیر دو چار مخصوص اہل کتاب صحابہ کے علاوہ کسی اور کے نام کا ذکر نہیں کرتے، تو آخر اس کی وجہ کیا ہے؟ میں نے اپنی اس خلش کا اظہار حضرت الاستاد جناب مولانا شاہ حلیم عطا صاحب سے کیا۔ انھوں نے مذکورہ ناموں کے علاوہ دو چار اور نام بتائے، اس وقت میں خاموش ہو گیا، اتفاق سے اسی روز یا اس کے دوسرے روز بخاری شریف کے درس میں

یہ حدیث

لو آمن بی عشرۃ من — اگر دس یہود بھی مجھ پر ایمان لاتے تو

الیہود لآمن بی الیہود — ان کی کافی تعداد ایمان لے آتی۔

سامنے آئی (حضرت شاہ صاحب ہی کے یہاں بخاری کا درس بھی تھا) میں نے ان سے پھر دریافت کیا کہ کیا دس یہود بھی ایمان نہیں لائے تھے؟ یہ تو اسلام کی بڑی ناکامیابی اور بے اثری کی دلیل ہے کہ اس نے اہل کتاب میں کوئی مقبولیت حاصل نہیں کی جبکہ وہ اس سے بڑی حد تک قریب بھی تھے۔[1] شاہ صاحب نے ارشاد فرمایا کہ اس سے بہت زیادہ اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ ایمان لائے تھے۔ اس حدیث میں عام یہود نہیں، بلکہ علماء اور خواص مراد ہیں۔[2] اس جواب سے گو تھوڑی سی تسکین ضرور ہو گئی لیکن پورے طور پر میری خلش رفع نہیں ہوئی اور بالآخر عہد طالب علمی کی یہی خلش اس کتاب کی تصنیف کا باعث ہوئی۔

ندوہ کی تعلیم کے ختم کرنے کے بعد جب میں دار المصنفین آیا تو رہ رہ کر یہ خلش مجھے بے چین کرتی تھی، اتفاق سے ایک دن ابن ہشام دیکھ رہا تھا کہ غزوۂ بنی قریظہ اور غزوۂ بنی نضیر کے سلسلہ میں دو چار اہل کتاب صحابہ کے ناموں پر نظر پڑی۔ اس سے مجھے مزید تسکین ہوئی میں نے استاذ الاساتذہ حضرت سید صاحب قبلہ سے دریافت کیا کہ کیا اہل کتاب صحابہ کے حالات کہیں یکجا مل سکتے ہیں؟ انھوں نے فرمایا کہ یکجا تو نہیں ملیں گے، ہاں ابن ہشام، سہیلی اور دوسری

---

[1] بعد میں یہ علم ہوا کہ اسی حدیث کے پیش نظر بعض مستشرقین خصوصیت سے تاریخ الیہود کے مصنف اسرائیل ولفنسون نے یہ ثابت کیا ہے کہ یہود میں اسلام بہت زیادہ غیر مقبول رہا۔ (ص ۳۷)

[2] یہی جواب عام شراح حدیث حافظ ابن حجرؒ وغیرہ نے دیا ہے۔ واقعات سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ چند سرداران یہود ہی عام یہود کے حلقہ بگوش اسلام ہونے میں سد راہ بنے رہے۔ حافظ ابن حجرؒ نے ان کے نام بھی لکھے ہیں۔

سیر کی کتابوں کا مطالعہ کرو تو متفرق طور پر ان کے نام اور حالات مل جائیں گے۔ میں نے تلاش و جستجو شروع کر دی، بہت دنوں تک مغازی و سیر کی کتابوں کی ورق گردانی کرتا رہا۔ لیکن میں نے اپنے ذہن میں جو طویل خاکہ بنایا تھا، اس میں رنگ بھرنے کا خاطر خواہ سامان ان کتابوں سے بہم نہ پہنچ سکا، پھر یہ خیال پیدا ہوا کہ طبقات و رجال کی کتابیں دیکھی جائیں، پہلے تو اس بحر زخار میں گوہر مقصود کی تلاش پر طبیعت آمادہ نہیں ہوئی۔ لیکن پھر اللہ تعالیٰ نے ہمت عطا فرمائی، اور تحقیق و تلاش شروع کر دی، برسوں کی محنت و جانفشانی کے بعد جو کچھ حاصل ہو سکا وہ پیش کش ناظرین ہے۔

مآخذ سیر کی کتابوں کے بعد رجال کی کتابوں میں سب سے پہلے حافظ ذہبی کی "تجرید اسماء الصحابہ" شروع سے آخر تک پڑھی۔ پھر استیعاب اور اسد الغابہ، اور ان سب کے بعد اصابہ کی ورق گردانی کی۔ اس سلسلہ میں قبائل اور مقامات کی تحقیق کی ضرورت پڑی تو اس کے لیے کتاب الانساب سمعانی اور معجم البلدان کی طرف رجوع کیا گیا۔

شروع میں تو یہ کتاب اہل کتاب صحابہ کے حالات تک محدود تھی لیکن جب میں نے اصابہ کا بالاستیعاب مطالعہ شروع کیا تو اس میں بعض اہل کتاب تابعین کے ناموں پر بھی نظر پڑی، جن کو میں جمع کرتا گیا چونکہ یہ تھوڑے سے تھے اس لیے ان کو بھی اس کتاب کے آخر میں شامل کر دیا گیا۔

جن بزرگوں کے اہل کتاب ہونے میں شبہ ہے بعض قبائل کے متعلق تصریح ہے کہ وہ یہودی یا نصرانی تھے، لیکن جب تک اس قبیلہ کے کسی بزرگ کے متعلق مخصوص طور پر معلوم نہیں ہو گیا کہ وہ اہل کتاب میں سے تھے اس وقت تک ان کو اس فہرست میں نہیں لیا گیا، مثلاً بنو تغلب کے متعلق اسد الغابہ میں تصریح ہے کہ،

لان بنی تغلب کانوا نصاری — اس لیے کہ بنو تغلب نصاری تھے

(ص ۵۷/۱۵)

اسد الغابہ میں دوسری جگہ ہے،

ان کثیرا من العرب	بہت سے عربی قبایل عیسائی ہو گئے تھے
قد تنصر کتغلب (۲۲۴/۵۵)	مثلاً تغلب۔

لیکن بہت سے تغلبیوں کو اس فہرست میں اس لیے نہیں لیا گیا ہے کہ خاص طور پر ان کے عیسائی ہونے کی کوئی تصریح نہیں مل سکی۔

اسی طرح حضرت تمیمؓ داری شام کے رہنے والے تھے اور شام میں عموماً عیسائی ہی آباد تھے۔ حضرت تمیمؓ جب خدمتِ نبوی میں آئے تو ان کے اہل خاندان کا ایک وفد بھی ان کے ساتھ تھا۔ لیکن ان سب میں صرف حضرت تمیمؓ اور ان کی ایک عزیزہ کو اس فہرست میں لیا گیا اس لیے کہ دوسروں کے عیسائی ہونے کی کوئی تصریح نہیں مل سکی۔

اسی طرح مصر کے قبطی عام طور پر عیسائی تھے لیکن بہت سے قبطی صحابہ کو اس لیے چھوڑ دیا گیا کہ ان کی قومی نسبت کے علاوہ اور کوئی ثبوت ان کے عیسائی ہونے کا نہیں مل سکا۔

جن بزرگوں کے اہل کتاب ہونے میں شبہہ ہے ان کے نام ذیل میں درج کیے جاتے ہیں۔

نام	کیفیت
۱۔ ابو ہند الداری	یہ حضرت تمیم داریؓ کے چچازاد بھائی تھے۔ معلوم نہیں انھوں نے عیسائیت قبول کی تھی یا نہیں۔
۲۔ احمد بن عبداللہ بن سلام	ان کا تذکرہ ابن ندیم نے کیا ہے[1]۔ لیکن رجال کی کتابوں میں حضرت عبداللہ بن سلام کے دو صاحبزادوں حضرت یوسف اور حضرت محمد کا نام تو مذکور رہے جو شرفِ صحابیت سے بھی بہرہ ور تھے۔ لیکن احمد

[1] ابن ندیم ص ۳۳

	نام کے کسی صاحبزادے کا تذکرہ نہیں مل سکا۔ ہو سکتا ہے کہ یہ محمد کی تصحیف ہو، واللہ اعلم،
۳۔ تبیع بن امرأة کعب الاحبار	یہ کعب احبار کے ربیب تھے۔
۴۔ ذکوان بن یامین	ان کے اسلام میں اختلاف ہے۔
۵۔ سلمہ بن سعد	اصابہ میں ہے کہ یہ حضرت شعیب کی قوم سے تھے۔
۶۔ سلمہ بن عیاض	ان کے اشعار سے پتہ چلتا ہے کہ یہ اہل کتاب میں سے تھے، لیکن تصریح نہیں ملتی۔
۷۔ فیروز الدیلمی	کسریٰ کے اسیر تھے، ممکن ہے کہ رومی عیسائی ہوں
۸۔ ابن التیہان،	ابن ندیم نے ان کو اہل کتاب میں شمار کیا ہے[1] اگر اس سے مراد ابوالہیثم بن التیہان ہیں تو وہ اہل کتاب میں نہیں بلکہ انصاری تھے، اور اگر کوئی اور ابن التیہان ہیں تو کتب رجال میں ان کا تذکرہ نہیں ملتا۔
۹۔ ام المہاجر الرومیۃ	رومیہ کی نسبت کی وجہ سے ان کے عیسائی ہونے کا امکان ہے۔
۱۰۔ ابن جریج تابعی	تذکرۃ الحفاظ وغیرہ میں ان کو رومی بتایا گیا ہے۔ چنانچہ اسی بنا پر صاحب فجر الاسلام نے ان کو نصرانی لکھا ہے[2]۔ لیکن اس قومی نسبت کے علاوہ ان کے عیسائی ہونے کا اور کوئی ثبوت رجال کی کتابوں میں نہیں مل سکا۔ اس لیے ان کا نام اس فہرست میں لیا گیا ہے۔

[1] ابن ندیم ص ۳۳ [2] ج ۱ - ص ۲۲۶

۱۱- ابنۃ عم صفیہ	ابن سعد نے طبقات میں اور امام محمد نے السیر الکبیر میں ان کا تذکرہ کیا ہے۔ امام محمد نے لکھا ہے کہ غزوۂ خیبر میں حضرت صفیہ اور ان کی ایک چچازاد بہن گرفتار ہوئیں حضرت صفیہؓ حضرت دحیہ کلبیؓ کے حصے میں آئی تھیں مگر بعض اہم مصالح کے تحت آپ نے ان کو ان سے واپس لے لیا اور ان کے بجائے ان کی چچازاد بہن کو انہیں دے دیا چونکہ انؓ کے اسلام لانے کا کوئی تذکرہ موجود نہیں ہے اس لیے ہم ان کا ذکر اس فہرست میں نہیں کیا ہے (السیر الکبیر ص ۱۸۶/۱۷)

حبشہ کے وفد میں عیسائیوں کی ایک بڑی تعداد خدمت نبوی میں حاضر ہوئی اور مشرف باسلام ہوئی۔ اس کے علاوہ نعیم الحبر کے ہاتھ پر جن کا تذکرہ آچکا ہے چالیس علمائے یہود نے اسلام قبول کیا تھا لیکن افسوس ہے کہ ان کے حالات تو کیا پورے نام بھی سیر و رجال کی کتابوں میں نہیں ملتے۔

ترتیب اور ناموں کی تعداد کتاب میں پہلے صحابہ کے حالات حروف تہجی کے اعتبار سے درج ہیں۔ پھر اسی ترتیب سے تابعین اور ان کے بعد صحابیات اور پھر تابعات کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

پوری کتاب میں ترسٹھ[۱] صحابہ، سات صحابیات اور تیرہ تابعین اور دو تابعات کے حالات درج ہیں جن میں سے صحابہ میں ۳۹ یہودی اور ۲۴ عیسائی اور تابعین میں ۴ یہودی اور ۹ نصرانی اور صحابیات میں ۳ یہودیہ اور ۴ نصرانیہ اور تابعات میں ایک یہودی اور ایک عیسائی ہیں۔

کتاب کے شروع میں ایک مقدمہ ہے جس میں جزیرہ عرب کے یہود و نصاریٰ کی تاریخ اور ان کے سیاسی تمدنی اور اخلاقی حالات پر تفصیل سے بحث کی گئی ہے۔ آخر میں ایک نقشہ بھی ہے جس میں ان کے مرکزی مقامات اور قبائل کا جائے وقوع دکھایا گیا ہے

خادم- مجیب اللہ ندوی

[۱] آٹھ صحابیات کا تذکرہ ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

کتاب میں بہت سے مقامات اور قبائل کے نام اور یہود و نصاریٰ کی تمدنی اور اخلاقی حالت اور ان کے قبول اور عدم قبول اسلام کے سلسلہ میں متعدد واقعات ایسے سامنے آئیں گے جن کے سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ جزیرۂ عرب کے یہود و نصاریٰ کی تاریخ پر ایک نظر ڈال لی جائے تاکہ موضوع کا پورا پس منظر سامنے آجائے اور کتاب کے بعض گوشے جو اس کے بغیر تشنہ بیان رہ جاتے ہیں وہ واضح ہو جائیں۔ اسی ضرورت کے ماتحت یہاں یہود و نصاریٰ کی تمدنی، مذہبی اور اخلاقی حالت کا ایک مختصر خاکہ پیش کیا جاتا ہے لیکن چونکہ اس میں قصداً استقصا اور استیعاب کے بجائے اختصار سے کام لیا گیا ہے اس لیے ممکن ہے کہ موضوع کے بعض پہلو پورے طور پر سامنے نہ آسکیں، اس سلسلہ میں اگر کوئی فروگذاشت ہوئی ہو تو اہل علم سے درخواست ہے کہ وہ مجھے اس پر متنبہ فرما کر ممنونِ کرم فرمائیں وفوق کل ذی علم علیم۔

عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ اسلام سے پہلے جزیرۂ عرب کے باشندوں کا دنیا کے دوسرے ملکوں اور قوموں سے کوئی خاص تعلق نہ تھا اور نہ انھوں نے کسی ملک یا کسی قوم کا کوئی اثر قبول کیا تھا۔ لیکن جزیرۂ عرب کی تاریخ کے مطالعہ سے یہ بات صحیح نہیں معلوم ہوتی بلکہ اس کے برعکس یہ پتہ چلتا ہے کہ عربوں کے سیاسی، تمدنی اور تجارتی ہر قسم کے تعلقات ان کے پڑوسی ملکوں اور قوموں سے تھے۔ اور قوموں کے آپس کے اختلاط و ارتباط

اور ان کے باہمی سیاسی اور تمدنی تعلقات کے جو اثرات ایک دوسرے پر پڑتے ہیں وہ سب اہل عرب پر بھی پڑے تھے۔

عربوں اور دوسرے ملکوں اور قوموں میں باہم اختلاط اور تعلقات کے تین بڑے ذریعے یہ تھے۔

۱۔ تجارت۔

۲۔ ایران و روم کے ماتحت عربوں کی سرحدی حکومتیں یعنی غسان اور حیرہ وغیرہ۔

۳۔ یہودیت اور نصرانیت۔

پہلی دونوں شقیں ہمارے موضوع سے خارج ہیں، اس لیے صرف تیسری شق کے متعلق کچھ تفصیل ہم پیش کرتے ہیں اس میں دکھانا ہے کہ جزیرہ عرب میں ان مذاہب کی ابتداء کب سے ہوئی اور ان کو یہاں کیا کامیابی حاصل ہوئی۔ کن قبائل نے انھیں قبول کیا اور ان کے مرکزی مقامات کون کون سے تھے اور عہد جاہلیت میں عربوں کی مذہبی اور تمدنی زندگی پر ان قبائل کا کیا اثر پڑا اور پھر اسلام کے بعد مسلمانوں پر ان کے کیا اثرات پڑے۔ اور انھوں نے مسلمانوں سے کیا اثرات قبول کیے، پھر مجملاً یہ بھی ذکر آئے گا کہ ظہورِ اسلام سے پہلے اور اس کے بعد ان کی اخلاقی حالت اور ذہنی سطح کیا تھی اور قرآن مجید نے اس کے متعلق کیا اشارات کیے ہیں۔

مؤخر الذکر شق میں سے بھی پہلے ہم یہودیت، اس کے بعد نصرانیت کی تاریخ بیان کریں گے۔

یہودیت جزیرۂ عرب میں یہود[1] کی تاریخ دو دوروں پر منقسم ہے۔ پہلا دور ۷۰ ق م سے

---

[1] اس وقت حضرت موسیٰؑ کے ماننے والے کو یہود کہا جاتا تھا۔ لیکن ان کا قدیم اور اصلی نام بنی اسرائیل تھا (یعنی حضرت یعقوبؑ جن کا عبرانی نام اسرائیل تھا ان کی اولاد) بنی اسرائیل کے بجائے ان کا نام یہود حضرت موسیٰؑ کے بہت بعد غالباً حضرت سلیمانؑ کے عہد کے بعد پڑا (باقی حاشیہ برصفحہ ۱۹)

یہود بائدہ کا دور کہا جاتا ہے اور دوسرا دور ۵۰۰ق م سے ظہور اسلام تک، پہلے دور میں جو یہود جزیرۂ عرب میں آئے ان کے متعلق قدیم صحیفوں اور عربی تاریخوں میں متعدد روایتیں ملتی ہیں۔ لیکن یہ صحیح طور سے نہیں بتایا جا سکتا کہ کب سے ان کا وجود یہاں ملتا ہے۔ بعض عربی تاریخوں کی روایتوں سے تو پتہ چلتا ہے کہ حجاز میں اُن کی آمد حضرت موسیٰ کے زمانہ یعنی ۱۵۰۰ق م سے ہی شروع ہو گئی تھی۔ یاقوت نے معجم البلدان میں مدینہ کے باشندوں کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

حین اظہر (اللہ تعالیٰ	جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کو
(موسیٰ) علی فرعون فوطی الشام	فرعون پر غالب کیا تو انھوں نے فرعون
واھلك من كان بها منهم	کے اعوان و انصار کو ختم کرنے کے بعد
ثم بعث بعثاً آخر الی الحجاز	ایک فوج حجاز عمالیقؑ کی سرکوبی کے لیے
الی العمالیق وامرهم ان لا	بھیجی اور فوج کو حکم دیا کہ ان میں سے
یستبقوا احداً ممن بلغ الحکم	جو لوگ دین میں داخل ہو جائیں ان کے

(باقی حاشیہ صفحہ ۱۸) حضرت سلیمان کے بعد یہود دو حصوں میں بٹ گئے تھے۔ ایک گروہ موحد تھا۔ یہ گروہ حضرت سلیمانؑ کے فرزند ولی عہد کے ماتحت تھا۔ اصل میں یہوداہ ہی کا لقب تھا اس لیے کہ یہود کا لفظ ہود سے مشتق ہے جس کے معنی رجوع کے ہیں چونکہ یہ لوگ اللہ کی طرف رجوع ہوئے اس لیے ان کا نام یہود پڑ گیا۔ واللہ اعلم۔

دوسرا گروہ مشرک تھا جو کے تحت تھا، یہ حضرت سلیمانؑ کا سزا یافتہ اور دشمن تھا۔

لیکن ہمیں حضرت موسیٰؑ کے پہلے کے بنی اسرائیل سے نہیں بلکہ ان کے امتی اور ماننے والے جو اس وقت یہود کے نام سے مشہور ہیں ان سے بحث کرنی ہے۔ اس لیے ہم نے ہر جگہ یہود ہی کا لفظ استعمال کیا ہے، اس لیے غلط فہمی نہ ہونی چاہیے

قرآن پاک میں ان کا تذکرہ ان کے قدیم اور جدید دونوں ناموں سے کیا گیا ہے۔

(حاشیہ صفحہ ہذا) ۱؎ حجاز میں اس وقت عمالقہ کی حکومت تھی جن کا ظلم و ستم فرعون سے کچھ کم نہ تھا۔

الا من دخل فی دینه فقدموا
علیهم فقاتلوهم فاظهرهم
الله علیهم فقتلوهم وقتلوا
ملکهم الارقم واسروا
ابنا لـه شابا جمیلا کاحسن
من رای فی زمانه فضنوا به
عن القتل وقالوا نستحیه حتی
نقدم به علی موسیٰ فیری
فیه رایه فاقبلوا وهو
معهم وقبض الله موسیٰ
قبل قدومهم فلما قربوا
وسمع بنو اسرائیل بذلك
تلقوهم واسئلوهم عن
اخبارهم فاخبروهم
بما فتح الله علیهم قالوا
فما هذا الفتی الذی معلم
فاخبروهم بقصته فقالوا
ان هذه معصیة منکم
لما خالفتم امر نبیکم والله
لا دخلتم علینا بلادنا ابدا
فحالوا بینهم وبین الشام

علاوہ ہر بالغ کو ختم کر دیا جائے۔
چنانچہ وہ فوج حجاز گئی اور اس کو عمالقہ
پر غلبہ حاصل ہو گیا اور وہاں کا بادشاہ
ارقم قتل کیا گیا۔ اس کا ایک لڑکا گرفتار
ہوا۔ چونکہ وہ بہت خوبصورت اور معصوم
تھا اس لیے فوج اس کو اپنے ساتھ شام
لیتی آئی۔ اس لڑکے کے بارے میں وہ
غور کر رہے تھے کہ حضرت موسیٰؑ کے پاس
اسے لے جایا جائے یا نہیں۔ آخر کار اسے
وہ لے کر شام واپس آئے۔ اس وقت
حضرت موسیٰؑ کی وفات ہو چکی تھی۔ بنو اسرائیل
نے فوج سے حجاز کے حالات دریافت کیے۔
انھوں نے اپنی فتح کا واقعہ ان کے سامنے
سنایا۔ پھر اس نوجوان کے بارے میں
دریافت کیا تو انھوں نے صورت حال بتائی
اس پر بنو اسرائیل فوج پر خفا ہوئے کہ تم
نے حضرت موسیٰؑ کے قول کی خلاف ورزی
کی اس لیے تم شام میں نہیں رہ سکتے۔
چنانچہ وہ شام میں داخل نہیں ہو سکے
یہ صورت حال دیکھ کر فوج کے سردار
نے کہا کہ فوجیو! شام کے بعد تمھارے لیے

فقال ذالك الجيش ما يلد	حجاز ہی کی سرزمین بہتر ہے، تو وہیں
اذا منعتم بلد كم خير لكم	واپس چلو چنانچہ وہ حجاز واپس
من البلدى فتحتبوه وقتلتم	آئے۔ مدینہ اور حجاز میں یہود
اهله فارجعوا اليه فعادوا	کی یہ پہلی آبادی تھی جو یہاں آباد
اليها فاقاموا بها فهذا	ہوئی [1]
كان اول سكنى اليهود الحجاز	
والمدينة (ج ۷ ص ۲۲۷)	

اس روایت کے متعلق تاریخ الیہود کے مصنف اسرائیل ولفنسون نے لکھا ہے کہ یہ روایت قابلِ اعتبار نہیں ہے، اس لیے کہ صحف قدیم میں اس کا کوئی ذکر نہیں ہے لیکن ظاہر ہے کہ اس کی تردید کے لیے صرف اتنا ثبوت کافی نہیں ہے کہ "صحفِ قدیم میں اس کا تذکرہ نہیں ہے"۔ بہت سے ایسے قدیم تاریخی واقعات ملیں گے جو مسلمات کی حیثیت اختیار کر چکے ہیں، اگر صحف قدیم ان کے تذکرہ سے خالی ہیں، تو کیا یہ سب ناقابلِ اعتبار ہیں؟ اور پھر مصنف کو بھی یہ تسلیم ہے کہ ۱۲۰۰ ق۔م سے پہلے حجاز میں یہود کی آمد شروع ہو گئی تھی تو پھر اس روایت کے عدم قبولیت کا سبب اس کے علاوہ کچھ نہیں کہ وہ اپنی یہودی عصبیت کی بناء پر عربی ماخذ کی روایات کو کمزور کرنا چاہتا ہے، جیساکہ اس نے کتاب میں متعدد جگہ اس کا اظہار کیا ہے [2]۔

---

[1] اس روایت کو اغانی نے (ج ۱۱ ص ۹۱) میں اور سمہودی نے وفا الوفا ص ۱۱۱ میں اور ابن خلدون نے اپنی تاریخ ج ۲ ص ۲۸۷ میں نقل کیا ہے۔

[2] اس روایت کو ناقابلِ اعتبار ٹھہرانے میں مصنف کی غلط فہمی کا سبب شاید یہ ہو کہ اس روایت کا ماخذ اس نے صرف اغانی کو سمجھا ہے، حالانکہ دوسری مستند کتابوں جن کا تذکرہ اوپر آچکا ہے ان میں بھی یہ روایت موجود ہے۔

اس کے بعد جزیرۂ عرب میں یہود کی دوسری آمد بنی شمعون کی ہجرت قرار پا سکتی ہے۔ اس کے متعلق صحفِ قدیم کا بیان ہے کہ وہ چراگاہ کی تلاش کے لیے طورِ سینا تک گئے اور وہاں ان سے اور قبائلِ معان سے جو وہاں کے قدیم باشندے تھے، جنگ ہوئی جس میں بنی شمعون غالب رہے۔ وہ پورا بیان یہ ہے:

"۳۸۔ یہ جن کے نام مذکور ہوئے اپنے اپنے گھرانے کے سردار تھے اور ان کا آبائی گھرانہ بہت بڑھ گیا۔ ۳۹۔ اور وہ جدور کی درآمد تک اس وادی کے پورب تک اپنے گلوں کے لیے چراگاہ ڈھونڈنے گئے۔ ۴۰۔ وہاں انھوں نے ستھری اور اچھی چراگاہ پائی کہ وہ زمین وسیع اور چکنی اور سکھ کی جگہ تھی۔ آحام کے لوگ قدیم سے اس میں رہتے تھے۔ ۴۱۔ اور وہ جن کے نام لکھے گئے ہیں شاہ یہودا اور حزقیاہ کے دنوں میں چڑھ آئے اور انھوں نے ان کا پڑاؤ مارا اور مونیم[1] جو وہاں ملے قتل کیا ایسا کہ وہ آج کے دن تک نابود ہیں اور ان کے گھروں میں آپ رہے کیونکہ ان کے گلے کے لیے وہاں چرائی تھی۔ ۴۲۔ اور ان میں سے یعنی بنو شمعون کے بیٹوں میں سے پانچ سو مرد شعیر کے پہاڑ پر گئے اور یشعی کے فلطیاہ اور نعریاہ اور رفایاہ اور عزئیل ان کے سردار تھے۔ ۴۳۔ اور ان باقی عمالیقیوں کو جو بھاگ نکلے تھے قتل کیا اور آج کے دن تک وہاں بسنے ہیں۔" (تواریخ ا باب ۴)

اس ہجرت کی سنہ کی تعیین میں اختلاف ہے۔ ڈوزی (DOZIY) نے

---

[1] مونیم یعنی قبائلِ معان یا معین جو مکہ اور یثرب کے اطراف میں آباد تھے (تاریخ الیہود ص ۵) اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل سے اور قبائلِ معان میں جو جنگ ہوئی اس میں بنی اسرائیل غالب رہے اور انھوں نے معان کو قتل کر کے اس سرزمین پر قبضہ کر لیا۔ یہ قبائلِ عرب کے بہت قدیم قبائل ہیں۔ انھوں نے کئی برس تک جزیرۂ عرب میں حکومت کی ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھیے ارض القرآن، جلد اوّل۔

اپنی کتاب "بنی اسرائیل مکہ میں" میں یہ ثابت کیا ہے کہ یہ ہجرت حضرت داؤد کے زمانہ سے کچھ پہلے یعنی سنہ ۱۰۰۰ ق م کے قریب ہوئی، لیکن مارگولیتھ (MORGOLOUTH) نے ڈوزی سے اختلاف کیا ہے اور اپنی کتاب "عربوں اور بنی اسرائیل کے تعلقات" میں یہ ثابت کیا ہے کہ یہ ہجرت حزقیل کے وقت میں ہوئی جنھوں نے سنہ ۶۹۱ سے سنہ ۷۱۶ ق م تک بلادِ یہودا پر حکومت کی ہے۔

خود بائبل کے مترجمین نے اس ہجرت کے سنہ کی جو تعیین کی ہے اس سے بھی مارگولیتھ کے خیال کی تائید ہوتی ہے یعنی انھوں نے اس کو سنہ ۷۱۵ ق م کا واقعہ قرار دیا ہے۔

"تاریخ الیہود" کے مصنف کا خیال ہے کہ کم از کم اس ہجرت کا زمانہ سنہ ۱۲۰۰ ق م ہے۔ لیکن اس نے کوئی ثبوت پیش نہیں کیا ہے، غالباً اس نے یہ رائے اس لیے قائم کی ہے کہ بائبل میں اس واقعہ کا سنہ تو سنہ ۷۱۵ ق م درج ہے، لیکن اس واقعہ سے پہلے اور بعد کے جتنے واقعات ہیں وہ سب سنہ ۱۳۰۰ ق م کے تحت درج ہیں۔ صرف اسی واقعہ کے سامنے سنہ ۷۱۵ ق م درج ہے۔

بہر حال اس سے اتنا تو ثابت ہوتا ہے کہ سنہ ۵۰۰ ق م سے پہلے بنی شمعون عرب میں آباد ہو چکے تھے اسی اختلاف روایات کی بنا پر بعض مستشرقین نے بنی شمعون کے وجود ہی سے انکار کر دیا ہے، لیکن کتاب یوشع بن نون کے دیکھنے سے ان کے اس خیال کی تردید ہو جاتی ہے۔ اس میں ان قبائل کے نام اور ان کے جائے قیام کے حدود مفصل درج ہیں[1]۔

اس کے علاوہ صحفِ قدیم کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ عرب تاجر برابر کنعان اور بنی اسرائیل کے دوسرے شہروں تک سامانِ تجارت لے کر جایا کرتے تھے۔ اور یہود تجار سبا تک برابر تجارتی سفر کرتے رہتے تھے[2]۔ اوپر یہود اور عمالقہ کی جنگ کا ذکر آچکا ہے۔ اس کے علاوہ متعدد بار عمالقہ اور عربی قبائل میں لڑائیاں ہوئی ہیں[3] جو یہود کے عرب میں متوطن ہونے کا بڑا سبب ہوئیں۔

---

[1] کتاب یوشع بن نون فصل ۱۹ - آیت ۱ تا ۹ - [2] حزقیاہ باب ۲۷ آیت ۲۱ -

[3] ملوک ج ۱ باب ۹ آیت ۲۶ -

غرض ان ہی مذکورہ اسباب کی بنا پر حجاز میں یہود کی آمد و رفت اور بود و باش شروع ہوئی، لیکن اس دور کے یہود کے تاریخی آثار باقی نہیں رہ گئے ہیں اس لیے ان کو یہود بائدہ (یعنی مٹ جانے والے) کہا جاتا ہے۔

دوسرا دور | دوسرے دور میں جو یہود حجاز آئے، وہ زیادہ تر شام و فلسطین کے باشندے تھے۔ وہ کیا اسباب تھے جن کی بنا پر انھوں نے اپنے سرسبز و شاداب وطن کو چھوڑ کر جزیرۂ عرب جیسی بے آب و گیاہ سرزمین کا رخ کیا۔ ان کی تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے۔ مختصر طور پر ان کی ہجرت کے تین قومی سبب یہ تھے۔

۱۔ فلسطین میں یہود کی آبادی بہت زیادہ بڑھ گئی تھی، چنانچہ اس وقت ان کی تعداد چالیس لاکھ تک بتائی جاتی ہے۔ ظاہر ہے کہ فلسطین جیسی چھوٹی جگہ میں اتنی کثیر آبادی کا فراغت اور خوشحالی کے ساتھ رہنا، اور پھر اس کے ذرائع معاش کا مہیا ہونا دشوار ہوگا۔ اس لیے وہ عرب اور عراق کا رُخ کرتے تھے، جہاں کی آبادی اُن کے رقبہ کے اعتبار سے بہت کم تھی اور پھر جیسا کہ اُوپر ذکر آچکا ہے یہود کی آبادیاں متفرق طور سے پورے جزیرۂ عرب میں پھیلی ہوئی تھیں جو یہاں اُن کی آمد کا ایک بڑا سبب بن گئیں۔

۲۔ پہلی صدی ہجری میں رومیوں نے متعدد بار فلسطین پر حملہ کیا یہاں تک کہ یہود کو زمام حکومت ان کے ہاتھ میں دینا پڑی، لیکن ظاہر ہے کہ فلسطین یہود کا صرف وطن ہی نہیں تھا بلکہ وہ ان کی سب سے مقدس عبادت گاہ بھی تھی اس لیے وہ چین سے نہیں بیٹھے اور بغاوت کے فتنے برابر اُٹھاتے رہے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ رومیوں نے ان پر ہر قسم کے ظلم توڑنے شروع کردیے اب ان کے لیے اس کے سوا کوئی چارۂ کار نہیں تھا کہ فلسطین چھوڑ کر کہیں ہجرت کرجائے جس کے لیے ان کو سب سے قریب آزاد سرزمین جزیرۂ عرب ہی کی مل سکتی تھی[۱]۔

---

۱ ویری یومی لیشر ئیل بحوالہ تاریخ الیہود ص ۹۔

۳- اس کے بعد پہلی صدی ہجری یعنی شرمیں رومیوں اور یہودیوں میں ایک زبردست جنگ ہوئی جس میں پورا فلسطین تہ و بالا ہوگیا۔ یہاں تک کہ بیت المقدس کی مشہور عبادت گاہ تک برباد کر دی گئی۔ اس جنگ میں یہودیوں کو شکست اٹھانی پڑی، اور اس شکست کے بعد خاص طور سے ان کے قافلے کے قافلے فلسطین سے نکلنے لگے، اور ان کو جہاں جائے پناہ ملی، وہاں چلے گئے۔ ان تارکینِ وطن میں ایک بڑی تعداد نے عرب کا رُخ کیا، جہاں ایک کثیر تعداد میں یہود پہلے سے موجود تھے۔ یہود کی اس ہجرت کی پوری تفصیل یہودی مورخ یوسف جو ان جنگوں میں شریک بھی رہا ہے اس کے بیان سے معلوم ہوتی ہے[1]۔

رومیوں اور یہودیوں کی جنگ اور یہود کی جزیرۂ عرب کی طرف ہجرت کے متعلق بہت سی مفید باتیں عربی مصادر میں بھی مل جاتی ہیں۔ چنانچہ صاحب اغانی نے بنو قریظہ اور بنو نضیر کی ہجرت کے سلسلہ میں لکھا ہے کہ:

لما ظهرت الروم على	جب رومیوں نے شام کے بنو اسرائیل
بنی اسرائیل جمیعا	(یہود) پر غلبہ پایا تو ان کو خوب برباد کیا
بالشام فوطئوهم و	ان کو قتل کیا۔ ان کی عورتوں کو اپنے حبالہ
قتلوهم ونكحوا نساءهم	عقد میں لے آئے۔ اس ظلم و ستم سے بچنے
خرج بنو نضير وبنو قريظة	کے لیے بنو نضیر، بنو قریظہ اور بنو ہدل وغیرہ حجاز
وبنوهدل هاربين منهم	میں اپنے دوسرے یہودی بھائیوں کے
الى من بالحجاز من بنی اسرائیل[2]	یہاں چلے آئے۔

بہر نوع یہی اسباب تھے جن کی بنا پر یہود حجاز میں آئے۔

جزیرۂ عرب اپنی طبقی تقسیم کی بنا پر تو کئی حصوں پر مشتمل ہے لیکن تمدنی اور سیاسی

---

[1] دیری یوپی لشر ٹیل بحوالہ تاریخ الیہود ص ۹۔ [2] اغانی جزء ۱۹ ص ۹۰۵

اعتبار سے دو حصوں میں منقسم ہے، حجاز اور یمن۔ اب تک زیادہ تر بحث حجاز میں یہود کی آمد اور اس سے ان کے قدیم و جدید تعلقات پر تھی، اب ہم عرب کے دوسرے حصہ یمن سے یہود کے تعلقات پر بھی ایک نظر ڈال لینا چاہتے ہیں۔

یمن میں یہودیت یمن گو جزیرۂ عرب ہی کا ایک حصہ ہے لیکن سیاسی اور تجارتی اہمیت کے اعتبار سے ہمیشہ وہ ایک مستقل ملک رہا ہے۔ اس اہمیت کی بنا پر اس کا تذکرہ ہم علٰحدہ کرتے ہیں۔

اہل یمن سے بھی یہود کے تعلقات قدیم زمانہ سے شروع ہو چکے تھے۔ اُوپر آ چکا ہے کہ حضرت سلیمانؑ کے وقت یعنی سنہ ۱۰۰۰ ق م میں اہل عرب اور یہود میں تجارت ہوتی تھی جس کا سب سے بڑا مرکز سبا تھا جو یمن کا دار السلطنت تھا۔

اس کے علاوہ قرآن پاک میں حضرت سلیمانؑ اور ملکۂ سبا کا جو واقعہ ذکر فرمایا گیا ہے اس سے بھی یہود اور اہل یمن کے تعلقات پر کافی روشنی پڑتی ہے۔ معین جو یمن کے بیچ میں واقع تھا۔ اس کا تذکرہ تحریری طور پر سنہ ۸۰۰ ق م میں ملتا ہے[1]۔

یمن میں یہودیت کو اصل فروغ حمیری حکومت کے بعد ہوا۔ اس لیے کہ یہودیت حمیری حکومت کا تقریباً سرکاری مذہب ہو گیا تھا۔ اس کے فرمانرواؤں میں ایک ستارہ پرست، ایک دو عیسائی، بقیہ یہودی تھے۔ لیکن حمیری حکومت کی ابتدا کب ہوئی، اس کے بارے میں مؤرخین کی بہت مختلف اور متضاد رائیں ہیں۔

حضرت الاستاذ مولانا سید سلیمان صاحب ندوی نے ارض القرآن میں اس پر مفصل بحث کی ہے۔ ڈاکٹر ہالوے نے اس کی ابتدا سنہ ۱۱۵ ق م قرار دی ہے۔ لیکن سید صاحب نے اس پر نقد کیا ہے۔ اور مختلف دلائل سے یہ ثابت کیا ہے کہ حمیری حکومت کی ابتدا سنہ ۲۰ ق م

---

[1] تاریخ دوم آیت ۲۶-۸ یہ بڑی ترقی یافتہ حکومت تھی، جدید اثری تحقیقات نے اس کے بارے میں بہت کچھ معلومات فراہم کر دیے ہیں۔

سے آگے نہیں بڑھتی۔ بہر نوع اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ دوسری صدی قبل مسیح یا پہلی صدی کے وسط میں یمن میں یہودیت کو فروغ ہونا شروع ہو گیا تھا اور ۵۰۰ برس تک وہاں اس کو فروغ حاصل رہا۔ لیکن حمیری حکومت کے آخری فرمانروا ذونواس کی موت (۵۲۵ء) کے بعد یمن میں یہودیت کا زور ٹوٹ گیا، اور اس کی جگہ عیسائیت نے لے لی جس کا تذکرہ آگے آتا ہے۔

جزیرۂ عرب میں یہودیت کا ذکر کرتے ہوئے یعقوبی نے لکھا ہے کہ:

فاما من تهود منهم	جزیرۂ عرب میں جو لوگ یہودی ہوئے۔ ان
فاليمن باسرها[1]	میں یمن بھی ہے۔ یمن پورے کا پورا یہودی تھا۔

پھر اس کے بعد یعقوبی نے یمن میں یہودیت کی ابتداء کے سلسلہ میں لکھا ہے کہ:

كان تبع حمل حبرين	ملک تبع نے دو یہودی عالموں کو یمن بھیجا
من احبار اليهود الى اليمن	انھوں نے وہاں سے بت پرستی کو مٹایا اور
فابطل الاوثان وتهود	ان کے اثر سے یمن کے باشندوں نے یہودیت
من باليمن[2] (ج ۱ ص ۲۹۸)	قبول کر لی۔

جدید اثری تحقیقات کے مطابق تبابعہ کا زمانہ تیسری صدی عیسوی سے آگے نہیں بڑھتا اس لیے یعقوبی کے بیان کے مطابق یمن میں یہودیت کو پورا فروغ تیسری صدی میں ہوا۔

اوپر یمن میں یہودیت کی جو قدامت دکھائی گئی ہے۔ اس سے یہ بیان کچھ مختلف معلوم ہوتا ہے، مگر اس میں کوئی تضاد نہیں ہے ممکن ہے کہ وہاں یہودیت بہت قدیم زمانے سے موجود ہو مگر اہل یمن کا وہ عام مذہب تیسری صدی میں ہوا ہو۔

کیا عرب کے یہود ہجرت کر کے نہیں آئے تھے

اوپر ذکر آچکا ہے کہ مختلف اسباب کی بنا پر یہود شام و فلسطین کی سرسبز و شاداب سرزمین چھوڑ کر جزیرۂ عرب جیسے بے آب و گیاہ مقام

---

[1] تاریخ یعقوبی ج ۱ ص ۲۹۸ [2] ایضاً

کا رُخ کرتے تھے لیکن بعض مورخین کا خیال ہے کہ عرب کے یہود کہیں باہر سے نہیں آئے تھے بلکہ یہ عرب ہی نسل سے تھے۔ جنھوں نے یہودیت قبول کر لی تھی، یعقوبی کا رجحان بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ وہ بنی نضیر کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے:

وھم فخذ من جذام	یہ جذام کی ایک شاخ تھی، مگر یہ یہودی
الا انھم تھودوا ونزلوا	ہو گئے تھے، اور جہاں یہ آباد ہوئے اس
یقال له النضیر فسموا	مقام کا نام نضیر تھا۔ اسی لیے وہ اس نام
به (ج ۲ ص ۴۹)	سے مشہور ہو گئے۔

پھر بنو قریظہ کے متعلق لکھتا ہے:

وھی فخذ من جذام	یہ بھی جذام کی ایک شاخ ہے۔ بنو نضیر
اخوۃ النضیر ویقال انھم	کے بھائی بند تھے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ عادیا
تھودوا فی ایام عادیا بن	بن سموئیل کے زمانے میں یہودی ہوئے
سموئیل ثم نزلوا بجبل	پھر جبل قریظہ کے پاس آباد ہوئے
یقال له قریظۃ فنسبوا	اور اسی نسبت سے ان کا یہ نام
الیه (ج ۲۔ ص ۵۴)	پڑ گیا۔

جو لوگ اس خیال کے موید ہیں۔ یعقوبی کے بیان کے علاوہ ان کا قیاسی استدلال یہ ہے کہ دنیا کے دوسرے حصوں کے یہود اپنے عادات و اطوار اور اپنے تمدنی اثرات کے اعتبار سے وہاں کے باشندوں سے ہمیشہ ممتاز رہے، لیکن عرب کے یہود کسی حیثیت سے بھی عربوں سے ممتاز نہیں تھے اور نہ انھوں نے کوئی تمدنی یا علمی یادگار چھوڑی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ عربی ہی جنس سے تھے، صرف انھوں نے کسی وجہ سے اپنا مذہب تبدیل کر لیا تھا۔

لیکن صرف یعقوبی کے بیان اور فرضی قیاسات پر یہ فیصلہ کر لینا کہ عرب کے تمام کے تمام

یہود عربی النسل تھے، صحیح نہیں ہے۔

اُوپر جن واقعات کا تذکرہ آچکا ہے، ان ہی سے اس کی پوری تردید ہو جاتی ہے لیکن اس سلسلہ میں دو تین باتیں قابلِ لحاظ ہیں۔

۱۔ یعقوبی نے بنی قریظہ اور بنو نضیر کے متعلق جو کچھ بیان کیا ہے وہ صحیح نہیں ہے، انشاء اللہ ان قبائل کے تذکرے کے وقت اس کے دلائل ہم پیش کریں گے۔

۲۔ یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ عرب کے یہود دنیا کے دوسرے حصّوں کے یہود سے ممتاز نہیں تھے، یا ان کا کوئی تمدّنی امتیاز نہیں تھا۔ اس گوشہ پر "یہود کے تمدنی اثرات" کے تحت آئندہ ہم مفصل بحث کریں گے لیکن یہاں دو ایک باتیں سرسری طور سے کہی جاتی ہیں۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ یہود کو دُنیا کے کسی گوشہ میں کوئی امتیاز کبھی بھی حاصل نہیں تھا اس لیے ان کے پاس وہ اسباب و ذرائع (خصوصیت سے حکومت) موجود ہی نہیں تھے جن کی بنا پر قومیں امتیاز حاصل کرتی ہیں۔ اس لیے یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ وہ کہیں بھی ممتاز تھے۔

دوسری بات یہ ہے کہ عرب کے یہود کو شاید سب سے زیادہ امتیازی حیثیت حاصل تھی۔ اس لیے کہ قرآن نے زیادہ تر ان ہی کے عقائد اور اخلاق و معاملات سے بحث کی ہے اس خیال کی زیادہ تر تائید غالباً یہودی مستشرقین نے بھی کی ہے۔ اس سے ان کا مقصد یہ ہے کہ قرآن کے ان بیانات کی اہمیت گھٹائی جائے، جن کا تعلق یہود سے ہے لیکن یہ خیال تاریخی حیثیت سے صحیح نہیں ہے۔

یہ بات کہ یہود باہر سے نہیں آئے، پورے جزیرہ کے متعلق تو یہ کہنا صحیح نہیں ہے لیکن یہ ضرور ہے کہ جزیرۂ عرب کے باشندوں کی ایک بڑی آبادی نے یہودیت قبول کرلی تھی، خصوصیت کے ساتھ یمن کے یہود تو اکثر و بیشتر عرب ہی تھے۔ اس لیے اس سلسلہ میں صحیح مسلک یہ ہے کہ یہود باہر سے بھی آئے اور خود عربوں کے بعض قبائل اور افراد نے

بھی اسے قبول کیا جن کا تذکرہ آگے آئے گا۔ خصوصیت سے شمالی حجاز کے یہود زیادہ تر باہر سے آئے تھے۔

کیا عرب کے یہود دنیا سے منقطع ہو چکے تھے؟ تاریخ الیہود کے مصنف اسرائیل دلفنسون نے لکھا ہے کہ عراق، مصر، یونان اور اس کے علاوہ جہاں بھی یہودیوں کی آبادی تھی۔ وہاں کے یہود کی تاریخ کا پتہ چلتا ہے، یہی نہیں بلکہ انھوں نے تاریخ میں اپنے سیاسی و تمدنی آثار کے گہرے نقوش چھوڑے ہیں اور دنیا کی دوسری قوموں سے ان کے گوناگوں تعلقات تھے لیکن جزیرۂ عرب کے یہود دنیا سے بالکل منقطع ہو گئے تھے اور عربوں میں اس طرح گھل مل گئے تھے کہ دونوں کی تہذیب و معاشرت میں کوئی نمایاں فرق باقی نہیں تھا اور نہ دوسرے ممالک کے یہود کی طرح ان کے کوئی قابلِ ذکر تمدنی اور علمی آثار موجود تھے، لیکن واقعات کی روشنی میں یہ خیال صحیح نہیں معلوم ہوتا۔

۱۔ یہ بات کہ وہ عربوں میں بالکل گھل مل گئے تھے، اور دونوں میں کوئی نمایاں فرق نہیں تھا، بالکلیہ صحیح نہیں ہے، جزیرۂ عرب میں جہاں یہود منتشر طور پر موجود تھے، وہاں واقعی ان کی کوئی نمایاں حیثیت نہیں تھی لیکن جو ان کے مرکزی مقامات مثلاً یثرب، خیبر، وادی القریٰ اور تیماء وغیرہ تھے، وہاں وہ ہر نقطۂ نظر سے عربوں سے ممتاز تھے۔ پوری تفصیل آگے آتی ہے۔

۲۔ دنیا کے دوسرے حصوں سے ان کا تعلق نہیں تھا۔ یہ غلط فہمی ویسی ہی ہے جیسے کہ خود عربوں کے متعلق یہ خیال کہ وہ دنیا سے بالکل الگ تھلگ تھے، لیکن یہ خیال نہ تو عربوں کے متعلق صحیح ہے اور نہ یہود کے متعلق عربوں اور حجاز اور یمن کے یہود کے تجارتی اور معاشرتی تعلقات دوسرے ملکوں سے قدیم زمانہ سے تھے۔ ذکر آچکا ہے کہ یمن کے یہود تجارت کی غرض سے برابر شام کا سفر کرتے رہتے تھے۔ جزیرۂ عرب کے جتنے تجارتی مرکز تھے وہ سب یہودیوں کے قبضہ میں تھے۔ یمن کی حمیری حکومت اور حبشہ کی عیسائی حکومت

کے درمیان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت تک برابر سیاسی چشمک جاری رہی خصوصیت سے شام کے یہودیوں سے تو ان کے بعض معاشرتی تعلقات بھی تھے۔ شام کے یہودی مدینہ کے یہودیوں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات دریافت کیا کرتے تھے۔ بنو قینقاع جلاوطن کیے گئے تو وہ یہاں سے اذرعات جو شام کے علاقہ میں ہے، چلے گئے۔ اسی طرح دوسرے یہودی قبائل کا بھی شام کی طرف جانا ثابت ہے۔ حجاز سے مدینہ کو جو راستہ جاتا ہے اس شاہراہ پر جتنے مرکزی مقامات تھے، ان میں یہودیوں کی آبادیاں ملتی ہیں، اور پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ قریش تو تجارت کے لیے شام تک کا سفر کریں اور یہود جو جزیرۂ عرب کے سب سے زیادہ تاجر اور مالدار باشندے تھے، شام کا تجارتی سفر نہ کرتے ہوں۔ اور پھر مزید برآں یہ کہ شام ہی میں ان کا قبلہ اور سب سے مقدس عبادت خانہ تھا۔ ان وجوہ کی بنا پر یہ خیال کرنا صحیح نہیں معلوم ہوتا کہ یہود سے منقطع ہو کر بالکل قبائلی زندگی گذار رہے تھے۔

۳۔ تمدنی اور علمی حیثیت سے بھی عرب کے یہود ممتاز تھے۔ ان کے تمدنی و سیاسی اثرات پر بحث آگے آئے گی۔ البتہ علمی حیثیت کے متعلق کچھ باتیں یہاں کہی جاتی ہیں۔

جزیرۂ عرب کے یہود کے علمی امتیاز کے لیے یہی ثبوت بہت ہے کہ ان میں حضرت عبداللہؓ ابن سلام، حضرت زیدؓ بن سعنہ، حضرت مخیریقؓ، حضرت ماموںؓ بن یامین۔ کعب احبار، محمد بن کعب القرظی، وہب بن منبہ جیسے علما اور کعب بن اشرف اور سموئل جیسے شعراء موجود تھے، حضرت عبداللہؓ بن سلام کے صاحبزادے حضرت یوسف نے اپنی ایک علمی یادگار بھی چھوڑی تھی۔ ان کے متعدد مدارس قائم تھے، خود مدینہ میں بیت المدارس کے نام سے ان کی ایک مشہور درسگاہ تھی۔

جزیرۂ عرب میں سب سے زیادہ لکھے پڑھے یہودی ہوتے تھے، مدینہ میں غالباً سب سے پہلے تحریر کا رواج یہود ہی کے ذریعے ہوا۔ وہ صرف اپنی مذہبی زبان عبرانی

ہی نہیں بلکہ عربی سے بھی بخوبی واقف تھے اور اپنے بچوں کو اس کی تعلیم دیتے تھے اور روزمرّہ کی زبان بھی یہی تھی۔ پوری تفصیل آگے آئے گی۔

غالباً یہ یہود ہی کا اثر تھا کہ ظہور اسلام کے وقت متعدد صحابہ لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ بعض صحابہ تو عربی کے ساتھ عبرانی سے بھی واقف تھے۔

بہر نوع یہ کسی طرح صحیح نہیں ہے کہ عرب کے یہود تمدنی اور سیاسی حیثیت سے کوئی ممتاز حیثیت نہیں رکھتے تھے۔ یا وہ علمی حیثیت سے دوسرے مقامات کے یہود سے پست تھے۔

یہود کے مرکزی مقامات اور ان کے مشہور قبائل

یوں تو جزیرۂ عرب کے ہر حصّہ میں یہودیوں کی آبادیاں موجود تھیں۔ لیکن خصوصیت سے شمالی عرب کے تمام مرکزی مقامات پہ یہودی قبائل آباد تھے اور ان میں اکثریت ان یہودیوں کی تھی جو باہر سے ہجرت کر کے آئے تھے، ان قبائل کے نام، ان کی آمد اور مقام ہجرت کے سلسلہ میں جو معلومات مل سکی ہیں وہ درج ذیل ہیں۔

یثرب

ظہور اسلام کے وقت جزیرۂ عرب میں یہود کی سب سے بڑی آبادی یثرب اور خیبر میں تھی[1]۔ اس لیے سب سے پہلے ان ہی مقامات کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔ یثرب کی وجہ تسمیہ کے سلسلہ میں صاحب معجم البلدان نے لکھا ہے کہ یہ یثرب بن قانیہ کا آباد کیا ہوا ہے۔ اس لیے اس کا نام یثرب پڑ گیا۔ یثرب بن قانیہ حضرت نوحؑ کی اولاد کی ساتویں پشت میں تھا۔ اگر یہ بیان صحیح ہے تو یہ بہت قدیم آبادی ہے، آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی بعثت کے وقت بھی یہی نام رائج تھا۔ مگر آپ نے اس کا نام طابہ اور طیبہ رکھا۔ پھر آپ کی ہجرت کے بعد وہ مدینۃ النبی کے نام سے پکارا جانے لگا اور آخر میں یہی نام مخفف ہو کر زبان زد خاص

---

[1] بعثت نبوی سے ایک سو سال پہلے یہودیت کا سب سے بڑا مرکز یمن تھا۔ لیکن حمیری حکومت کی شکست اور ذو نواس کے قتل کے بعد یمن میں یہودیت کی جگہ نصرانیت نے لے لی تھی، تفصیل آگے آئے گی۔

عام ہوگیا۔

مدینہ میں جو یہودی قبیلے آباد تھے ان کی تفصیل یہ ہے۔

بنو قریظہ یہ نہایت قدیم قبیلہ تھا جو اپنے وطن شام کو چھوڑ کر یہاں آیا اور وادی مہزور کے قریب جو مدینہ کے مشرق میں واقع ہے، آباد ہوگیا[1]۔ یہ وادی بعد میں انہی کے نام سے مشہور ہوگئی اور رفتہ رفتہ ان کی ملک میں آگئی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ تشریف لائے تو آپ نے جن قبائل سے معاہدہ کیا تھا ان میں بنو قریظہ کا قبیلہ بھی تھا۔ معاہدہ کی رو سے مسلمان اور یہود ایک دوسرے کے خلاف کسی جنگ میں شریک نہیں ہوسکتے تھے لیکن ۵ھ میں انھوں نے معاہدہ شکنی کی۔ اس سے پہلے بھی غزوہ احزاب وغیرہ میں یہ مسلمانوں کے خلاف سازش کر چکے تھے۔ اس لیے ان کو اس جرم کی سزا بھگتنی پڑی۔ حضرت ثعلبہؓ، حضرت زید بن سعنہؓ، حضرت سعیہؓ، حضرت عطیہؓ، حضرت ریحانہؓ وغیرہ اہل کتاب صحابہ اسی قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے۔

بنو نضیر اس خاندان نے بھی بنو قریظہ کے ساتھ ہی اپنا آبائی وطن چھوڑا اور مدینہ کے جنوب مشرق میں وادی بطحان کے پاس آکر آباد ہوا۔ یہ مدینہ کی سب سے بڑی وادی تھی، یاقوت نے بطحان کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ بنو نضیر اسی وادی کے قریب آکر آباد ہوئے لیکن ایک جگہ ایک مقام بویرہ کو ان کی طرف منسوب کیا ہے اور اس کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

بنو نضیر کی آبادی اسی جگہ پر ہے۔	ھو موضع منازل بنی نضیر

بویرہ ایک کنوئیں کا نام ہے۔ ہوسکتا ہے کہ یہ کنواں وادی بطحان کے قریب

---

[1] معجم البلدان ج ۸ ص ۲۱۲

ہی رہا ہو۔ اس بنا پر دونوں روایتوں میں کوئی تضاد نہیں ہے[1]۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قبیلہ سے بھی معاہدہ کیا تھا، لیکن انھوں نے بھی معاہدہ شکنی کی اور اس کی پاداش میں سکھ میں جلاوطن کیے گئے۔ حضرت مخیریق رضؓ، حضرت یامینؓ، حضرت ابوسعدؓ وغیرہ اسی قبیلہ سے تھے۔

بنو قینقاع اس قبیلہ کے متعلق یہ نہیں معلوم ہوسکا کہ یہ باہر سے ہجرت کرکے آیا تھا یا یہیں کا کوئی عرب قبیلہ تھا۔ جس نے یہودیت قبول کر لی تھی۔ اس قبیلہ کے لوگ عام طور پر صناع اور زراعت پیشہ تھے، خصوصیت سے آہنگری اور زرگری ان کا خاص پیشہ تھا۔ خود ان کا نام بھی ان کے پیشوں کی طرف راہ نمائی کرتا ہے[2]۔ قین عربی میں لوہار کو کہتے ہیں اور قاع اس ہموار اور نرم زمین کو کہتے ہیں، جس میں کھیتی کی جاسکے۔ جن سے ان کی دونوں خصوصیتیں معلوم ہوتی ہیں۔ مدینہ کے دوسرے یہودی قبائل کے مقابلہ میں یہ زیادہ مضبوط اور طاقتور تھے۔ سب سے پہلے اسی قبیلہ نے معاہدہ شکنی کی اور اس کے نتیجہ میں جلاوطن کیے گئے۔ مدینہ سے نکل اذرعات میں، جو شام کا ایک ضلع ہے، چلے گئے۔

بنو ہدل یہ قبیلہ بھی بنو قریظہ کے ساتھ اپنے وطن سے ہجرت کرکے مدینہ آیا تھا اور ان ہی کے ساتھ آبادی مہزور میں آباد ہو گیا تھا[2]۔ یہ قبیلہ اپنی کوئی الگ حیثیت نہیں رکھتا تھا بلکہ ہر معاملہ میں بنو قریظہ ہی کا شریک تھا۔ بعض کتابوں میں اس کا نام بنو ہہدل لکھا ہوا ہے۔ سمہودی نے لکھا ہے کہ ان کو بنو ہدل اس لیے کہتے تھے کہ عام طور پر ان کے ہونٹ موٹے اور لٹکے ہوئے ہوتے تھے، عربی میں ایسے آدمی کو ہدل کہتے ہیں[3]۔ حضرت ثعلبہؓ، حضرت اسدؓ بن کعب اور حضرت عبداللہؓ بن سلام اسی قبیلہ سے تھے۔

---

[1] معجم البلدان ج ۲ ص ۲۲۶۔ [2] ایضاً ج ۸ ص ۲۹۶۔

[3] وفاء الوفاء ج ۱ ص ۱۱۴۔

بنو زنباع | یہ قبیلہ بھی بنو قریظہ ہی کی ایک شاخ اور اس کے ماتحت تھا۔ بنو قریظہ سے اس کے تعلق کی بناء پر یہ تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ قبیلہ بھی ہجرت کر کے آیا تھا، مگر اس کی جائے قیام کے بارے میں کوئی تفصیل نہیں ملتی۔ حضرت رافع کا نسبی تعلق اسی قبیلہ سے تھا۔

یثرب کے دوسرے یہودی قبائل | مذکورہ قبائل کے علاوہ مدینہ منورہ میں اور بھی متعدد یہودی قبائل تھے جن کو خود کوئی ممتاز حیثیت حاصل نہیں تھی بلکہ وہ ہر معاملہ میں ان ہی یہودی قبائل کے پابند تھے۔ مثلاً بنو عریض جبل احد کے قریب آباد تھے، بنو ظفر وادی مہزور کے آخری سرے پہ آباد تھے۔ بنو اشہل اور بنو حارثہ مدینہ کے بالکل مشرق میں آباد تھے۔ ان کے علاوہ چند اور قبائل کے نام اس معاہدہ میں آئے ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود سے کیا تھا۔

(۱) یہود بنی عوف (۲) یہود بنی نجار (۳) یہود بنی ساعدہ (۴) یہود بنی عوف (۵) یہود بنی الاوس (۶) یہود بنی ثعلبہ (۷) بنو جفنہ (۸) بنو الشطیبہ (۹) بنو حارث

اس معاہدہ میں ان قبائل کے ذکر کے بعد یہ دفعہ بھی ہے کہ:

وان بطانة یہود	اور یہودیوں (کے قبائل) کی ذیلی شاخوں کو
کانفسہم	بھی وہی حقوق حاصل ہوں گے جو اصل کو حاصل ہیں۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہود کے اور بھی دوسرے ذیلی قبائل تھے۔ چنانچہ اس کی تائید سمہودی کے بیان سے بھی ہوتی ہے۔ وہ مدینہ کے یہودی قبائل کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ان یہود کانوا نیفا وعشرین قبیلة[1]	مدینہ میں یہودی قبائل بیس سے زیادہ تھے۔

---

[1] وفاء الوفاء ص ۱۱۶

ان ذیلی قبائل میں بیشتر ایسے تھے جن کا نسبی تعلق اوس و خزرج سے تھا، مگر انہوں نے یہودیت قبول کر لی تھی اس لیے وہ یہودی قبائل میں شمار ہوتے تھے مثلاً بنو اشہل، بنو حارثہ، بنو عوف وغیرہ قبیلہ اوس کی شاخیں تھیں۔ اسی طرح بنو نجار، بنو حارث، بنو ساعدہ وغیرہ خزرج کے تحتی قبائل تھے۔

خیبر شمالی حجاز میں یہود کا دوسرا بڑا مرکز خیبر تھا جو شام کے راستے میں مدینہ منورہ سے تقریباً آٹھ منزل پر واقع ہے۔ یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ یہاں کی یہودی آبادی کہیں سے ہجرت کر کے آئی تھی یا یہیں کی خود عرب آبادی نے یہودیت قبول کر لی تھی۔ بعض قرائن سے پتہ چلتا ہے کہ یہ قدیم آبادی ہے۔ معجم البلدان نے خیبر کی وجہ تسمیہ کے سلسلہ میں لکھا ہے کہ یہ بستی خیبر بن قانیہ کی طرف منسوب ہے۔ اس لحاظ سے ان کے اور انصار کے جدّ اعلیٰ ایک ہی ہیں۔ انصار کے جدّ اعلیٰ یثرب بن قانیہ کا ذکر اوپر آچکا ہے۔

اس بیان سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ یہاں یہودیت کو فروغ کب سے ہوا۔ اس سلسلہ میں عاجز کی رائے یہ ہے کہ خیبر عبرانی لفظ ہے، جس کے معنی قلعہ کے ہیں۔ یہ لفظ خود اشارہ کر رہا ہے کہ اس بستی کو یہود سے بڑا قدیم تعلق ہے اور پھر اس سرزمین کو قلعوں کی سرزمین کہا جائے تو صحیح بھی ہے اس لیے کہ یہاں بہت سے قلعے تھے جن کی یادگار آج تک باقی ہے۔

خیبر حجاز کا بڑا زرخیز علاقہ ہے جس کو تجارتی لحاظ سے بھی بڑی اہمیت حاصل تھی یہاں کے یہود اقتصادی حیثیت سے بہت ممتاز تھے انھوں نے متعدد جنگی قلعے بنا رکھے تھے۔ جن میں سات قلعے بہت مشہور تھے۔ ناعم، قموص، حصن الشق، حصن النطاۃ، حصن السالم، حصن الوطیع، حصن الکتیبۃ[1]، یعقوبی کا بیان ہے کہ اس میں بیس[2] ہزار سپاہی بستے تھے[2]۔ یعقوبی کے اس بیان سے خیبر کی وسعت اور اس کی آبادی کی کثرت کا اندازہ ہوتا ہے۔

---

[1] اس کی تفصیل معجم البلدان وغیرہ میں ملتی ہے۔ [2] یعقوبی جلد ۲ ص ۵۲۔

دوسرے یہود کی طرح اسلام کے خلاف ان کی ریشہ دوانیاں جب بہت بڑھ گئیں تو سنہ ۷ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے خلاف جارحانہ کارروائی کر کے اُن کو شکست دی۔ پوری تفصیل آگے آئے گی۔ حضرت صفیہؓ کا وطن خیبر ہی تھا۔

فدک | خیبر اور مدینہ کے درمیان فدک کی بستی تھی۔ یہاں بھی یہودیوں کی آبادی تھی اور دوسرے مقامات کی طرح یہاں کے یہود بھی نہایت ہی خوش حال تھے۔ یہ بستی بھی پرانی ہے مگر یہاں یہود کب آباد ہوئے اس کی کوئی تصریح نہیں ملتی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے آس پاس کے جن قبائل سے صلح کی تھی ان میں اہلِ فدک بھی تھے۔ تاریخوں میں ان کا تذکرہ اسی حیثیت سے آتا ہے۔

وادی القریٰ | شام اور مدینہ کے درمیان ایک وادی ہے جس میں بہت سی بستیاں آباد تھیں اس کو "وادی القریٰ" (بستیوں کی وادی) کہتے ہیں۔ یہ نہایت ہی قدیم آبادی ہے۔ قدیم زمانہ میں یہاں عاد و ثمود آباد تھے۔ یہ بستیاں اپنی سرسبزی و شادابی کے لحاظ سے ہمیشہ سے ضرب المثل تھیں۔ قرآن مجید کی ان آیات میں انہی بستیوں کی طرف اشارہ ہے۔

أَتُتْرَكُونَ فِي مَا هَاهُنَا	کیا تم کو ان ہی چیزوں میں بے فکری
آمِنِينَ فِي جَنَّاتٍ وَعُيُونٍ	سے رہنے دیا جائے گا جو یہاں موجود ہیں
وَزُرُوعٍ وَنَخْلٍ طَلْعُهَا	یعنی باغوں اور چشموں میں اور کھیتوں میں اور
هَضِيمٌ۔	ان کھجوروں میں جن کے گپھے خوب گندھے
(شعراء)	ہوتے ہیں۔

ارباب تاریخ و جغرافیہ لکھتے ہیں کہ عاد و ثمود کی تباہی کے بعد یہاں یہود آباد ہوئے انھوں نے دوبارہ یہاں کی زراعت اور آب رسانی کو ترقی دی۔ یہود کے بعد دوسرے عربی قبائل بھی یہاں آباد ہوئے۔ مگر وہ سب کے سب یہود کے زیر اثر رہے۔ قضاعہ،

جہینہ اور عذرہ وغیرہ قبائل اسی وادی میں آباد تھے[1]۔ اس تفصیل سے ہمارا مقصود یہ ہے کہ یہاں کے یہود جزیرۂ عرب میں ہجرت کر کے آئے تھے۔ اور بہت قدیم زمانہ سے یہاں آباد تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خیبر اور فدک سے واپس ہوئے تو یہاں کے باشندوں نے بھی خیبر کے شرائط صلح کے تحت صلح کر لی۔

عہدِ اسلام کے بعد بھی کئی صدیوں تک یہاں یہودیوں کے وجود کا پتہ چلتا ہے۔ "تاریخ الیہود" کے مصنف کا بیان ہے کہ گیارھویں صدی عیسوی تک یہاں یہود موجود تھے (ص ۱۸۶) یاقوت نے اپنے زمانہ یعنی ساتویں صدی ہجری میں اس کا حال ان الفاظ میں لکھا ہے۔ اس وقت یہ سرزمین بالکل ویران ہے۔ کنوؤں اور چشموں کا پانی اب تک ویسے ہی جاری ہے مگر اس سے فائدہ اٹھانے والا کوئی موجود نہیں[2]۔

ان دونوں بیانوں سے پتہ چلتا ہے کہ پانچویں اور ساتویں صدی ہجری مطابق گیارھویں اور تیرھویں صدی عیسوی کے درمیان یہود نے اس سرزمین کو چھوڑا ہے، لیکن یہ نہیں معلوم ہوسکا کہ ان کے ترک وطن کے اسباب کیا تھے اور وہ یہاں سے کہاں گئے۔

بلاذری کی ایک روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے خیبر کے یہودیوں کے ساتھ وادی القریٰ کے یہودیوں کو بھی جلا وطن کر دیا تھا[3]۔ لیکن یہ بیان محل نظر ہے۔ دوسرے یہ روایت "قیل" کے لفظ سے مروی ہے جو اس کے ضعف پر دال ہے۔ اس کے علاوہ کچھ اور بھی

---

[1] معجم البلدان ج ۷، ص ۲۔ یہود اور مسلمانوں میں جتنی جنگیں ہوئیں ان سب میں یہ قبائل یہود کے ساتھ ساتھ نظر آتے ہیں۔

[2] معجم البلدان ج ۷، ص ۳۔ [3] فتوح البلدان ص ۴۱۔

دلائل ہیں جس کی بنا پر بلاذری کی یہ روایت صحیح نہیں معلوم ہوتی۔ واللہ اعلم۔

تیماء | وادی القریٰ سے قریب ہی تیماء کی بستی تھی۔ فدک اور وادی القریٰ کی طرح تیماء بھی مدینہ اور شام کے راستے پر واقع تھا۔ یہاں بھی یہود کی آبادی تھی۔ ظہور اسلام سے پہلے یہاں بنو عادیا کا خاندان حکمران تھا[1]۔ اس خاندان کا ایک ممتاز فرد سموأل بن عادیا تھا جو اپنی شاعری اور وفاشعاری میں ضرب المثل تھا۔ حضرت رفاعہؓ بن ... جن کا تذکرہ اس کتاب میں موجود ہے اسی کے لڑکے تھے۔ یہ حضرت صفیہؓ کے ماموں ہوتے تھے۔

بلاذری نے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب وادی القریٰ سے واپس ہوئے تو اہلِ تیماء نے صلح کی درخواست کی اور آپ نے قبول کر لی[2]۔ مگر یہ بیان بھی قابلِ غور ہے تفصیل آگے آئے گی۔

نجران | بعض واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ نجران میں بھی قدیم زمانہ سے یہود آباد تھے لیکن یمن کی یہودی سلطنت کے زوال کا اثر نجران کے یہودیوں پر بھی پڑا۔ اور آہستہ آہستہ ان کی آبادی وہاں سے ختم ہو گئی اور ان کی جگہ نصرانیوں نے لے لی۔

ظہورِ اسلام سے پہلے نجران میں یہود کی موجودگی کے واقعات کے سلسلہ میں یہ واقعہ ارباب تاریخ اور مفسرین عام طور پر لکھتے ہیں کہ عیسائیوں نے نجران کے کسی یہودی کے دو لڑکوں کو کسی وجہ سے قتل کر دیا۔ یہودی نے یمن کے یہودی حکمران ذونواس سے داد رسی کی۔ اس نے نجران پر حملہ کیا[3]۔ اور وہاں کی عیسائی آبادی کا قتل عام کیا جس کی طرف قرآن

---

[1] کتاب الشعر والشعراء ص ۴۵۔ [2] فتوح البلدان ص ۴۲

[3] اس حملہ کے سلسلہ میں یہ بات بھی کہی گئی ہے کہ نجران کے عیسائیوں کا رجحان اور ان کا تعاون دینی رشتہ کی بنا پر حبشہ کی عیسائی حکومت کے ساتھ زیادہ تھا اور یمن کے یہودی حکمرانوں اور حبشہ کے عیسائی حکمرانوں میں برسوں سے سیاسی کشمکش چل رہی تھی۔ اس کشمکش کی موجودگی میں اہل نجران کی (باقی برصفحہ ۴۲)

کی اس آیت میں اشارہ ہے[1]۔

قُتِلَ اَصْحٰبُ الْاُخْدُوْدِ — خندق والے یعنی بہت سی ایندھن کی آگ
النَّارِ ذَاتِ الْوَقُوْدِ — رکھنے والے ملعون ہوئے۔

(بروج)

یہ واقعہ ظہور اسلام سے ایک صدی پہلے کا ہے۔ اس کے بعد ہی یمن کی یہودی سلطنت ذونواس کے بعد ختم ہوگئی اور پھر یہودیوں کو جزیرۂ عرب میں سیاسی غلبہ نہیں ہوا۔ اس زوال کا اثر یہودیوں کی تمام آبادیوں پر پڑا۔ ظہور اسلام کے وقت نجران میں عیسائیوں کے ساتھ یہود بھی آباد تھے، مگر تاریخ کی عام کتابوں میں اس کا ذکر نہیں ملتا۔ البتہ ابوداؤد کی ایک روایت سے ان کی آبادی کا پتہ چلتا ہے اور وہ یہ ہے کہ نجران میں یہود کی آبادی تھی۔ جو حضرت عمرؓ کے زمانے تک باقی رہے اور آپ ہی کے زمانہ میں بعض سیاسی مصلحتوں کی بنا پر جلا وطن کردیے گئے[2]۔

آئندہ اوراق میں "جزیرۂ عرب میں عیسائیت" کے عنوان کے تحت اس کی پوری تفصیل آئے گی۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۹) یہ روش یہودیوں کے لیے سیاسی حیثیت سے خلش کا سبب بنی ہوئی تھی، حبشہ پر براہ راست حملہ کرنا ان کے بس سے باہر تھا۔ اس لیے انھوں نے نجران ہی کو اپنی دشمنی کا نشانہ بنایا۔ ممکن ہے یہودی بچوں کے قتل ہی کو یہودیوں نے نجران پر حملہ کرنے کا ایک سیاسی اور قانونی بہانہ بنایا ہو جس طرح یمن کے عیسائیوں نے کعبہ پر حملہ کے لیے ایک معمولی بہانہ نکال لیا تھا۔

(حواشی صفحہ ہذا [1]) اس آیت کے شان نزول کے سلسلہ میں تفسیروں میں متعدد واقعات مذکور ہیں ممکن ہے ایک ہی واقعہ نے متعدد جگہ پر مختلف شکلیں اختیار کرلی ہوں، جیسا کہ عام طور پر اس قسم کے واقعات میں ہوتا ہے۔ [2] ابوداؤد ج ۲ باب اخراج الیہود۔

اذرح اور جرباء جزیرۂ عرب کی سرحد پر یہ بستیاں پاس ہی پاس واقع تھیں، جن میں یہود آباد تھے۔ اور ان ہی کا غلبہ تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تبوک سے واپس ہوئے تو یہاں کے باشندوں نے صلح کی درخواست کی۔ اہل اذرح نے سو دینار سالانہ اور اہل جرباء نے جزیہ کے طور پر کچھ متعین رقم دینے کی خواہش ظاہر کی۔ اس پر آپ نے ان سے صلح کر لی[1]۔

مقنا یہ بستی خلیج عقبہ (ایلہ) کے کنارے آباد تھی۔ اس کی حیثیت ایک بندرگاہ کی تھی یاقوت اور بلاذری دونوں نے لکھا ہے کہ یہاں کے باشندے یہودی تھے، مگر یہ کسی نے نہیں لکھا ہے کہ وہ یہاں کب آباد ہوئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے جو معاہدہ کیا تھا اس سے پتہ چلتا ہے کہ شکار ماہی، کتائی اور زراعت ان کا خاص پیشہ تھا[2] اہل مقنا کے معاہدہ کے سلسلہ میں کچھ قابل غور باتیں ہیں جن کا تذکرہ آگے آئے گا۔

بحرین بحرین فارس اور جزیرۂ عرب کی سرحد پر واقع ہے، جو فارس کے ماتحت تھا۔ یہاں کے باشندے نہ خالص عربی تھے اور نہ عجمی، بلکہ یہ مقام مختلف اور متضاد مذہب اور تہذیب و تمدن رکھنے والی قوموں کا سنگم تھا۔ عرب و عجم، یہود و نصاریٰ اور مجوس و آتش پرست سبھی یہاں موجود تھے۔ عربوں کو جن مقامات پر دوسری قوموں سے ملنے اور قریب سے ان کی تہذیب و ثقافت سے واقف ہونے کا موقع ملا۔ ان میں ایک بحرین بھی ہے۔ فتوح البلدان میں ہے کہ:

اھل الارض من المجوس والیہود والنصاریٰ (۸۶)	اہل بحرین کی آبادی مجوس، یہود اور نصاریٰ پر مشتمل تھی۔

عرب کے مشہور قبائل عبدالقیس، بکر بن وائل، تمیم وغیرہ یہیں آباد تھے۔

---

[1] فتوح البلدان ص ۷۹ -
[2] ایضاً ص ۷۰ -

افسوس ہے کہ بحرین کی قدیم تاریخ پردۂ خفا میں ہے۔ ظہور اسلام کے وقت منذر بن ساوی وہاں کا حکمران تھا۔ غالباً یہ عرب تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ۶ھ میں جب قریب کے ملوک وسلاطین کو دعوتی خطوط لکھے تو ایک خط منذر والی بحرین کو بھی لکھا اور حضرت علاء ابن عبداللہ کے ہاتھ روانہ فرمایا۔ منذر پر اس خط کا بہت اچھا اثر پڑا اور وہ حلقہ بگوش اسلام ہوگیا۔ اس کے ساتھ اہل بحرین کی ایک بڑی تعداد بھی دائرہ اسلام میں داخل ہوگئی ــ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منذر کو اس عہدہ پر جوں کا توں باقی رکھا[1]۔

۸ھ میں منذر نے تحریری طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ یہاں کے یہود کے ساتھ کیا برتاؤ کیا جائے۔ آپ نے جواب میں لکھا کہ جو لوگ تبلیغ اسلام کے بعد بھی اسلام قبول نہ کریں ان سے فی کس ایک دینار سالانہ جزیہ لیا جائے[2]۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دورِ سعادت کے بعد یہاں کے باشندے عام طور پر مرتد ہونے لگے تو حضرت بشر بن جارود رضی کا تذکرہ اس کتاب میں موجود ہے انھوں نے اہل بحرین کو ارتداد سے باز رکھنے کی پوری کوشش کی[3]۔

مکہ وطائف مکہ وطائف میں خالص عرب مشرکین کی آبادی تھی، مگر مکہ کی قدیم تاریخوں میں عربوں اور خصوصیت سے قریش اور یہود میں تجارتی وتمدنی تعلقات کے بیان کے سلسلہ میں یہود کا ذکر بھی آتا ہے۔ جس سے یہ بحث پیدا ہوتی ہے کہ آیا مکہ وطائف میں عرب مشرکین کے ساتھ یہود آباد تھے یا نہیں۔ بعض مستشرقین نے یہ ثابت کیا ہے کہ اسلام سے پہلے مکہ میں عربوں کے ساتھ یہود بھی آباد تھے[4]۔ مگر عربی تاریخوں سے اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا اس لیے اس کی صحت میں ہم کو تامل ہے۔

---

[1] فتوح البلدان ص ۸۰ [2] ایضاً ص ۹۱۔ اور سیاسی زندگی ڈاکٹر حمید اللہ ص ۵۰، ۳۳۔

[3] فتوح البلدان ص ۹۱۔ [4] تاریخ الیہود ص ۹۔

اسی سلسلہ میں قابل غور بات یہ ہے کہ اگر مکہ میں یہود موجود ہوتے تو قریش کا وفد مکہ کے یہودیوں کو چھوڑ کر مدینہ کے یہود کے پاس کیوں جاتا۔ جیسا کہ ابن ہشام اور دوسرے ارباب سیر نے تصریح کی ہے کہ قریش نے نضر بن حارث اور عقبہ بن معیط وغیرہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے بارے میں کچھ باتیں دریافت کرنے کے لیے مدینہ بھیجا تھا، چنانچہ مفسرین نے لکھا ہے کہ اصحاب کہف، روح اور ذوالقرنین کے سلسلے میں جو آیات نازل ہوئیں ان کا سبب نزول یہی واقعہ ہے۔

یہ ضرور ہے کہ اہل مکہ اور یہود میں گوناگوں تعلقات تھے۔ مکہ کے عکاظ اور مجنہ کے بازاروں میں یہودی تاجر اور کاہن شریک ہوتے تھے جہاں کہانت کی شعبدہ بازیاں زیادہ تر ان ہی کے دم سے قائم تھیں۔ مکہ میں بعض یہودی غلاموں کا تذکرہ بھی ملتا ہے پھر مکہ کے قریب ہی بنو کنانہ آباد تھے جن میں یہودیت موجود تھی۔ میں سمجھتا ہوں کہ ان کی وجہ کی بناء پر یہ خیال قائم کر لیا گیا کہ یہاں یہود موجود تھے حالانکہ یہ صحیح نہیں ہے۔

البتہ طائف کے متعلق یہ کہنا صحیح ہے کہ یہاں قدیم زمانہ سے یہودیوں کی ایک قوم آبادی موجود تھی۔ فتوح البلدان میں ہے۔

کان بمخلاف الطائف	طائف کے ایک حصہ میں یہودیوں کی آبادی
قدم من الیھود طردمن	تھی۔ جو یمن و یثرب سے نکال دیے گئے
الیمن و یثرب فاقاموا	تھے اور بسلسلۂ تجارت یہاں آکر آباد ہو
بھا للتجارۃ (ص ۶۳)	گئے تھے۔

جب طائف پر مسلمانوں کا قبضہ ہوا تو وہاں کے یہودیوں پر جزیہ لگایا گیا۔ بلاذری کی ایک روایت سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت معاویہؓ نے یہاں کے بعض یہودیوں کی جائداد خریدی تھی۔[1]

---

[1] فتوح البلدان ص ۶۳

اس سے زیادہ یہاں کے یہودیوں کے وجود کے متعلق کچھ معلوم نہیں ہوسکا۔

تبالہ وجرش | تبالہ وجرش طائف کے جنوب میں واقع ہیں۔ تاریخوں میں ہے کہ ان بستیوں میں بھی عربوں کے ساتھ اہل کتاب آباد تھے۔ بہ صراحت معلوم نہیں ہوسکا کہ اہل کتاب سے یہود ونصاریٰ دونوں مراد ہیں یا صرف یہود، لیکن ہمارا قیاس ہے کہ دونوں مراد ہیں اور دونوں آباد ہوں گے۔ اس لیے کہ اکثر مرکزی مقامات میں دونوں کے آباد ہونے کا پتہ چلتا ہے جیسا کہ مقنا اور بحرین کے سلسلہ میں ذکر آچکا ہے۔

یہ بہت ہی قدیم اور زرخیز بستیاں تھیں اور خصوصیت سے تبالہ کے بارے میں تو یاقوت نے لکھا ہے "اس کی زرخیزی ضرب المثل ہے[1]"

سنہ ۱۰ھ میں یہاں کے عرب باشندوں نے تو اسلام قبول کر لیا لیکن اہل کتاب اپنے دین پر قائم رہے اور انہوں نے جزیہ دینا قبول کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں کی امارت پر حضرت سفیانؓ کا تقرر فرمایا تھا[2]۔

یہودیوں کی ان یکجا آبادیوں کے علاوہ عرب کے مختلف قبائل میں ایک ایک دو دو اشخاص ملتے ہیں جنھوں نے یہودیت قبول کر لی تھی اور بعض ایسے عربی قبائل کا بھی پتہ چلتا ہے جو پورے کے پورے دائرۂ یہودیت میں داخل ہو گئے تھے مثلاً حمیر، بنو کندہ، بنو کنانہ، بنو الحارث، قضاعہ[3]، غسان اور جذام کے بعض خاندانوں میں بھی یہودیت تھی[4]۔

یہودی قبائل اور ان کی آبادیوں کا ذکر اس وسعت کے ساتھ اس لیے کیا گیا ہے کہ یہ معلوم ہو جائے کہ جزیرۂ عرب کے اندر جتنے بھی تجارتی، زراعتی، سیاسی، مرکزی مقامات تھے تقریباً ان سب پر یہودیوں کا قبضہ تھا، یا کم از کم وہاں ان کا اثر و رسوخ تھا، دوسرے

---

[1] معجم البلدان ج ۲ ص ۲۵۶ [2] فتوح البلدان ص ۶۹ [3] معارف ابن قتیبہ ص ۲۶۶

[4] یعقوبی ج ۱ ص ۲۹۸ ۔

آئندہ جو مباحث آنے والے ہیں ان میں بھی اس تفصیل سے واقعات کے سمجھنے میں بہت کافی مدد ملے گی۔

اسلام سے پہلے عربوں اور یہودیوں کے تعلقات اور اس کی نوعیت

جزیرۂ عرب میں یہودیوں کی آمد اور ان کی آبادیوں کی جو تفصیل بیان کی گئی ہے اس سے اجمالاً عربوں اور یہودیوں کے تعلقات پر بھی روشنی پڑتی ہے، مگر پھر بھی اس سلسلہ میں مزید تفصیل کی ضرورت ہے تاکہ ان کے تعلقات کی تمام جہتیں اور ان کی نوعیتیں پورے طور سے سامنے آجائیں۔

اسلام سے پہلے عربوں اور یہودیوں میں گوناگوں معاشرتی اور تمدنی تعلقات تھے، مگر ان کے باوجود ذہنی طور پر ان میں ایک طرح کی اجنبیت اور مغائرت بھی موجود تھی، مگر وہ وطنی اور معاشرتی نہیں تھی، بلکہ معاشی اور مذہبی تفوق یا افضلیت و مفضولیت کی تھی۔

یہود دین الٰہی کے ماننے والے اور صحف سماوی کے حامل تھے، پھر اسی کے ساتھ ان کو پورے جزیرہ میں معاشی غلبہ بھی حاصل تھا۔ اس لیے وہ عام عربوں کے مقابلہ میں اپنے آپ کو افضل اور بہتر سمجھتے تھے۔

غالباً اسی تفوق پسندی ہی کا نتیجہ تھا کہ یہود خالص عرب آبادی میں بہت کم آباد تھے اور جہاں عربوں کے ساتھ وہ آباد بھی تھے تو وہاں انھوں نے اپنا تفوق قائم رکھنے کے لیے کوئی نہ کوئی امتیاز بھی باقی رکھا، یہودی آبادیوں کے نقشے پر آپ نظر ڈالیں گے تو عاجز کے اس خیال کی پوری تائید ہوگی۔

مگر چونکہ ان کو پورے جزیرہ میں عددی اکثریت حاصل نہیں تھی اور دوسرے ان کے تجارتی اسباب وسامان اور زراعتی پیداوار وحاصلات کی منڈی زیادہ تر عرب ہی آبادیاں تھیں۔ اس لیے وہ عربوں سے بالکل منقطع اور بے تعلق ہو کر نہیں رہ سکتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اس تفوق کے باوجود انھوں نے ہمیشہ عربوں سے اپنے تعلقات استوار رکھنے کی کوشش کی جیسا کہ ہر تجارت پیشہ اور کاروباری قوم کا شیوہ ہوتا ہے، اسی کے مقابلہ میں عام اہل عرب

مذہبی اور معاشی دونوں حیثیت سے اپنے کو یہود سے کمتر سمجھتے تھے اور وہ شاید سمجھنے پر مجبور بھی تھے اس لیے کہ ان نعمتوں سے، جو یہودیوں کو حاصل تھیں، ان کا دامن قریب قریب خالی تھا، نہ تو ان کے پاس کوئی کتاب الٰہی تھی اور نہ معاشی حیثیت سے وہ مطمئن تھے۔ قریش جو تجارت میں معروف و مشہور تھے اور جن کو کعبہ کے کلید بردار اور نگران ہونے کی وجہ سے سارے عرب کی سیادت ہی نہیں بلکہ پورے جزیرۂ عرب کی بے تاج کی بادشاہی بھی حاصل تھی۔ وہ بھی یہود کی مذہبی افضلیت و تفوق کے معترف اور ان کی معاشی برتری کے ماننے پر مجبور تھے۔

قرآن نے متعدد جگہ اس طرف اشارہ کیا ہے کہ اگر تم کو (اہل عرب) رسول کی سچائی اور دین حق میں شبہ ہو تو اہل کتاب سے پوچھ لو۔ حدیث و سیر کی کتابوں سے ثابت ہے کہ قریش نے متعدد بار اپنے وفود مدینہ کے یہود کے پاس اس لیے بھیجے کہ وہ آپ کی نبوت اور آپ کے صفات کتب سابقہ کی روشنی میں ان سے دریافت کریں۔ اسی تفوق و افضلیت ہی کا اثر تھا کہ جب لوگوں کے بچے زندہ نہیں رہتے تھے تو وہ منت مانتے تھے کہ بچہ زندہ رہ جائے گا تو اسے یہودی بنا دیں گے۔ چنانچہ مدینہ میں اس طرح کے بہت سے جدید الیہودیہ افراد موجود موجود تھے[1] تفصیل آگے آئے گی۔

معاشی حیثیت سے بھی یہود کو عربوں پر عام طور سے تفوق حاصل تھا۔ مدینہ کی بیشتر عرب آبادی ان کی مقروض تھی۔ خیبر کا بھی یہی حال تھا۔ وہاں وہ عربوں سے مزدوری کراتے تھے۔ جس وقت خیبر فتح ہوا اس وقت بہت سے عرب خدمت گار ان کے پاس موجود تھے[2]۔ قریش جو پورے عرب میں ممتاز اور صاحب "رحلۃ الشتاء والصیف" تھے۔ وہ بھی شادی بیاہ کے موقع پر خیبر کے یہودیوں سے زیورات کرایہ پر لے جاتے تھے۔ ایک مرتبہ اسی

---

[1] ابوداؤد ج ۲ ص ۹ کتاب الجہاد [2] ابن ہشام وغیرہ

طرح کے مستعار زیورات گم ہوئے تو قریش نے یہودیوں کو دس ہزار دینار[1] ہرجانہ ادا کیا۔

کہنا یہ ہے کہ اسلام سے پہلے عربوں اور یہودیوں میں باہم معاشی اور معاشرتی تعلقات تھے، اور باوجود تفوق و مذہبی مغائرت کے جنگ وغیرہ کے مواقع پر اپنے مصالح کے ماتحت عربی قبائل سے وہ تحلیف و معاہدہ کرتے تھے اور اس میں شریک ہوتے تھے۔

مدینہ کے مشہور عربی قبائل اوس و خزرج میں جتنی لڑائیاں[2] ہوئیں، ان میں وہاں کے یہودی قبائل کسی نہ کسی کے حلیف تھے۔ اسی طرح خیبر کے یہودیوں سے آس پاس کے تمام قبائل سے معاہدہ جنگ تھا چنانچہ اسلامی غزوات کے مواقع پر انھوں نے اس حلف و معاہدہ سے پورا فائدہ اٹھایا[3]۔

یہی نہیں بلکہ بعض عربی قبائل اور یہودیوں میں شادی بیاہ کے رشتے بھی شروع ہو گئے تھے۔ کعب جو یہود مدینہ کا اشعر الشعراء اور سب سے بڑا دشمن اسلام تھا۔ اس کا باپ اشرف قبیلہ طے اور بعض روایتوں میں ہے کہ بنو نبہان سے تھا جس نے مدینہ میں آکر اپنا اثر و رسوخ پیدا کیا اور سردار بنو نضیر ابو رافع کی لڑکی سے شادی کر لی تھی[4]۔ اس طرح مدینہ کے یہود اور عربی قبائل میں بھی غالباً اسی قسم کے تعلقات تھے اور خصوصیت سے وہ قبائل جو جدید الیہودیہ تھے[5]۔

ظہور اسلام سے پہلے یہود اور عرب کے ایک دوسرے پر تمدنی اور معاشرتی اثرات	یہ تو اب تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ عرب اسلام سے پہلے دنیا سے بالکل منقطع نہیں ہو گئے تھے، بلکہ دنیا کے دوسرے

[1] السیر الکبیر جلد ا ص ۱۸۶، تقریباً ۲۵ ہزار روپے ہوتے۔

[2] مثلاً جنگ فجار اور جنگ بعاث وغیرہ۔

[3] مثلاً غزوہ بدر، غزوۂ خندق، غزوہ خیبر وغیرہ۔

[4] زرقانی ج ۲ ص ۹

[5] ان قبائل کا ذکر اوپر آچکا ہے۔

ملکوں سے ان کا ہمیشہ واسطہ رہا۔ اور دنیا کی مختلف قوموں کے تمدنی اور مذہبی اثرات بھی ان پر پڑے تھے۔ اسی طرح ان ملکوں اور قوموں پر بھی انھوں نے اپنے اثرات ڈالے جن سے ان کا واسطہ رہا یا جو جزیرۂ عرب میں آباد تھیں۔

یہود ایک قدیم قوم تھی جو دنیا کے ہر خطہ میں آباد تھی، خصوصیت سے عراق، ایران، مصر، یونان اور شام کے علاقہ میں ان کی کثیر آبادی تھی لیکن اس قدامت کے باوجود ان کی قسمت میں زیادہ تر ہجرت ہی مقدر تھی، یا ان کی طبیعت ہی ایسی واقع تھی کہ کسی ایک جگہ جم کر نہیں رہ سکتے تھے۔ جو بات بھی ہو، بہر حال ایسا ضرور ہوا کہ وہ جہاں بھی آباد ہوئے وہاں سے انھیں ہجرت ضرور کرنی پڑی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کو دنیا کی مختلف قوموں اور ان کے تمدنوں اور تہذیبوں سے واسطہ پڑا۔ کسی کو کچھ دیا اور کسی سے کچھ لیا۔

عرب میں جو یہود آباد تھے، جیسا کہ ہم نے اوپر ذکر کیا ہے کہ ان کی اکثر آبادی باہر سے اور خصوصیت سے شام و فلسطین کے علاقوں سے ہجرت کر کے آئی تھی۔ ظاہر ہے کہ وہ جب یہاں آئے تو ان ملکوں اور قوموں کے تمدنی اور مذہبی اثرات بھی اپنے ساتھ لائے جن سے ان سے واسطہ رہ چکا تھا اور چونکہ یہ جزیرۂ عرب کے ہر خطہ میں آباد تھے اس لیے انھوں نے پورے جزیرہ کی عرب آبادی کو اس سے کم و بیش متاثر کیا۔ لیکن یہ اثرات صرف ایک ہی طرف سے نہیں، ہر دو طرف سے پڑے تھے۔ بلکہ بعض حیثیتوں سے تو عربوں کے اثرات ان پر زیادہ معلوم ہوتے ہیں۔ اسی بناء پر بعض مستشرقین نے یہ رائے قائم کر لی کہ جزیرۂ عرب کے یہود دنیا سے بالکل منقطع ہو چکے تھے۔ اور ان میں یہودی خصوصیات باقی نہیں رہ گئی تھیں اور بعض نے یہ خیال قائم کر لیا کہ جزیرۂ عرب کے یہود باہر سے ہجرت کر کے سرے سے آئے ہی نہیں تھے۔

اب ہم مختصر طور سے یہود کے اثرات کا ذکر کرتے ہیں جس کے ضمن میں عربوں کے بعض بعض اثرات کا ذکر بھی آئے گا۔ اوپر ذکر آ چکا ہے کہ یہود کو عربوں پر مختلف حیثیتوں سے

تفوق حاصل تھا جس کا عرب بھی اعتراف کرتے تھے اور بہت سے معاملات میں انہی کی اقتداء کرتے تھے۔ ابن عباسؓ کے اثر سے بھی اس پر روشنی پڑتی ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔

کان ھذا الحی من الانصار	یہ انصار کے قبائل اہل کتاب کے
وھم اھل وثن مع ھذا	قبائل کے ساتھ آباد تھے۔ انصار
الحی وھم اھل الکتاب	ان کو علم و فضل میں اپنے سے افضل
فکانوا یرون فضلا علیھم	سمجھتے تھے اور اکثر معاملات زندگی
فی العلم وکانوا یقتدون	میں ان کی اقتداء کرتے تھے۔
فی کثیر من فعلھم۔ (ابوداؤد)	

یہود کے پیشے | جزیرہ عرب میں جہاں بھی یہود آباد تھے۔ عموماً ان کے خاص تین پیشے تھے زراعت، تجارت اور صنعت و حرفت۔

زراعت | بعض مستشرقین کا خیال ہے کہ زراعت میں یہود عربوں کے استاذ تھے[۱]۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ عرب یہود کی آمد سے پہلے زراعت کرنا نہیں جانتے تھے اور یہود نے آکر ان کو سکھایا، بلکہ انھوں نے زراعت کے نئے نئے طریقے اور اس کے لیے جدید قسم کے آلات عربوں کو بتائے اور بعض نئے قسم کے پودوں اور درختوں سے ان کو آگاہ کیا[۱]۔ جن سے پہلے یہاں کے لوگ واقف نہیں تھے۔ اسی طرح یہودیوں کو پرندوں اور جانوروں کے پالنے کا بھی شوق تھا[۲]۔

حجاز کے یہود عموماً شام و فلسطین سے آئے تھے، جہاں کی زمین زرخیزی اور زراعت کی موزونیت کے لحاظ سے ضرب المثل تھی۔ اس لیے وہاں سے آنے والے یہودیوں نے

۱؎ تاریخ الیہود ص ۱۷ و ۱۸ — ۲؎ ابن ہشام بحوالہ تاریخ الیہود —
۳؎ فتوح البلدان ص ۶۷، ۶۸ —

اگر عربوں کو نئے طریقۂ زراعت سے آگاہ کیا ہو تو اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں ہے، پھر شام کی سرزمین کو صحفِ قدیم میں تین وزیتوں[1] کی زمین کہا گیا ہے۔ بہت ممکن ہے کہ یہ اور اسی قسم کے اور دوسرے درخت بھی یہودیوں کے ذریعہ جزیرہ میں آئے ہوں۔

لیکن جانوروں کے پالنے کا شوق تو اس میں دونوں شریک ہیں بلکہ کہنا چاہیے کہ یہودیوں سے کہیں زیادہ عربوں میں تھا۔ اس لیے کہ جزیرۂ عرب کی بیشتر آبادی کا مدار زندگی جانوروں کے دودھ ہی پر تھا۔ دوسرے وہاں کی زیادہ تر آبادی خانہ بدوش تھی، جن کو ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے اور اسباب لے جانے کے لیے بھی جانوروں کی ضرورت ہوتی تھی، یہ بات ضرور ہے کہ عرب زیادہ تر نقل و حمل اور دودھ اور غذا کے لیے جانوروں کی پرورش کرتے تھے۔ ہو سکتا ہے کہ زراعت اور اس کی سیرابی وغیرہ کے لیے جانوروں کی پرورش اور ان کا گوناگوں استعمال عربوں نے یہود سے سیکھا ہو۔

تاریخ الیہود کے مصنف نے ابن ہشام کے حوالہ سے لکھا ہے کہ بعض یہود مرغیاں بھی پالتے تھے مگر مجھے ابن ہشام میں یہ واقعہ نہیں مل سکا، اگر یہ صحیح ہے تو یہ یہود کی خصوصیت تھی۔

تجارت ظہور اسلام کے وقت اور اس سے بہت پہلے یہود اور عرب دونوں جزیرہ میں اور جزیرہ سے باہر تجارت کرتے نظر آتے ہیں اور خصوصیت سے قریش تو اس حیثیت سے پورے عرب میں ممتاز تھے۔ اس لیے ان میں سے کسی ایک کو مقدم یا مؤخر کرنا بہت دشوار ہے۔ تاہم یہ صحیح ہے کہ یہود کئی سو برس قبل مسیح سے تجارت کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں اور جہاں بھی وہ رہے۔ یہ پیشہ ان کے ساتھ رہا۔ جزیرۂ عرب میں آئے تو یہاں بھی انھوں نے یہی پیشہ اختیار کیا جیسا کہ ہم اوپر ذکر کر چکے ہیں۔ دوسرے اپنی سکونت و رہائش کے لیے بھی انھوں نے

---

[1] انجیل اور زیتون قرآن نے بھی سورہ تین میں ان چیزوں کا تذکرہ کیا ہے۔

خاص طور سے جزیرہ کے ان ہی خطوں اور علاقوں کو پسند کیا، جن میں پہلے سے کچھ زرعی و کاروباری صلاحیت موجود تھی۔ بخلاف اس کے عربوں کی عام بستیوں اور آبادیوں کو اس طرح کی کوئی خصوصیت حاصل نہیں تھی۔ ہاں مکّہ کو کعبتہ اللہ اور بیت الحرام کی وجہ سے دینی اہمیت و مرکزیت ضرور حاصل تھی اور اسی کی کشش دور دور سے لوگوں کو یہاں کھینچ لاتی تھی اور اس طرح وہ سال کے کچھ مہینوں میں تجارتی منڈی بن جاتا تھا لیکن بذات خود اس میں کوئی زرعی یا تجارتی صلاحیت نہیں تھی اور اسی لیے رب کعبہ نے اس کو قرآن پاک میں وادی "غیر ذی زرع" سے تعبیر کیا ہے۔

پورے حجاز میں طائف اور مدینہ دو ایسے مقامات تھے جنھیں تجارتی اور زرعی اہمیت بھی حاصل تھی اور جہاں عربوں کی عددی اکثریت بھی تھی اور یہود اقلیت میں تھے مگر وہاں کی تجارت و زراعت پر یہودی ہی چھائے ہوتے تھے۔ ان دونوں مقامات کا تذکرہ اُوپر آچکا ہے۔

یہ وجوہ ہیں جن کی بنا پر ہمارا قیاس ہے کہ یہ پیشہ عربوں میں یہودیوں ہی کے ذریعہ آیا تھا۔

تجارتی بازار۔ عربوں کی ہر مشہور بستی میں چھوٹے بڑے میلے اور بعض جگہ ہفتہ وار بازار لگتے تھے[1]۔ ان کے علاوہ سال میں بعض اور بھی بڑے بڑے بازار اور میلے لگتے تھے جہاں یہود کی شرکت کی تصریح کم ملتی ہے مگر وہ ان میں شریک ضرور ہوتے ہوں گے اس لیے کہ جزیرہ عرب کے ۲۰ مشہور شہروں میں سے تقریباً دس گیارہ شہروں میں یہود کا معاشی و اقتصادی غلبہ تھا۔ محمد بن حبیب نے لکھا ہے کہ بحرین اور دومتہ الجندل میں جہاں یہود آباد تھے دو مشہور میلے لگتے تھے[2]۔ یقیناً ان میلوں میں ان کی مؤثر شرکت ہوتی ہو گی۔ مدینہ میں ایک

---

[1] نظام حکمرانی ڈاکٹر حمید اللہ ص ۲۴۴ [2] کتاب المحبر ص ۱۵۷

بازار سوق بنی قینقاع تو یہود کے مشہور قبیلہ قینقاع ہی کے نام سے مشہور تھا جس کا تذکرہ سیر کی کتابوں میں موجود ہے۔

سامانِ تجارت | سامانِ تجارت میں عموماً غلے، کھجوریں، اسلحے اور کپڑے وغیرہ ہوتے تھے، جنھیں یہ بیچنے کے لیے باہر لے جاتے تھے۔ بعض حصوں کے یہود مچھلی کی بھی تجارت کرتے تھے۔ مثلاً مقنا کے یہودیوں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو معاہدہ کیا تھا اس میں جو چیزیں بطور ٹیکس لینا طے پائی تھیں۔ ان میں مچھلیاں بھی تھیں[1]۔

ظہور اسلام کے وقت جزیرہ سے باہر یہود سے زیادہ عرب اور ان میں بھی خصوصیت سے اہل مکہ ہم کو تجارتی سفر کرتے نظر آتے ہیں۔ ہم نہیں کہہ سکتے کہ یہود جن کا قدیم زمانہ سے عرب سے باہر بھی کاروبار تھا اور جن کا ایک فرد "ابو رافع یہودی آخری دور میں بھی بہت زیادہ مشہور تھا، یہاں تک کہ اس کا لقب ہی تاجر الحجاز والشام پڑ گیا تھا[2]۔ ظہور اسلام کے وقت دفعتہً ان کی یہ آمدی تجارت کیوں کم ہو گئی اور ان کا کاروبار اندروں ملک تک کیوں محدود ہو کر رہ گیا۔

اسی کے ساتھ یہ بھی قابلِ ذکر امر ہے کہ پورے جزیرہ عرب میں ربا یعنی سود خوری کا بھی رواج تھا جس میں یہود و نصاریٰ اور مشرکین عرب سب برابر کے شریک تھے۔ خصوصیت سے اہل طائف سودی کاروبار میں زیادہ مشہور تھے، معجم البلدان میں ہے۔

کانوا اصحاب ربا[3] — اہل طائف بڑے سود خوار تھے

مشرکین عرب اگر سودی کاروبار کرتے تھے تو کچھ زیادہ تعجب خیز نہیں تھا لیکن یہود و نصاریٰ کی سود خواری البتہ حیرت انگیز ہے کہ وہ صاحب شریعت اور اہل کتاب تھے اور قرآن

---

[1] فتوح البلدان ذکر مقنا
[2] تاریخ الخمیس ج ۲ ص ۱۲ صحیح بخاری باب قتل النائم والمشرک
[3] فتوح البلدان ص ۶۷، ۶۸ ۔

کی تصریح ہے کہ ان کو جہاں اور بہت سی باتوں پر ملامت کی گئی تھی اور ان سے روکا گیا تھا ان میں ایک سود بھی تھا، مگر وہ باز نہ آئے۔

وَاَكْلِهِمُ الرِّبٰوا وَقَدْ نُهُوْا عَنْهُ۔	اور ان کے سود لینے کی وجہ سے (ملامت کی گئی) حالانکہ وہ اس سے روکے گئے تھے

البتہ عربوں کا خیال تھا کہ ربا بھی ایک قسم کی تجارت ہے۔ قرآن میں ہے:

قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا	ان لوگوں نے کہا کہ بیع مثل ربا کے ہے۔

بہر حال یا تو یہ لعنت یہود کے ذریعہ عربوں میں آئی، یا عربوں کے اثر سے یہود اس میں مبتلا ہوئے۔ دونوں باتوں کا امکان ہے۔

لیکن سورہ مائدہ میں جہاں یہود کے ان معائب کا جو بہت قدیم زمانہ سے ان میں موجود تھے، تذکرہ ہے ان میں ایک سود خواری بھی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بہت قدیم زمانہ سے وہ اس میں مبتلا تھے، اس کے برخلاف عربوں کی تجارت کی تاریخ بہت زیادہ قدیم نہیں ہے۔ اس لیے غالب گمان یہ ہے کہ اس طریق تجارت کو یہود ہی نے یہاں فروغ دیا ہوگا جس کا ایک ثبوت یہ ہے کہ ربا کا جتنا عام رواج یہود میں تھا اور اس کی جتنی سخت سے سخت شرحیں وہ مقرر کرتے تھے، عرب اس میں ان سے پیچھے تھے۔

رہن وارتہان کا طریقہ بھی یہود اور عرب دونوں میں رائج تھا خصوصیت سے مدینہ اور خیبر کے یہودیوں میں یہ بہت عام تھا۔ یہ بھی سود خواری ہی کی ایک شاخ تھی، مگر اس کو بھی وہ ایک قسم کی تجارت سمجھتے تھے۔

صنعت و حرفت | صنعت و حرفت کا رواج اگرچہ جزیرۂ عرب کے تمام باشندوں میں تھا مگر یہود اس میں بہت ممتاز تھے۔ اور وہ عموماً کپڑے، اسلحے اور سونے اور لوہے کا کام کرتے

تھے اور بعض حصوں کے یہودیوں میں لکڑی کی صنعت بھی تھی[1]۔ رُوئی کی کتائی اور کپڑے کی بنائی میں مردوں کے ساتھ عورتیں بھی حصہ لیتی تھیں۔ یثرب کے یہودیوں میں تو کپڑے کی صنعت بہت کم تھی، مگر مقنا، دومتہ الجندل اور یمن کے یہودی اس میں بڑی مہارت رکھتے تھے[2]۔ اسلحہ سازی یہود کا خاص پیشہ تھا۔ یہود جس جگہ بھی آباد تھے یہ صنعت ان میں موجود تھی مدینہ میں بنوقینقاع اور خیبر کے یہودی اس میں بہت ممتاز تھے۔ اس زمانہ کے ہر قسم کے مروج اسلحے مثلاً تلوار، نیزے، ڈھال، خود اور زرہ وہ تیار کرتے تھے۔ خیبر کے یہود تو شاید منجنیق تک جو اس وقت کا سب سے ترقی یافتہ اسلحہ تھا، تیار کرتے تھے، غزوہ خیبر میں انھوں نے مسلمانوں کے خلاف اسے استعمال بھی کیا تھا۔ کیا عجب ہے کہ مسلمانوں کو منجنیق یہیں سے ہاتھ لگی ہو، جس کو انھوں نے بعد میں طائف وغیرہ کی جنگ میں استعمال کیا۔

اس صنعت کی وجہ سے یہود اپنے کو دفاعی حیثیت سے بہت زیادہ مضبوط اور مامون تصور کرتے تھے اور اس کی وجہ سے ان میں ایک قسم کا غرور و تکبر بھی پیدا ہو گیا تھا۔ چنانچہ بنوقینقاع نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بطور تحدی کے کہا تھا کہ ہم سے مقابلہ ہو گا تو معلوم ہو گا۔

فن تعمیر میں بھی عربوں کے مقابلہ میں یہود زیادہ ترقی یافتہ تھے۔ مدینہ اور خیبر کے یہودیوں کے بعض مکانات اور قلعوں کے نشانات اب بھی باقی ہیں جو ان کے ذوق تعمیر کی شہادت دیتے ہیں۔

عربی ادب میں یہود کا حصہ یہود کی مادری زبان عبرانی تھی، مگر جزیرۂ عرب میں آکر ان کی زبان رفتہ رفتہ بالکل عربی ہو گئی تھی۔ ان میں عبرانی زبان مذہبی حیثیت سے اب بھی باقی تھی

---

[1] ابن سعد ج ۲ ص ۲۸ — فتوح البلدان ص ۶۷، ۶۸

[2] فتوح البلدان۔

جس کو ان کے علماء و احبار جانتے تھے اسی میں ان کی مذہبی کتابیں تھیں، اور اسی زبان میں وہ ان کی تلاوت کرتے تھے مگر عوام شاید اس قدر بھی عبرانی نہیں جانتے تھے۔

لا یعلمون الکتاب — ان میں بعض ہیں جو کتاب کا علم نہیں رکھتے

الا امانی — مگر صرف خواہشات۔

بخلاف اس کے ان کی روزمرہ کی زبان اور ان کی شاعری کی زبان عربی تھی اور اسی میں وہ کاروبار اور معاہدۂ صلح و جنگ کرتے تھے۔ یہ ضرور ہے کہ عبرانی زبان کی سیکڑوں ترکیبیں، مذہبی اصطلاحیں اور تمدنی و معاشرتی الفاظ ان کی زبان پر چڑھے ہوتے تھے جو ان کے ذریعے سے عربی زبان میں داخل ہوئے۔ خود قرآن مجید میں ایسے متعدد الفاظ موجود ہیں جن کے متعلق مفسرین نے لکھا ہے کہ عبرانی زبان سے عربی میں آئے ہیں۔

مثلاً حبر کا لفظ عربی ادب اور خود قرآن میں مستعمل ہے، عبرانی میں ابتداً اس کے معنی رفیق (ח ב ר) کے تھے۔ پھر یہ گروہ اور مذہبی فرقہ کے معنی میں استعمال ہونے لگا۔ اس کے بعد عالم کے معنی میں استعمال ہوا، اور اس وقت عربی زبان میں اسی معنی میں مستعمل ہے۔ اسی طرح نسیئی کے لفظ کے متعلق بعض مستشرقین نے لکھا ہے کہ یہ عبرانی لفظ ہے۔ عبرانی میں الناسی (دن ، N) اس شخص کو کہتے ہیں جو مہینوں کو مقدم و موخر کرتا تھا۔ عربی مورخین لکھتے ہیں کہ عربوں میں نسیئی کا رواج سب سے پہلے بنو کنانہ میں شروع ہوا[1]۔ اوپر ذکر آچکا ہے کہ بنو کنانہ میں یہودیت موجود تھی اس لیے ممکن ہے کہ یہ طریقہ انھوں نے یہودیوں سے سیکھا ہو، اور پھر عربوں میں اس کو رواج دیا ہو۔ اس خیال کی تائید مقریزی اور بیرونی کے بیان سے بھی ہوتی ہے۔ انھوں نے لکھا ہے کہ عمل کبیسہ اہل عرب نے یہود سے دو سو برس قبل اسلام سیکھا تھا[2]۔ لفظ آطام کے متعلق بھی بحث ہے کہ یہ خالص عربی لفظ ہے، یا عبرانی، اس لفظ کے

---

[1] ابن ہشام جلد ۱ ص ۴۵ [2] تاریخ الیہود بحوالہ الآثار الباقیہ۔

جتنے عربی مشتقات ہیں ان سب میں ارتفاع، بلندی، حفاظت اور بند کرنے کے معنی پائے جاتے ہیں[1] جو اس بات کی دلیل ہے کہ یہ عبرانی سے عربی میں آیا ہے اس لیے کہ عبری میں اطم تقریباً ان ہی مذکورہ معنوں میں مستعمل ہے۔ ظہور اسلام کے وقت یہ لفظ عام طور پر قلعوں اور اونچے ٹیلوں کے معنی میں بولا جاتا تھا، مگر یہود خصوصیت سے اطم کو قلعہ کے علاوہ ان مقامات کے لیے بھی استعمال کرتے تھے جن میں وہ جمع ہو کر مشورہ کرتے تھے۔ یہ لفظ زیادہ تر شمالی حجاز میں مستعمل تھا۔ عرب کے دوسرے حصوں میں اس کا استعمال شاید نہیں تھا اور اگر تھا تو بہت کم جو اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ یہود کے ذریعے یہاں آیا، ان وجوہ کی بنا پر اسے عبرانی کہنا زیادہ صحیح ہے۔

امام سیوطی نے قرآن کے ان جملوں کو عبرانی سے ماخوذ بتایا ہے۔

کفر عنھم سیاتھم اس کے معنی عبرانی میں محا عنھم ہیں، اخلد الی الارض کے معنی عبرانی میں سَ کَنَ ہیں۔ انا ھدنا الیک کے معنی تُبنا الیک ہیں۔

ان الفاظ کو بھی عبرانی الاصل بتایا گیا ہے۔

رمز، مرقوم، اواہ، یم، حطۃ، اسباط، راعنا۔ بعیر، لینۃ، قیسیس، ابلیس، جہنم۔ شیطان۔

ان میں بعض لفظ ایسے ہیں جن کے ساتھ ایک دینی اصطلاح اور ایک تاریخ وابستہ ہے۔ ظاہر ہے کہ ان اصطلاحوں اور ان واقعات کی تفصیل سے زیادہ تر یہود ہی واقف تھے، اس لیے اہل عرب ان کے متعلق سوالات کرتے ہوں گے اور وہ ان کی تشریح کرتے ہوں گے جس سے کتنے نئے واقعات اور کتنے نئے تصورات، کتنے جدید الفاظ سے عربی زبان کا دامن مالا مال ہوتا ہوگا اسی بنا پر اہل عرب یہود کے بارے میں کہتے تھے۔

---

[1] دیکھیے لفظ اطم لسان العرب ج ۱۴

لکم علم لیس لنا[1]   تم لوگوں کے پاس علم ہے جس سے ہم بے بہرہ ہیں۔

تحریر کا رواج اس سلسلہ میں یہ بحث بھی آتی ہے کہ عربی تحریر کا رواج سب سے پہلے کس کے ذریعے ہوا؟ صاحب فتوح البلدان نے عربی خط پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ سب سے پہلے قبیلہ طے کے چند افراد نے عربی خط ایجاد کیا اور اس کے حروف تہجی کی بنیاد انھوں نے سریانی زبان پر رکھی۔ اس کے بعد ان سے اہل انبار نے اور اہل انبار سے اہل حیرہ نے سیکھا پھر اہل حیرہ سے دومۃ الجندل کے حکمران بشر بن عبدالملک نصرانی نے سیکھا اور اسی نے اس کو مکہ میں رواج دیا۔[2] پھر آگے لکھا ہے کہ قبیلہ طے کے ان ہی افراد سے بنو کلب اور اہل وادی القریٰ نے بھی عربی تحریر سیکھی۔[3]

اس بیان سے اتنا تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ عربوں ہی کی ایجاد ہے، مگر اس کی ایجاد کا جو زمانہ اس میں بیان کیا گیا ہے وہ ظہور اسلام سے کچھ ہی پہلے کا ہے، حالانکہ عربی خط کی تاریخ اس سے قدیم ہے۔

معجم البلدان کا ایک دوسرا بیان یہ ہے:

کان الکتاب (الکتابۃ)	قبیلہ اوس اور خزرج کے لوگ
بالعربیۃ فی الاوس	عربی میں لکھنا پڑھنا بہت کم جانتے
والخزرج قلیلا وکان	تھے۔ مدینہ کے بعض یہود نے
بعض الیہود قد علم کتاب	بہت قدیم زمانہ سے عربی میں
العربیۃ وکان تعلمہ	لکھنا پڑھنا سیکھ لیا تھا اور
الصبیان بالمدینۃ فی	اپنے بچوں کو بھی اس کی تعلیم

---

[1] ابن ہشام بحوالہ تاریخ الیہود ص ۸۷   [2] فتوح البلدان ص ۴۷۸   [3] ایضاً

الزمن الاول[1] دیتے تھے۔

اسی بیان کو سامنے رکھ کر تاریخ الیہود کے مصنف نے لکھا ہے کہ:

ان یھود یثرب کانوا — یثرب کے یہود عربی تحریر میں

اساتذۃ العرب فی تعلم — عربوں کے استاذ تھے۔

الکتاب العربیۃ (ص۲)

بلاذری کے بیان سے یہ تو نہیں معلوم ہوتا کہ پورے جزیرۂ عرب میں یہود کے ذریعہ عربی تحریر کا رواج ہوا، مگر اتنی بات ضرور ثابت ہوتی ہے کہ شمالی حجاز میں یہود ہی کے ذریعہ اسے فروغ ہوا۔ یہ قرین قیاس بھی ہے، اس لیے کہ تحریر کی تدریج و ترقی تمدن و حضارت کے سایہ میں ہوتی ہے اور وہ اہل عرب میں مفقود تھی، بخلاف یہود کے کہ وہ عربوں کے مقابلہ میں زیادہ متمدن تھے۔ پھر ان کو تجارتی کاروبار میں بھی اس کی ضرورت پڑتی رہی ہوگی۔ ظہور اسلام کے وقت مکہ اور مدینہ میں جو چند پڑھے لکھے لوگ ملتے ہیں وہ خود اس بات کا ثبوت ہے کہ تمدنی ضروریات نے انھیں لکھنے پڑھنے پر مجبور کیا۔ ورنہ اس سے پہلے یہ چیز ان میں ناپید تھی[2]۔

شعر و شاعری شعر و شاعری اہل عرب کے خمیر میں تھی۔ اس کا چرچا ہر محفل اور ہر گھر میں تھا، اس کے ذریعہ بڑے بڑے معرکے سر ہوتے تھے، اور اسی کے سہارے قبیلوں اور خاندانوں کی سیادت و قیادت ملتی تھی۔ جزیرہ میں جتنی قومیں آباد تھیں۔ یہودی، نصرانی یا مجوسی، وہ سب عربوں کے شعری شاعری سے متاثر ہوئیں اور انھوں نے خود بھی اس میں حصہ لیا اور اس طرح سے عربوں کے بہت سے اخلاق و عادات اور تصورات غیر محسوس طور پر ان میں رواج پا گئے۔

جزیرۂ عرب کے یہود میں متعدد خطباء و شعراء پیدا ہوئے۔ ابن سلام نے طبقات الشعراء میں ان کا تذکرہ کیا ہے، مگر ان میں کسی قدیم شاعر کا نام نہیں ہے۔ ان میں بیشتر ظہور اسلام کے وقت

---

[1] فتوح البلدان ۴۷۹ [2] اس کی تفصیل کا موقع نہیں، ورنہ اس کے دلائل پیش کیے جاتے۔

موجود تھے، یا اس سے کچھ پہلے گذر چکے تھے، ان کے نام یہ ہیں:

۱۔ سموئل بن عادیا، یہ یہود کے صاحب دیوان اور فحول شعراء میں تھا۔ اس کا دیوان الاب شیخو صاحب المنجد نے بڑے اہتمام سے چھپوایا ہے[1]۔ اس کا زمانہ ظہور اسلام سے کچھ پہلے ہے اسی کے لڑکے حضرت رفاعہؓ صحابی ہیں، جن کا تذکرہ اس کتاب میں موجود ہے۔

۲۔ رافع بن الحقیق، قبیلہ بنو نضیر سے اس کا تعلق تھا۔ اس نے اسلام کے خلاف اپنے اشعار میں بہت زہر افشانی کی ہے۔ سیرت اور طبقات کی کتابوں میں اس کے بہت سے اشعار موجود ہیں۔

۳۔ کعب بن اشرف۔ یہود مدینہ کا سب سے مشہور شاعر اور ان کا سرگروہ تھا۔ اس کو شاعری پر پوری قدرت تھی، اسلام سے اس کو طبعی بغض تھا۔ اس لیے وہ اپنے اشعار کے ذریعہ اسلام کے خلاف خوب زہر اگلتا تھا۔ مقتولین بدر کا مرثیہ لکھ کر اس نے قریش سے خراج تحسین وصول کیا۔ ادب و سیرت کی کتابوں میں اس کے مراثی اور دوسرے اشعار کثرت سے ملتے ہیں۔

ان کے علاوہ شریح بن عمران، شعبہ بن غریض، ابو قیس بن رفاعہ، ابو الذیال، درہم بن زید وغیرہ یہودی شعراء کا تذکرہ بھی ابن سلام نے کیا ہے[2]۔ بعض یہودی شعراء کا تذکرہ اس کتاب میں بھی موجود ہے۔ اغانی میں ایک یہودی شاعر کا تذکرہ موجود ہے جس نے یہودی مقتولین کا مرثیہ کہا تھا[3]۔ اسی طرح صاحب تاریخ الخمیس نے ایک خاتون شاعرہ عصماء کا تذکرہ کیا ہے[4]۔ طوالت کے خیال سے ان شعراء کے اشعار نقل نہیں کیے گئے، لیکن ان کے اشعار کے مطالعہ سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ عربی شاعری کی عام خصوصیات ان کی شاعری میں بھی بڑی حد تک پائی جاتی ہیں، خصوصیت سے سموئل اور کعب اس حیثیت سے بہت زیادہ ممتاز ہیں۔

شعراء یہود کی شاعری اس حیثیت سے عام عرب شعراء سے ممتاز ہے کہ ان کے اشعار میں

---

[1] اس کے یہودی یا نصرانی ہونے کی بحث کتاب میں موجود ہے اس لیے ہم یہاں نظر انداز کرتے ہیں۔
[2] طبقات الشعراء ۱۰۹ ر ۱۱۰
[3] اغانی جلد ۱۹ ص ۹۶
[4] ج ۱ ص ۴۰۶

مذہبی اصطلاحیں، مذہبی تصورات، انبیاء اور کتب مقدسہ کے نام، خدا و آخرت کے تذکرے کثرت سے ملتے ہیں جس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ان کے بہت سے تمدّنی اور مذہبی تصوّرات شاعری کے ذریعہ بھی عربوں میں آ گئے ہوں گے۔

اجتماعی ادارے عربی تاریخوں سے پتہ چلتا ہے کہ بعض مقامات پر یہود کے اجتماعی ادارے بھی قائم تھے۔ خود مدینہ میں بیت المدارس کے نام سے ان کا ایک ادارہ تھا جس میں ان کے احبار اور صاحب امر یکجا ہو کر آپس میں صلاح و مشورہ کرتے تھے، ممکن ہے کہ مراسم عبادت بھی وہ یہیں ادا کرتے ہوں اور یہیں پر ان کی مذہبی کتابیں بھی محفوظ رہتی ہوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرامؓ کئی بار بغرض تبلیغ یہاں تشریف لے گئے تھے[1]۔ خصوصیت سے حضرت عمرؓ کے بارے میں مذکور ہے کہ وہ اکثر ان کے مدارس میں جاتے رہتے تھے جس کی بناء پر یہود ان سے کہتے تھے کہ ہم کو آپ سے بہت انس ہے[2]۔

اس کے علاوہ ان کے قلعے بھی اجتماعی کاموں میں استعمال کیے جاتے تھے۔ خیبر میں ان کے فوجی اور مالی دونوں الگ الگ ادارے تھے اور ان کے علیحدہ علیحدہ ذمہ دار تھے۔

مذہبی اثرات اوپر ذکر آ چکا ہے کہ اہل عرب یہود کو علمی اور مذہبی حیثیت سے ممتاز سمجھتے تھے اور بہت سے امور میں ان کی اقتدا بھی کرتے تھے۔ یہ بھی بیان ہو چکا ہے کہ ادب و شاعری کے ذریعہ ان کی بہت سی مذہبی اصطلاحیں، الفاظ اور تصورات عربی زبان میں داخل ہو گئے تھے۔ اس سلسلہ میں حضرت سلمہؓ نے ظہور اسلام سے قبل کا ایک واقعہ جو قابل ذکر ہے، بیان کیا ہے فرماتے ہیں۔

"میرے پڑوس میں قبیلہ بنو اشہل کا ایک یہودی رہتا تھا۔ اس نے ایک دن تمام بنو اشہل کو جمع کیا اور ان کے سامنے قیامت، بعث بعد الموت، حساب کتاب، میزان، جنت

---

[1] روض الانف ج ۲ ص ۳۸ [2] تفسیر طبری ج ۱ ص ۳۲۶

اور دوزخ وغیرہ کے متعلق ایک وعظ کہا اور آخر میں کہا کہ یہ اہل شرک اور بت پرست لوگ موت کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کے قائل نہیں ہیں، اس پر حاضرین نے کہا کہ تم کیا بک رہے ہو، کیا مرنے کے بعد ہم لوگ پھر زندہ کیسے جائیں گے اور ہمارے اعمال کا محاسبہ ہوگا! یہودی نے پھر مجمع کو اس کے بارے میں سمجھایا۔ مجمع نے اس سے دوبارہ مطالبہ کیا کہ وہ اس کی کوئی دلیل اور نشانی بتائے۔ اس نے کہا کہ اس سرزمین سے ایک نبی پیدا ہوں گے اور وہ اس کے بارے میں بتائیں گے۔[1]"

قرآن مجید سے پتہ چلتا ہے کہ اہل عرب عام طور پر آخرت اور بعث بعد الموت کے قائل نہیں تھے۔ اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اگرچہ وہ اس کے قائل تو نہیں تھے لیکن یہود کے ذریعہ ان سے آگاہ ضرور ہو گئے تھے۔

سیر کی کتابوں سے پتہ چلتا ہے کہ یہود تین وقت کی نماز بھی پڑھتے تھے۔[2] ابن الہیبان یہودی عالم جس کا تذکرہ اس کتاب میں آیا ہے۔ اس کے متعلق کتابوں میں ہے کہ وہ پانچ وقت کی نماز پڑھتا تھا۔[3]

نماز کے اعلان کے لیے وہ بوق[4] بجاتے تھے، وہ روزے بھی رکھتے تھے۔[5]

ظاہر ہے کہ یہود کے ان مذہبی مراسم کو عرب اپنی آنکھوں سے دیکھتے رہے ہوں گے، ان میں اس کا چرچا رہتا ہوگا اور اس کا اثر بھی ان پر پڑتا رہا ہوگا۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ جہاں جتنے زیادہ یہود آباد تھے وہاں اسی قدر ان کے اثرات بھی عربوں پر نمایاں تھے، مثلاً مدینہ کے عرب یہود کے رسم و رواج اور مذہبی امور سے سب سے زیادہ واقف اور متاثر نظر آتے ہیں اور غالباً اسی تاثر کا نتیجہ تھا کہ انصار نے بہت آسانی سے اسلام قبول کر لیا۔

---

[1] ابن ہشام بحوالہ تاریخ الیہود۔ [2] ایضاً [3] تاریخ الیہود ص ۸۷

[4] سینگ کی طرح کی کوئی چیز ہوتی ہے۔ [5] عام کتب حدیث

اس لیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اور اسلام کی بنیادی تعلیمات کی حقانیت سے وہ پہلے سے آگاہ ہو چکے تھے۔ سوال یہ ہے کہ عقائد کے لحاظ سے اسلام سے اس درجہ قریب ہونے کے باوجود خود یہودیوں نے اسلام کے قبول کرنے میں کیوں تاخیر کی اور کیوں لیت و لعل سے کام لیا۔ واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ یہود کا صالح طبقہ آپ کی نبوت اور اسلام کی حقانیت کا قائل اور اس کی قبولیت کی طرف مائل ضرور تھا، لیکن ان کے لیے کچھ موانع تھے، جن کی وجہ سے وہ اس سعادت ابدی سے محروم رہے۔ پھر بھی ان میں جو صاحبِ عزم اور صاحبِ ہمت تھے اور ان موانع کا مقابلہ ڈٹ کر کر سکتے تھے، وہ قبولِ اسلام سے باز بھی نہیں رہے۔ تفصیل آگے آئے گی۔

قبائلی نظام اُوپر یہودیوں کے علمی و تمدنی اثرات کی جو تفصیل پیش کی گئی ہے اس سے یہ اندازہ ہو گیا ہو گا کہ یہود عربوں کے مقابلہ میں زیادہ متمدن اور صاحب علم تھے، مگر اس کے ساتھ جب ہم ان کی معاشرتی زندگی پر غور کرتے ہیں تو وہ عربوں سے کچھ مختلف نظر نہیں آتے۔ عربوں کی طرح وہ بھی مختلف قبائل میں بٹے ہوئے تھے۔ ہر قبیلہ کا ایک جدا سردار اور علیحدہ نظام تھا اور صلح و جنگ کے مواقع پر وہ اپنی قبائلی مصلحتوں کے تحت ایک دوسرے سے معاملہ کرتے تھے اسی کا اثر تھا کہ متعدد جاہلی اور اسلامی لڑائیوں میں وہ ایک دوسرے کے مقابلہ میں یا ایک دوسرے کے خلاف مدد کرتے نظر آتے ہیں۔ تفصیل آگے آئے گی۔ اسی طرح یہود کا رہن سہن، معاشرت اور وضع و لباس وغیرہ بھی تقریباً وہی تھا جو عربوں کا تھا۔ ان باتوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ عربوں کی قبائلی زندگی کا ان پر اچھا خاصا اثر پڑا تھا۔

یہود کی دینی اور اخلاقی حالت قرآن مجید نے یہود کی دینی حالت اور اخلاقی معائب کا جو نقشہ کھینچا ہے اس میں دُنیا کے تقریباً تمام یہود مبتلا تھے، مگر ہمارا موضوع بحث صرف جزیرۃ العرب کے یہود ہیں۔ اس لیے قرآن مجید نے ان کے جن معائب کی نشان دہی کی ہے۔ ہم اس کی تفصیل پیش کرتے ہیں۔

دینی گمراہیاں | تمام انبیائے کرام کی تعلیم میں یہ بات مشترک رہی ہے کہ عزت و شرافت اور آخرت کی فلاح وسعادت کا مدار اور خدا کے نزدیک محبوبیت اور مقبولیت کا معیار ایمان و عمل ہے، نہ کہ نسل وذات، مگر یہودیوں کی ایک بنیادی غلطی اور گمراہی یہ تھی کہ انھوں نے شرافت و نجابت کا معیار ہی سرے سے بدل دیا۔ اس کا مدار ایمان و عمل کے بجائے نسل وذات پر رکھا۔ ان کے نزدیک یہودی گھرانے میں پیدا ہونا ہی دنیا کا سب سے بڑا شرف اور نجات آخرت کے لیے کافی تھا، کہتے تھے کہ:

نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَ اَحِبَّآؤُهٗ[1] (مائدہ)	ہم اللہ کے لڑکے اور اس کے محبوب ہیں۔

اور سمجھتے تھے کہ:

لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً ۔ (بقرہ)	ہم دوزخ میں چند دن کے لیے ڈالے جائیں گے۔

ان کے بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کرکے فرمایا گیا۔

قُلْ اِنْ كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ عِنْدَ اللّٰهِ خَالِصَةً مِّنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ	آپ کہہ دیجیے کہ اگر تمھارے لیے (اے یہود) آخرت کی فلاح مخصوص ہے تو پھر موت کی تمنا کرکے دکھلاؤ۔ اگر تم سچے ہو۔

(البقرہ)

دوسری جگہ قرآن مجید نے ان کو خطاب کرکے فرمایا ہے:

---

[1] حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے اس سلسلہ میں متعدد یہود مدینہ کا نام بھی لیا ہے۔ طبری میں ان کا قول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو یہود میں عام طور پر یہ خیال تھا۔

قُلْ يَاأَيُّهَا الَّذِينَ هَادُوا إِن زَعَمْتُمْ أَنَّكُمْ أَوْلِيَاءُ لِلَّهِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ
آپ فرما دیجیے کہ اے یہود! اگر تم کو زعم ہے کہ تم اللہ کے محبوب ہو، تو موت کی تمنا کرو۔ اگر تم سچے ہو۔

(جمعہ)

اسی غلط تصور کا نتیجہ تھا کہ ان کے نزدیک کسی بدعقیدگی، بدمعاملگی اور بداخلاقی کی کوئی اہمیت باقی نہیں رہ گئی تھی۔ یہودیت کی سند مل جانے کے بعد وہ سمجھتے تھے کہ ان کی کوئی بُرائی بُرائی نہیں رہ جاتی۔ یہی وجہ تھی کہ ان میں وہ تمام بُرائیاں گھس آئیں جن کا کم ازکم ایک صاحبِ شریعت قوم میں تصور تک نہیں کیا جا سکتا، عقائد میں سب سے اہم اور اساسی چیز عقیدۂ توحید ہے۔ اسی کی صحت اور اسی میں اخلاص کی بنیاد پر سارے دین کی عمارت تعمیر ہوتی ہے۔ اگر اس میں کہیں سے کوئی نقص اور کمی آجاتی ہے تو پھر دین کمزور اور اس کے دوسرے اقدار بالکل بے روح ہو کر رہ جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ تمام انبیاء کی بنیادی تعلیم یہی رہی کہ:

لَا إِلَٰهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدُونِ
میرے سوا کوئی معبود نہیں تو تم میری ہی عبادت کرو۔

یہود ایک صاحب شریعت قوم تھی جس کو حضرت موسیٰؑ کے ذریعے پہلے ہی دن یہ سبق دیا گیا تھا کہ:

لَا إِلَٰهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدْنِي وَأَقِمِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِي (طٰہٰ)
میرے سوا کوئی معبود نہیں تو تم میری ہی عبادت کرو۔ اور میری ہی یاد کے لیے نماز پڑھا کرو۔

مگر یہود کی تاریخ بتاتی ہے کہ انھوں نے ہمیشہ عقیدۂ توحید میں رخنہ اندازی کی اور

اس سرچشمۂ صافی کو کفر و شرک اور فسق و فجور سے گدلا کرنے کی برابر کوشش کی۔ جزیرۂ عرب کے یہود بھی اس جرم میں دنیا کے دوسرے یہود سے پیچھے نہیں تھے۔ قرآن تو واضح طور پر ان پر کفر و شرک کے ارتکاب کا الزام عاید کرتا ہے۔

لَعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ ان کے کفر کی وجہ سے اللہ نے ان پر لعنت کی۔ (نساء)

سورۂ نساء کے آخر میں ان کے بارے میں وبکفرھم کے الفاظ بار بار دہرائے گئے ہیں۔ گو یہ کفر اکفر باللہ نہ ہو، مگر کفر باحکام اللہ تو ضرور تھا، جیسا کہ ایک جگہ قرآن مجید نے ان کے بارے میں وَاَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُوْنَ[1] اور ان میں سے اکثر فاسق ہیں، اسی بناء پر قرآن مجید ان سے کہتا ہے کہ:

تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ۔ (اے اہل کتاب) آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان برابر ہے۔ یہ کہ بجز اللہ کے کسی اور کی عبادت نہ کریں۔

(آل عمران)

وہ شرک میں بھی مبتلا تھے، جیسا کہ قرآن مجید میں ہے کہ وہ عزیر کو خدا کا بیٹا کہتے تھے۔[3]

---

[1] اس سلسلہ میں بعض یہودیوں مثلاً رفاعہ بن زید وغیرہ کا واقعہ تفسیروں میں درج ہے۔ [2] آل عمران

[3] بعض مستشرقین نے لکھا ہے کہ صحف قدیم میں اس کا کوئی تذکرہ نہیں ہے اور نہ اس وقت یہود کا یہ عقیدہ ہے۔ یہ بحث طویل ہے اس لیے ہم نظر انداز کرتے ہیں، مختصراً اتنا لکھ دینا کافی ہے کہ یہودیوں میں یہ خیال عیسائیوں کے اثر اور ان کی ضد سے پیدا ہوا ہے اور عرب کے یہودیوں میں ظہور اسلام کے وقت یہ عقیدہ تھا۔ چنانچہ طبری وغیرہ نے متعدد یہود کا نام بھی لیا ہے مثلاً فنحاص، سلام بن مشکم وغیرہ۔ پھر ان کے اس قول نحن ابناء اللہ واحباءہٗ اور اتخذوا احبارھم وغیرہ کو سامنے رکھا جائے تو اس میں کوئی تعجب باقی نہیں رہ جاتا۔

وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرٌ — اور یہود نے کہا کہ عزیر خدا
ابْنُ اللّٰهِ — کے بیٹے ہیں۔

انھوں نے اپنے علماء اور احبار کو وہ مرتبہ اور درجہ دے دیا تھا جو صرف اللہ ہی کے لیے مخصوص ہے۔

اِتَّخَذُوْا اَحْبَارَهُمْ وَ — انھوں نے خدا کو چھوڑ کر اپنے
رُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ — علماء و مشائخ کو اپنا رب بنا
دُوْنِ اللّٰهِ (توبہ) — رکھا ہے۔

یہ آیت یہود اور نصاریٰ دونوں کے بارے میں ہے، نصاریٰ کے سوء اعتقاد کے بارے میں حضرت عدی بن حاتم کی روایت حدیث کی تمام کتابوں میں مذکور ہے۔ یہود سے متعلق اس آیت کی تفسیر میں طبری میں یہ روایت ہے کہ،

قَالَ الربيع قلت لابي — ربیع نے ابی العالیہ سے پوچھا کہ بنو اسرائیل
العاليه كيف كانت الربوبية — نے کس طرح سے اپنے احبار کو ارباب بنا لیا
فى بنى اسرائيل قال ما — تھا۔ انھوں نے فرمایا کہ جس چیز کا وہ احبار حکم
امرونا ائتمرنا فانهونا — دیتے تھے اس کو ہم کرتے تھے اور جس بات سے وہ
عنه انتهينا لقولهم وهم[1] — روکتے تھے ہم رک جاتے تھے۔ یہ سب ان کے کہنے کی وجہ
يجدون فى كتاب الله ما — سے کرتے تھے، حالانکہ وہ باتیں کتاب میں موجود ہوتی تھیں،
امروا به وما نهوا عنه — چنانچہ اس طرح انھوں نے احبار و علماء کے اقوال و افعال
فاستنصحوا الرجال[2] — کو اختیار کر لیا اور کتاب اللہ کو پس پشت ڈال دیا۔

---

[1] اس انداز بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ ابو العالیہ بھی اہل کتاب میں تھے، یہ غلام تھے، اس لیے ان کے اہل کتاب ہونے کا اور بھی قوی امکان ہے۔

[2] طبری ج ۱۰ ص ۸۰

اس کفر و طغیان نے ان کے قلوب کو اتنا سخت اور ان کے ذہن و دماغ کو اس قدر ماؤف کر دیا تھا کہ وہ خدائے قدوس کے بارے میں گستاخانہ اور طنز آمیز الفاظ استعمال کرنے لگے تھے۔

وَقَالَتِ الْيَهُودُ يَدُ اللّٰهِ مَغْلُولَةٌ	یہود کہتے تھے کہ اللہ کا ہاتھ تنگ ہو گیا ہے۔

یہی نہیں بلکہ وہ کہتے تھے،

اِنَّ اللّٰهَ فَقِيرٌ وَّنَحْنُ اَغْنِيَاءُ	اللہ فقیر اور ہم غنی ہیں۔

کتاب الٰہی (توراۃ) کے بارے میں بھی ان کا عقیدہ کچھ اچھا نہیں تھا۔ وہ کتاب کی تاویل و تفسیر اپنی خواہشات اور دنیاوی اغراض کے تحت کرتے تھے۔ قرآن مجید میں ہے۔

يُحَرِّفُونَ مِنْ بَعْدِ مَا عَقَلُوهُ	پھر اس کو بدل ڈالتے تھے اس کے
يَكْتُبُونَ الْكِتٰبَ بِاَيْدِيهِمْ	سمجھنے کے بعد اپنے ہاتھوں سے لکھتے
ثُمَّ يَقُولُونَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ	ہیں اور کہتے ہیں کہ اللہ کی طرف سے ہے اس سے
اللّٰهِ لِيَشْتَرُوا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيلًا	غرض یہ ہوتی ہے کہ کچھ روپے پیسے حاصل
(البقرۃ)	کریں۔

جب اس معنوی تحریف سے کام نہ چلتا تو کلام الٰہی کو چھپا دیتے (مائدہ) اگر ضرورت پڑتی تو لفظی تحریف بھی کر ڈالتے[1]۔

يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ مِنْ بَعْدِ مَوَاضِعِهٖ (مائدہ)	کلام الٰہی کو اس کے موقع و محل سے بدل دیتے ہیں۔
يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَنْ مَوَاضِعِهٖ (مائدہ)	وہ کلام الٰہی کو اس کے موقع سے بدلتے رہتے ہیں۔

[1] اس سلسلہ میں متعدد واقعات عہد نبوی میں پیش آئے جن میں سے بعض کا تذکرہ اوپر آ چکا ہے۔

یہ تو پڑھے لکھے یہودیوں کا حال تھا، جو اپنی ہر خواہش اور غرض کی تکمیل کے لیے کتاب اللہ کو آلۂ کار بناتے تھے اور اس کی من مانی تفسیریں کرتے تھے لیکن ان کے عوام جو اس اسلحہ کا استعمال نہیں جانتے تھے، وہ صرف اپنی خواہشوں اور تمناؤں ہی کو آخری سند سمجھتے تھے۔

وَمِنْهُمْ أُمِّيُّونَ لَا يَعْلَمُونَ الْكِتَابَ إِلَّا أَمَانِيَّ (بقرہ-۱۰۰) — اور ان میں بہت سے ناخواندہ ہیں جو کتابی علم نہیں رکھتے لیکن دل خوش کن باتیں۔

حضرت زیدؓ بن سعنہ کے حالات میں تحریف کی ایک مثال آئے گی، جس سے آپ کو اندازہ ہوگا کہ وہ اس میں کس درجہ بے باک تھے۔

ختم رسل صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بارے میں تورات میں جو پیشین گوئیاں اور بشارتیں تھیں اور جن کو پڑھ کر متعدد صالح الفطرت یہود حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ ان کو انھوں نے چھپانے کی کوشش کی۔ اسی طرح احادیث میں آتا ہے کہ رجم کے متعلق تورات کے حکم کو بھی انھوں نے پوشیدہ رکھنا چاہا، مگر بعض حق پرست علمائے یہود نے اسے آپ پر ظاہر کر دیا اور آپ نے اس کے مطابق عمل کیا (بخاری و مسلم)

انبیاء و رسل کے ساتھ بھی انھوں نے ہمیشہ طغیان و سرکشی ہی کی روش اختیار کی یہاں تک کہ ان نفوس قدسیہ میں سے بعض کو انھوں نے قتل کر ڈالا۔ اسی وجہ سے حضرت داؤدؑ اور حضرت عیسیٰؑ نے ان پر لعنت کی۔ (مائدہ)

جزیرۂ عرب کے یہود بھی اس بارے میں اپنے پیشرؤں سے کچھ مختلف نہیں تھے۔ وہ حضرت ابراہیم کے بارے میں کہتے تھے کہ وہ یہودی تھے، (آل عمران) قرآن نے ان کے اس خیال کی تردید کی (آل عمران) نبوت و رسالت صرف یہود کے لیے مخصوص سمجھتے تھے (جمعہ) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بھی انھوں نے وہ سب کچھ کیا جو ان کے پیش رؤوں نے اپنے وقت کے انبیاء کرام علیہم السلام کے ساتھ کیا، تفصیل آگے آتی ہے۔

فرشتوں کے متعلق ان کے خیالات عربوں سے بالکل مختلف تھے، عرب ان کو خدا کا شریک ٹھہراتے تھے اور یہ ان سے دشمنی و عداوت رکھتے تھے، خصوصیت سے حضرت جبریلؑ کے بارے میں وہ کہتے تھے کہ یہ ان کا قدیم دشمن ہے، قرآن نے ان کے اس خیال کی شدت سے تردید کی[1]

مشرکانہ اوہام و خرافات، جادو، گنڈا، اور عملیات وغیرہ پر ان کا اعتقاد تھا۔ لبید، عاصم وغیرہ بہت سے یہودی عامل تھے، جو کنگھیوں اور بالوں میں منتر پڑھ کر پھونکتے تھے[2] یہ ان کے دینی معائب کا ایک مختصر خاکہ ہے، جن میں وہ دورِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم تک مبتلا تھے، اب ان کے اخلاق و معاملات پر روشنی ڈالی جاتی ہے۔

اخلاق و معاملات اخلاق و معاملات کے اعتبار سے جزیرہ عرب کے یہود نہایت ہی گرے ہوئے تھے۔ یہ اخلاقی گراوٹ ان ہی تک محدود نہیں تھی، بلکہ اس میں ہر جگہ کے یہود برابر کے شریک تھے۔ ان کے اخلاق و اعمال حد درجہ مبتذل، رکیک اور قابل نفریں تھے، جن کا انسانیت شرافت اور فضائلِ اخلاق سے کوئی دور کا بھی تعلق باقی نہیں رہ گیا تھا۔ سورہ بقرہ اور آل عمران میں خاص طور سے ان کے ایک ایک عیب کی نشاندہی کی گئی ہے۔ ذیل کی سطروں میں ان کے چند بنیادی عیوب کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

نفاق یہود حجاز جن اخلاقی کمزوریوں کا شکار تھے، ان میں سب سے اہم منافقت ہے، یہ روحِ انسانی کے لیے ایسا روگ ہے جو انسان کی تمام اخلاقی خوبیوں اور فطری صلاحیتوں کو ختم کر دیتا ہے، جس فرد یا جماعت میں یہ مرض پیدا ہو جائے اس سے کسی خیر کی امید نہیں کی جا سکتی۔ چنانچہ یہود حجاز کی تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ ان میں بھی نفاق نے اچھی طرح گھر کر

---

[1] اس سلسلہ میں طبری نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عمرؓ سے یہود کی گفتگو کو نقل کیا ہے ص ۳۲۶ جلد ۱

[2] صحیح بخاری ج ۲ کتاب الطب،

لیا تھا۔ انھوں نے اسلام کے بارے میں مسلسل نفاق کا ثبوت دیا، اور ان کی وجہ سے مدینہ منورہ میں ایک ایسا گروہ تیار ہوگیا تھا جو مرتے دم تک اس روگ میں مبتلا رہا، اور اسلام اور مسلمانوں کو نقصان اور اذیت پہنچاتا رہا، قرآن کہتا ہے۔

وَاِذَا لَقُوْكُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا	وہ لوگ جب تم سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں
وَاِذَا خَلَوْا عَضُّوْا عَلَيْكُمُ	کہ ہم ایمان لائے، اور جب تم سے جدا
الْاَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ قُلْ	ہوتے ہیں تو تم پر اپنی انگلیاں کاٹ کاٹ
مُوْتُوْا بِغَيْظِكُمْ	کھاتے ہیں مارے غصہ کے آپ کہہ دیجیے
(آل عمران)	کہ مررہو اپنے غصہ میں۔

سورہ بقرہ (ع۔۸) میں اسی طرح کی ایک آیت موجود ہے۔

دوسروں کو بھی اس نفاق پر ابھارتے تھے۔

وَقَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ	بعض اہل کتاب نے کہا کہ ایمان لے آؤ
الْكِتٰبِ اٰمِنُوْا بِالَّذِيْٓ اُنْزِلَ	اس پر جو مسلمانوں پر نازل ہوا (یعنی
عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَجْهَ	قرآن) اور صبح کے وقت اور شام
النَّهَارِ وَاكْفُرُوْٓا اٰخِرَهٗ	تک اس سے انکار کردو شاید
لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ (آل عمران)	کہ وہ پھر جائیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام کے ساتھ انھوں نے مستقلاً جو منافقانہ طرزِ عمل اختیار کر رکھا تھا، اس کی پوری تصویر ان آیتوں میں آگئی ہے۔ وہ مسلمانوں ہی کے ساتھ نفاق نہیں برتتے تھے، بلکہ اس عادتِ بد کی وجہ سے اپنوں تک سے منافقانہ پیش آتے تھے، اور ایک دوسرے کو دھوکا اور فریب دیتے تھے، غزوات کے سلسلہ میں متعدد مواقع پر انھوں نے خود ایک دوسرے کو دھوکا دیا۔[1]

---

[1] مثلاً غزوہ نفیر اور غزوہ خندق وغیرہ کے مواقع پر۔

حرام خوری حرام خوری بھی ان کا شاید قومی خاصہ ہو گیا تھا۔ قرآن میں ہے۔

أَكَّالُونَ لِلسُّحْتِ (مائدہ)	یہ بڑے حرام کھانے والے ہیں

سورہ مائدہ میں ان کی حرام خوری کو متعدد بار دہرایا گیا ہے۔

ان کے سودی کاروبار کا ذکر آچکا ہے، رشوت ستانی اور ناجائز طریقہ پر کم پری کے بھی یہ عادی ہو گئے تھے۔

وَاَكْلِهِمْ اَمْوَالَ النَّاسِ	اور ان کے ناحق طریقہ سے مال کھانے
بِالْبَاطِلِ (نساء)	کی وجہ سے۔

دوسروں کا حق مارنے کے لیے جھوٹی قسمیں کھاجاتے تھے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ	یقیناً جو لوگ حقیر رقم سے بیچتے ہیں بمقابلہ
اللّٰهِ وَاَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا	اس عہد کے جو انھوں نے اللہ سے کیا ہے
قَلِيْلًا	اور مقابلہ اپنی قسموں کے۔

اس سلسلہ میں حضرت اشعث اور ایک یہودی کا واقعہ تفسیروں میں ملتا ہے۔

ان کے علماء و احبار بھی دوسروں کا مال ہڑپ کر لیتے تھے (توبہ)

حرص وطمع یہ مالدار اور خوش حال تھے، مگر ان کی حرص وطمع کا یہ حال تھا کہ دو دو چار چار روپے کے لیے معصوم بچوں کو ہلاک کر ڈالتے تھے[1] سودی قرضوں میں بچوں اور عورتوں کو رہن رکھ لیتے تھے[2] ان کے پاس سونے چاندی کا ڈھیر تھا، مگر راہ حق میں ایک پیسہ بھی نہیں خرچ کر سکتے تھے۔

وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ	(حرص کی وجہ سے) جو لوگ سونا چاندی
وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا	جمع کر رکھتے ہیں اور ان کو اللہ کی راہ میں

---

[1] صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۰۱۶ کتاب الدیات   [2] ایضاً قتل کعب بن اشرف

فِی سَبِیْلِ اللّٰہِ (توبہ) خرچ نہیں کرتے۔

اَمْ لَھُمْ نَصِیْبٌ مِّنَ الْمُلْکِ فَاِذًا لَّا یُؤْتُوْنَ النَّاسَ نَقِیْرًا (نساء)

کیا ان کے پاس سلطنت کا کوئی حصہ ہے اگر ہوتا تو وہ ایک ذرّہ برابر اس میں سے دوسروں کو نہ دیتے۔

خیانت | خیانت حرص وطمع ہی کا نتیجہ ہے، چنانچہ ان میں یہ عیب بھی موجود تھا۔

وَمِنْھُمْ مَنْ اِنْ تَاْمَنْہُ بِدِیْنَارٍ لَّا یُؤَدِّہٖٓ اِلَیْکَ اِلَّا مَا دُمْتَ عَلَیْہِ قَآئِمًا (آلِ عمران)

ان میں بعض ہیں کہ تم اگر ان کے پاس ایک دینار بھی امانت رکھو تو تم کو وہ ادا نہ کریں گے، جب تک کہ تم ان کے سر پہ سوار نہ ہو جاؤ۔

پھر اس خیانت کو اپنے لیے جائز اور اپنا پیدائشی حق سمجھتے تھے۔

قَالُوْا لَیْسَ عَلَیْنَا فِی الْاُمِّیّٖنَ سَبِیْلٌ (آلِ عمران)

(یہ خیانت) اس لیے ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ غیر اہلِ کتاب (کے مال) کے بارے میں ہم پہ کوئی جرم نہیں۔

بغض وحسد | بغض وحسد کا جذبہ ایک بدترین جذبہ ہے، اس کی موجودگی میں کبھی حق وانصاف کا جذبہ آدمی کے دل میں پرورش نہیں پاتا، جس کے اندر یہ جذبہ موجود ہوتا ہے اس کو دوسروں کی خوبیاں اور بھلائیاں نظر ہی نہیں آتیں، یا اگر نظر آتی ہیں تو وہ ان کی طرف سے صرفِ نظر کرلیتا ہے، اگر کسی کو کوئی شرف اور فضل حاصل ہوجاتا ہے تو ایسے شخص کو انتہائی تکلیف ہوتی ہے۔ یہود کی زندگی اس بُرے جذبہ کا مکمل نمونہ تھی۔

اَمْ یَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰی مَآ اٰتٰھُمُ اللّٰہُ مِنْ فَضْلِہٖ (نساء)

کیا دوسرے آدمیوں سے ان چیزوں پر جلتے ہیں جنہیں اللہ نے ان کو اپنے فضل سے عطا کی ہیں۔

هَآ اَنْتُمْ اُولَاءِ تُحِبُّوْنَهُمْ وَلَا يُحِبُّوْنَكُمْ

ہاں تم ایسے ہو کہ ان لوگوں سے محبت رکھتے ہو اور یہ لوگ تم سے قطعاً محبت نہیں رکھتے

(آل عمران)

قرآن نے ان کے اسی بغض و حسد کی بنا پر فرمایا کہ:

مُوْتُوْا بِغَيْظِكُمْ

اپنے غصے سے مر رہو۔

دروغ گوئی اور بدعہدی | دروغ گوئی، بدعہدی اور جھوٹی قسمیں کھانا ان کا شیوہ تھا۔

سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ (مائدہ)

یہ لوگ غلط باتوں کے سننے کے عادی ہیں

اتخذوا ایمانھم جنۃ

انھوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنا رکھا ہے

(مجادلہ)

عہد نبوی میں ان کی دروغ گوئی اور بدعہدی کی بے شمار مثالیں ملتی ہیں، معاہدہ کے ذکر میں، اس کی تفصیل آئے گی۔

اسی طرح وہ فواحش اور بے حیائی سے بھی باز نہیں رہتے تھے۔ عرب عورتوں کو چھیڑا کرتے تھے، اور ان سے کھلا ہوا مذاق کرتے تھے۔ کعب بن اشرف ان کا مشہور شاعر اس میں بے حد بدنام تھا۔ ایک مرتبہ ایک انصاری بزرگ نے اس سے قرض مانگا تو اس نے ان سے برجستہ کہا کہ اس کے بدلے اپنی بیوی کو میرے یہاں گرو رکھ دو۔ اس کی دنائت اور اس کا سفلہ پن اس حد تک پہنچ گیا تھا کہ ازواجِ مطہرات اور صحابیات کا نام لے کر تشبیب[1] کرتا تھا۔[2]

ایک برائی ان میں یہ بھی تھی کہ اگر کوئی شریف و معزز آدمی زنا کرتا تو اُس کو چھوڑ دیتے اور اگر کوئی معمولی اور کم رتبہ آدمی اس کا ارتکاب کرتا تو اس کو سزا دیتے۔[3]

---

[1] وہ اشعار جن میں حُسن و عشق کے جذبات ظاہر کیے جائیں۔ [2] طبقات الشعراء ص ۱۱۰۔

[3] صحیح مسلم باب رجم یہود۔

ان میں خود غرضی اور قساوتِ قلبی بھی حد درجہ تھی جس کا مظاہرہ دن رات ہوتا رہتا تھا، حتیٰ کہ وہ اپنے یہودی بھائیوں کو گھر سے نکال دیتے۔ اسی خود غرضی کی وجہ سے وہ آپس میں برابر لڑتے جھگڑتے رہتے تھے۔ یہی نہیں بلکہ ایک دوسرے کے خلاف اپنے دشمنوں تک کو مدد دیتے تھے۔[1]

قرآن نے ان کے ان معائب کی تصویر ان الفاظ میں کھینچی ہے۔

تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَ تُخْرِجُوْنَ	تم ایک دوسرے سے قتل و قتال بھی کرتے ہو،
فَرِيْقًا مِّنْكُمْ مِّنْ دِيَارِهِمْ	اور ایک دوسرے کو گھروں سے نکال دیتے ہو۔

(بقرہ)

تَحْسَبُهُمْ جَمِيْعًا وَّ قُلُوْبُهُمْ	تم ان کو متفق خیال کرتے ہو حالانکہ ان کے
شَتّٰى (حشر)	دل آپس میں متفق نہیں ہیں۔

اس سلسلہ میں حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن عباس کی یہ روایت مسند احمد میں ہے۔ آپ نے فرمایا کہ جاہلیت میں یہود دو گروہ میں بٹ گئے تھے۔ ان میں ایک غالب تھا اور دوسرا مغلوب، جب غالب گروہ کا کوئی آدمی قتل کیا جاتا تو اس کی دیت مغلوب کو زیادہ دینی پڑتی اور اگر مغلوب کا کوئی آدمی قتل ہو جاتا تو اس کی دیت کم ملتی، جاہلیت میں تو مغلوب گروہ اس ظلم کو برداشت کرتا رہا۔ مگر رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد، ایک بار جب ایسا واقعہ پیش آیا تو اس نے زیادہ دیت دینے سے انکار کر دیا، اور غالب گروہ کے پاس کہلا بھیجا کہ اب نبی موعود صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کے بعد ہم یہ ظلم و ستم سہنے کے لیے تیار نہیں۔[2]

پھر ان تمام اخلاقی جرائم پر وہ خوش ہوتے اور چاہتے تھے کہ جو خوبیاں ان میں نہیں ہیں ان پر بھی ان کی تعریف و تحسین کی جائے۔

---

[1] اوپر ذکر آ چکا ہے

[2] مسند ج ۱ ص ۲۴۶۔

اَلَّذِیْنَ یَفْرَحُوْنَ بِمَآ اَتَوْا وَّیُحِبُّوْنَ اَنْ یُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ یَفْعَلُوْا (آل عمران)

یہ لوگ اپنے اخلاق و کردار پر خوش ہیں اور جو کام انھوں نے نہیں کیا اس پر چاہتے ہیں کہ ان کی تعریف کی ہو۔

ان کے دینی اور اخلاقی انحطاط کا یہ بہت مجمل خاکہ ہے، اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ جس قوم میں اتنا زیادہ دینی انحطاط اور اتنے زیادہ ذمائم اخلاق ہوں اس کی موجودگی میں کوئی صالح معاشرہ اور پرسکون ماحول کیسے پیدا ہوسکتا ہے۔ چنانچہ جب تک یہودیوں کا معاشی، اقتصادی، سیاسی تغلب اور ان کا زور باقی رہا۔ پورے حجاز اور خصوصیت سے مدینہ میں سکون واطمینان کی فضا پیدا نہ ہوسکی، مگر جوں جوں ان کا زور ختم ہوتا گیا امن وسلامتی کی فضا پیدا ہوتی گئی۔ تاآنکہ پورا حجاز ان کی ریشہ دوانیوں اور فتنہ انگیزیوں سے پاک وصاف ہوگیا۔

ایسے معائب، مثالب اور ذمائم اخلاق میں گھرے ہونے پر بھی اس بد باطن اور کج فطرت قوم کے جتنے افراد بھی حلقہ بگوش اسلام ہوگئے، وہ اسلام کی بڑی کامیابی ہے۔ ورنہ ایسا دین جس کے قبول کرنے میں کوئی جبر وسختی نہ ہو[1]۔ اس میں ایسی تیرہ بخت اور دون فطرت قوم کے ایک دو فرد کا داخل ہونا بھی درحقیقت اسلام کا ایک معجزہ ہے۔

بعثت نبوی کے بعد یہود اور مسلمانوں کے اجتماعی اور سیاسی تعلقات کی نوعیت

بعثت نبوی سے قبل یہودیوں کے سیاسی، تمدنی اثرات کا جائزہ لینے اور ان کی اخلاقی اور دینی حالت کا تذکرہ کرنے کے بعد مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ظہور اسلام کے بعد ان میں اور مسلمانوں میں باہم جو سیاسی و اجتماعی تعلقات پیدا ہوئے اور اس سے جو نوائد اور مضار منتج ہوئے اس پر بھی ایک

[1] لا اکراہ فی الدین دین میں کوئی جبر نہیں ہے، چنانچہ مدینہ سے یہودی قبائل کے اخراج کے بعد متعدد یہودی موجود تھے جنھوں نے اسلام قبول نہیں کیا تھا، لیکن ان سے کوئی تعارض نہیں کیا گیا، بعض کا تذکرہ اس کتاب میں آیا ہے کہ حضرت صفیہؓ نے اپنی ایک جائداد کے متعلق اپنے یہودی رشتہ داروں کو وصیت کی تھی۔

محفوظ ڈال لی جائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت مکہ میں ہوئی، اور ذکر اوپر آچکا ہے کہ مکہ میں یہود نہیں تھے، اس لیے مکی زندگی میں براہ راست ان سے کوئی سیاسی و اجتماعی تعلق نہیں پیدا ہوا۔ لیکن دعوت و تبلیغ کے سلسلہ میں جو ابتدائی سورتیں نازل ہوئیں ان میں حسب ضرورت اگلے انبیاء خصوصاً حضرت موسیٰؑ کا ذکر ملتا ہے، مثلاً سورۂ مزمل میں جو بالکل ابتدائی سورتوں میں ہے حضرت موسیٰؑ اور فرعون کا ذکر ملتا ہے۔ پھر سورۂ اعلیٰ میں صحف موسیٰؑ کا تذکرہ بھی آتا ہے۔ اسی طرح اس کے بعد نازل ہونے والی سورتوں مثلاً سورۂ قمر، سورۂ ق اور سورۂ بروج وغیرہ میں بھی حضرت موسیٰؑ کی کامیابی اور فرعون کے برے انجام کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

غرض مکہ کے ابتدائی سالوں میں براہ راست یہود سے قرآن نے خطاب نہیں کیا، محض دعوت و تبلیغ کے نقطہ نظر سے اس نے ان مشہور واقعات کی طرف اشارہ کر دیا جس سے اہل مکہ واقف تھے تاکہ وہ عبرت حاصل کریں۔

مکی سورتوں میں سب سے پہلے سورۂ اعراف میں ذرا تفصیل سے "بنی اسرائیل" کے نام سے ان کا تذکرہ ملتا ہے جس میں متعدد انعامات الٰہی کو گنایا گیا ہے اور ان کی بار بار کی ناشکری احسان ناشناسی کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس سورہ میں یہ بھی ذکر آیا ہے کہ تورات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی موجود ہے۔ ان واقعات کی تفصیل اس سورہ کے رکوع ۲ سے ۱۲ تک میں موجود ہے، اگر ان میں سے ان آیتوں کو نکال دیا جائے جن کو مفسرین مدنی بتاتے ہیں تب بھی یہود کی ابتدائی تاریخ کا خلاصہ مکہ میں نازل ہو چکا تھا[1]، اس سے اندازہ ہوتا ہے

---

[1] ابن جریج قتادہ وغیرہ سے مروی ہے کہ اس سورہ میں یہ آیت الذین یتبعون الرسول الامی الذی یجدونہ مکتوبًا الآیۃ ان یہود کے بارے میں نازل ہوئی جنھوں نے اس سے پہلی والی آیت کے بارے میں جس میں تقویٰ اور زکوٰۃ کا ذکر ہے کہا تھا کہ ہم بھی تو تقویٰ کے حامل ہیں اور ورد باقی رہ گئے،)

کہ رفتہ رفتہ قرآن میں بنی اسرائیل کا تذکرہ وسیع ہوتا جا رہا تھا۔

اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اور دعوت کو کئی برس گذر چکے تھے لیکن معلوم ہوتا ہے کہ ابتداءً اہل مکہ نے قرآن کے بیان کردہ واقعات خصوصاً وہ جو یہود سے متعلق تھے، ان کی طرف کچھ زیادہ دھیان نہیں دیا۔ لیکن جب قرآن نے بار بار ان کا اعادہ کیا تو ان کو ان کی تردید کا خیال پیدا ہوا ہوگا۔ مدینہ اور خیبر کے یہودیوں سے ان کے قدیم تعلقات تھے اس لیے انھوں نے ان سے یا طائف اور بنو کنانہ کے یہود سے جو ان کے قریب ہی رہتے تھے، ان واقعات کی صداقت اور عدم صداقت اور آپ کی نبوت کے بارے میں سوالات کرتے رہے ہوں گے۔

جیسا کہ مفسرین اور بعض محدثین نے لکھا ہے کہ روح[1]، اصحاب کہف اور ذوالقرنین وغیرہ

(بقیہ حاشیہ ص ۷۶) زکوٰۃ نکالتے ہیں، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اب براہ راست بھی یہود بحث مباحثہ کرنے لگے تھے لیکن مگر اس کے علاوہ دوسری کوئی شہادت ہم کو نہیں ملی جس سے مکہ میں براہ راست ان سے سوال و جواب کی تائید ہوتی ہو۔ اس لیے حاشیہ میں اس کا ذکر کیا گیا۔

(حاشیہ[1] صفحہ ہذا) روح کے سلسلہ میں عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سوال مدینہ میں کیا گیا تھا، مگر ترمذی میں ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ اہل مکہ نے یہود سے کہا کہ ہم کو کچھ ایسی باتیں بتاؤ جن کے متعلق ہم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے سوال کریں۔ اس کے جواب میں یہود نے ان سے کہا کہ روح کے بارے میں ان سے سوال کرو (فتح الباری ج ۸ ص ۳۰۲)۔ اصحاب کہف کے سلسلہ میں طبری میں حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ خود یہود نے اہل مکہ سے ان چیزوں کے بارے میں سوالات کرنے کے لیے کہا تھا۔ بہر نوع دونوں باتیں بیک وقت ممکن ہیں۔ اس میں کوئی تضاد نہیں۔ سیر کی کتابوں میں تذکرہ آتا ہے کہ قریش نے ایک وفد بھی یہود مدینہ کے پاس آپ کی نبوت کے بارے میں دریافت کرنے کے لیے بھیجا تھا، ممکن ہے یہ اسی وقت کا واقعہ ہو۔

کے بارے میں جو آیات نازل ہوئیں وہ درحقیقت کفار عرب کے ان سوالات کے جوابات ہیں جو انھوں نے یہود سے پوچھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کے متعلق کیے تھے، اصحاب کہف کے متعلق تو حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت ہے کہ خود یہود مدینہ نے اہل مکہ سے کہا تھا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے ان کے بارے میں سوال کرو، اگر وہ نبی ہوں گے تو جواب دیں گے۔[1]

لیکن اب تک یعنی سورۂ بنی اسرائیل کے نزول تک جو کچھ ان کے بارے میں کہا گیا یا تو اہل عرب کو براہ راست خطاب کر کے کہا گیا یا پھر غائب کے صیغہ سے کہا گیا۔ خود یہودیوں کو براہ راست خطاب نہیں کیا گیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ واقعہ معراج سے پہلے تک یہود سے براہ راست تعلق نہیں پیدا ہوا تھا۔ سورۂ اسراء کے بعد سورۂ یونس کا نزول ہوتا ہے۔ اس میں بھی یہود کی پچھلی تاریخ کو دہرایا گیا اور مزید یہ بتایا گیا کہ انھوں نے دین کے بارے میں علم الٰہی آجانے کے بعد بھی اختلاف کیا۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطہ سے ان قرآنی قصوں میں شک کرنے والوں کو خطاب کر کے ارشاد ہوا۔

فسئل الذین یقرءون	تو آپ ان لوگوں سے دریافت کیجیے جو
الکتٰب من قبلک۔	آپ سے پہلے نازل ہونے والی کتابوں کو پڑھتے ہیں
(یونس)	(یعنی تورات وانجیل)

اس آیت سے دو باتیں معلوم ہوتی ہیں، ایک تو یہ کہ یہود میں اس وقت ایسے صالح الفطرت لوگ موجود تھے جو اظہار حق کر سکتے تھے اور دوسری یہ کہ اب ان میں اور مسلمانوں میں براہ راست سوال و جواب کے امکانات پیدا ہو گئے تھے۔ لیکن ان امکانات کے لیے قرآن کی اندرونی شہادت تاریخ نزول قرآن اور بعض واقعات کی ترتیب کے علاوہ کوئی خارجی ثبوت نہیں ملتا۔ اس لیے

---

[1] طبری ج ۱۵ ص ۱۱۸

اس سلسلہ میں جو کچھ بھی لکھا جائے گا اس میں غلطی کا امکان ہے، مگر عاجز قرآن و سیرت کے مطالعہ سے اپنی حد تک جو کچھ بھی اخذ کر سکا، اس پر اسے وثوق ہے۔ اس لیے اسے پیش کرنے کی جرأت کر رہا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

صحیح روایتوں کے مطابق معراج کا واقعہ ہجرت سے ڈیڑھ سال پہلے پیش آیا۔ ظاہر ہے کہ سورۂ اسراء (یعنی سورۂ بنی اسرائیل) اس کے بعد ہی نازل ہوئی، اور سورۂ یونس جس میں اوپر والی آیت مذکور ہے، سورۂ اسراء کے بعد نازل ہوئی۔

اہل مدینہ کے متعلق تمام ارباب سیر لکھتے ہیں کہ ہجرت سے تین سال پہلے یعنی سنہ ۱۱ نبوی میں ان کے چھ آدمیوں نے اسلام قبول کیا، جو نزول سورۂ اسراء سے پہلے کا واقعہ ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ لوگ اسلام قبول کرنے کے بعد مدینہ میں جا کر خاموش نہیں بیٹھے ہوں گے۔ اسلام کا پیغام دوسروں تک پہنچایا ہوگا۔ عام طور سے ان کے اسلام کا چرچا ہوا ہوگا۔ عام اہل مدینہ نے، جس میں یہودی بھی تھے، اسے جانا بھی ہوگا۔ ہمارے نزدیک اسی کا اثر تھا کہ دوسرے سال سنہ ۱۲ نبوی میں یہ تعداد دگنی ہو گئی۔ اور ۱۲ آدمیوں نے آکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی اور خواہش ظاہر کی کہ ہمارے ساتھ کسی کو کر دیا جائے جو وہاں رہ کر ہم کو اسلام کی تعلیم دے۔ چنانچہ آپؐ نے مصعبؓ بن عمیر کو ان کے ساتھ کر دیا۔ حضرت مصعبؓ بن عمیر مدینہ پہنچے تو گھر گھر جا کر اسلام کا پیغام پہنچایا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جلد ہی مسلمانوں کی تعداد پہلے سے کئی گنا زیادہ ہو گئی۔

یہود جو مدینہ میں ہر طرف پھیلے ہوئے تھے جن سے انصار کا دن رات کا تعلق تھا، خود بھی ایک مذہب اور شریعت کے حامل تھے۔ ان کی اس حیثیت کی بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اہل مکہ بغرض تحقیق ان کے پاس آ بھی چکے تھے۔ انھوں نے اس نئے

لہ بعض مفسرین نے اس سلسلہ میں عبداللہ بن سلام وغیرہ کا نام لیا ہے۔ صاحب روح المعانی نے اس کی تردید کی ہے۔

دین کے بارے میں اگر انصار سے سوال وجواب اور بحث ومباحثہ شروع کر دیا ہو تو کوئی تعجب نہیں اور بعض روایتوں سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ وہ آپ کی نبوت کے منتظر تھے[1] جیسا کہ کتب سیر میں ہے کہ آپ نے اہل مدینہ کے سامنے عقبہ میں سب سے پہلے اسلام پیش کیا تو وہ یہ کہہ کر اسلام لائے کہ ایسا نہ ہو کہ یہود ہم سے اس فضل میں سبقت لے جائیں[2]۔

ان وجوہ کی بنا پر عاجزہ کا خیال ہے کہ اس آیت کی تفسیر میں بعض مفسرین نے جو مومنین اہلِ کتاب کا نام لیا ہے وہ صحیح نہیں ہے[3] اور نہ یہ صحیح ہے کہ مکہ میں بھی یہود تھے[4] بلکہ صحیح بات یہ ہے کہ ہجرت سے پہلے ہی انصار مدینہ اور یہود کے درمیان اسلام کے بارے میں گفتگو اور بحث مباحثہ کا آغاز ہو چکا تھا اور انھوں نے ان کی کچھ نہ کچھ مخالفت بھی شروع کر دی تھی، جیسا کہ آیت کے سیاق وسباق سے بھی پتہ چلتا ہے۔ ان ہی تعلقات کی بنا پر آیت میں کہا جا رہا ہے کہ آپ ان لوگوں سے (مسلمانوں کے ذریعہ) تحقیق کیجیے جو کتاب کے عالم ہیں۔

بیانِ مذکورۂ بالا سے واضح ہوا ہوگا کہ ابتداً اسلام کے مقابلہ میں یہود کا رویّہ معاندانہ نہیں تھا، بلکہ بڑی حد تک وہ اسلام کی صداقت کے معترف بھی تھے، مگر جوں جوں اسلام کی تعلیمات سے واقف ہوتے گئے ان کی مخالفت اور دشمنی بڑھتی گئی۔ سورہ یونس کے بعد ہود اور حٰم سجدہ وغیرہ سورتیں نازل ہوئیں جن میں ان کے متعلق بار بار یہ بات دہرائی گئی کہ یہ جان بوجھ کر قرآن کا انکار کر رہے ہیں[5]۔ ان سورتوں کے بعد سورہ غاشیہ کا نزول ہوا، اس میں بھی قریب قریب وہی بات دہرائی گئی۔ پھر سورۂ صافات نازل ہوئی جس میں ان کی کتاب

---

[1] اس کتاب میں متعدد جگہ اس کا ثبوت ملے گا۔　[2] سیرۃ النبی جلد ا ص ۱۶۲ بحوالہ زرقانی اور ابن سعد

[3] جیسا کہ اس سلسلہ میں مفسرین نے عبداللہ بن سلام اور تمیم داری کا نام لیا ہے۔ مگر ظاہر ہے کہ یہ سورت اور پھر یہ آیت مکی ہے اس لیے اس سے ان کو مراد لینا صحیح نہیں ہو سکتا۔

[4] بعض مستشرقین کا یہی خیال ہے، اس کی تفصیل اوپر آچکی ہے۔　[5] ۱۰ آیت ۱۲۱ اور ۱۲۲۔

تورات کو اماماً و رحمۃً کے الفاظ سے یاد کیا گیا اور قرآن کو اس کا حریف نہیں بلکہ موید قرار دیا گیا۔ پہلے سورۂ انبیاء اتری اس میں اس کو "الفرقان اور ضیا" کہا گیا، لیکن اس ترہیب و ترغیب کے باوجود یہود کی روش میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں ہوئی، بلکہ اسلام اور مسلمانوں کی مخالفت میں وہ اور زیادہ سخت ہو گئے اور اہل مکہ کو جیسا کہ قرآن میں ہے، پہلے سے زیادہ اسلام کے خلاف اکسانے اور اعتراض کے لیے ابھارنے لگے، چنانچہ سورۂ انعام میں کھانے پینے سے متعلق محرمات کے سلسلہ میں ان کے اعتراضات کا جواب ذرا سخت انداز سے اور خاص طور سے ان کی طرف اشارہ کر کے دیا گیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

وَعَلَى الَّذِينَ هَادُوا حَرَّمْنَا	اور یہودیوں پر ہم نے تمام ناخن والے
كُلَّ ذِي ظُفُرٍ	جانور حرام کر دیے تھے۔

سورۂ نحل میں مکرر ارشاد ہے۔

وَعَلَى الَّذِينَ هَادُوا حَرَّمْنَا	اور یہودیوں پر ہم نے وہ چیزیں حرام کر دی تھیں
مَا قَصَصْنَا عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ	جن کا بیان ہم اس سے قبل آپ سے کر چکے ہیں۔

ان دونوں آیتوں میں "اَلَّذِينَ هَادُوا" کے الفاظ خاص طور سے قابل غور ہیں۔ اس سے پہلے ان الفاظ کے ساتھ ان کو یاد نہیں کیا گیا تھا۔ پھر دونوں آیتوں کے آخر میں کہا گیا:

ذَٰلِكَ جَزَيْنَاهُمْ بِبَغْيِهِمْ	ان کی شرارت کے سبب ہم نے ان کو یہ سزا
(انعام)	دی تھی۔
وَمَا ظَلَمْنَاهُمْ وَلَٰكِنْ كَانُوا	ہم نے ان پر کوئی زیادتی نہیں کی لیکن وہ
أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ (نحل)	خود اپنے اوپر زیادتی کرتے تھے۔

یہود اور مسلمانوں کے درمیان تعلقات کا جو ارتقاء قرآن کی آیات سے دکھایا گیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہجرت سے پہلے ہی چند حق پسند اور صالح فطرت افراد کے علاوہ پوری قوم یہود میں رفتہ رفتہ اسلام و شارع اسلام صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کی مخالفت کا جذبہ

پیدا ہونا شروع ہوگیا تھا اور اس مخالفت کا اظہار بھی کبھی اہل مکہ کے ذریعے ہوتا اور کبھی اہل مدینہ کے ذریعہ، جن سے ان کا دن رات کا سابقہ تھا، مگر ابھی تک یہ مخالفت صرف ذہنی اور زبانی تھی۔

ہجرت کے بعد | یہود کا یہ حال تھا کہ آفتابِ اسلام کی کرنیں افق مدینہ پر چمکیں یعنی ختم رسل صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے ہجرت کر کے تشریف فرمائے مدینہ ہوئے۔ یہود کے بعض صالح اور سلیم الفطرت افراد مثلاً عبداللہ بن سلام اور مامون بن یامین وغیرہ جن کو تورات کی پیشین گوئی[1]، علماء واحبار کی بار بار کی یاد دہانی اور انصار کی مکہ میں آمد و رفت کے ذریعے آپ کی بعثت کا علم ہو چکا تھا۔ بڑی بے چینی سے آپ کی ہجرت اور مدینہ میں آپ کی آمد آمد کا انتظار کر رہے تھے۔ جونہی آپ جلوہ فرمائے مدینہ ہوئے وہ حلقہ بگوش اسلام ہو گئے[2]۔ ان کے ساتھ بعض اور افراد نے بھی آپ کی نبوت کی صداقت کو تسلیم کیا[3]۔ مگر ان کی تیرہ بختی نے نورِ حق کو ان کے "تاریک قلوب" تک پہنچنے

---

[1] اس پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔

[2] ابن الہیبان نے خاص طور پر ان کو جمع کر کے اس پیشین گوئی کو یاد دلایا تھا، کتاب میں حضرت اسیدؓ کے حالات میں یہ پورا قصہ مذکور ہے۔ انصار کے سامنے آپؐ نے پہلی بار اسلام پیش کیا تو انھوں نے آپس میں مشورہ کیا اور کہا ایسا نہ ہو کہ اس فضل میں یہود ہم سے سبقت لے جائیں اور ہم رہ جائیں اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہود جانتے تھے کہ فاک بلطحا سے وہ نبی عنقریب مبعوث ہونے والا ہے جس کی بشارت حضرت موسیٰؑ نے بنی اسرائیل کو دی تھی۔ ابھی اوپر حضرت سلمہؓ کی روایت گذری ہے، جس میں ہے کہ ایک یہودی عالم نے یہود کے ایک پورے مجمع میں آپ کے مبعوث ہونے کا اعلان کیا تھا۔ [3] مثلاً ابویاسر بن اخطب نے جب قرآن کی آیتیں سنیں تو اپنے قبیلہ کے پاس آیا اور کہا کہ ہم جس نبی کا انتظار کر رہے تھے وہ آگئے ہیں۔ ان کی اطاعت کرو مگر اس کے بھائی حیی بن اخطب نے اس کی مخالفت کی چونکہ یہ قبیلہ کا سردار تھا اس لیے پوری قوم اس کی ہم آہنگ ہو گئی۔ فتح الباری ج ۸ ص ۲۱۲ — اس سلسلہ میں بعض واقعات کا تذکرہ آگے آئے گا۔

نہیں دیا اور وہ مسلمان نہ ہو سکے۔

عبداللہؓ بن سلام اور ابن یامینؓ کے اسلام لانے کا یہود پر بجائے اچھا اثر پڑنے کے اور اُلٹا اثر پڑا اور انھوں نے اس اقدام حق پر ان کو حد درجہ مطعون اور لعنت ملامت کی۔

سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہجرت سے پہلے مکہ ہی میں یہود کی مخالفت اور دشمنی کا علم ہو چکا تھا۔ مدینہ آنے کے بعد اس کا عینی مشاہدہ بھی ہوا۔ اس لیے آپؐ نے مسجد نبویؐ اور کاشانۂ نبوت کی تعمیر کے بعد ہی پہلا جو کام کیا وہ انصار اور یہود مدینہ کے ایک ایک قبیلہ سے معاہدہ امن و صلح تھا، تاکہ یہود کی مخالفت اور زیادہ آگے بڑھنے نہ پائے اور آپ کے اور مسلمانوں کے بارے میں ان کو جو غلط فہمی ہو گئی ہے اس کا ازالہ ہو جائے۔ چنانچہ آپؐ نے قبائلِ یہود سے صرف معاہدہ امن و صلح ہی پر اکتفا نہیں کیا۔ بلکہ آپؐ نے اور آپؐ کے ساتھ صحابہ کرامؓ نے ان کے ساتھ اپنا رویہ نہایت مصالحانہ، خیر خواہانہ اور روادارانہ رکھا۔

آپؐ بہ نفس نفیس ان کے مریضوں کی عیادت کرتے تھے، ان کے جنازے جاتے تھے تو آپؐ احتراماً کھڑے ہو جاتے تھے۔ آپؐ کی مجلس میں ان کو چھینک آتی تو آپؐ دعائیہ کلمات[1] ارشاد فرماتے۔ جب تک کسی مسئلہ میں قرآن کا صریح حکم نازل نہ ہو جاتا آپ تورات کے حکم پر عمل کرتے، اور اس میں خود یہود سے مشورہ کرتے تھے۔ آپ خود اور صحابہ ان ہی کی اتباع میں عاشورہ کا روزہ رکھتے تھے۔ یہود آپ سے اور مسلمانوں سے بحث و مباحثہ کرتے۔ مگر آپؐ کبھی ناگواری کا اظہار نہ فرماتے۔ ایک مرتبہ حضرت سلمان فارسیؓ اور چند یہودیوں میں باہم اس بات پر کہ حضرت موسیٰؑ افضل ہیں یا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم، سخت گفتگو ہو گئی۔ یہود خدمت نبویؐ میں شکایت لے کر آئے۔ آپؐ نے صحابہ سے مخاطب ہو کر فرمایا مجھے موسیٰؑ پر فضیلت نہ دو۔ اسی طرح ایک مرتبہ حضرت یونسؑ کا ذکر آیا تو اس وقت بھی آپؐ نے یہی فرمایا کہ مجھے ان پر فضیلت نہ دو۔

---

[1] ترمذی شریف باب اذا عطس الیہود۔

ایک طرف یہ لطف وکرم اور اخلاق ومحبت کی بارش تھی کہ بچہ بچہ اس سے سیراب تھا۔ دوسری طرف یہود کا طرز عمل یہ تھا کہ آپ کی مجلسوں میں آتے تو السلام علیکم کے بجائے السام علیکم (تم پر موت آئے) کہتے۔ آپ کی توہین کے لیے راعنا[1] کا لفظ استعمال کرتے۔ آپ سے اور مسلمانوں سے خواہ مخواہ بحث ومباحثہ کرتے، آپ کی شان میں گستاخیاں اور آپ کی نبوت کی تکذیب کرتے، مسلمانوں کو طرح طرح سے ستانے کی کوشش کرتے، ان سے بدکلامیاں کرتے، لیکن ان کی مسلسل ایذا رسانیوں، گستاخیوں، شرارتوں، ریشہ دوانیوں، فتنہ آرائیوں اور شرانگیزیوں کے باوجود مسلمانوں کے ہاتھ سے صبر وتحمل کا دامن کبھی نہیں چھوٹا اور ہمیشہ ان کے مقابلے میں وہ حلم وبردباری اور صبر وضبط اور اسلام کے اعلیٰ اخلاق کا اظہار کرتے رہے اور انھوں نے اس کا خاص طور سے خیال رکھا کہ ان کی طرف سے کوئی ایسی بات نہ ہو جو صلح وامن کے لیے مضر اور اس معاہدہ کے خلاف ہو جو ان کے اور مسلمانوں کے درمیان ہو چکا تھا۔ چنانچہ قرآن یہود کے اس طرز عمل کے بارے میں مسلمانوں کو ہدایت دیتا ہے۔

وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا	اور تم بہت سی دلآزاری کی باتیں اہل کتاب
الْكِتٰبَ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا	(یہود) اور مشرکین سے سنوگے تو تم اگران پر
اَذًى كَثِيْرًا ۭ وَاِنْ تَصْبِرُوْا	صبر کروگے اور تقویٰ کا طرز عمل
وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ	اختیار کروگے تو یہ عزیمت کا کام
عَزْمِ الْاُمُوْرِ (آل عمران)	ہوگا۔

شروع سے یہود کے ساتھ مسلمانوں کا جو محبت آمیز برتاؤ تھا اور جس رفق ولینت اور

---

[1] راعنا کے معنی ہیں میری رعایت کیجیے مگر یہود اس کو زبان دبا کر راعینا کہتے تھے جس کے معنی عربی میں ہمارے چرواہے کے ہیں ان کی اسی روش کو دیکھ کر مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت کی کہ تم راعنا کے بجائے "انظرنا" کا لفظ استعمال کرو۔ تاکہ ان کو آپ کی اہانت کا موقع نہ ملے۔

حسن سلوک کے ساتھ وہ ان سے پیش آرہے تھے اس کا تو تقاضا یہ تھا کہ وہ مسلمانوں سے قریب ہوتے، ان کی دعوت کو قبول کرتے، ان کے معاون و مددگار بنتے، لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ ان سب کے باوجود وہ اسلام سے بیزار اور مسلمانوں سے دن بدن دُور ہوتے جارہے تھے، اس کے اسباب اور موانع کیا تھے اس کو ہم ذرا تفصیل سے یہاں لکھتے ہیں:

۱۔ یہود میں متعدد طبقے تھے اور ان میں سے ہر ایک کا بعثت نبوی کے متعلق الگ الگ نظریہ اور خیال تھا۔

(ا) ایک طبقہ تو یہ سمجھتا تھا کہ حضرت موسیٰؑ کی بعثت اور تورات کے نزول کے بعد اب کسی اور نبی کی بعثت یا کسی اور کتاب الٰہی کا نزول نہیں ہوگا[1]۔ لیکن یہ بہت محدود تھا اس خیال کے یہود عرب میں زیادہ نہ تھے۔

(ب) دوسرے کا خیال یہ تھا کہ ایک اور نبی کی بعثت تو ہونے والی ہے مگر وہ بنی اسرائیل سے ہوگا، اور اگر بنی اسرائیل سے نہ بھی ہوا تو ہر معاملہ میں کم از کم ان کی تائید ضرور کرے گا چنانچہ انھوں نے بارہا آپ کے سامنے اس کا اظہار کیا۔

حدیث کی کتابوں میں ہے کہ ایک بار دو یہودی آپؐ کی خدمت میں آئے اور آپؐ سے چند سوالات کیے۔ آپ نے جواب دیا تو کہا کہ بیشک آپ نبی ہیں۔ ارشاد ہوا کہ پھر میرے اتباع سے کیوں گریز کرتے ہو۔ کہا حضرت داؤدؑ نے دُعا کی تھی کہ نبوت ان ہی کی اولاد (بنی اسرائیل) میں رہے گی۔ اگر ہم آپ کا اتباع کریں گے تو یہود ہم کو قتل کریں گے[2]۔

اس خیال کے یہود بکثرت تھے، اور یہی مخالفت میں پیش پیش تھے۔

(ج) تیسرا گروہ وہ تھا جو نہ نبوت کو حضرت موسیٰؑ پر ختم سمجھتا تھا اور نہ اس کو بنی اسرائیل میں محدود، بلکہ وہ انبیاء کی اصل پیشین گوئی اور تورات کے بیان کے مطابق یہ سمجھتا تھا کہ ایک

[1] التلمود بحوالہ تاریخ الیہود
[2] مسند طیالسی ص ۱۶۰ جزو ۵، نسائی باب تحریم الدم

نبی آنے والا ہے، خواہ وہ عرب میں ہو یا عجم میں۔ یہی یہود کا اعتدال پسند گروہ تھا اور یہی آپ کی بعثت کا منتظر تھا، اور اسی کے بعض افراد نے اسلام قبول کیا[1]۔ مگر بعض ذاتی مصالح کے تحت بیشتر افراد نے دوسرے گروہ کا راستہ اختیار کیا، اور ان کے ساتھ رہے، اور دولتِ ایمان سے محروم رہے۔

۲۔ عام طور پر یہود یہ سمجھتے تھے کہ جو نبی بھی آئے گا، ان کے ہر خیال اور ان کی زندگی کے ہر معاملہ میں ان کی تائید کرے گا، لیکن جب ان کی یہ توقع پوری ہوتی ہوئی نظر نہیں آئی تو انھوں نے مخالفت شروع کر دی۔

حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں یہود جو غلط اور فاسد عقیدہ رکھتے تھے، قرآن نے ابتدائے نزول ہی میں اس کا ابطال کیا اور حضرت عیسیٰؑ کو راست باز اور ان کو مجرم ٹھہرایا۔ دوسرے انبیائے کرام علیہم السلام کے متعلق بھی ان کی دینی کتابوں میں ایسی بے سروپا باتیں، اور اُن کے درمیان، ایسے قصے عام طور پر مشہور تھے، جن سے ان کے دامنِ عفت پر نعوذ باللہ من ذالک داغ ہی نہیں آتا تھا بلکہ ان کے فسادِ عقیدہ کا بھی پتہ چلتا تھا۔ قرآن نے اس طرح کے قصوں اور افسانوں کی بھی تردید کی اور انبیاء کی عصمت و عفت کی شہادتیں پیش کیں۔ سورہ انعام، سورۂ مریم، سورۂ صافات میں ایک ایک کا نام لے کر کسی کو صِدِّیْقًا نَّبِیًّا، کسی کو کان من المخلصین وغیرہ کہا اور سورۂ انعام میں تمام مشہور انبیاء کے ذکر کے بعد کہا کل من الصالحین، سب کے سب صالح اور نیکوکار تھے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کو خصوصیت کے ساتھ انھوں نے بہت زیادہ متہم کیا تھا

---

[1] تفسیر و سیرت میں یہود کے بارے میں بظاہر مختلف و متضاد روایتیں ملتی ہیں اس لیے مطالعہ کرنے والوں کے لیے پریشانی اور انتشارِ خیال کا باعث بن جاتی ہیں، لیکن اگر یہ تقسیم پیش نظر رہے تو ان شاء اللہ ان روایتوں میں کوئی تضاد نظر نہ آئے گا۔

اور عجیب وغریب واقعات بلکہ کفر و شرک تک کو ان کی طرف منسوب کر دیا تھا۔ قرآن نے سورۂ نحل، پھر سورۂ بقرہ میں اس کی تردید کی، اور ان کو ان چیزوں سے منزہ قرار دیا۔ اسی طرح دوسرے واقعات وقصص وحکایات کا بھی قرآن نے رد کیا۔ ظاہر ہے کہ یہ ساری باتیں یہود کے توقعات کے خلاف تھیں، اس لیے ان کا برافروختہ ہونا بالکل طبعی تھا، اور وہ برافروختہ ہوئے۔

(۳) یہود، جیسا کہ ہم اوپر لکھ چکے ہیں، ہر طرح کے اخلاق ذمیمہ اور معائب سیئہ میں مبتلا تھے، مگر اس کے باوجود اہل عرب میں عزت و شرف کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے، اس لیے وہ اپنی موجودہ اخلاقی حالت وروش پر مطمئن ہی نہیں تھے بلکہ دینی حیثیت سے اس کو اپنے لیے جائز بھی سمجھتے تھے جیسا کہ اہل کتاب کے اموال کے بارے میں انھوں نے اپنے خیال کا اظہار کیا تھا۔ (آل عمران)

اسلام اس کے برخلاف مکارم اخلاق، فضائل ومحاسن کی تعلیم دیتا تھا جس کے فروغ کا لازمی نتیجہ یہودیوں کے موجودہ حالت کا زوال تھا، خصوصیت سے ان کی اقتصادی زندگی تو قطعی موت تھی اور چونکہ وہ اپنی روش کو بدل نہیں سکتے تھے اس لیے انھوں نے مہر ہدایت ہی پر خاک ڈالنی شروع کر دی۔ چنانچہ یہود کے جس طبقہ اور قبیلہ میں جتنی ہی اخلاقی کمزوریاں زیادہ تھیں، اتنا ہی وہ اسلام کی دشمنی میں پیش پیش تھا۔

(۴) یہود نے شرف ونجابت کا مدار ایمان وعمل کے بجائے نسل وذات پر رکھا تھا، اسلام آیا تو اس نے شرف وعزت، نجابت وبخشایش کا مدار ایمان وعمل قرار دیا۔ اس نے یہ اصول بتایا۔

وَمَا تُقَدِّمُوا لِاَنْفُسِکُمْ	اور جو نیک عمل اپنے لیے آگے
مِنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ	بھیج دوگے اس کو اللہ کے پاس
اللّٰهِ هُوَ خَيْرًا وَّ اَعْظَمَ	پہنچ کر اس سے اچھا اور ثواب میں

اَجْراً [1] (مزمل-۲) بڑا پاؤ گے۔

شرف وعزت کا یہ معیار قرار دیا۔

إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللهِ أَتْقٰكُمْ (حجرات-۲) تم سب میں بڑا شریف وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہو۔

چونکہ قرآن کے ان اعلیٰ اخلاقی اصولوں سے ان کے مزعومہ شرف وعزت کے قلعہ کی دیواریں مسمار ہو رہی تھیں اس لیے چراغ پا ہو گئے۔

(۵) اسلام سے پہلے اہل عرب عام طور سے علمی اور دینی اعتبار سے بالکل بے مایہ تھے اور یہودیوں میں علم بھی تھا اور مذہب بھی، اس لیے وہ قدرتی طور پر عربوں کو اپنے سے کم تر، حقیر اور بے مایہ سمجھتے تھے، خود عربوں کو بھی ان کی برتری کا اعتراف تھا، ان میں اسلام آیا اور انھوں نے اس کی تعلیمات کو قبول کیا تو ان کی دینی اور علمی بے مایگی دور ہونے لگی اور ان کا احساس برتری خود بخود بیدار ہونے لگا۔ قاعدہ ہے کہ جب کوئی قوم کسی شرف وفضل کی حامل ہوتی ہے تو طبعاً کسی دوسری قوم کو اس کا شریک بننا پسند نہیں کرتی چاہے اس عزت وشرف کی خصوصیات کا کوئی ادنیٰ شائبہ بھی اس میں باقی نہ رہ گیا ہو۔ اس بنا پر یہود اپنے فضل وشرف میں عربوں کو شریک اور اپنے اوصاف وخصوصیات ان کی طرف منتقل ہوتے ہوئے کیسے دیکھ سکتے تھے۔

(۶) ظہور اسلام سے پہلے عربوں میں آپس میں نہ کوئی وحدت تھی، نہ اخوت، بلکہ ہر طرف اختلاف انتشار اور ظلم وستم کا دور دورہ تھا، وہ بے شمار قبیلوں اور خاندانوں میں بٹے ہوئے تھے، جب اسلام آیا تو اس نے ان چیزوں کو مٹایا، اس نے اختلاف کو اتحاد سے، انتشار کو وحدت سے بدلا، ظلم وستم کے بجائے اخوت ومساوات کی تعلیم دی جس کی وجہ سے عربوں میں اخوت ومساوات اور اتحاد واتفاق کی نئی روح دوڑنے لگی۔ پھر مدینہ پہنچ کر آپ نے

---

[1] یہ آیت سورۂ مزمل کی ہے جو ابتدائی سورتوں میں ہے۔

اس کا عملی نمونہ یہ پیش کیا کہ انصار کے ان قبائل کو جو برسوں سے آپس میں لڑتے آرہے تھے ان کو شیر و شکر کر دیا۔ پھر اس سے بھی بڑھ کر مہاجرین اور انصار میں آپ نے مواخات یعنی بھائی چارہ کرا دیا۔ انصار کے قبائل خصوصیت سے اہل مکہ اور اہل مدینہ میں صدیوں سے اختلاف چلا آرہا تھا اور یہود اس سے برابر فائدہ اٹھاتے رہتے تھے۔ اس لیے ان کو متحد و متفق ہوتے اور گلے ملتے یہ کیسے دیکھ سکتے تھے۔

پھر اسی اخوت و مساوات کی فضا سے عربوں ہی کو فائدہ نہیں پہنچا، بلکہ خود یہود مدینہ میں ضعیف اور کمزور طبقہ تھا۔ اس کے دلوں میں بھی نئے حوصلے اور انقلابی عزائم کروٹ لینے لگے۔ حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ یہود مدینہ دو طبقوں میں بٹ گئے تھے ایک غالب اور مضبوط تھا، دوسرا مغلوب اور مقہور، غالب طبقہ ان غریب یہودیوں پر ہمیشہ ظلم و ستم کرتا رہتا تھا۔ حتیٰ کہ اگر غالب گروہ کا کوئی آدمی مغلوب گروہ کے ہاتھوں مارا جاتا تو ان کو سو وسق دیت دینی پڑتی اور اگر اس کے برعکس ہوتا تو وہ ان کو صرف پچاس وسق دیت دیتے یہ ظلم و ستم کا بازار اسی طرح گرم تھا کہ آپ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے، آپ کی آمد کے بعد ایک بار اسی طرح کا ایک معاملہ پیش آیا تو مغلوب گروہ نے دیت دینے سے انکار کیا، اور غالب گروہ کے پاس کہلا بھیجا کہ،

انما اعطیناکم ھذا	ہم اب تک زیادہ دیت صرف تمہارے ظلم
ضیماً منکم لنا وفرقا منکم	اور خوف کی وجہ سے دیتے رہے ہیں، اب جبکہ
فاما اذا قدم محمد فلا	محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے آنے کے بعد ظلم و
نعطیکم ذلک	زیادتی کا خوف نہیں ہے، تو ہم زیادہ دیت
(مسند احمد ج ۱ ص ۲۴۶)	نہیں دے سکتے۔

ظاہر ہے کہ یہ چیزیں یہود کے لیے کس قدر سوہان روح ہوتی ہوں گی۔

(۷) یہود کی مخالفت کے اسباب میں ایک سبب تحویل قبلہ بھی ہے۔ جب تک مسلمانوں کا قبلہ

بیت المقدس تھا، عام عربوں اور مسلمانوں میں اس کی وجہ سے ان کی ایک عظمت باقی تھی مگر جب تحویل کعبہ ہوا تو ان کی اس عظمت کو ایک اور دھکا لگا۔ ان کی مخالفت پہلے ہی سے کیا کچھ کم تھی۔ اب اس میں اور اضافہ ہوگیا، پہلے وہ یہ کہہ کر لوگوں کے سامنے اسلام کی اہمیت کم کرتے تھے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تو ہمارے ہی قبلہ کی طرف نماز پڑھتے ہیں۔ اب وہ یہ کہہ کر مخالفت کرنے لگے کہ یہ نبی عجیب دین لے کر آئے ہیں کہ جس کا قبلہ بھی بدلتا رہتا ہے اور پھر یہ کہتے کہ جو لوگ اس سے پہلے والے قبلہ کی طرف رُخ کر کے عبادت کر چکے ہیں خواہ وہ زندہ ہوں یا مُردہ ان کی تمام عبادتیں اکارت گئیں چنانچہ ان کے اس کہنے سننے کا اثر مسلمانوں پر بھی پڑا، اس لیے قرآن نے ان کے تمام اعتراضات کا جواب دیا۔ سورۂ بقرہ رکوع ۱۷، ۱۸ میں اس کی پوری تفصیل موجود ہے۔

اس تحویل قبلہ کا اثر ان پر اس قدر پڑا کہ جو اسلام کے سب سے بڑے دشمن تھے مثلاً کعب بن اشرف، رفاعہ بن قیس اور قردم بن عمر وغیرہ آپ کی خدمت میں آئے اور کہا کہ یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ کیا بات ہے کہ تم نے قبلہ تبدیل کر دیا۔ اگر پہلے قبلہ کی طرف پھر لوٹ جاؤ تو ہم تمہاری تصدیق اور اتباع کریں گے[1]

ظاہر ہے کہ یہ بات انھوں نے کسی اخلاص کی بنا پر نہیں کی تھی، نہ یہ منشاء تھا کہ وہ دین اسلام کو قبول ہی کرلیں گے، بلکہ اس تحویل قبلہ سے ان کے وقار اور ان کی دینی عظمت کو جو دھکا لگا تھا چاہتے تھے کہ اس طرح اس کو سنبھال لیں اور پھر ان کو یہ بھی خیال تھا کہ اگر وہ دوبارہ بیت المقدس کو قبلہ بنانے میں کامیاب ہوجائیں گے تو عام عربوں اور کمزور مسلمانوں کو برگشتہ کرنے کا ان کو موقع مل جائے گا۔

(۸) ان موانع کے باوجود جو نیک فطرت اور حق پسند افراد تھے، وہ اسلام کی حقانیت کے

---

[1] طبری میں اس کی پوری تفصیل موجود ہے۔

قائل بلکہ اس کے قبول کر لینے کی طرف بھی مائل تھے، مگر چونکہ عام یہودی آبادی اس کی مخالف تھی، اس لیے وہ ان کے خوف سے قدم آگے نہیں بڑھا سکے۔ اس سلسلہ میں احادیث وسیر میں متعدد واقعات ملتے ہیں۔

مسند طیالسی اور نسائی میں ہے کہ کچھ یہود آپ کے پاس آئے اور انھوں نے آپ سے تسع بیّنات[1] کے متعلق سوال کیا، ارشاد ہوا کہ شرک نہ کرو۔ آپس میں قتل و خونریزی نہ کرو، چوری اور زنا سے پرہیز کرو، جادوگری اور سود خواری سے باز آؤ، پاکباز عورتوں پر تہمت نہ لگاؤ بزدلی نہ دکھاؤ، کسی کمزور و بے قصور کو ناحق کوئی الزام رکھ کر قتل کرنے یا اس کے مال کے لینے[2] کی کوشش نہ کرو۔ آپ جب یہ سب کچھ ارشاد فرما چکے تو انھوں نے آپ کے ہاتھوں اور پیروں کو بوسہ دیا، اور پکار اٹھے۔

نَشْهَدُ انكَ نبی — ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ بیشک نبی ہیں

آپ نے فرمایا جب تمھیں میری نبوت تسلیم ہے تو میرا اتباع کرنے میں کیا چیز مانع ہے انھوں نے کہا۔

انا نخشی تبعناك ان — ہم کو ڈر ہے کہ اگر ہم نے آپ کا اتباع
یقتلنا الیهود — کیا تو ہمیں یہودی مار ڈالیں گے۔

(مسند طیالسی ص ۱۶۰ ج ۵ و نسائی)

اسی طرح کعب بن اشرف جو بڑا مالدار یہودی تھا، اس کے متعلق زرقانی میں ہے کہ "اس کے یہاں سے تمام یہودی علماء و احبار کو وظیفے ملتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے

---

[1] قرآن میں ہے کہ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى تِسْعَ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ اسی روایت میں اسی طرف اشارہ ہے تسع آیات کیا ہیں، اس میں اختلاف ہے۔

[2] اس حدیث سے معلوم ہوا کہ یہ تمام عیوب ان میں موجود تھے۔

مدینہ تشریف لانے کے بعد جب ایک بار اس کے پاس اپنے وظائف لینے آئے تو اس نے کہا کہ اس شخص محمد (صلّی اللہ علیہ وسلّم) کے بارے میں تمھاری کیا رائے ہے انھوں نے کہا کہ

ھُوالذی کنا ننتظر یہ وہی ہیں جن کا ہم انتظار کر رہے تھے۔

چونکہ یہ جواب اس کی توقع کے خلاف تھا، اس لیے یہ کہہ کر کہ میرے مال میں اور بہت سے لوگوں کے حقوق ہیں، وظیفہ دینے سے انکار کر دیا۔ علماء و احبار اس کے یہاں سے لوٹے تو ان کو اپنے اظہارِ حق پر بڑا رنج ہوا۔ دوبارہ واپس آئے اور کعب سے عرض کیا کہ ہم نے عجلت میں جواب دے دیا تھا۔ بعد میں جب ہم نے غور کیا تو معلوم ہوا کہ ہم نے جواب میں غلطی کی، یہ محمد (صلّی اللہ علیہ وسلّم) وہ مُنْتَظَر نبی نہیں ہیں۔ اس کے بعد کعب نے ان کے وظائف جاری کر دیے اور یہ اعلان کر دیا کہ

لکل من تابعھم من الاحبار شیئاً من مالہ — جو علمائے یہود (آپ کی نبوت کی تکذیب میں) ان احبار کا اتباع کریں ان کو بھی کچھ نہ کچھ وظیفہ ملے گا۔ (ج ۲ ص ۹-۱۰)

اوپر جو اسباب و موانع بیان کیے گئے ہیں ان سے یہ اندازہ ہو گیا ہو گا کہ یہود کی مخالفت اور اسلام دشمنی کسی حقانیت اور کسی ٹھوس بنیاد پر نہیں تھی بلکہ اس میں صرف ان کی نفسانیت خودغرضی اور دنیاوی مصلحتیں کام کر رہی تھیں اور اس کو چھپانے کے لیے وہ مذہب کی آڑ لے رہے تھے۔

یہود سے معاہدہ اوپر ان کے اور مسلمانوں کے تعلقات کے سلسلہ میں ہم معاہدہ کا ذکر کر رہے تھے کہ ضمناً ان اسباب و موانع کا ذکر کر دینا مناسب معلوم ہوا، جن کی وجہ سے یہود اسلام کی طرف بڑھنے کے بجائے اس سے دور ہوتے جا رہے تھے۔ اب پھر اس سلسلہ بحث کو ہم شروع کرتے ہیں معاہدہ انصار اور یہود دونوں سے ہوا تھا، جو حصہ یہود سے متعلق ہے اس کا خلاصہ یہ ہے،

۱۔ یہود کو مذہبی آزادی حاصل ہو گی اور ان کے مذہبی اُمور سے کوئی تعرض نہیں کیا

جائے گا۔

۲۔ یہود اور مسلمان باہم دوستانہ برتاؤ رکھیں گے۔

۳۔ یہود یا مسلمانوں کو کسی سے لڑائی پیش آئے گی تو ایک فریق دوسرے کی مدد کرے گا۔

۴۔ قریش اور ان کے حلیف قبائل کو کوئی امان نہ دے گا۔

۵۔ کسی دشمن سے اگر ایک فریق صلح کرے گا تو دوسرا بھی شریک صلح ہوگا، لیکن مذہبی لڑائی اس سے مستثنیٰ ہوگی۔

۶۔ مدینہ پر کوئی حملہ کرے گا تو دونوں فریق مل کر مقابلہ کریں گے۔

۷۔ خون بہا اور فدیہ کا جو طریقہ پہلے سے چلا آرہا تھا، وہ بدستور قائم رہے گا۔

۸۔ یہود اور انصار میں اگر کوئی اختلاف ہوگا تو اللہ اور اس کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع کیا جائے گا۔

یہ آخری دفعہ انصار اور یہود دونوں کے معاہدات میں موجود ہے۔ یہ معاہدہ ۴۷ دفعات پر مشتمل ہے جن میں تقریباً بائیس دفعات یہود سے متعلق ہیں جس کا خلاصہ یہاں بیان کر دیا گیا ہے۔ یہود کے معاہدہ میں یہ بات بھی کئی بار دہرائی گئی ہے کہ جو کوئی شخص یا قبیلہ عہد شکنی یا ظلم کرے گا اس کو اس کا وبال اٹھانا پڑے گا۔

اس معاہدہ کے سلسلہ میں دو باتیں قابل غور ہیں، ایک یہ کہ یہ کس سنہ میں ہوا، اور دوسری یہ کہ اس میں یہود کے مشہور قبائل مثلاً بنو قریظہ، بنو نضیر اور بنو قینقاع کا ذکر کیوں نہیں ہے؟

تمام ارباب سیر معاہدہ کا ذکر ہجرت کے پہلے سال کے سلسلہ واقعات میں کرتے ہیں لیکن حمید اللہ صاحب نے اپنی کتاب "عہد نبوی میں نظام حکمرانی" کے صفحہ ۸۵-۸۶ میں یہود کے معاہدہ کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ غزوۂ بدر کے بعد یعنی ۲ھ میں مرتب ہوا اس پر انھوں نے علمی طور پر کچھ دلائل بھی دیے ہیں، مگر عاجز کو ڈاکٹر صاحب موصوف کی رائے سے اختلاف ہے اور اس کے لیے اس کے پاس دلائل بھی ہیں، جن کی تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے۔ اس سلسلہ

ہیں صرف اتنا اشارہ کافی ہے کہ معاہدہ کا انعقاد اگر غزوۂ بدر کے بعد تسلیم کیا جائے تو پھر بنوقینقاع کے زمانۂ اخراج کو کچھ آگے بڑھانا پڑے گا۔ اس لیے کہ ۲ھ کے رمضان میں غزوۂ بدر پیش آتا ہے اور شوال کے مہینہ میں بنوقینقاع کا اخراج عمل میں آتا ہے۔ ظاہر ہے کہ ان سے معاہدہ کرنے اور ان کے اخراج میں اتنا کم فصل کسی طرح قرین قیاس نہیں ہوسکتا۔

اس معاہدہ میں یہود کے کسی مشہور قبیلہ کا ذکر نہیں ہے، بلکہ زیادہ تر ان ذیلی قبائل کا ذکر ہے جو جدید الیہودیہ تھے۔ اس لیے خیال ہوتا ہے کہ یا تو ان سے اس سے الگ کوئی دوسرا معاہدہ ہوا، یا پھر ان قبائل میں سے ہر ایک سے علیحدہ علیحدہ معاہدہ ہوا۔

یہ بات اس لیے اور بھی قرین قیاس ہے کہ اس معاہدہ میں دس یہودی قبائل کا الگ الگ ذکر کیا گیا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہود کا ہر قبیلہ اپنی ایک علیحدہ وحدت اور جداگانہ حیثیت کے ساتھ اس میں شریک ہوا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ جب ان میں سے کسی قبیلہ نے مسلمانوں سے جنگ کی تو دوسرے خاموش رہے، بلکہ بعض مواقع پر تو انھوں نے اپنے ہم مذہبوں کے علی الرغم مسلمانوں کی مدد بھی کی، اگر یہ تمام یہودی قبائل کا یہ متحدہ معاہدہ ہوتا تو کسی ایک سے جنگ چھڑ جانے پر دوسرے خاموش نہ رہتے۔

یہود مدینہ کا نقض معاہدہ جنگ اور ان کا خاتمہ

اب تک ان کی جو روش تھی اس سے مسلمانوں کو ہر وقت یہ خطرہ لاحق تھا کہ معلوم نہیں کس وقت وہ نقض عہد کر کے ان پر حملہ کر دیں۔ اسی خطرہ کی وجہ سے جب تک یہود مدینہ میں رہے، آپ جب کسی غزوہ میں مدینہ سے باہر تشریف لے جاتے تو مدینہ کی حفاظت کا پورا انتظام فرما جاتے۔ یہی نہیں، بلکہ آہستہ آہستہ وہ معاہدہ کی ان رعایتوں کو بھی ختم کرتے جاتے تھے، جن کا مرعی رکھنا ان کے لیے ضروری تھا۔ غزوۂ بدر میں معاہدہ کی رو سے ان کو مسلمانوں کی مدد کرنی چاہیے تھی، مگر انھوں نے کوئی مدد نہیں کی۔ پھر بھی ان کو اس پر نہ کوئی شرمندگی ہوئی اور نہ ان کے طرزِ عمل میں کوئی فرق آیا بلکہ بنوقینقاع نے تو

غزوۂ بدر کے فوراً بعد ہی نقضِ معاہدہ[1] کا اعلان کر دیا، اور اس کا مظاہرہ بھی شروع کر دیا۔ یعنی یہ کہ ایک مسلمان عورت کی کھلے بازار انھوں نے بے حرمتی کی، لیکن آپ نے نقضِ معاہدہ اور اس واقعہ کے بعد بھی ان کے خلاف جارحانہ اقدام نہیں کیا، بلکہ اتمام حجت کے طور پر ان کو جمع کر کے سمجھانے کی کوشش کی، اور ان کے سامنے اسلام کی دعوت پیش کی، لیکن وہ کسی طرح نہ مانتے اور انکار و جحود پر قائم رہے تو آخر میں آپ نے فرمایا کہ خدا سے ڈرو[2]، کہیں ایسا نہ ہو کہ قریش کی طرح عذاب الٰہی تم کو بھی پالے۔ انھوں نے کہا، ہم قریش نہیں ہیں ہم سے جنگ ہوگی تو معلوم ہوگا، چونکہ اس افہام و تفہیم کے بعد اب مزید مہلت کا موقع باقی نہیں رہ گیا تھا اس لیے مسلمانوں نے ان کے مکانوں کا محاصرہ کر لیا۔ آخر کار انھوں نے مدینہ چھوڑ دینے پر اپنی رضامندی کا اظہار کیا اور وہاں سے وادی القریٰ، پھر کچھ دنوں کے بعد شام چلے گئے[3]۔

اس قبیلہ کے بعض افراد کا اس کے بعد بھی مدینہ میں پتہ چلتا ہے۔ ممکن ہے جن لوگوں نے معافی مانگ لی ہو، ان کو رہنے کی اجازت مل گئی ہو۔

بنو قینقاع کے اخراج کے بعد بھی یہود کے دوسرے قبائل کو کوئی عبرت حاصل نہیں ہوئی، اور نہ انھوں نے اپنی روش میں کوئی تبدیلی پیدا کی، بلکہ اب پہلے سے بھی زیادہ انھوں نے اسلام کے خلاف ریشہ دوانیاں شروع کر دیں، خفیہ سازباز کی، قریش کو درپردہ مدد دی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کی سازش کی، غرض معاہدہ کی ایک ایک دفعہ کو انھوں نے عملاً توڑ ڈالا ان کے خلاف جنگ کا اعلان کر دیا گیا اور ان کو اس کی سزا بھگتنی پڑی۔ اس لیے کہ معاہدہ میں بار بار یہ بات دہرائی گئی تھی کہ جو ظلم یا نقضِ معاہدہ کرے گا اس کو اس کا وبال اٹھانا پڑے گا۔ یعنی ۴ھ میں بنو نضیر کا مدینہ سے اخراج ہوا اور ۵ھ میں بنو قریظہ کا استیصال کیا گیا۔

---

[1] غزوۂ بدر کے بعد فوراً نقضِ معاہدہ کی وجہ بجز اس کے کچھ سمجھ میں نہیں آتی کہ انھوں نے سمجھا کہ مسلمان اس وقت کمزور ہیں۔ اگر ان پر حملہ کر دیا جائے تو بآسانی ختم ہو سکتے ہیں۔

[2] واقدی ص ۱۸۰ [3] واقدی ص ۲۶۲

ہم نے یہاں قصداً بہت اختصار سے کام لیا ہے اس لیے کہ اس مختصر مقدمہ میں ان واقعات کی پوری تفصیل کی گنجائش نہیں ہے، حالانکہ اس سلسلہ میں عاجز کے مطالعہ میں بعض ایسی چیزیں بھی آئی ہیں جو سیرت کی متداول کتابوں میں نہیں ملتیں، مگر یہاں ان کے تذکرہ کا بھی موقع نہیں ہے۔

سکرھ میں بنونضیر کے اخراج کے بعد مدینہ کی داخلی فضا بڑی حد تک پُرسکون ہوگئی مگر مدینہ کے باہر کی فضا مسلمانوں کے حق میں پہلے سے بھی زیادہ خراب ہوگئی، یہود مدینہ سے نکلے تو بنوقینقاع تو وادی القریٰ ہوتے ہوئے شام چلے گئے، مگر بنونضیر خیبر میں قیام پذیر ہوگئے۔ خیبر مدینہ کے بعد یہود کا دوسرا بڑا مرکز تھا، یہاں پہنچ کر وہ خاموش نہیں بیٹھے بلکہ اپنی ریشہ دوانیاں برابر جاری رکھیں، انھوں نے خیبر کے یہود اور آس پاس کے تمام عرب قبائل کو مدینہ پر حملہ کے لیے تیار کیا۔ ان کا ایک وفد قریش کے پاس بھی گیا۔ اس وفد کا سرگروہ حی بن اخطب تھا اس سے اور قریش سے جو گفتگو ہوئی اسے ہم یہاں نقل کرتے ہیں تاکہ ان کی ریشہ دوانیوں کا پورا اندازہ ہوجائے۔

قریش:۔ بنونضیر کے لوگ کہاں ہیں، اور کیا کر رہے ہیں؟

حی بن اخطب:۔ ترکتهم بین خیبر والمدینة یترددون حتی تاتوهم فتسیروا معهم الی محمد واصحابه[1]۔ میں نے ان کو خیبر اور مدینہ کے درمیان چھوڑ دیا ہے وہ گشت کر رہے ہیں اور تمھاری آمد کا انتظار کر رہے ہیں تم ان کو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے اصحاب پر حملہ میں اپنے ساتھ پاؤ گے۔

قریش:۔ بنی قریظہ کا کیا حال ہے۔

حی بن اخطب:۔ اقاموا بالمدینة مکرا بمحمد حتی تاتوهم فیمیلوا معکم[1]

بنو قریظہ مدینہ میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو دھوکا دینے کی غرض سے مقیم ہیں، جب تم مدینہ پہنچو گے تو وہ تمھارے ساتھ حملہ کر دیں گے۔

---

[1] مغازی واقدی ص ۳۰۶۲ مطبوعہ بپٹسٹ پریس کلکتہ۔

اس سے دو باتوں کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ ایک یہ کہ ان کی سازش کا جال کتنی دور تک پھیلا ہوا تھا۔ دوسری یہ کہ بنو نضیر کے اخراج کے وقت بنو قریظہ جو خاموش تھے تو درحقیقت اس میں ان کی ایک سیاسی چال اور سازش پوشیدہ تھی جو غزوۂ خندق کی صورت میں ظاہر ہوئی جس میں حجاز کے تمام مشہور قبائل شریک تھے لیکن نصرت خداوندی اور مسلمانوں کے حسن تدبیر سے ان کو زبردست شکست ہوئی۔

بنو قریظہ جس مقصد سے اب تک مدینہ میں رکے ہوئے تھے اس کا اس موقع پر انھوں نے درپردہ اظہار بھی کیا، مگر ناکامی کے آثار دیکھ کر وہ کھل کر سامنے نہیں آئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی درپردہ کارروائیوں اور فساد انگیزیوں کا چونکہ علم ہو چکا تھا اس لیے غزوۂ خندق کے فوراً بعد ہی مدینہ سے ان کا بالکل استیصال کر دیا گیا۔

یہود خیبر سے جنگ

غزوۂ خندق کی عبرتناک شکست اور بنو قریظہ کی شدید ناکامی کے بعد بھی یہود کو تنبہ نہیں ہوا اور وہ دوبارہ خیبر اور اس کے آس پاس کے قبائل میں جنگ کی آگ بھڑکانے کی فکر میں لگ گئے۔ اس وقت یہود خیبر کا سردار اسیر بن رزام تھا۔ اس نے تمام عرب قبائل میں دورہ کیا اور مدینہ پر حملہ کرنے کے لیے ان کو ابھارا۔ یہود کے سامنے تقریر کی کہ ہمارے پیشروؤں نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے مقابلے کے لیے جو تدبیریں اختیار کیں، وہ غلط تھیں۔ صحیح تدبیر یہ ہے کہ خود محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے مرکز حکومت پر حملہ کیا جائے اور میں یہی طریقہ اختیار کروں گا۔[1]

امام سرخسی کے ایک بیان سے پتہ چلتا ہے کہ یہود خیبر اور اہل مکہ کے درمیان بھی ایک خفیہ معاہدہ ہوا تھا۔ ان کے الفاظ یہ ہیں:

لما کان بین اهل مکة — اہل مکہ اور اہل خیبر (یہود) کے درمیان یہ

---

[1] زرقانی ج ۲ ص ۱۹۶

واھل خیبر من الموادعۃ علی ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا توجہ الی احد الفریقین اعانا الفریق الآخر۔[1]	معاہدہ تھا کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دونوں میں سے کسی فریق پر حملہ کریں تو دوسرا فریق اس کی جنگی مدد کرے گا۔

ایک طرف یہود کے مکر و فریب کا یہ جال بچھا ہوا تھا، دوسری طرف خود اہل مکہ غزوۂ خندق کی ذلت انگیز شکست کے بعد انتقام کی تیاریاں کر رہے تھے جس کی اطلاعیں برابر بارگاہ رسالت میں پہنچتی تھیں، ظاہر ہے کہ مسلمانوں کے لیے بیک وقت دونوں دشمنوں سے مقابلہ کرنا آسان نہ تھا۔ دوسرے اس وقت اہل مکہ سے کہیں زیادہ اہل خیبر کی طرف سے حملہ کا خطرہ تھا۔ اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تو اہل مکہ سے حدیبیہ میں صلح کر لی تاکہ دشمن کا ایک بازو بیکار ہو جائے امام سرخسی لکھتے ہیں۔

فوادع اھل مکۃ حتی یامن جانبھم۔[2]	اہل مکہ سے آپ نے معاہدہ صلح کر لیا جس سے آپ کو غنیم کے ایک گروہ کی طرف سے اطمینان ہو گیا

اور اہل خیبر کے خلاف جارحانہ اقدام کر دیا۔ چونکہ یہ معرکہ مختلف حیثیتوں سے بہت سخت تھا اس لیے آپ نے مدینہ میں یہ اعلان فرما دیا کہ:

لا یخرجن معنا الا راغب الجھاد	صرف وہی لوگ ساتھ چلیں جن کی نیت جہاد کی ہو۔

اس کے دو مقصود تھے، ایک یہ کہ بزدل، غنیمت کے حریص اور منافقین نہ جانے پائیں اور دوسرا یہ کہ لوگوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ یہ اقدام ملک گیری کے لیے نہیں، بلکہ اعلائے کلمۃ اللہ اور

---

[1] شرح السیر الکبیر ج ۱ ص ۲۰۱   [2] مبسوط ج ۲۳ ص ۹

حفاظت خود اختیاری کے لیے ہے۔

مسلمان مدینہ سے خیبر کے لیے روانہ ہوئے تو یہود کے بعض حلیف قبیلوں نے راستہ میں ان سے کچھ چھیڑ چھاڑ کرنی چاہی مگر مسلمان ان تمام موانع سے بچتے ہوئے خیبر پہنچ گئے۔

اُوپر ہم لکھ چکے ہیں کہ خیبر کے یہود نہایت مالدار اور جنگی حیثیت سے نہایت مضبوط تھے ان کے پاس متعدد نہایت مضبوط اور مستحکم قلعے تھے، جن میں یعقوبی کے بیان کے مطابق بیس ہزار مسلّح سپاہی موجود تھے۔ اس سے پہلے مسلمانوں کو اتنا سخت کوئی معرکہ پیش نہیں آیا تھا۔ تقریباً تین ہفتہ تک مسلسل جنگ ہوتی رہی۔ مسلمانوں کو بہت سخت مقابلہ کرنا پڑا۔ یہود قلعہ بند ہو کر لڑ رہے تھے۔ پھر ان کے پاس منجنیقیں تھیں جنھیں وہ اس موقع پر استعمال کر رہے تھے، لیکن آخر کار یہود کے یہ تمام قلعے جن پر ان کو ناز تھا، یکے بعد دیگرے فتح ہو گئے اور ان کو شکست فاش اُٹھانی پڑی۔

خیبر کے یہود کی گذشتہ ریشہ دوانیاں تو ایسی تھیں کہ وہ کسی رعایت اور مروّت کے مستحق نہیں تھے، مگر رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف یہ کہ ان کے ساتھ کوئی سختی نہیں کی بلکہ ان کے ساتھ بہت خیر خواہانہ اور فیاضانہ سلوک کیا۔ ان کے قلعے، مکانات، باغات سب واپس کر دیے، ان کی زمینیں ان کے پاس رہنے دیں اور طے کیا کہ ان میں جو پیداوار ہو گی اس کا نصف حصّہ وہ برابر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیتے رہیں گے۔

اس ضمن میں دو ایک واقعے قابل ذکر ہیں۔ اثنائے جنگ میں یہودیوں کا ایک چرواہا جس کے ساتھ جانوروں کا ریوڑ بھی تھا، آکر مسلمان ہو گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا کہ جاؤ جانوروں کو ان کے مالک کے پاس پہنچا آؤ۔

دورانِ جنگ میں تورات کے کچھ نسخے مسلمانوں کے ہاتھ آگئے تھے وہ ان کو واپس کر دیے گئے۔[1]

---

[1] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیاسی زندگی ص ۲۲۱ -

یہاں تک رعایت کی گئی کہ خیبر میں کوئی مسلمان امیر تک نہیں مقرر کیا گیا، بلکہ مسلمان تحصیلدار سال بسال وہاں جاتے تھے اور غلہ وصول کرتے تھے، وہ غلہ کی وصولی میں اس قدر عدل و انصاف برتتے تھے کہ غلّہ کو دو حصّوں میں برابر تقسیم کر دیتے تھے اور یہودیوں سے کہتے کہ ان میں سے جو چاہو لے لو۔ یہ دیکھ کر یہود کہتے کہ اسی عدل و انصاف کی وجہ سے زمین و آسمان قائم ہیں[1]۔

اس موقع پر ایک طویل بحث یہود کے خیبر چھوڑنے کی بھی ہے، اگر ہم اس کو بخوف طوالت نظر انداز کرتے ہیں۔

حجاز کے دوسرے حصّوں کے یہود جنگ خیبر کے نتیجہ کا انتظار کر رہے تھے جو ان کے ہم مذہبوں کی شکست کی صورت میں برآمد ہوا۔ ان کی شکست اور سقوط خیبر کے بعد ہمیشہ کے لیے حجاز سے یہود کا سیاسی اور جنگی زور ختم ہو گیا۔ امام سرخسی لکھتے ہیں:

ان الیهود بالحجاز کانوا	حجاز کے تمام یہود اہل خیبر اور رسول اللہ
ینظرون ما یؤل الیه حال	صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان جو جنگ تھی اس کے
النبی صلی الله علیه وسلم	نتیجہ کا انتظار کر رہے تھے، اس لیے کہ
مع اهل خیبر فقد کانوا	خیبر کے یہود حجاز کے یہودیوں میں سب
عز الیهود بالحجاز فلما	سے زیادہ غالب، معزز اور صاحب اثر
صاروا مقهورین ذلت	تھے، جب وہ مغلوب ہو گئے تو سارے
سائر الیهود وانقادوا۔	یہودی منقاد و مطیع ہو گئے۔

چنانچہ اس کے بعد ہی فدک، تیما، وادالقریٰ اور بنو عذرہ کے یہودیوں نے یکے بعد دیگرے اطاعت قبول کر کے صلح کر لی،

حجاز سے باہر مُقنا، جرباء، اذرح وغیرہ میں جو یہود تھے، ان میں سے بیشتر نے ۸ھ و ۹ھ کے درمیان اطاعت قبول کی، غرض یہ ہے کہ خیبر کی شکست کے ساتھ یہود کی قوت و عزت

[1] مبسوط سرخسی ج ۲۳ ص،

کا خاتمہ ہوگیا اور پھر ان کے اور مسلمانوں کے درمیان کوئی جنگ نہیں ہوئی۔

ابھی یہود بعد از اسلام کی تاریخ کے بہت سے گوشے، مثلاً اسلامی علوم وفنون کی ترقی وخدمت میں انھوں نے کیا حصہ لیا۔ اس کے کیا مفید ومضر اثرات مترتب ہوئے۔ مسلمانوں کے تمدن ومعاشرت پر انھوں نے کیا اثر ڈالا۔ اور اسلامی تمدن ومعاشرت سے انھوں نے کیا اثرات قبول کیے، وغیرہ تشنۂ تفصیل ہیں، لیکن ہم کو ناظرین کتاب کی واماندگی نظر کا احساس ہے اس لیے اس موضوع کو کسی اور فرصت کے لیے اٹھا رکھتے ہیں اور نصاریٰ کی تاریخ کی طرف توجہ کرتے ہیں جو اس مقدمہ کا دوسرا اہم حصہ ہے۔

نصاریٰ

اُوپر ہم لکھ چکے ہیں کہ عربوں سے دوسری قوموں کے تعلقات کے جو تین بڑے ذریعے تھے ان میں ایک عیسائیت بھی تھی، جزیرۂ عرب میں اس کی ابتداء کب اور کس طرح ہوئی۔ اس کو سب سے پہلے عرب کے کن قبائل نے قبول کیا، صحیح طور سے ان کی نشاندہی مشکل ہے تاہم عرب کے نصاریٰ[1] کی تاریخ سے اتنا پتہ چلتا ہے کہ یہود کے برخلاف جزیرہ میں ان کی آمد اور عیسائیت کی ترویج و ترقی کے اسباب زیادہ تر سیاسی اور کسی حد تک تبلیغی اور تجارتی تھے، یہود یا تو یہاں ہجرت کرکے آئے تھے، یا تجارت کی غرض سے آئے اور پھر یہاں آکر آباد ہو گئے جس کی وجہ سے یہودیت کو فروغ ہوا۔ اس کے برعکس یہاں عیسائیت کی ابتدا اور اس کی اشاعت زیادہ تر حکومت کے سایہ میں ہوئی۔ تجارتی آمد و رفت سے بھی کسی قدر اس میں مدد ملی اور عیسائی مشنریوں اور پادریوں نے بھی اس کی اشاعت میں حصہ لیا، مگر یہ سب حکومت کے کارندے تھے۔ تاریخ سے یہ بالکل پتہ نہیں چلتا کہ خود عیسائیوں کا کوئی طبقہ یا قبیلہ کہیں باہر سے ہجرت کرکے جزیرہ میں آیا ہو اور یہاں بس گیا ہو اس لیے یہ سمجھنا چاہیے کہ عرب میں جو عیسائی تھے وہ سب خالص عربی النسل تھے۔

عرب کے پڑوس میں روم و حبشہ دو عیسائی حکومتیں قائم تھیں جن کے اثر سے یہاں عیسائیت

---

[1] حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ماننے والوں کو عیسائی اور نصرانی دونوں کہتے ہیں۔ نصاریٰ اسی نصرانی کی جمع ہے جب حضرت عیسیٰؑ کے نام کی طرف ان کی نسبت ہوتی ہے تو عیسائی کہے جاتے ہیں اور جب آپ کے وطن ناصرہ کی طرف نسبت ہوتی ہے تو نصرانی کہلاتے ہیں۔

کو فروغ ہوا، اس لیے پہلے ان کے اور عربوں کے تعلقات پر ایک سرسری نظر ڈال لینی چاہیے۔

رومیوں اور عربوں کے قدیم تعلقات

قدیم زمانہ سے عربوں کی تجارت تقریباً تمام قریب و بعید ملکوں میں تھی چین، ہندوستان، افریقہ اور یورپ تک عرب اپنا مالِ تجارت لے جاتے تھے۔ خصوصیت سے ایشیائے کوچک اور رومیوں کے تعلقات کا ذریعہ تو عرب تاجر ہی تھے[1]۔ لیبان نے لکھا ہے کہ سکندر صدی قبل مسیح سے پہلے سے رومیوں اور عربوں کے تعلقات کا پتہ چلتا ہے، مگر رومی و یونانی مورخین اس سے بہت کم واقف تھے۔ یہی وجہ ہے کہ مسالے، عطریات، ملبوسات اور جواہرات وغیرہ کی قسم کی چیزیں جو ہندوستان و چین سے آتی تھیں۔ اور عربوں کے ذریعہ دوسرے ممالک کو جاتی تھیں، وہ عرب ہی کی پیداوار اور حاصلات سمجھتے تھے۔ اسی لالچ میں رومیوں نے کئی بار جزیرۂ عرب کو فتح کرنے کی کوشش کی مگر کامیاب نہیں ہوئے[2]۔

عربوں اور رومیوں کے یہ تعلقات اس وقت تھے جب رومی صرف رومی تھے، عیسائی نہیں ہوئے تھے، لیکن ان کے عیسائی ہو جانے کے بعد ان میں اور عربوں میں جو تعلقات پیدا ہوئے اس کی تفصیل یہ ہے۔

رومی عیسائیوں سے تعلقات

قدیم زمانہ میں یمن کے متعدد عربی قبیلے، ترک وطن کرکے دمشق و کوفہ میں آباد ہو گئے تھے، سنہ عیسوی کی ابتدائی صدیوں میں ان قبائل نے یہاں اپنی متعدد نو آبادیاں اور قبائلی ریاستیں قائم کر لی تھیں۔ ایک طرف اگر ایرانی سرحد کے قریب حیرہ (کوفہ) میں ان کی ایک ریاست تھی تو دوسری طرف دمشق میں رومی اور عربی سرحد پر قبیلہ سلیح جن کو ضجاعمہ اور ضجاعم بھی کہتے ہیں، ان کی نو آبادی قائم تھی، ان کے علاوہ سرحدی علاقہ میں اور بھی متعدد قبائل آباد تھے۔

عربوں کو ایرانیوں اور رومیوں دونوں سے نفرت تھی اور پھر معاشی حیثیت سے بھی مطمئن نہیں تھے اس لیے اپنے ملحقہ رومی اور ایرانی علاقوں میں برابر لوٹ مار کرتے رہتے تھے اور رومیوں

---

[1] تمدنِ عرب ص ۸۵　　[2] ایضاً ص ۳۰

اور ایرانیوں میں صدیوں سے سیاسی چشمک تھی، اس لیے دونوں کچھ تو اپنے سیاسی مصالح اور دوسرے عربوں کی آئے دن کی غارت گری اور لوٹ مار کی وجہ سے ان کو اپنی طرف مائل کرنے کی کوشش کرتے رہے جس میں دونوں کو کامیابی ہوئی۔ ایک طرف اگر ایرانیوں نے آہستہ آہستہ حیرہ کے عربوں کو اپنا ہمنوا بنا لیا تو دوسری طرف رومی دمشق کے عربی قبائل کی حمایت حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئے اور وہاں اپنی ایک باجگذار ریاست بنالی۔[1]

دمشق میں پہلے قبیلہ ضجعم جو یہاں کا سب سے طاقتور قبیلہ تھا، باجگذار حکومت قائم ہوئی سد مارب کے ٹوٹنے کے بعد قبیلہ غسان جب یمن سے ہجرت کر کے دمشق آیا تو ضجعمیوں نے رومی سلطنت کی طرف سے ان پر فی کس ڈیڑھ دینار سالانہ ٹیکس مقرر کیا پہلے تو اس کے ادا کرنے میں انھوں نے پس و پیش کیا، مگر پھر راضی ہوگئے اور کچھ دنوں تک ٹیکس دیتے رہے، پھر اس کے دینے سے انکار کر دیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دونوں میں جنگ ہوئی جس میں ضجعمیوں کو شکست ہوئی اور غسانیوں نے یہاں اپنی حکومت قائم کر لی جس کا سردار یا حکمران ثعلبہ تھا۔

غسانی چونکہ رومیوں کے ٹیکس سے عاجز آکر لڑائی پر اتر آئے تھے اس لیے غالباً رومی حکومت کو خطرہ پیدا ہوا ہوگا کہ کہیں یہ ایرانیوں سے نہ مل جائیں اس لیے انھوں نے غسانی سردار ثعلبہ کے پاس پیام بھیجا کہ "تم بڑے بہادر لوگ ہو تم نے عرب کے سب سے طاقتور قبیلہ کو شکست دے دی اس لیے ضجعمیوں کی جگہ تمھیں حاکم مقرر کیا جاتا ہے، تم پر کوئی حملہ آور ہوگا تو رومی حکومت چالیس ہزار فوج سے تمھاری مدد کرے گی اور اگر ہم پر کوئی حملہ آور ہوا تو تم لوگ بیس ہزار مسلح فوج سے ہماری مدد کروگے، اسی کے ساتھ ہمارے اور ایرانیوں کے باہمی معاملات میں تمھیں کوئی دخل نہ ہوگا، چنانچہ طرفین میں یہ معاہدہ ہوگیا اور غسانیوں کی حکومت یہاں قائم ہوگئی۔[2]

---

[1] تمدن عرب ص ۸۵ [2] خطط الشام ص ۴۳ ج ۱ [3] کتاب المحبر ص ۳۷۱ حیرہ کی تاریخ جتنی اجاگر ہے اتنی ہی غسانیوں کی تاریخ الجھی ہوئی ہے۔ یہ بیان ہم نے ڈاکٹر حمید اللہ کے اتباع میں کتاب المحبر سے لیا ہے جو بہت واضح ہے اور جس سے غسانیوں کی تاریخ پر پوری روشنی پڑتی ہے۔

غسانی حکومت کس صدی میں قائم ہوئی؟ مختلف فیہ ہے، عام مؤرخین اور انسائیکلوپیڈیا آف اسلام کے مرتبین کے بیان کے مطابق یہ چھٹی صدی عیسوی کی ابتداء کا واقعہ ہے، مگر صاحب کتاب المحبر کا بیان ہے کہ غسانی حکومت کی ابتداء تیسری صدی کے ابتدائی سالوں میں ہوئی، محمد بن حبیب نے لکھا ہے کہ غسانیوں سے جس رومی شہنشاہ نے معاہدہ کیا تھا اس کا نام دی قیوس (DECIUS) تھا، جس کی وفات ۲۵۱ء میں ہوئی[1]۔ اس سے ظاہر ہے کہ غسانیوں کی آمد اس سے پہلے ہوئی ہوگی۔ غرض غسانیوں نے ہمیشہ عربی حمیت و وفاداری کی لاج رکھی اور سخت سے سخت وقت میں بھی رومیوں کا ساتھ نہیں چھوڑا اور ان کے دمساز رہے، یہاں تک کہ ان کے اثر سے خود بھی عیسائی ہوگئے[2]۔

عربوں کی یہی سرحدی ریاست جزیرۂ عرب میں عیسائیت کی سوغات لائی اور پورے جزیرہ میں اس کو لیجا کر تقسیم کیا، اس کے بعد رومیوں کے اثرات بتدریج بڑھتے گئے۔ یعنی ان کی اسی حکمبرداری کے سایہ میں ان کا تمدن، ان کا علم اور مذہب بھی آیا، جس سے عربوں کے دل و دماغ اثر پذیر ہونے لگے۔ چنانچہ تھوڑے سے ہی عرصہ میں سرحدی عربوں کی متعدد چھوٹی چھوٹی قبائلی ریاستیں پورے طور پر رومیوں کے سیاسی اثر کے ماتحت آگئیں اور متعدد قبائل نے عیسائیت قبول کر لی۔ ان کے یہ تمدنی اور علمی اور مذہبی اثرات صرف سرحدی مقام و قبائل ہی تک محدود نہیں رہے، بلکہ انھوں نے اس کو شمالی حجاز کے مرکزی شہروں مکہ، یثرب اور وادی القریٰ تک پھیلانے کی کوشش کی۔

کعبہ کی وجہ سے مکہ کو مذہبی تقدس حاصل تھا اور اس کی تولیت پورے عرب کی سیادت کے ہم معنی تھی۔ اس لیے ہر زمانہ میں ہر طاقتور قبیلہ نے اس پر قبضہ کرنے کی کوشش کی۔ پہلے

---

[1] ڈاکٹر حمید اللہ صاحب نے لکھا ہے کہ محمد بن حبیب کے اس بیان کو بڑی اہمیت حاصل ہے، اب تک یہ خیال تھا کہ ۵۱۸ء کا واقعہ ہے۔ سیاسی زندگی ص ۲۵۶ ۔ [2] انسائیکلوپیڈیا آف اسلام بحوالہ سیاسی زندگی۔

بجرہم اس پر قابض تھے، اس کے بعد خزاعہ قابض ہوئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پردادا کے دادا قصی نے خزاعی سردار حلیل جو اس وقت کعبہ کا متولی تھا، اس کی لڑکی سے شادی کر لی۔ قصی نہایت ہوشمند اور صاحب صلاحیت تھے، اس لیے حلیل جب مرنے لگا تو کعبہ کی تولیت کے لیے ان کو وصیت کر گیا، لیکن بنو خزاعہ نے اس کے مرنے کے بعد قصی کو متولی تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور جنگ تک نوبت پہنچ گئی۔ اور قصی کامیاب ہو گئے۔ ابن قتیبہ نے لکھا ہے کہ،

واعانہ قیصر علیہا (ص ۲۷۹) — قیصر روم نے اس اقتدار کے حصول میں قصی کو مدد دی۔

بعثت نبوی سے دو سو برس پہلے یثرب میں ایک مرتبہ یہودیوں اور اوس و خزرج میں جنگ ہوئی تو غسانی عیسائیوں نے ان قبیلوں کی مدد کی تھی[1]۔ ظاہر ہے کہ رومیوں اور غسانیوں کی قصی اور اوس و خزرج کے ساتھ یہ ہمدردی اور امداد و اعانت یونہی نہیں تھی بلکہ اس میں ان کی ایک سیاسی غرض بھی پوشیدہ تھی یعنی وہ چاہتے تھے کہ سرحدی مقامات کی طرح جزیرہ کے اندرونی مقامات خصوصیت سے حجاز میں بھی ان کا کچھ نہ کچھ عمل دخل ہو جائے اور وہ اس میں کسی حد تک کامیاب بھی ہوئے تفصیل آگے آئے گی۔

اہل حبشہ اور عربوں کے تعلقات سرحدی مقامات اور شمالی حجاز میں عیسائی اثرات رومی حکومت یا اس کے زیر اثر سرحدی ریاستوں کے ذریعے پھیلے، مگر جزیرہ کے جنوبی حصہ یعنی یمن اور اس سے ملحقہ علاقوں میں عیسائیت کے فروغ کا سب سے بڑا ذریعہ حبشہ کی عیسائی حکومت تھی۔ اس لیے اس کے اور عربوں کے قدیم تعلقات پر بھی ایک نظر ڈال لینی چاہیے۔

بعض مستشرقین حبشہ (ابی سینیا) کے صوبہ امہرہ کا تعلق یمن کے قدیم قبیلہ مہرہ سے

---

[1] ابوالفداء ص ۹۸ و فا ما لوفا

ثابت کیا ہے[1]۔ ابن خلدون نے مہرہ کے متعلق تو نہیں مگر اس سلسلہ کی دوسری شاخوں کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ مصر و حبشہ تک پھیل گئے تھے[2]۔ ممکن ہے اسی تعلق کی بنا پر مستشرقین نے یہ رائے قائم کر لی ہو۔

اگر ابن خلدون اور مستشرقین کے بیان کو تسلیم کر لیا جائے تو تیسری صدی عیسوی سے پہلے عربوں اور اہل حبشہ میں تعلقات قائم ہو چکے تھے[3]۔

یمن میں عیسائیت کا سب سے بڑا مرکز نجران تھا، پانچویں صدی عیسوی سے پہلے یہاں عیسائیت آ چکی تھی، اس وقت یہاں حمیری حکومت تھی، جس کے فرمانروا عموماً یہودی تھے۔ آخری فرمانروا ذونواس تو غالی یہودی تھا۔ یمن کی اس حمیری حکومت اور حبشہ کی عیسائی حکومت میں برسوں سے کشمکش تھی۔ یمن میں عیسائیت کے فروغ سے حمیری حکومت اپنے لیے خطرہ محسوس کر رہی تھی، اس لیے وہ اس ملک میں اس کے خاتمہ کی فکر میں تھی۔ اسی اثنا میں ایک اتفاقی واقعہ یہ پیش آ گیا کہ دو یہودی نجران میں قتل کر دیے گئے۔ ذونواس کو اس کی اطلاع ہوئی تو اس کو ایک بہانہ ہاتھ آ گیا۔ پوری ایک فوج کے ساتھ نجران گیا اور عیسائیوں کا قتل عام شروع کر دیا۔ مفسرین لکھتے ہیں کہ قرآن کی اس آیت قُتِلَ اَصْحَابُ الْاُخْدُوْدِ[4] میں ذونواس کے اسی حملہ اور قتلِ عام کی طرف اشارہ ہے۔

جو نجرانی عیسائی قتل ہونے سے بچ گئے۔ وہ حبشہ کے عیسائی بادشاہ کے دربار میں فریاد لے کر پہنچے اور اس کے سامنے انجیل مقدس کی جلی ہوئی جلدیں پیش کیں۔ غالباً وہ تنہا یمنی حکومت سے ان مظالم کا انتقام نہیں لے سکتا تھا، اس لیے اس نے قیصر روم سے مدد

---

[1] سیاسی زندگی ص ۱۳۹ - [2] ابن خلدون ج ۲ ص ۲۴۷ -

[3] اس لیے کہ جن قبائل کا ذکر ابن خلدون نے کیا ہے وہ مارب ٹوٹنے سے پہلے یمن سے باہر جا چکے تھے۔ اور سد مارب کے متعلق اوپر ثابت ہو چکا ہے۔ یہ واقعہ تیسری صدی کی ابتدا میں پیش آیا -

[4] اس آیت کی تفسیر و تشریح یہود کے ذکر میں آ چکی ہے۔

چنانچہ بعض مورخین کا بیان ہے کہ خود نجران کے فریادی ہی قیصر روم کے پاس گئے تھے بہت ممکن ہے کہ ان میں سے کچھ حبشہ گئے ہوں اور کچھ روم - اور مدد کے خواستگار ہوئے ہوں -

بہر حال قیصر متاثر ہوا اور کئی سو کشتیاں تیار کرا کے حبشہ روانہ کیں، خود نجاشی شاہ حبشہ نے بھی سات سو کشتیاں تیار کرائیں اور ان پر ایک لاکھ یا اس سے زیادہ فوج سوار ہوئی اور یہ فوج ان ہی کشتیوں کے ذریعہ آبنائے باب المندب کو عبور کر کے یمن کے ساحل پر اتر گئی، اور یمن پر حملہ کر دیا جس میں ابتداً ان کو شکست اٹھانی پڑی، مگر فوراً ہی حبشہ سے مزید کمک آ گئی اور اس نے حمیری حکومت کو شکست دے دی - ان کے فرمانروا ذونواس نے خودکشی کر لی - یہ واقعہ ۴۹۶ء کا ہے - ذونواس کی شکست و خودکشی کے بعد پورا یمن حبشہ کی عیسائی حکومت کے تحت آ گیا اور اس کے زیر سایہ عیسائیت کو یہاں بڑا فروغ ہوا اور تقریباً سو برس تک اس کا زور باقی رہا - اس کے بعد یمن پر ایرانیوں کا قبضہ ہوا جس سے عیسائیت کا زور تو گھٹ ضرور گیا، مگر ختم نہیں ہوا -

ہم نے اوپر یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ جزیرۂ عرب میں عیسائیت کو فروغ ہمیشہ حکومت کے زیر سایہ، یا عیسائیوں کے سیاسی تغلب کے تحت ہوا ہے - ان واقعات سے ہمارے اس خیال کی تائید ہوتی ہے -

یمن پر حبشہ کے تسلط کے بعد اس کی طرف سے برابر گورنر مقرر ہو کر وہاں جاتے تھے - یمن میں حبشہ کی حکومت کا ایک عیسائی گورنر ابرہہ گذرا ہے، جو بڑا مذہبی تھا اور جس نے وہاں بہت سے تاریخی و تمدنی کارنامے انجام دیے ہیں جن کی وجہ سے اس کا نام اب تک زندہ ہے - مثلاً سد مارب کی مرمت اور متعدد گرجوں کی تعمیر وغیرہ -

اصحاب الفیل اسی ابرہہ کے زمانے کا ایک واقعہ کعبہ کے انہدام کی غرض سے خود اس کی سرکردگی میں اصحابِ فیل کی مکہ پر چڑھائی کا بھی ہے جس کا عربوں سے بڑا گہرا تعلق ہے، اور قرآن میں اس کا ذکر آ جانے کی وجہ سے اس کو بڑی اہمیت حاصل ہو گئی ہے - اس حملہ کے

مفسرین نے متعدد اسباب بیان کیے ہیں، جن میں سے ایک یہ ہے کہ:

ابرہہ نے یمن کے دارالسلطنت صنعا میں ایک کلیسا تعمیر کرایا اور شاہ حبشہ کو لکھا کہ اس کلیسا کی تعمیر سے میرا مقصد یہ ہے کہ کعبہ کے بجائے لوگ یہاں آئیں اور اس کو کعبہ بنائیں، کسی طرح عربوں کو اس کا علم ہوگیا اور اس کا خط ان کے ہاتھ لگ گیا جس سے ان کو بڑا اشتعال پیدا ہوا اور ایک شخص نے صنعا جا کر کلیسا کو گندا کر دیا۔ ابرہہ نے اس پر کعبہ کے انہدام کا فیصلہ کر لیا اور مکہ پر حملہ کر دیا۔

دوسرا یہ کہ کچھ عربوں کی غلطی کی وجہ سے کلیسا میں آگ لگ گئی جس سے مشتعل ہو کر ابرہہ نے مکہ پر چڑھائی کر دی۔

امام طبری نے لکھا ہے کہ ابرہہ کے یہاں سے بہت سے عربوں کو وظیفہ اور روزینہ ملتا تھا۔ ایک مرتبہ خزاعہ کے چند افراد اس کے دربار میں آئے، جن میں محمد بن الخزاعی اور اس کا بھائی قیس بھی تھا۔ ابرہہ نے ان سے کہا کہ میں نے یہاں ایک کلیسا بنوایا ہے۔ اور چاہتا ہوں کہ تم تمام قبائل میں گھوم گھوم کر اعلان کر دو کہ وہ یمن کے اس کعبہ کے حج کے لیے آئیں، یہ دونوں اس مہم پر روانہ ہو گئے، جب یہ قبیلہ بنو کنانہ میں پہنچے تو اس کے چند افراد نے انھیں قتل کر دیا۔ اس پر ابرہہ نے حملہ کی تیاری شروع کر دی[1]۔

عموماً ان ضمنی باتوں کو جو اصلی سبب کے ضمن میں پیش آئیں حملہ کا سبب بنا دیا جاتا ہے جس کی وجہ سے ان واقعات کے پڑھنے والے کو تشویش ہوتی ہے، لیکن اگر غائر نظر سے دیکھا جائے تو کلیسا میں گندگی کرنے، آگ لگ جانے یا خزاعی سردار کے قتل کے واقعات درحقیقت حملہ کا سبب نہیں، بلکہ اس کا بہانہ بن گئے۔ اصلی سبب سیاسی اور مذہبی تغلب تھا، جیسا کہ نجران پر حملہ کرنے کے لیے ذونواس نے یہودیوں کے قتل کو بہانہ بنا لیا تھا، حالانکہ اپنے سیاسی

---

[1] پوری تفصیل طبری تفسیر سورۂ فیل میں موجود ہے۔

مصالح کے ماتحت وہ پہلے سے اس پر حملہ کرنا چاہتا تھا۔

بات یہ ہے کہ کعبہ کی وجہ سے رومیوں کو قدیم زمانے سے حجاز اور خصوصیت سے اس کے مرکزی شہر مکہ پر قبضہ کرنے کی خواہش تھی اور اس کے لیے انھوں نے کئی بار کوشش بھی کی مگر ناکام رہے۔ اس کے بعد انھوں نے غیر جنگی طریقہ اختیار کیا، یعنی اقتصادی وسیاسی مراعات وفوائد کے نام سے انھوں نے عربوں کی استمالت شروع کر دی۔

اُوپر یہ آچکا ہے کہ قصی کو قیصر نے مکہ پر قبضہ کرنے میں مدد دی اور اسان کے حوصلہ مند بوتوں کو رومیوں اور حبشیوں نے اپنے اپنے ملکوں میں تجارت اور آمد و رفت کی سہولتیں فراہم کیں۔ ہاشم کے چار لڑکے تھے، ہاشم، عبدشمس، نوفل، المطلب، ان میں سے ہر ایک نے جزیرۂ عرب کے قریب کے ملکوں سے تعلقات پیدا کیے اور ان ممالک میں تجارتی سہولتیں حاصل کیں۔ عبدشمس نے قیصر روم اور شاہ غسان سے، نوفل نے شاہ ایران سے، مطلب نے یمن کے حمیری بادشاہ سے اور ہاشم نے نجاشی شاہ حبشہ سے ملاقات کی۔ ابن سعد میں ہے کہ قیصر روم نے توان کے لیے نجاشی کے نام ایک سفارشی خط بھی لکھا تھا[1]۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ اگر سختی اور جبر سے ان پر قابو نہیں پایا جاسکتا تو اسی ذریعہ سے ان پر اپنا سیاسی و مذہبی اقتدار قائم کیا جائے اور سرحدوں پر اس کا کامیاب تجربہ ان کو ہو بھی چکا تھا مگر حجازی عرب ان سے کہیں زیادہ ہوشمند نکلے اور ان کی ہوس اقتدار پوری نہ ہوسکی۔

جب حبشہ پر رومیوں کا اقتدار ہوا اور حبشہ کے ذریعے یمن قبضہ میں آیا تو اُن کے دل میں حجاز کو سر کر لینے کی پھر خواہش پیدا ہوئی تو تعجب نہیں اور کیا عجب ہے کہ اپنی اسی دیرینہ آرزو کی تکمیل ہی کی غرض سے انھوں نے یمن کو فتح کرنے میں حبشہ کی مدد کی ہو۔

---

[1] محمد بن حبیب نے ایلاف کے معنی العہود یعنی پروانے لکھے ہیں۔ کتاب المحبر ص ۱۶۲۔ اس واقعہ کی تفصیل کے لیے دیکھیے یعقوبی ج ۱ ص ۲۸۔ ابن سعد ج ۱ ص ۴۳، ۴۵۔ بعض مفسرین نے سورۂ ایلاف کی تفسیر میں اسی طرف اشارہ کیا ہے۔

لیکن اس راہ میں سب سے بڑی جو چیز حائل تھی وہ کعبہ کا تقدس اور اس کی وجہ سے مکہ اور اہل مکہ کی مرکزیت تھی۔ اس کو ختم کرنے کے لیے ابرہہ نے دو کلیسے بنوائے، ایک صنعاء میں اور دوسرا نجران میں اور سارے عرب قبائل میں ان کی زیارت کے لیے وفود بھیجے۔ مگر اس کو ان تمام کوششوں میں سخت ناکامیابی ہوئی۔ نہ کعبہ کی تقدیس کو وہ صدمہ پہنچا سکا اور نہ وہ مکہ کی مرکزیت و اہل مکہ کی مرجعیت کا خاتمہ کر سکا۔ اس بنا پر اس کی آتش غضب بھڑک اٹھی ہوگی۔ اسی اثنا میں کلیسا میں نجاست ڈالنے اور آگ لگنے کے واقعات پیش آگئے ہوں گے جن کو اس نے اپنے حملے کا بہانہ بنا لیا، جیسا کہ آجکل کی حکومتیں ایک دوسرے پر حملہ کرنے کے لیے اس طرح کے بہانوں کی تلاش میں رہتی ہیں۔

اس حملہ میں ابرہہ کو سخت ناکامیابی ہوئی۔ یہ واقعہ ۵۷۰ء میں ہوا۔ اسی سال رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت ہوئی۔

حبشہ اور عربوں کے تعلقات میں تجارتی کاروبار، اور ایک دوسرے کے ملک میں آمد و رفت کو بھی دخل تھا جس کا سلسلہ قدیم زمانہ سے قائم تھا۔ عرب تاجر اپنے ملک سے چمڑے، گوند، لوبان اور اونی کپڑے حبشہ لے جاتے تھے اور وہاں سے غلہ لاتے تھے۔

بعثت نبوی کے وقت رومیوں اور حجازی عربوں کے تعلقات کشیدہ نظر آتے ہیں اور ان کا میلان رومیوں سے زیادہ ایرانیوں کی طرف معلوم ہوتا ہے، چنانچہ قریشی تاجروں کو رومیوں کے مقبوضات میں جو پہلے سہولتیں حاصل تھیں وہ غالباً ختم ہو گئی تھیں بلکہ رومی ان پر بڑے سخت ٹیکس عائد کرنے لگے تھے، ہمارا قیاس ہے کہ رومیوں کی کشیدگی کا سبب تو حجاز میں ان کی سیاسی ناکامی ہوگی اور ان کی طرف سے عربوں کی رنجش اور کدورت کا سبب ابرہہ کا حملہ ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ حجاز کے علاوہ دوسرے حصّے کے عربوں اور رومیوں میں اب بھی تعلقات ویسے ہی قائم تھے۔ ایرانیوں کی طرف ان کے میلان کی کوئی وجہ بظاہر

سمجھ میں نہیں آئی، بجز اس کے کہ وہ بھی بت پرست تھے اور عرب بھی۔ غرض ظہور اسلام کے وقت عام طور پر مشرکین حجاز رومیوں کو ناپسند اور ایرانیوں کو پسند کرتے تھے۔ چنانچہ بعثت نبوی کے کئی سال بعد رومیوں اور ایرانیوں میں ایک زبردست جنگ ہوئی جس میں رومیوں کو بڑی سخت شکست ہوئی، اس شکست سے اہل مکہ بہت خوش ہوئے مگر مسلمانوں کو اس سے بڑا رنج ہوا جس کی وجہ سے سورہ روم کی یہ آیتیں نازل ہوئیں۔

الم۔ غلبت الروم فی ادنی	اہل روم مغلوب ہو گئے۔ ایک
الارض وھم من بعد	قریب کے ملک میں اور اس کے بعد عنقریب
غلبھم سیغلبون فی بضع	چند برسوں میں وہ پھر غالب
سنین۔	ہوں گے۔

چنانچہ قرآن کی یہ پیشین گوئی پوری ہوئی، یعنی یہ کہ چند برس کے بعد پھر رومیوں اور

لہ عام مفسرین یہی وجہ بتاتے ہیں لیکن اگر یہی وجہ تسلیم کر لی جائے تو حبشہ سے بھی ان کے تعلقات کشیدہ ہونے چاہئیں مگر ایسا نہیں تھا بلکہ حبشہ کی حکومت سے اہل مکہ کے تعلقات ظہور اسلام کے وقت بالکل استوار تھے ممکن ہے کہ اس میں نجاشی کی طبعی نیکی و شرافت کو بھی دخل ہو۔

لہ یورپین مورخین متفقہ لکھتے ہیں کہ روم زوال و انحطاط کی آخری حد تک پہنچ چکا تھا اور ایرانیوں سے شکست کھانے کے بعد اس کی رہی سہی قوت بھی ختم ہو گئی تھی ایسی حالت میں قرآن کا چند سال میں ان کے دوبارہ غالب آنے کی پیشین گوئی کرنا اور پھر اس کا پورا ہونا قرآن کا کھلا ہوا معجزہ ہے۔

اس سلسلہ میں مفسرین نے لکھا ہے کہ جب ایرانیوں کو فتح ہوتی تو اہل مکہ خوش ہوتے، مگر مسلمانوں کو اس بنا پر کہ یہ اہل کتاب ہیں اس سے رنج ہوتا۔ ۶۱۴ء میں بعثت نبوی کے چھ برس بعد رومیوں کو سخت ہزیمت ہوئی اور قیصر روم کو قسطنطنیہ میں پناہ لینی پڑی۔ مشرکین عرب کو ایرانیوں کی اس فتح کی اطلاع ہوئی تو وہ بہت خوش ہوئے بعض مشرکین نے حضرت ابوبکر صدیقؓ سے کہا کہ آج ہمارے بھائی ایرانیوں نے تمہارے بھائی رومیوں (باقی برصفحہ ۱۱۳)

ایرانیوں کو شکست ہوئی آپ اس وقت مدینہ میں جلوہ فرما تھے، اور عین غزوۂ بدر کے روز یہ خوشخبری مسلمانوں کو ملی۔

مختصر یہ کہ ان ہی قدیم و جدید تعلقات کی بنا پر جزیرۂ عرب کے تقریباً ہر حصہ میں عیسائیت پھیل گئی۔ اب ہم ان مقامات اور قبائل کا نام بنام ذکر کرتے ہیں جن میں ظہور اسلام کے وقت عیسائیت موجود تھی۔

نجران نجران یمن میں ایک مشہور مقام تھا۔ یہ اپنی زرخیزی و شادابی اور صنعت و حرفت اور تجارت کی وجہ سے پورے یمن میں مشہور تھا۔ سب سے پہلے یہاں کون لوگ آباد ہوئے اس میں اختلاف ہے۔ تاہم یہ مسلّم ہے کہ بنو اسماعیل یہاں قدیم زمانے سے آباد تھے۔ اس کے بعد یہاں یہودیت اور پھر عیسائیت پھیلی، عیسائیت کی ابتدا کب ہوئی۔ اس کی صحیح تعیین مشکل ہے، معجم البلدان میں ہے کہ فیمیون ایک نصرانی عابد تھا، اسی کے ذریعے یہاں عیسائیت کی ابتداء ہوئی لیکن اس سے سنہ کی تعیین نہیں ہوتی۔ البتہ اوپر یمن کے سلسلہ میں جو کچھ لکھا گیا ہے اس سے سنہ کی تو نہیں مگر زمانہ کی تعیین کی جا سکتی ہے۔ یعنی یہ کہ اس کی ابتداء بعثت نبوی سے ایک صدی پہلے ہو چکی تھی۔

سیاسی اور اقتصادی اہمیت کی بنا پر یمن ہمیشہ سیاسی تغیرات و انقلابات کا آماجگاہ رہا۔ نجران چونکہ اس کا ایک حصہ تھا، اس لیے لازمی طور پر اس کا اثر اس پر بھی پڑتا تھا۔ حمیری حکومت کے زمانہ میں یہاں یہودیت کو فروغ ہوا۔ یمن میں عیسائی حکومت قائم ہوئی تو

(بقیہ صفحہ ۱۱۲) پر فتح پائی ہے، کل ہم بھی تمھیں اسی طرح مٹا دیں گے۔ قرآن نے اسباب ظاہر کے خلاف یہ پیشین گوئی کی۔ حضرت ابوبکرؓ نے اسی بنا پر مشرکین مکہ سے یہ شرط لگائی کہ اگر نو برس کے اندر رومی دوبارہ ایرانیوں پر فتح یاب نہ ہوئے تو میں تم کو سو اونٹ دوں گا، اور اگر کامیاب ہوئے تو تم لوگ مجھے اتنے ہی اونٹ دو گے، چنانچہ ۷ برس کے اندر رومیوں نے فتح پائی اور حضرت ابوبکرؓ نے ان سے سو اونٹ لیے۔ (طبری تفسیر سورہ روم)

نجران عیسائیت کا سب سے بڑا مرکز بن گیا۔ یہاں ایک بہت بڑا کلیسا تھا جس کو عبد المدان نے بنوایا تھا، اور جو کعبہ نجران" کے نام سے مشہور تھا[1]۔ اس کی تعمیر کا بھی وہی مقصد تھا جو صنعا میں ابرہہ کے تعمیر کردہ کلیسا کا تھا۔

اسلام کے ظہور کے وقت نجران میں ایک چھوٹی سی عیسائی ریاست قائم تھی جس کا یمن کی مرکزی حکومت سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ بلکہ وہ براہ راست قیصر روم کے ماتحت تھی، اس کا نظم تین شعبوں میں منقسم تھا۔ اور ان میں سے ہر ایک کا ایک علیحدہ ذمہ دار تھا۔ خارجی اور جنگی امور جس سے متعلق ہوتے اس کو سید کہتے تھے۔ دنیاوی داخلی امور جس کے سپرد ہوتے اس کو عاقب، اور دینی امور کا جو ذمہ دار ہوتا اس کو اسقف کہتے تھے۔ ان عہدیداروں کا تقرر خود قیصر کرتا تھا[2]۔ اس وقت سید کے عہدے پر ابو حارثہ نامی ایک شخص قابض تھا، جس کا نسبی تعلق بکر بن وائل سے تھا۔ زرقانی نے لکھا ہے کہ عربوں میں سے جب کوئی آدمی نصرانیت قبول کر لیتا تھا تو قیصر کو اس سے بڑی خوشی ہوتی تھی۔ چنانچہ جب ابو حارثہ نے نصرانیت قبول کی تو وہ اس قدر خوش ہوا کہ اس کے سامنے مال و دولت کا ایک ڈھیر لگا دیا اور غالباً اسی وقت اس عہدہ پر سرفراز کیا گیا۔

۹ھ میں ساٹھ آدمیوں پر مشتمل ایک وفد نجران سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا، جس میں اس ریاست کے تینوں ذمہ دار عہدہ دار بھی تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کی دعوت ان کے سامنے پیش کی۔ مگر انھوں نے قبول نہیں کیا۔ سالانہ ٹیکس کی ادائیگی کے وعدہ پر آپ نے ان سے مصالحت کر لی اور ان سے ایک معاہدہ ہو گیا۔ مگر واپسی میں اس وفد کے دو ارکان ابو حارثہ اسقف نجران اور اس کے بھائی کرز بن علقمہ میں کچھ ایسی باتیں ہو گئیں کہ راستہ ہی سے ابن علقمہ مدینہ واپس آئے اور حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔ ان کا

---

[1] معجم البلدان ج ۸ ص ۲۶۲ - فجر الاسلام ص ۳۰ - [2] فجر الاسلام ص ۳۰

تذکرہ اس کتاب میں موجود ہے۔ ان کے علاوہ نجران کے اور افراد نے بھی اسلام قبول کر لیا۔ ان کا بھی ذکر اس کتاب میں ہے۔

نجران کی اہمیت کی وجہ سے اس کا ذکر ذرا تفصیل سے کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ دومۃ الجندل، بحرین، معان، ایلہ، اذرح، جربا، مقنا، عمان وغیرہ میں بھی عیسائیت موجود تھی جن میں سے اکثر کی جغرافی اور تاریخی حیثیت کا ذکر یہود کے سلسلہ میں آچکا ہے ان میں سے بعض میں ماتحت عیسائی حکومتیں بھی قائم تھیں۔ ان مقامات کے علاوہ جزیرۂ عرب کی تقریباً تمام مشہور بستیوں میں عیسائی موجود تھے۔ مثلاً مکہ، طائف، مدینہ اور وادی القریٰ وغیرہ، وادی القریٰ میں تو ان کے متعدد گرجے بھی تھے (فجر الاسلام ص ۲۹)

جن قبائل میں عیسائیت فروغ پا چکی تھی یا پا رہی تھی ان کے نام یہ ہیں:

قبیلۂ غسان: یہ یمنی قبیلہ ہے۔ سد مارب کے ٹوٹنے کے بعد یہ جزیرۂ عرب کے شمال مغربی سرحدی مقام پر آباد ہو گیا تھا۔ مزید تفصیل آچکی ہے۔

بنو تغلب: یہ مشہور عدنانی قبیلہ ربیعہ کی ایک شاخ ہے۔ اسی کے قریب عرب کا ایک مشہور قبیلہ بکر بھی آباد تھا۔ بکر و تغلب کی لڑائی عرب جاہلیت تاریخ کا ایک مشہور واقعہ ہے۔

یہ قبیلہ جزیرہ عرب کے شمال مشرق میں اس تجارتی راستہ پر آباد تھا جو عرب سے عراق کو جاتا ہے۔ یہ مقام اپنے جائے وقوع اور تجارتی اعتبار سے بہت اہم تھا اور ایران کی سرحد کے قریب بھی پڑتا تھا۔ بہت ممکن ہے اسی وجہ سے نصرانیوں نے اس کو اپنا نے اور زیر اثر لانے کی کوشش کی ہو بہر حال اس میں عیسائیت موجود تھی۔ یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ یہاں عیسائیت کی ابتدا کب ہوئی۔ ارباب سیر و طبقات صرف اتنا لکھتے ہیں کہ یہ قبیلہ نصرانی ہو گیا تھا۔ اسد الغابہ میں ہے۔

ان کثیراً من العرب ۔۔ بہت سے عرب قبائل نے نصرانیت قبول کر لی

قد تنصر کتغلب[۱] تھی۔ ان میں بنو تغلب کا قبیلہ بھی تھا۔

ابن قتیبہ اور یعقوبی[۲] وغیرہ نے بھی اس کے نصرانی ہونے کی توثیق کی ہے۔ اس قبیلہ کے متعدد افراد مشرف بہ اسلام ہوئے، جن کے تذکرے اس کتاب میں موجود ہیں۔

ظہور اسلام کے بعد عہد نبوی اور عہد صدیقی میں اس قبیلہ کا ذکر بہت کم بلکہ بالکل نہیں ملتا۔ البتہ ابن قتیبہ کے بیان سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ عہد فاروقی تک یہ لوگ مذہب نصرانیت پہ قائم رہے۔ حضرت عمرؓ نے اس بنا پر ان پر جزیہ عائد کرنا چاہا تو وہ بھاگ کھڑے ہوئے۔ زرعہ بن نعمان بارگاہ خلافت میں آئے اور عرض کیا کہ یہ عرب ہیں اس لیے ان کو جزیہ دینا گوارا نہیں ہے۔ دوسرے یہ شجاع اور طاقت ور ہیں ان کو دشمنوں کے ہاتھ میں نہ جانے دیں (یعنی اگر آپ ان پر جزیہ لگائیں گے تو یہ رومیوں سے مل جائیں گے) بلکہ ان پہ زیادہ سے زیادہ صدقہ دوگنا کر دیں۔ اور ارشاد فرمائیں کہ آئندہ اپنی اولاد کو نصرانی نہ بنائیں[۳]۔ چنانچہ حضرت فاروقؓ نے زرعہ کے حسب مشورہ اسی پر عمل کیا۔

بنو کلب:۔ یہ قبیلہ بھی نصرانی تھا اور دومۃ الجندل کے پاس آباد تھا۔ ظہور اسلام کے وقت دومۃ الجندل کا عیسائی حاکم اکیدر تھا۔ اس میں متعدد ایسے قبائل تھے جو بڑے اثر و رسوخ کے مالک تھے، قبیلہ کلب خاص طور سے بہت ممتاز اور حکومت کا حریف تھا[۴]۔ اس کا اثر تبوک تک پھیلا ہوا تھا۔ ظہور اسلام کے وقت اس قبیلہ کے سردار اصبغ تھے جو حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کی کوششوں سے حلقہ بگوش اسلام ہو گئے تھے اور اپنی صاحبزادی تماضر کو حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کے حبالۂ عقد میں دے دیا تھا۔ ان کے اور ان کی صاحبزادی کے حالات اس کتاب کے آئندہ صفحات میں درج ہیں۔

۱۔ اسد الغابہ ج ۵ ص ۲۲۲ و ج ۱ ص ۵۰۔ ۲۔ یعقوبی ص ۲۹۸۔

۳۔ ابن قتیبہ ص ۲۴۹ ۴۔ ابن خلدون ج ۲ ص ۲۴۹

ابن خلدون نے لکھا ہے کہ بنو کلب کی ایک کثیر تعداد اس وقت بھی (یعنی آٹھویں صدی ہجری میں) خلیج قسطنطنیہ کے ساحل پر آباد ہے۔ اس میں سے کچھ مسلمان ہیں اور کچھ عیسائی۔[1]

قضاعہ:۔ پورے قبیلہ میں تو نہیں مگر اس کے بعض خاندانوں میں نصرانیت تھی۔ یہ حجاز و شام کے تجارتی راستہ پر تبوک کے قریب آباد تھا۔ کثرت تعداد اور فوجی قوت کی وجہ سے اس کو بڑی اہمیت حاصل تھی اور جس مقام پر آباد تھا وہ مقام بھی جغرافیائی حیثیت سے بڑا اہم تھا۔ یہ قبیلہ رومیوں کے زیر اثر تھا۔

اسی طرح بنو تمیم کے بعض افراد نے عیسائیت قبول کر لی تھی۔ عرب کا مشہور اور بزم معلقہ کا صدر نشین شاعر امراء القیس اسی قبیلہ سے تھا، جس کی بنا پر بعض عیسائی مستشرقین نے یہ ثابت کیا ہے کہ یہ عیسائی تھا، حالانکہ یہ صحیح نہیں ہے البتہ اس کے خاندان کے بعض افراد نصرانی ضرور تھے۔

ربیعہ:۔ جس کی ایک شاخ بنو تغلب تھی، جس کا ذکر اوپر آچکا ہے۔ اس کے بعض دوسرے خاندانوں میں بھی نصرانیت تھی۔[2]

اسی طرح یمن کے مشہور قبیلہ طے میں بھی نصرانیت کا پتہ چلتا ہے، حضرت عدی بن حاتم اور ان کی ایک بہن کا تذکرہ اس کتاب میں آیا ہے۔ یہ دونوں اسی قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے اور عیسائی تھے۔

قبیلہ **عبد القیس** جو عمان کے قریب آباد تھا، اس میں بھی نصرانیت موجود تھی، حضرت جارودؓ جن کا تذکرہ اس کتاب میں موجود ہے، اسی قبیلہ سے تھے۔

ان کے علاوہ تنوخ، لخم، مذحج، بہرا، سلیح وغیرہ قبائل نے بھی نصرانیت قبول کر لی تھی۔

---

[1] ابن خلدون ج ۲ ص ۲۴۴
[2] معارف ابن قتیبہ ص ۲۹۶ تہذیب الاسماء ج ۲ ص ۲۹۳

اور ان میں سے بیشتر بالکل رومیوں کے زیر اثر تھے۔ جنگ موتہ میں یہ سب کے سب رومیوں کی حمایت میں مسلمانوں کے خلاف صف آرا تھے[1]۔ ان میں سے بیشتر کو قیصر روم کی طرف سے سالانہ پندرہ سیر سونا بطور وظیفہ ملتا تھا[2]۔

اس تفصیل سے اندازہ ہوگیا ہوگا کہ پورے جزیرہ میں نصرانیت کی ترقی و فروغ کے لیے عیسائی حکومتوں نے کتنا لمبا جال بچھا رکھا تھا۔ اس کے لیے کیا کیا تدبیریں وہ اختیار کر رہی تھیں اور کتنی رشوتیں دے رہی تھیں اور یہ سلسلہ برسوں سے نہیں صدیوں سے جاری تھا لیکن ان تمام کوششوں اور تدبیروں کے باوجود کم سے کم حجاز میں تو عیسائیت کا اثر برائے نام ہی پیدا ہو سکا، جس کو قبضہ میں لانے اور اس پر اپنا اثر قائم کرنے کے لیے انھوں نے کیا کیا جتن نہ کر ڈالے تھے۔

اس کے مقابلہ میں اسلام نے پورے جزیرہ میں چند برسوں میں عظیم الشان اور حیرت انگیز انقلاب برپا کر دیا جس نے چشم زدن میں پورے عرب کی کایا پلٹ دی۔ اس کے لیے نہ کوئی سیاسی چال چلی گئی، نہ کوئی اقتصادی دباؤ ڈالا گیا اور نہ جبر و زور سے کام لیا گیا۔ بلکہ اس کی دعوت، تبلیغ اور اعلیٰ اخلاقی تعلیمات اور پھر اس کے مظاہر سے سارا عرب مسحور اور حلقہ بگوش اسلام ہوگیا۔

حیرہ عیسائیت کے مذہبی اثرات جزیرۂ عرب کے اندرونی مرکزی مقامات کے علاوہ ایک سرحدی مقام حیرہ میں بھی کچھ نہ کچھ موجود تھے۔ حالانکہ وہ ایرانیوں کی باجگذار ریاست تھی۔ جہاں قبیلہ لخم کی حکومت تھی۔ لخم کے متعلق اوپر آچکا ہے کہ اس میں نصرانیت تھی۔ اس کے حکمران نعمان کے متعلق لکھا ہے کہ عدی بن زید ایک نصرانی شاعر نے اس کو ایک دن نصیحت کی۔ اس نصیحت کا اس پر ایسا اثر ہوا کہ اس نے فوراً نصرانیت قبول کر لی، اور تخت و تاج کو خیر باد کہہ دیا[3]۔ اسی طرح نعمان خامس کی بیوی بھی عیسائی ہوگئی تھی۔ اس کا نام ہند تھا۔ اس نے اپنے نام سے ایک کلیسا "دیر ہند" بنوایا تھا۔ طبری نے لکھا ہے کہ یہ ہمارے زمانے تک (یعنی تیسری صدی

---

[1] ابن ہشام ذکر جنگ موتہ [2] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیاسی زندگی ڈاکٹر حمید اللہ صاحب ص ۲۵۸۔
[3] فجر الاسلام ص ۳۱۔

ہجری تک) موجود تھا۔[1] اس کے علاوہ حیرہ میں اور بھی متعدد گرجے تھے ۔ خصوصیت سے "دیر حنظلہ" بہت مشہور تھا، جس کو حیرہ کے ایک حکمران ایاس بن قبیصہ کے چچا حنظلہ نے بنوایا تھا۔[2]

حیرہ کا ذکر یہاں اس لیے کیا گیا کہ یہ جزیرہ کا سرحدی مقام تھا۔ جہاں عرب آباد تھے۔ اور وہی حکمران بھی تھے۔ پورے عرب میں غالباً حیرہ ہی ایک ایسا مقام تھا۔ جہاں عیسائیت نے بغیر کسی مادی سہارے اور حکومت کی پشت پناہی کے کسی قدر رواج پایا۔

عیسائیوں اور عربوں کے سیاسی تعلقات اور مذہبی اثرات کے نتائج

اُوپر جو تفصیل کی گئی ہے اس سے جزیرہ عرب میں عیسائیوں کے سیاسی اور مذہبی اثرات کا اندازہ ہو گیا ہو گا، لیکن اس کا ایک پہلو اب بھی تشنۂ تفصیل ہے۔ وہ یہ کہ عربوں کے ذہن و دماغ اور علم و تمدن پر اس کا مجموعی اثر کیا مترتب ہوا؟ یہاں مختصراً اس پر کچھ روشنی ڈالی جاتی ہے۔

نصرانیت کے فروغ سے جاہلی عربوں کے تمدن اور ان کے ذہن و دماغ میں جو تغیر ہوا اس کی پوری نشان دہی تو مشکل ہے تاہم ان کی تاریخ کے قدیم واقعات، ان کے علوم و فنون اور ادب و شاعری کے جو نمونے اب تک محفوظ رہ گئے ہیں ان سے اس کی کچھ نہ کچھ عکاسی ضرور ہوتی ہے۔

ثقافتی و تمدنی اثرات

اُوپر قصی کے مکہ پر قابض ہونے کا ذکر آ چکا ہے۔ قصی سے پہلے غالباً یہاں کوئی نظم و نسق اور کسی قسم کی سیاسی وحدت نہ تھی۔ مگر انھوں نے مکہ پر قبضہ کرنے کے بعد اس کو ایک چھوٹی سی باقاعدہ ریاست میں تبدیل کر دیا۔ جس کے متعدد شعبے اور عہدے تھے اور جن میں سے اکثر ظہور اسلام تک باقی تھے۔ اس مختصر سی ریاست کا سیکریٹریٹ یا مرکزی دفتر دار الندوہ تھا جہاں ریاست سے متعلق جملہ مہمات امور طے ہوتے تھے۔

قصی کا یہ نظام حکومت خود ساختہ نہیں، بلکہ بڑی حد تک ان تعلقات کا رہین منت معلوم ہوتا ہے، جو ان کے اور رومیوں کے درمیان قائم ہو چکے تھے۔ اس نظام حکومت کے بارے

---

[1] معجم البلدان ج ۴ ص ۱۸۳   [2] تفصیل کے لیے دیکھو معجم البلدان ج ۴ ص ۱۲۰ تا ۱۸۵۔

میں ڈاکٹر حمید اللہ صاحب لکھتے ہیں۔

" اہل شہر پر سالانہ ٹیکس اندازی وغیرہ فینقی اور اس سے زیادہ یونانی شہری مملکتوں سے مکے کی شہری مملکت غیر معمولی مشابہت رکھتی ہے"۔ (سیاسی زندگی ص ۲۵۹)۔

ظہور اسلام سے پہلے عربوں کے سماجی نظام اور آس پاس کے ملکوں اور قوموں سے ان کے تجارتی اور سفارتی تعلقات وغیرہ کے جو واقعات وحالات تاریخوں میں محفوظ ہیں وہ بھی نصرانیوں کے تمدنی اثرات کی غمازی کرتے ہیں۔

علمی اثرات | نصرانیت یونان واسکندریہ میں پروان چڑھی تھی۔ اس لیے وہ جہاں بھی گئی اپنے ساتھ وہاں کے علوم وفنون مثلاً طب، نجوم اور مابعد الطبیعاتی افکار بھی لیتی گئی۔ نصرانیت کو ان علوم کی اور خصوصیت سے فلسفہ اور نجوم کی مذہبی حیثیت سے بھی ضرورت تھی۔ چنانچہ آپ دیکھیں گے کہ عیسائیوں کے علماء اور مذہبی پیشوا مذہبی سے زیادہ فلسفی ہوتے تھے اس لیے کہ نصرانی ثقافت اور مذہب کی اشاعت میں ان کو ان علوم سے بہت کافی مدد ملتی تھی، ظاہر ہے کہ عرب میں اس کے قدم آئے ہوں گے تو یہ علوم بھی اُن کے ساتھ لگے لپٹے آئے ہوں گے۔ خیال ہوتا ہے کہ بعثت نبوی سے پہلے عربوں میں علم نجوم، طب اور مابعد الطبیعاتی تصورات وافکار کے جو اثرات بھی نظر آتے ہیں۔ اس کے فروغ میں نصرانیت کو ضرور دخل تھا۔ اسی خیال کی مزید تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ عہد اسلام کے بعد یونانی علوم وفنون کا جو سرمایہ عربی میں منتقل ہوا۔ وہ زیادہ تر نصرانی ہی علماء ومترجمین کی سرکردگی میں ہوا، خصوصیت سے فلسفہ وطب کا شعبہ تو کئی صدی تک ان ہی کے زیر اثر رہا۔

ادب وشعر | عربی ادب وشاعری میں بے شمار ایسے الفاظ، جملے، ترکیبیں اور خیالات ملتے ہیں جو نصرانیت کے اثر کا بین ثبوت ہیں۔

جاہلی ادب وشعر کا اگر ہم لغوی جائزہ لیں تو زمین کی پستی وبلندی، پہاڑ کے نشیب وفراز راستوں کی فراخی وتنگی، صحرا کی خشکی وویرانی کے لیے سیکڑوں ہزاروں الفاظ مل جائیں گے جن

سے ان مناظر و کیفیات کا پورا نقشہ کھینچ جاتا ہے۔ لیکن اگر آپ سمندر اور اس کے متعلقات کے الفاظ کے لیے عربی لغت کو کھنگالیں تو مشکل سے چند الفاظ ملیں گے۔ ان میں بھی خالص عربی تو بہت کم ہوں گے۔ اونٹ، تلوار اور سانپ کے نام اور ان کے متعلقات کے لیے عربی لغت کا دامن تو بڑا وسیع ہے۔ لیکن کشتی، کشتی رانی، سمندری سفر اور اس کے لوازم وضروریات کے لیے مشکل سے دس بیس الفاظ ملیں گے، اور جو ہوں گے بھی وہ دوسری زبانوں سے مستعار ہوں گے۔ یہ تو محسوسات کا حال ہے۔ لیکن معنوی کیفیات کا حال بھی اس سے کچھ زیادہ مختلف نہیں ہے۔ خوشی و مسرت، لہو و لعب، عیش و تنعم کے حالات و جذبات کے اظہار کے لیے عربی لغت میں الفاظ کی اتنی بہتات نہیں ہے۔ جتنی بہتات فقر و فاقہ، حزن و ملال اور قتل و خونریزی کے الفاظ و محاورات کی ہے۔

غرض یہ ہے کہ عربی ادب و شاعری کا نشو و نما جس سرزمین میں ہوا اس میں اس کے اثرات زیادہ نمایاں ہیں لیکن جوں جوں عربوں کا اختلاط ان قوموں سے بڑھتا گیا جو علم و تمدن میں ان سے ترقی یافتہ تھیں تو ان کے ادب و شعر میں بھی ان کے آثار نمایاں ہوتے چلے گئے اور ظاہر ہے کہ عربوں کو سب سے زیادہ جن ترقی یافتہ قوموں سے اختلاط کا موقع ملا، ان میں ایرانی، یہودی اور نصرانی سب سے زیادہ نمایاں ہیں۔

ایرانیوں کے اثرات کی بحث تو ہمارے موضوع سے خارج ہے۔ اور یہودیوں کے اثرات کی طرف اشارہ کیا جاچکا ہے۔ اب چند سطریں نصرانیوں کے اثرات پر لکھی جاتی ہیں۔ غسانی گو نسلاً عرب تھے، مگر رومیوں سے صدیوں کے تعلقات کی وجہ سے بہت زیادہ گھل مل گئے تھے اور ان کے علم و تمدن کا اتنا گہرا اثر قبول کیا تھا کہ ظہور اسلام کے وقت وہ عرب سے زیادہ رومی معلوم ہوتے تھے، مگر اس کے باوجود بھی ان کا تعلق جزیرہ عرب سے منقطع نہیں ہوا تھا۔ اس لیے اس دوگونہ تعلق کی وجہ سے نصرانی علم و تمدن کے عرب میں فروغ پانے کا بہت بڑا ذریعہ بن گئے۔

جزیرہ کے ہر حصہ کے عربی شعراء اپنے ان عیسائی بھائیوں کے پاس جاتے تھے، ان کو اپنا کلام سُناتے تھے، انعام و اکرام حاصل کرتے تھے اور ان کے عیش و تنعم سے متاثر ہوتے تھے۔ نابغہ ذبیانی، اعشیٰ، المرقش الاکبر اور علقمۃ الفحل جیسے مشہور روزگار و صاحب کمال شعراء غسانیوں کے دربار میں گئے اور ان سے خراجِ تحسین وصول کیا۔ ان ہی کے بارے میں حضرت حسانؓ نے جاہلیت کے زمانہ میں کہا تھا۔

لِلّٰہ درّ عصابۃ نادمتھم   یوماً بجلّق فی الزمان الاول

خود حضرت حسانؓ کو غسانیوں نے ایک دعوت میں جو وہاں کے حکمران جبلہ بن ایہم کے اہتمام میں ہوئی تھی، مدعو کیا تھا۔ جب وہ وہاں سے واپس آئے تو لوگوں سے کہا کہ نہ میری آنکھوں نے ایسا منظر اس سے پہلے دیکھا اور نہ میرے کانوں نے سُنا تھا۔[۱] پھر انھوں نے اس مجلس کی ایک ایک چیز کی شاعرانہ زبان میں تعریف کی۔ اس سے غسانیوں کے تمدن و تہذیب کا اندازہ کیا جا سکتا ہے ان کے متعلق لاتعداد قصص و امثال اور ان کے عیش و تنعم و عمران کے سیکڑوں واقعات عربی ادب و شاعری میں ملیں گے۔

نصرانی اور ان سے متاثر شعراء کے کلام پر آپ نظر ڈالیں گے تو آپ کو اس اثر کی بہت سی مثالیں ملیں گی۔

امیہ بن الصلت نے سب سے پہلے باسمک اللّٰھم کے لفظ سے عربوں کو روشناس کیا۔ اسی طرح اما بعد کو سب سے پہلے قس بن ساعدہ نے استعمال کیا۔ امیہ صحفِ قدیم کا عالم تھا وہ اپنے اشعار میں ایسے بہت سے الفاظ استعمال کرتا تھا جو اس سے پہلے عربی زبان میں رائج نہیں تھے، مثلاً "قمر وساھور"۔ "یُسْلَی ولیغمد"۔ اسی طرح اللہ کے لیے "سلیط" اور تفرور وغیرہ کے الفاظ اس نے استعمال کیے۔[۲]

---

[۱] اغانی ج ۱۹ ص ۱۲، و فجر الاسلام ص ۳۰   [۲] فجر الاسلام ص ۳۲۔

مفسرین نے لکھا ہے کہ قرآن میں عبرانی، سریانی، رومی اور حبشی زبان کے متعدد الفاظ اور ترکیبیں استعمال ہوئی ہیں، عبرانی الفاظ کی تفصیل تو یہودیت کی تاریخ کے سلسلہ میں اوپر آچکی ہے کہ یہ زبان زیادہ تر یہود ہی سے مخصوص تھی، مگر نصرانیوں میں ان کے مختلف علاقوں میں مختلف زبانیں رائج تھیں۔ مثلاً سریانی، رومی، حبشی وغیرہ۔ ان زبانوں کے جو الفاظ اور فقرے قرآن پاک میں آئے ہیں، وہ یہ ہیں:۔

سریانی الفاظ:۔ فردوس، طہٰ، طور، ہیت لک، ولات حین مناص میں ولات، ربّانیّون، ربّیّون، رہوٌ، الیم، صلوٰت، (کنایس) قنطار۔ ان کے علاوہ متعدد الفاظ ایسے ہیں جو انشقاق کے لحاظ سے تو عربی ہیں، مگر ان کے بہت سے معانی سریانی سے آئے ہیں، مثلاً قیوم، اسفار، آزر، قمل، سُجّدًا وغیرہ۔

رومی الفاظ:۔ قسطاس، رقیم، طفق اور قسطاس وغیرہ۔

حبشی الفاظ:۔ جبت، طاغوت، حوب، طوبیٰ، سکر، سجل، مشکوٰۃ، منساۃ، اس کے علاوہ اور بھی متعدد الفاظ کو حبشی بتایا گیا ہے، یہ ساری تفصیل امام سیوطی کی کتاب المتوکلی اور ابن درید کی کتاب الاشتقاق میں ملے گی۔

ابھی بعثت نبوی کے بعد مسلمانوں اور نصرانیوں کے اجتماعی اور سیاسی تعلقات، ان کی اخلاقی اور دینی حالت، قرآن وحدیث کی روشنی میں مومنین اہل کتاب کے فضائل و مناقب وغیرہ کی تفصیل باقی تھی، مگر مجبوراً یہ سلسلہ ختم کیا جاتا ہے۔ اس لئے کہ سنہ ۱۵ء ختم ہو رہا ہے اور حسب تجویز سال کے اندر اندر اس کتاب کا شائع ہو جانا ضروری ہے، اور ابھی کتاب کے نقشے اور ضمیمہ کی طباعت بھی باقی ہے۔ اب اگر چند صفحے اور بڑھائے گئے تو کتاب اس سال شائع نہ ہو سکے گی۔

آخر میں اہل علم حضرات سے گذارش ہے کہ اگر مقدمہ یا نفس کتاب میں کوئی تاریخی غلطی یا میرے ان قیاسات میں جو میں نے واقعات کی روشنی میں کیے ہیں، کوئی تضاد نظر آئے تو راقم الد[illegible]

کو اس سے مطلع فرما کر ممنونِ احسان فرمائیں گے۔

اس میں غلطی اور ترمیم و اضافہ کا اس لیے بھی اور زیادہ امکان ہے کہ اس سے پہلے اس نفس موضوع پر کوئی کتاب نہیں لکھی گئی، بلکہ یہ نقش اول ہے جس کو ایک نومشق طالب علم نے اپنی کم سوادی اور علمی بے بضاعتی کے باوجود صفحہ قرطاس پر ثبت کرنے کی کوشش کی ہے۔

یہ کتاب صرف ایک دینی خدمت اور ایک علمی کمی کو پورا کرنے کے لیے لکھی گئی ہے، خدائے قدوس سے دعا ہے کہ اسے قبول اور اس کی جزا آخرت میں عطا فرمائے۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ

خادم

مجیب اللہ ندوی، شبلی منزل، اعظم گڑھ

۱۶ صفر ۱۳۷۱ھ مطابق ۱۷ نومبر ۱۹۵۱ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(الف)

(۱) حضرت ابرہہؓ

نام ونسب ابرہہ نام، شامؓ یا حبشہ کے رہنے والے اور مذہباً عیسائی تھے، نام ونسب کے متعلق اور کوئی تفصیل کتب رجال میں نہیں ملتی۔

اسلام ان کے قبول اسلام کے متعلق یہ تو متعین طور سے نہیں بتایا جاسکتا کہ کب اور کہاں قبول کیا:

---

[1] حافظ ابن حجر نے اصابہ میں اس نام کو دو نام شمار کرکے ایک جگہ "ابرہۃ الحبشی" اور دوسری جگہ "ابرہۃ آخر" کی سرخی قائم کی ہے، لیکن غالباً یہ صحیح نہیں ہے، اس لیے کہ اسد الغابہ تجرید اور دوسری کتب طبقات میں ایک ہی نام شمار کیا گیا ہے، اصابہ صفحہ ۱۱۔

[2] اکثر کتب طبقات میں ان کا نام شامی ہونا درج ہے، حافظ ابن حجر نے بھی اصابہ میں احد الثمانیۃ الشامیین لکھا ہے، مگر جہاں انھوں نے ان کے دوسرے احباب کے حالات لکھے ہیں وہاں ان کو شامی کے بجائے حبشی لکھا ہے، مثلاً اشرف کے تذکرہ میں لکھتے ہیں احد الثمانیۃ الذین قدموا من رہبان الحبشۃ یا ادریس کے تذکرہ میں لکھتے ہیں احد الثمانیۃ المہاجرین من الحبشۃ، اس سے قیاس ہوتا ہے کہ غالباً ان کے اجداد شامی ہوں گے اور اہل حبشہ کے ہم عقیدہ ہونے کی وجہ سے عارضی طور سے یا مستقلاً حبشہ آگئے ہوں گے، اور وہیں اسلام قبول کیا ہوگا - یمن سے ملوک حمیر کا جو وفد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا تھا اس میں بھی ایک ابرہہ ذکر آتا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ یہ وہی ہوں - واللہ اعلم بالصواب شمس العلوم صفحہ ۳۱۹

مگر قرآن سے اتنا پتہ چلتا ہے کہ جب بہت سے صحابہ مکہ سے ہجرت کر کے حبشہ گئے اور ان کو نجاشیؓ کے دربار میں درخور حاصل ہوا، اور ان کے ذریعہ اہلِ حبشہ کو اسلام سے واقف ہونے کا موقع ملا، تو خود نجاشیؓ اور ان کے ساتھ بہت سے علمائے نصاریٰ نے اسلام قبول کیا[1]۔ غالباً ان ہی اسلام قبول کرنے والوں میں حضرت ابرہہؓ اور ان کے دوسرے[2] رفقاء بھی تھے۔

خدمت نبوی میں حاضری | اہلِ حبشہ میں سے جن لوگوں نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ ان کے دل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا بیحد اشتیاق تھا۔ اتفاق سے اسی درمیان میں مہاجرین حبشہ حضرت جعفرؓ کے ساتھ مدینہ واپس آ رہے تھے۔ اسی قافلہ کے ساتھ حضرت ابرہہؓ بھی مدینہ آئے اور زیارت نبوی سے مشرف ہوئے۔

غزوات | کسی غزوہ میں شرکت صحیح طور سے ثابت نہیں ہے[3]۔

فضائل | آپ کا شمار ان اہل کتاب صحابہ میں ہے جن کے بارہ میں یہ آیتیں نازل ہوئی ہیں:

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ مِنْ — جن لوگوں کو ہم نے قرآن سے پہلے کتابیں دیں وہ

---

[1] چالیس آدمیوں تک کے اسلام قبول کرنے کا ذکر ہے۔ اگرچہ ان کے ناموں کی تصریح بہت کم ملتی ہے اصابہ ج ۱۔

[2] آپ کے دوسرے رفقاء کے تذکرے آگے آتے ہیں، حالات لکھتے وقت اشارہ کر دیا جائے گا۔

[3] اسد الغابہ میں ہے کہ جب غزوۂ بدر میں مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی اور اس کی خبر حبشہ تک پہنچی تو جو لوگ اہلِ حبشہ میں اسلام لا چکے تھے انھوں نے مدینہ جا کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کرنے کی خواہش نجاشی سے ظاہر کی، چنانچہ وہ اجازت لے کر مدینہ آئے اور غزوۂ احد میں شرکت بھی کی، اس میں حضرت ابرہہؓ بھی تھے۔ اصابہ میں بھی اس قسم کی ایک روایت ہے، مگر امام ذہبی نے تجرید میں یہ تصریح کی ہے کہ عن مقاتل انہ اشھد احدًا وھذا لا یثبت روایت ہے کہ وہ احد میں شریک ہوئے، مگر یہ صحیح نہیں ہے۔ بعض روایتوں میں حضرت جعفرؓ کے آنے سے پہلے ایک وفد کے آنے کا ذکر ہے، مگر اہل رجال نے یہ تصریح کر دی ہے کہ وہ مدینہ پہنچنے سے پہلے ہی دریا میں غرق ہو گیا۔ (اسد الغابہ ج ۱ ص ۶۲)

قَبْلِهٖ هُمْ بِهٖ يُؤْمِنُوْنَ ...... اس پر ایمان لاتے ہیں (اور قرآن پر بھی ایمان رکھتے
اُولٰٓئِكَ يُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ ہیں) ..... یہی لوگ ہیں جن کو ان کے صبر کی وجہ سے
مَّرَّتَيْنِ بِمَا صَبَرُوْا[1] (قصص) دوہرا ثواب ملے گا۔

گو آپ کے نام کی تصریح نہیں ہے مگر مفسرین لکھتے ہیں کہ حبشہ سے علمائے نصاریٰ کا جو وفد آیا تھا اسی کے بارے میں یہ آیتیں بھی نازل ہوئیں اور آپ بہر حال اسی وفد میں تھے[2]۔

وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً مسلمانوں سے محبت رکھنے میں قریب تر آپ
لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْٓا ان لوگوں کو پائیں گے جو اپنے آپ کو نصاریٰ کہتے
اِنَّا نَصٰرٰى ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ ہیں، یہ اس لیے کہ ان میں بہت سے عالم اور بہت
قِسِّيْسِيْنَ وَرُهْبَانًا وَّاَنَّهُمْ سے زاہد و درویش ہیں اور اس لیے کہ وہ تکبر
لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ۔ وَاِذَا سَمِعُوْا نہیں کرتے، جب وہ سنتے ہیں اس کو جو رسولؐ
مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰٓى کی طرف اتارا گیا (قرآن) تو آپ دیکھیں گے
اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ کہ ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے ہیں
مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ ۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ انھوں نے حق کو پہچان
(مائدہ - ۱۱) لیا۔

سنہ وفات اور زندگی کے دوسرے حالات معلوم نہیں ہوسکے۔

---

[1] بعض روایتوں سے پتہ چلتا ہے کہ یہ روایت رفاعۃ القرظی اور ان کے ساتھ اسلام قبول کرنے والوں کے بارے میں نازل ہوئی اور بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے حضرت سلمان فارسیؓ اور عبداللہ ابن سلام مراد ہیں۔ بعض روایتوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کا نزول عام ہے اور یہی صحیح ہے۔

[2] اصابہ ج ۱ ص ۱۷، اسد الغابہ [illegible] ص ۶۲۔

(۲) حضرت ادریسؓ

نام ونسب | ادریس نام، شام یا حبشہ کے رہنے والے تھے، حضرت جعفرؓ کے ساتھ حبشہ کے جو عیسائی مدینہ آئے تھے، ان میں یہ بھی تھے۔

اسلام | آپ نے بھی حضرت ابرہہؓ کے ساتھ ہی اسلام قبول کیا۔

زیارت نبویؐ | حبشہ کے وفد کے ساتھ مدینہ آئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی دولت سے بہرہ مند ہوئے۔

فضائل | آپ بھی ان خوش قسمت اہل کتاب صحابہ میں ہیں جن کے بارے میں قرآن کی متعدد آیتیں نازل ہوئیں اور اس انعام کے بھی مستحق ہوئے۔

أُولَٰئِكَ يُؤْتَوْنَ أَجْرَهُم مَّرَّتَيْنِ یہی لوگ ہیں جن کو دوہرا ثواب ملے گا۔

آپ کی زندگی کے عام حالات اور وفات وغیرہ کے متعلق اور کوئی تفصیل نہیں مل سکی۔

لہ اصابہ ج ۱ ص ۲۷ اوپر حضرت ابرہہؓ کے تذکرہ میں شامی یا حبشی ہونے کی تحقیق گذر چکی ہے۔

لہ ایضاً لہ ایضاً

(۳) حضرت اسیدؓ بن سعید

نام ونسب | اسیدؐ نام، باپ کا نام سعید تھا، قبیلہ ہدلؑ جو بنو قریظہؑ ہی کی ایک شاخ تھی۔ اس سے آپ کا نسبی تعلق تھا۔

اسلام | بنو قریظہ کا معاملہ ان کی خواہش کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعدؓ بن معاذ کے سپرد کر دیا تھا کہ وہ جو فیصلہ کریں گے اسی کے مطابق عمل کیا جائے گا۔ حضرت سعدؓ بن معاذؓ نے یہ فیصلہ کیا کہ قبیلہ کے جتنے بالغ مرد ہیں وہ سب قتل کیے جائیں اور عورتیں اور بچے اور لونڈی غلام بنائے جائیں۔ جب اس فیصلہ کی خبر حضرت اسیدؓ کو ہوئی تو وہ اپنے چند احباب کے ساتھ بنو قریظہ کے پاس گئے اور ان سے کہا کہ تم لوگوں کو ابن الہیبانؑ کی بات یاد نہیں ہے

۱؎ اکثر لوگوں نے آپ کا نام اسد بغیر 'ی' کے لکھا ہے مگر استیعاب اور اسد الغابہ میں یہ تصریح ہے کہ صحیح اسید ہے۔ ابن ہشام نے بھی اسید ہی لکھا ہے۔ ابن ہشام ج ۲ ص ۱۶۹، اصابہ ج ۱ ص ۳۳۔

۲؎ هدلی، هٰذه النسبة الی الهدال اخوة بنی قریظة ودعونهم رای نسبهم ج ۱۸ ص ۲۴۶ لسان)من بنی قریظة (سمعانی) بنو ہدل بنی قریظہ ہی کی ایک شاخ ہے۔   ۳؎ ابن ہشام ج ۲ ص ۱۶۹۔

۴؎ ابن الہیبان ایک یہودی عالم تھا جو شام سے مدینہ چلا آیا تھا۔ مدینہ کے یہود قحط اور دوسری مصیبتوں کے وقت اس سے دعائیں کراتے تھے۔ جب اس کے انتقال کا وقت آیا تو اس نے یہود کو جمع کیا اور کہا کہ تمہیں معلوم ہے کہ میں شام جیسی سرسبز وشاداب جگہ چھوڑ کر مدینہ جیسی غیر شاداب جگہ کیوں چلا آیا؟ میں یہاں اس لیے آیا تھا کہ مجھے ایک نبی کا انتظار تھا جو یہاں ہجرت کر کے آئے گا، میں اگر زندہ رہتا تو اس کا اتباع کرتا، دیکھو! تم لوگ اس کی اطاعت سے گریز نہ کرنا، ورنہ یہ اعراض تمہارے قتل کا سبب بنے گا۔ چنانچہ بنو قریظہ نے اس سے وعدہ کیا کہ ہم لوگ ایسا ہی کریں گے۔ جنگ قریظہ کے روز حضرت اسید نے اسی وعدہ کی طرف اشارہ کیا تھا۔ اصابہ ج ۱ ص ۳۳ و ابن ہشام ج ۱ ص ۱۳۷۔

کہ تم نے کیا وعدہ کیا تھا؟ اے یہود! اللہ سے ڈرو! اور اس نبی برحق کا اتباع کرو! مگر یہود نے اتباع کرنے اور اسلام قبول کرنے سے گریز کیا۔ حضرت اسیدؓ اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام قبول کیا، اور اپنے اہل و عیال اور مال و دولت کو اللہ کی حفاظت میں دے کر بچا لیا[1]۔

وفات | آپ کے سنہ وفات کی تصریح تو نہیں ملتی، مگر بخاری کے بیان سے اتنا پتہ چلتا ہے کہ عہدِ نبوئی میں اس دار فانی کو چھوڑ چکے تھے[2]۔

فضل و کمال | جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ان کو پورے طور سے یقین ہو گیا کہ نبی موعود آپ ہی ہیں تو ان کو آپ کے اتباع سے کوئی تعلق اور رشتہ نہ روک سکا اگو آپ کو اس راہ میں نشانۂ ملامت و مصیبت بننا پڑا۔ چنانچہ جب آپ اسلام لائے تو یہود نے مختلف طریقے سے آپ کو ستانا شروع کیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی[3]۔

لَيْسُوْا سَوَآءً مِّنْ اَهْلِ	سب اہل کتاب برابر نہیں ہیں، ان میں ایک
الْكِتَابِ اُمَّةٌ قَآئِمَةٌ	جماعت ہے جو (دین) پر قائم ہے اور رات
يَّتْلُوْنَ اٰيَاتِ اللّٰهِ اٰنَآءَ	کے اوقات میں وہ اللہ کی آیات کی تلاوت کرتی
الَّيْلِ وَهُمْ يَسْجُدُوْنَ ۔	ہے اور وہ نمازی بھی ہیں۔

(آل عمران)

زندگی کے اور حالات پردۂ خفا میں ہیں۔ ثعلبہ آپ کے ایک بھائی تھے جن کا ذکر آگے آئے گا۔

---

[1] استیعاب ذکر اسید ج ۱ ص ۳۶ [2] ایضاً

[3] استیعاب ج ۱ ص ۳۶ و اصابہ [illegible] ص ۱۳۔

(۴) حضرت اسدؓ بن عبید

نام ونسب | اسد نام، باپ کا نام عبید تھا۔ آپ بھی قبیلہ ہدل کے ایک فرد تھے[1]۔

اسلام | بنو قریظہ کو آپ نے بھی بہت کچھ سمجھایا، مگر جب وہ اپنی ضد پر اڑے رہے تو حضرت اسید کیساتھ انھوں نے بھی اپنے اہل خاندان سے رشتہ توڑ کر اسلام سے جوڑ لیا اور پھر اس سے کبھی علٰحدہ نہیں ہوئے[2]۔

وفات | آپ کی وفات کے متعلق کوئی تصریح نہیں مل سکی۔

عام حالات | زندگی کے عام حالات کے متعلق بھی کوئی اور تفصیل نہیں مل سکی، صاحب تجرید[3] نے لکھا ہے کہ

له ذکر من وجه عجیب — عجیب وغریب طور سے ان کا ذکر ملتا ہے۔

غالباً اس سے ابن الہیبان کے واقعہ کی طرف اشارہ ہے[4]۔ واللہ اعلم بالصواب۔

فضائل | آپ بھی ان صحابہ میں ہیں جن کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی[5]۔

لَیْسُوْا سَوَآءً مِّنْ اَھْلِ الْکِتٰبِ اُمَّۃٌ یَّتْلُوْنَ اٰیٰتِ اللّٰہِ — سب اہل کتاب برابر نہیں ہیں ان میں سے ایک جماعت (دین) پر قائم ہے جو رات کے اوقات میں وہ اللہ کی آیات کی تلاوت کرتی ہے۔

(آل عمران)

---

[1] استیعاب ج ۱ ص ۳۰ [2] اصابہ، استیعاب و ابن ہشام ج ۲ ص ۱۶۹

[3] تجرید تذکرہ اسد [4] جن کا ذکر اوپر آچکا ہے۔ [5] استیعاب ج ۱ ص ۳۶

(۵) حضرت اسدؓ بن کعب القرظی

نام ونسب اسد نام، باپ کا نام کعب[1] بن اسد تھا۔ یہود مدینہ کے مشہور قبیلہ بنو قریظہ سے آپ کا نسبی تعلق تھا، حافظ ابن حجر کے علاوہ ارباب رجال میں سے کسی نے آپ کا ذکر[2] مستقل طور سے نہیں کیا ہے۔ البتہ ابن جریر میں تفسیر میں اس آیت کے ضمن میں آپ کا اور آپ کے بھائی اسید کا نام لیا ہے۔

من اهل الكتب امة قائمة — اہل کتاب میں سے ایک جماعت ہے جو اللہ کی آیات

يتلون آيات الله الخ — رات کے اوقات میں پڑھتی ہے۔

اسلام زمانہ قبول اسلام کے متعلق کوئی تفصیل نہیں ملتی، غالباً قریظہ کے روز یا اس کے بعد اسلام قبول کیا۔ آپ کا تذکرہ عموماً حضرت عبد اللہؓ بن سلام وغیرہ کے ساتھ آتا ہے۔

فضل وکمال آپ بھی ان آیات کے مورد اور مصداق ہیں جو دوسرے اہل کتاب صحابہ کے بارے میں نازل ہوئی ہیں۔ قبول اسلام کے بعد یہود نے آپ کو طعن وتشنیع کا ہدف بنالیا تھا۔ لیکن یہ سب کچھ آپ نے خندہ پیشانی کے ساتھ برداشت کیا مگر اپنا رشتہ اسلام سے جوڑنے کے بعد پھر کبھی نہیں توڑا، گو اور تمام رشتے ٹوٹ گئے۔ یہ آپ کی سب سے بڑی فضیلت ہے۔

---

[1] غالباً یہ وہی کعب ہے جس نے غزوۂ خندق میں قریش وغیرہ سے مدد دینے کا وعدہ کیا تھا، اور قریظہ کے روز قتل کیا گیا۔ یہ وہ کعب نہیں ہیں جو محمد بن کعب القرظی مشہور تابعی کے والد ہیں جن کے بارے میں روایتوں سے پتہ چلتا ہے کہ بنو قریظہ کے روز نابالغوں میں شمار کر کے چھوڑ دیے گئے تھے اور بعد میں مسلمان ہو گئے۔ اصابہ جلد ۱ ص ۳۳

[2] استیعاب میں ثعلبہؓ بن سلام کے حالات کے ضمن میں آپ کا نام بھی آیا ہے۔ ج ۱ ص ۸۰۔

۶ حضرت اسیدؓ بن کعب القرظی

نام ونسب | اسید نام، باپ کا نام کعب بن اسد تھا، آپ بھی بنو قریظہ ہی کے ایک فرد تھے اور حضرت اسدؓ کے جن کا تذکرہ اوپر ہوا ہے، بڑے یا چھوٹے بھائی تھے۔[1]

اسلام | ان کے قبول اسلام کے متعلق بھی متعین طور سے نہیں بتایا جا سکتا کہ کب قبول کیا۔ غالباً دونوں بھائی ساتھ ہی دائرہ اسلام میں داخل ہوتے ہوں گے، بھائی کی طرح زندگی کے دوسرے حالات پردہ خفا میں ہیں۔ آپ بھی ان تمام افضال وانعام الٰہی کے مورد ومستحق ہیں جن کے مستحق آپ کے بھائی حضرت اسدؓ ہیں۔

ابن جریرؒ نے اس آیت کے ضمن میں آپ کا نام بھی لیا ہے۔

مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ يَّتْلُوْنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ ۔ اہل کتاب میں ایک جماعت ہے جو اللہ کی آیات کی تلاوت کرتی ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ بھی ان مصائب کا شکار ہوتے ہوں گے جن کے آپ کے بھائی حضرت اسدؓ اور دوسرے اہل کتاب صحابہ ہوئے تھے۔

اصابہ ج ۱ ص ۵۰ [1] تفسیر طبری تفسیر آیت مذکورہ سورہ آل عمران

(۷) حضرت اشرف حبشیؓ

نام ونسب | اشرف[1] نام تھا، حبشہ یا شام کے رہنے والے اور عقیدۃً عیسائی تھے۔

اسلام | اپنے دوسرے رفقاء[2]، حضرت ابرہہؓ اور حضرت ادریسؓ وغیرہ کے ساتھ اسلام لائے۔

خدمتِ نبویؐ میں آمد | حضرت جعفرؓ کے ساتھ اہلِ حبشہ کا جو وفد خدمتِ نبویؐ میں آیا تھا اس میں آپ بھی تھے۔

وفات | وفات کے متعلق کوئی تفصیل نہیں مل سکی۔

فضل وکمال | آپ علمائے نصاریٰ میں تھے، حافظ ابن حجر نے آپ کے اوصاف کے سلسلے میں لکھا ہے کہ:

من رھبان الحبشة[3] حبشہ کے راہبوں میں سے تھے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا شمار علمائے نصاریٰ میں تھا، لیکن اسلام قبول کرنے کے بعد اسلامی علوم سے کہاں تک واقف ہوئے اس کی تفصیل نہیں ملتی اور نہ آپ سے کوئی روایت ہے۔

---

[1] حافظ ابن حجر نے صحابہ کی چار قسمیں قرار دی ہیں، ان کو قسم اول میں شمار کیا ہے جس سے ان کی اہمیت کی طرف اشارہ ہوتا ہے۔

[2] اوپر ان کا تذکرہ آچکا ہے۔ [3] اصابہ ج ۱ ص ۱۵۔

(۸) حضرت بحیرا الحبشیؓ

نام ونسب | بحیرا[1] نام، شام یا حبشہ کے رہنے والے اور عقیدۃً نصرانی تھے۔

اسلام | غالباً آپ نے بھی اپنے احباب حضرت اشرفؓ وثمامؓ وغیرہ کے ساتھ اسلام قبول کیا ہوگا۔

زیارت نبوی کا شرف | حضرت جعفرؓ کے ساتھ آپ بھی حبشہ سے مدینہ آئے اور زیارت نبوی سے مشرف ہوئے۔

وفات | وفات کا سنہ یا تاریخ معلوم نہیں ہو سکی۔

روایت | ابن عدی نے ایک ضعیف واسطہ سے آپ سے یہ ایک روایت نقل کی ہے۔

عن جعفر بن محمد بن علی	جعفر بن محمد اپنے دادا سے روایت
بن ابیہ عن جدہ قال	کرتے ہیں کہ انھوں نے بحیرا سے سنا۔
سمعت بحیرا الراھب	وہ بیان کرتے تھے کہ میں نے آنحضرت
یقول سمعت رسول اللہ	صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ اگر
صلی اللہ علیہ وسلم اذا	کسی شخص کو شراب کا ایک پیالہ

---

[1] یہ وہ بحیرا الراھب نہیں ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل نبوت شام میں ملے تھے۔ ابن اثیر نے دونوں کو ایک شمار کیا ہے۔ اس پر حافظ ابن حجر نے حضرت ابرہہؓ کے حالات میں بحث کرتے ہوئے لکھا ہے۔ یہ دوسرے بحیرہ ہیں، ابن اثیر کو غلط فہمی ہوئی ہے اور اسی لیے بحیرا الراھب کو انھوں نے قسم رابع میں داخل کیا ہے اور انھیں قسم اول میں، اصابہ ص ۳۶۔

شراب الرجل کاساً مِن خمرٍ[1] الخ — پلایا جاتے۔

اور روایت کرنے کے بعد خود ہی جرح بھی کی ہے، جرح کے الفاظ یہ ہیں:

هذا حديث منكر ولهٗ — یہ منکر حدیث ہے، ان کے علاوہ بحیرا

اسمع بحيرا عند غير هذا — کی کوئی اور حدیث نہیں۔

---

[1] بقیہ الفاظِ حدیث جستجو و تلاش کے بعد بھی نہیں ملے، تجرید ج ۱ ص ۳۶۔

[2] حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ صاحب حدیث بحیرا راہب شامی ہیں۔ یہ غلط ہے۔ اگر حدیث صحیح ہے تو یہ وہی بحیرا ہیں جو حبشہ سے حضرت ابرہہؓ کے ساتھ آئے تھے۔ اصابہ ج ص ۱۳۹

(۹) حضرت بشیرؓ بن معاویہ

نام ونسب بشیر نام، ابوعلقمہ کنیت، باپ کا نام معاویہ تھا، اسقف نجران کے بھائی تھے۔

اسلام اہلِ نجران کے پاس جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نامۂ مبارک پہنچا تو انھوں نے ایک وفد آپ کی خدمت میں دریافت حال کے لیے بھیجا۔ یہ وفد مدینہ سے نجران واپس ہوا تو راستے میں اسقف رئیس وفد نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس نامۂ مبارک کو پڑھنا شروع کیا۔ اتفاق سے اسی اثنا میں بشیر کی اونٹنی کو ٹھوکر لگی اس پر انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں کچھ نا ملائم الفاظ استعمال کیے۔ اسقف نے ڈانٹا ڈانٹا اور کہا وہ نبی صادق ہیں۔ حضرت بشیرؓ کے دل میں یہ بات گھر کر گئی۔ انھوں نے فرمایا کہ جب وہ نبی صادق ہیں تو خدا کی قسم جب تک ان کی خدمت میں نہ پہنچ جاؤں، اونٹنی کا کجاوہ نہ کھولوں گا، چنانچہ شوق ووارفتگی میں یہ اشعار پڑھتے ہوئے وہاں سے پھر مدینہ واپس ہوئے۔

الیک تغدوا قلقا وضینہا ۔ معترضا فی بطنہا فیہا

مخالفا دین النصاریٰ دینہا

اور خدمت نبوی میں پہنچ کر اسلام قبول کیا اور ساری زندگی دربار رسول کی غلامی میں گذار دی۔

شہادت غزوہ کی تصریح تو نہیں مل سکی، لیکن کسی غزوہ ہی میں شہادت پائی۔[1]

---

[1] اصابہ جلد اوّل صفحہ ۱۶۰، قریب قریب ان ہی کے واقعہ سے ملتا جلتا کرز بن علقمہ کا واقعہ بھی ہے، لیکن صاحب اصابہ نے ان کو دو شمار کیا ہے اور یہ دو اس لیے بھی ہیں کہ کرز کا واقعہ مدینہ جاتے ہوئے پیش آیا تھا اور بشیر کا واقعہ وہاں سے واپسی پر۔

(ت)

(۱۰) حضرت تمامؓ

نام ونسب | تمام نام، شام یا حبشہ کے رہنے والے اور عقیدہ کے اعتبار سے نصرانی تھے۔

اسلام | اوپر جن لوگوں کا تذکرہ ہوا ہے غالباً اپنے ان ہی رفقاء کے ساتھ انھوں نے بھی اسلام قبول کیا ہوگا۔

شرف زیارت | آپ بھی حضرت جعفرؓ کے ساتھ حبشہ سے آئے اور زیارت نبویؐ سے بہرہ مند ہوئے۔

وفات | وفات اور دوسرے حالات کے متعلق کوئی تصریح نہیں مل سکی۔ تجرید میں آپ کے متعلق یہ بھی ہے کہ بحیرا اور ابرہہ کے ساتھ آئے۔

وفد مع بحیرا وابرھہ	بحیرا اور ابرہہ کے ساتھ یہ بھی ساقط تمرہ
فی حدیث ساقط تمرۃ[1]	والے واقعے میں تھے۔

آپ بھی ان تمام فضائل اور انعام کے مورد ہیں جس کے مورد دوسرے اہل کتاب صحابہ ہیں۔

---

[1] حدیث کا پورا متن بڑی کاوش کے بعد بھی نہیں مل سکا، اصابہ ج ۱ ص ۱۸۳، تجرید ج ۱ ص ۶۱۔

(۱۱) حضرت تمیم الحبشی رضؓ

نام ونسب | تمیم نام، شام یا حبشہ کے رہنے والے اور عقیدہ کے اعتبار سے عیسائی تھے۔

اسلام | آپ کے چند احباب کا تذکرہ ہو چکا ہے، غالباً آپ نے بھی حبشہ میں ان کے ساتھ اسلام قبول کیا ہوگا۔

شرف زیارت | حبشہ کے وفد کے ساتھ آپ بھی مدینہ آئے اور شرف زیارت نبویؐ سے بہرہ ور ہوئے۔

روایت | آپ سے کوئی روایت نہیں ہے[1]۔

وفات وعام حالات کے متعلق کوئی تفصیل نہیں ملتی۔

---

[1] اصابہ اور اسد الغابہ۔

(۱۲) حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ

نام و نسب تمیم نام، ابو رقیہ کنیت، داری نسبت ہے،[1] پورا سلسلہ نسب یہ ہے۔ تمیم بن اوس بن خارجہ ابن سور بن خزیمہ بن ذراع بن عدی بن الدار بن ہانی بن حبیب بن نمارہ بن لخم بن عدی بن عمر بن سبا،

ابن ہشام نے عمرو و سبا کے درمیان دو ایک نام اور بڑھائے ہیں۔ شام کے رہنے والے تھے، قبیلہ لخم[2] سے نسبی تعلق تھا، اور مذہباً عیسائی تھے۔

اسلام سنہ ۹ھ میں اپنے بھائی نعیم کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور مشرف باسلام ہوئے۔[3]

غزوات اسلام لانے کے بعد سے جتنے غزوات پیش آئے سب میں شریک ہوئے،[4] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کفاف کے لیے شام میں قریۂ عینون کا ایک حصہ آپ کو دے دیا تھا اور اس کی تحریری سند بھی لکھ دی تھی مگر دیار محبوب کی محبت نے وطن کی محبت فراموش کر دی، چنانچہ

---

[1] حافظ ابن عبد نے داری کی نسبت کی یہ وجہ بتائی ہے کہ لخم کی ایک شاخ دار ہے اور یہ نسبت اسی کی طرف ہے، مگر یہ توجیہہ صحیح نہیں ہے، بلکہ صحیح یہ ہے کہ ان کے اجداد میں ایک شخص کا نام دار ہے جیسا کہ سلسلہ نسب میں مذکور ہے، یہ نسبت اسی کی طرف ہے۔ اس کی تائید سمعانی کے اس بیان سے بھی ہوتی ہے۔ فاما النسبة الی الجد فمنهم ابو رقیه الداری (سمعانی ص ۲۱۹ ذکر داری)۔

[2] لخم و جذام یمن کے رہنے والے تھے جو شام میں آ کر اقامت پذیر ہو گئے تھے (سمعانی ذکر لخم ص ۴۹۵)۔

[3] اصابہ، استیعاب، ابن سعد۔ [4] ابن سعد، اسد الغابہ۔

عہدِ نبوی کے بعد خلفائے ثلاثہ کے زمانے تک آپ مدینہ ہی میں رہے۔ حضرت عثمان رضؓ کی شہادت کے بعد جب فتنہ و فساد شروع ہوا تو آپ با دلِ ناخواستہ مدینہ چھوڑ کر اپنے وطن شام چلے گئے[1]۔

آپ جب شام سے مدینہ آئے تو آپ ساتھ کچھ قندیلیں اور تھوڑا سا تیل بھی لیتے آئے۔ مدینہ پہنچ کر قندیلوں میں تیل ڈال کر مسجد نبویؐ میں لٹکا دیں اور جب شام ہوئی تو انھوں نے انھیں جلا دیا۔ اس سے پہلے مسجد میں روشنی نہیں ہوتی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لائے اور مسجد کو روشن پایا تو دریافت فرمایا کہ مسجد میں روشنی کس نے کی ہے۔ صحابہ کرام نے حضرت تمیمؓ کا نام بتایا۔ آپ بیحد خوش ہوئے ان کو دعائیں دیں اور فرمایا اگر میری کوئی لڑکی ہوتی تو میں تمیمؓ سے اس کا نکاح کر دیتا۔ اتفاق سے اس وقت نوفل بن حارث موجود تھے۔ انھوں نے اپنی بیوہ[2] صاحبزادی ام المغیرہ کو پیش کیا۔ آپ نے اسی مجلس میں ام المغیرہ سے حضرت تمیمؓ کا نکاح کر دیا[3]۔

وفات | مدینہ سے واپسی کے بعد گوشہ نشینی اختیار کر لی اور آخر عمر تک زاہدانہ اور درویشانہ زندگی بسر کی[4]۔ سنہ۴۰ھ میں داعیِ اجل کو لبیک کہا اور بیت جبرون[5] میں مدفون ہوئے۔

اولاد | آپ کے کوئی اولادِ نرینہ نہ تھی۔ صرف ایک صاحبزادی رقیہ تھیں، جن کی نسبت سے

---

[1] ابن سعد جزء۴ قسم ۲ ص ۱۱۳، اسد الغابہ کے بیان سے پتہ چلتا ہے کہ آپ مستقل طور پر شام ہی میں رہتے تھے مگر ابن سعد کا بیان زیادہ صحیح ہے کہ اسلام لانے کے بعد مدینہ ہی میں قیام پذیر ہو گئے تھے، حضرت عثمانؓ کے بعد مستقل طور سے شام واپس چلے گئے۔

[2] پہلے ان کا نکاح براء یا ابوالبراء سے ہوا تھا۔ [3] اسد الغابہ ج ۵ ص ۱۲۵۔

[4] ارباب طبقات میں آپ کا سنہ وفات نہیں ہے البتہ تہذیب التہذیب میں ہے کہ آپ کی قبر پر کچھ ایسے نشانات پائے گئے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی وفات سنہ۴۰ھ میں ہوئی۔ تہذیب ص ۵۱۲ جلد ۱۔

[5] اصابہ میں جبرین ہے اور تہذیب میں جیرون، میں نے تہذیب ہی کے بیان کو اختیار کیا تہذیب ص ۵۱۳ سمعانی ج ۱ ص ۲۱۹۔

آپ کی کنیت ابورقیہ ہے۔

علم وفضل اسلام سے پہلے آپ کا شمار علمائے نصاریٰ میں تھا۔ قبول اسلام کے بعد علمی ذوق قرآن مجید کی جانب منتقل ہوگیا اور اس سے پوری واقفیت پیدا کی۔ قتادہ کا قول ہے کہ:

کان من علماء اهل الکتابین[۱] آپ کا شمار انجیل وقرآن کے علماء میں تھا۔

بعض لوگوں[۲] نے آپ کا شمار ان صحابہ میں کیا ہے، جنھوں نے عہد نبوی میں قرآن جمع کیا تھا۔

تراویح کی امامت فتح الباری میں ہے کہ جب حضرت عمرؓ نے تراویح باجماعت قائم کی تو مردوں کا امام ابیؓ بن کعب کو اور عورتوں کا امام تمیمؓ داری کو مقرر کیا۔[۳]

ایک روایت آپ کا سب سے بڑا شرف یہ ہے کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے ایک واقعہ مسلم میں موجود[۴] ہے، روایت کیا ہے، اس کے علاوہ بہت سے کبار صحابہ اور تابعین نے بھی آپ سے روایتیں کی ہیں، مثلاً عبداللہؓ بن عمر، ابن عباسؓ، ابوہریرہؓ، انسؓ بن مالک، زراہ بن عوفی، وروح بن زنباع، عبداللہ ابن موہب، عطاء بن یزید اللیثی، شہر بن حوشب، عبدالرحمٰن بن غنم[۵]، سلیم بن عامر، شرجیل بن مسلم، قبیصۃ بن ذویب، کثیر بن مرہ، ازہر بن عبداللہ وغیرہ[۶]۔

چونکہ آپ متاخر الاسلام تھے، اس لیے آپ کی روایتوں کی تعداد کچھ زیادہ نہیں ہے۔ مسند میں ۱۲ احادیثیں آپ کی سند[۷] سے درج ہیں۔

اتباع سنت اور مواظبت عمل آپ کو اتباع سنت کا بڑا لحاظ تھا اور جس سنت پر ایک مرتبہ عمل شروع

---

[۱] تہذیب ایضاً [۲] ابن سعد جزء ۲ قسم ۲ ص ۱۱۳۔

[۳] فتح الباری ص ۲۱۹ ج ۱۔ بعض روایتوں میں تمیم داری کے بجائے سلمان بن حثمہ کا نام ہے۔ ائمہ حدیث نے اس کی یہ توجیہ کی ہے کہ دونوں آدمی مختلف اوقات میں اس خدمت پر متعین ہوئے۔

[۴] محدثین نے اسی روایت سے روایۃ الکبار عن الصغار ایک مستقل اصول روایت بنالیا ہے اور یہی اس کی پہلی مثال ہے۔

[۵] مسلم شریف ذکر جاسہ[۶] تہذیب التہذیب ص ۵۱۱ [۷] یہ تین نام استیعاب میں درج ہیں۔

کر دیتے اس پر ہمیشہ مواظبت کرتے۔ چنانچہ معمول تھا کہ نماز عصر کے بعد دو رکعت نماز نفل ادا فرماتے تھے۔ حضرت عمرؓ کا دستور تھا کہ جن لوگوں کو نماز عصر کی ادائیگی کے بعد نفل پڑھتے دیکھتے انھیں منع فرماتے اور بعض اوقات سزا بھی دیتے۔ ایک مرتبہ تمیم داری سے بھی اس کے متعلق فرمایا تو آپ نے حضرت عمرؓ کو درشت لہجہ میں جواب دیا کہ:

لا ادعهما صليتهما مع	میں ان دو رکعتوں کو ہرگز نہیں چھوڑوں گا
من هو خير منك رسول الله	میں نے تو یہ دو رکعتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ
صلى الله عليه وسلم۔	وسلم کے ساتھ پڑھی ہیں جو تم سے بہتر ہیں۔

یہ سُن کر حضرت عمرؓ نے پھر کوئی باز پرس نہیں کی، اور فرمایا کہ اگر تمام لوگ تمھاری ہی طرح ہو جائیں تو مجھے کوئی پروا نہیں[1]۔

حصول ثواب کے لیے کام | ایک مرتبہ روح بن زنباع آپ کی خدمت میں گئے تو دیکھا کہ گھوڑے سے کے لیے جو صاف کر رہے ہیں اور گھر کے تمام لوگ آپ کے گرد بیٹھے ہوئے ہیں۔ روح نے عرض کیا۔ کیا ان لوگوں میں سے کوئی شخص ایسا نہیں ہے جو اس کام کو کر سکے۔ آپ نے فرمایا یہ ٹھیک ہے لیکن میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے کہ:

ما من امرء مسلم ينقي	جب کوئی مسلمان اپنے گھوڑے کے لیے دانہ
لفرسه شعيرا ثم يعلفه	صاف کرتا ہے اور پھر اس کو کھلاتا ہے تو ہر
عليه كتب له بكل حبة حسنة[2]	دانہ کے بدلے اسے ایک نیکی ملتی ہے۔

اس لیے میں خود اپنے ہاتھ سے کام کرتا ہوں، تاکہ ثواب سے محروم نہ رہ جاؤں۔

عبادت | آپ کا شمار ان صحابہ میں تھا جو زہد و تقویٰ، عبادت و ریاضت میں ضرب المثل تھے، مشکل ہی سے کبھی آپ کی نماز تہجد ناغہ ہوتی، تہجد میں بسا اوقات ایک آیت اتنی بار دہراتے کہ پوری رات ختم ہو جاتی۔ ایک مرتبہ آپ تہجد میں جب اس آیت:

---

[1] مسند ص ۱۰۳ [2] مسند جلد ۴ ص ۱۰۳ [3] ایضاً ص ۱۰۳

ام حسب الذین اجترحوا السیّات	جو لوگ بُرے کام کرتے ہیں کیا وہ گمان کرتے ہیں کہ
ان نجعلھم کالذین اٰمنوا وعملوا	ہم ان کو ان کے برابر رکھیں گے جنھوں نے ایمان و عمل صالح
الصّٰلحٰت سواء محیاھم ومماتھم (جاثیہ)	کو اختیار کیا کہ ان سب کا مرنا جینا برابر ہو جائے۔

پر پہنچے تو اسی کو رات بھر دہراتے رہے، یہاں تک کہ صبح ہو گئی۔[1]

محمد بن سیرین بیان فرماتے ہیں کہ کبھی کبھی ایک رکعت میں پورا قرآن ختم کر دیتے تھے۔[2]

انھوں نے ایک بہت قیمتی جوڑا خریدا تھا جس روز ان کو شب قدر کی توقع ہوتی تھی اسے اس روز پہنتے تھے۔[3]

ریا سے پرہیز | بایں ہمہ اپنی عبادت کو لوگوں پر ظاہر نہیں ہونے دیتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک شخص نے آپ سے سوال کیا کہ آپ رات میں کتنی نمازیں پڑھتے ہیں۔ آپ اس سوال پر بہت ناراض ہوئے اور فرمایا کہ ایک رکعت نماز جسے میں رات کی تنہائی میں پڑھوں، وہ مجھے اس بات سے زیادہ محبوب ہے کہ میں رات بھر نماز پڑھوں اور صبح کو سب سے بیان کرتا پھروں۔[4]

مسجد میں روشنی کی ابتداء | یہ آپ کا بہت بڑا شرف ہے کہ آپ نے مسجد میں روشنی کی سنت حسنہ جاری کی۔ ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تمیم داریؓ پہلے شخص ہیں جنھوں نے مسجد میں چراغ جلانے اور روشنی کرنے کی ابتداء کی۔[5]

ایک کرامت | حضرت عمرؓ کے زمانۂ خلافت میں ایک مرتبہ مقام حرہ میں آگ لگی۔ حضرت عمرؓ حضرت تمیم داریؓ کے پاس آئے اور ان سے واقعہ بیان کیا۔ حضرت تمیمؓ وہاں گئے اور بے خطر آگ میں گھس گئے اور اسے بجھا کر صحیح و سالم واپس چلے آئے۔ حضرت عمرؓ آپ کو خیر اہل المدینہ (مدینہ کے سب سے اچھے اور نیک آدمی) فرمایا کرتے تھے۔[6]

حلیہ و لباس | خوش پوش، خوش وضع اور خوبصورت آدمی تھے۔[7]

---

[1] اصابہ، اسد الغابہ، نسائی میں بھی یہ روایت ہے۔ [2] تہذیب التہذیب ذکر تمیم [3] صفوۃ الصفوۃ ج ۱ ص ۳۱۰۔

[4] ... [5] ابن ماجہ باب المساجد ص ۵۶ [6] اصابہ ج ۳ ص ۴۹۷ - [7] اسد الغابہ ص ۲۱۵ ج ۱

(ث)

۱۳۔ حضرت ثعلبہؓ بن سعیۃ الہدلی

نام ونسب ثعلبہ نام، باپ کا نام سعیہ، قبیلہ ہدل[1] جو بنو قریظہ کی ایک شاخ تھی اس سے نسبی تعلق تھا حضرت اسیدؓ جن کا اوپر ذکر آچکا ہے ان کے حقیقی بھائی تھے۔

اسلام جب بنو قریظہ کے قتل کا فیصلہ ہوا تو حضرت ثعلبہؓ قبیلہ کے دو تین نوجوانوں کے ساتھ اہل قبیلہ کے پاس گئے اور ان کو ابن الہیبان[2] کی وصیت اور اس کا وعدہ یاد دلا کر سمجھانے کی کوشش کی اور اسلام قبول کرنے کی ترغیب دی۔ لیکن جب یہ کوشش بے سود رہی تو اپنے بھائی حضرت اسیدؓ اور قبیلہ کے ایک اور نوجوان اسد بن عبید کیساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر خود اسلام قبول کیا۔[3]

آپ کی زندگی کے اور دوسرے حالات نہیں مل سکے۔

وفات سنہ وفات کی تصریح نہیں مل سکی البتہ امام بخاری کے بیان سے اتنا پتہ چلتا ہے کہ حیات نبوی ہی میں وہ اس دار فانی کو چھوڑ چکے تھے[4]

---

[1] اس کی تحقیق حضرت اسیدؓ کے حالات میں گذر چکی ہے۔

[2] پورا قصہ حضرت اسیدؓ کے حالات میں لکھا جا چکا ہے۔

[3] اصابہ ذکر اسید ج ۱ ص ۳۳، بعض لوگوں کا خیال ہے کہ حضرت عبداللہ بن سلام کے ساتھ اسلام لائے مگر صاحب اسد الغابہ نے اس کی تردید کی ہے۔ ابن ہشام وغیرہ کا بیان بھی اس کے خلاف ہے اسد الغابہ ج ۱ ص ۲۴۱ و ابن ہشام ج ۲ ص ۱۶۹۔

[4] اسد الغابہ ج ۲ ص ۲۴۱۔

فضل وکمال | اہل کتاب صحابہ کے عام فضائل و محامد کے ساتھ..... حضرت ثعلبہؓ ابن سعیہ کو یہ شرف بھی حاصل ہوا کہ جب حضرت ریحانہؓ غزوہ بنو قریظہ میں گرفتار ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئیں، تو آپ کی خواہش ہوئی کہ وہ اسلام قبول کرلیں، مگر وہ کسی طرح اس پر راضی نہ ہوئیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے اسلام نہ لانے کا بیحد رنج تھا۔ ایک روز آپ صحابہ کرامؓ کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے کہ حضرت ثعلبہؓ ابن سعیہ آئے اور آہستہ سے آپ سے حضرت ریحانہؓ کے اسلام قبول کر لینے کی خوشخبری سنائی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسرت آمیز لہجہ میں حاضرین سے فرمایا کہ ثعلبہ ریحانہ کے اسلام کی خوشخبری لے کر آئے ہیں۔ (ابن ہشام جلد ۲)۔

۱۴۔ حضرت ثعلبہؓ بن سلام

نام ونسب ثعلبہ نام ۔ باپ کا نام سلام ۔ حضرت عبداللہؓ بن سلام کے بھائی تھے ۔ پورا سلسلۂ نسب عبداللہؓ بن سلام کے تذکرے میں آئے گا ۔

اسلام آپ کے اسلام لانے کا زمانہ متعین نہیں کیا جاسکتا ، مگر اتنا معلوم ہے آپ عبداللہ بن سلام کے بعد اسلام لائے[1]

وفات آپ کی وفات کے بارے میں بھی کوئی تصریح نہیں ملتی اور نہ آپ کی زندگی کے عام حالات اور کارنامے کے متعلق کوئی تذکرہ ملتا ہے ۔

---

[1] اصابہ جلد ۲ ۔

۱۵۔ حضرت ثعلبہؓ بن قیس

نام ونسب ثعلبہ نام، باپ کا نام قیس، یہود مدینہ سے تھے، مگر یہ تصریح نہیں مل سکی کہ کس قبیلہ سے تعلق تھا۔

اسلام صحیح طور سے نہیں کہا جا سکتا کہ آپ نے کب اسلام قبول کیا، لیکن چونکہ ان آیتوں کی تفسیر کے ضمن میں جو اہل کتاب صحابہ کے بارے میں نازل ہوئیں۔ آپ کا نام عبداللہ بن سلام وغیرہ کے ساتھ آتا ہے، اس لیے یہ کہا جا سکتا ہے کہ آپ متقدم الاسلام ہوں گے۔

وفات سنہ وفات کے متعلق بھی کوئی تصریح نہیں مل سکی۔

فضائل یوں تو ان تمام فضائل وانعام کے آپ بھی مستحق ہیں جن کے دوسرے اہل کتاب صحابہ مستحق ہیں، لیکن ذیل کی دو آیتوں کے ضمن میں خصوصیت سے آپ کا نام بھی مفسرین لیتے ہیں جب کفار قریش آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کے متعلق مختلف قسم کے شکوک وشبہات پیدا کرنے لگے تو اس کے لیے ایک ثبوت یہ بھی پیش کیا گیا۔

اَوَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ اٰيَةً اَنْ يَّعْلَمَهٗ عُلَمٰٓؤُا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ[۱]

کیا ان کے لیے یہ بات دلیل نہیں ہے کہ اس کو (قرآن) علمائے بنی اسرائیل جانتے ہیں۔

---

[۱] سورہ شعرا یقیناً مکی ہے، مگر اس کی پانچ آیتوں کے نزول کے بارے میں مفسرین کے مختلف اقوال ہیں جو لوگ اس آیت کو بھی مدنی کہتے ہیں، ان کے نزدیک تو کوئی اشکال نہیں ہے لیکن جو لوگ اس کو مکی کہتے ہیں ان کے سامنے یہ اشکال آتا ہے کہ مکہ میں علمائے بنی اسرائیل کہاں تھے۔ اس کا انھوں نے یہ جواب دیا ہے کہ کفار مکہ نے مدینہ کے علمائے یہود سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق دریافت کرایا تھا تو انھوں نے جواب دیا کہ وہ زمانہ یہی ہے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ بہرحال دونوں صورتوں میں آیت کے مخاطب یہی حضرات ہیں۔

علما سے جو لوگ مراد ہیں مفسرین ان میں حضرت ثعلبہؓ کا نام بھی لیتے ہیں۔ ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عبداللہؓ بن سلام اور حضرت ثعلبہؓ وغیرہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انھوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ہم لوگ آپ پر، قرآن پر، حضرت موسیٰ اور توریت اور حضرت عزیرؑ پر تو ضرور ایمان لاتے ہیں مگر اس کے علاوہ تمام کتب و رسل کو ماننا ضروری نہیں سمجھتے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا آمِنُوا	اے ایمان والو ایمان لاؤ اللہ اور اس
بِاللهِ وَرَسُولِهِ وَالْكِتَابِ	کے رسول پر اور اس کی کتاب پر جو اللہ
الَّذِي نَزَّلَ عَلَى رَسُولِهِ	نے اپنے رسولؐ پر اتاری اور ان کتابوں
وَالْكِتَابِ الَّذِي أَنْزَلَ	پر جن کو اللہ نے اس سے پہلے
مِنْ قَبْلُ۔ (نساء)	اتارا ہے۔

زندگی کے دوسرے حالات و کمالات پردۂ خفا میں ہیں۔

۱۶ - حضرت ثعلبہؓ بن ابی مالک

نام و نسب ثعلبہ نام، ابو یحییٰ کنیت، حضرت ابو مالکؓ صحابی کے جن کا تذکرہ آگے آئے گا۔ صاحبزادے تھے۔ اصلی وطن یمن تھا۔ آپ کے والد ترک وطن کر کے مدینہ آ گئے اور یہیں سکونت اختیار کر لی۔

اسلام اپنے والد کی طرح خود بھی حلقہ بگوشِ اسلام ہوئے، اور بہ اختلافِ روایت[1] شرفِ صحبت سے بھی سرفراز ہوئے۔

اصابہ میں مصعب الزبیری کی ایک روایت سے پتہ چلتا ہے کہ غزوۂ بنی قریظہ کے روز جو بچے نابالغ ہونے کی وجہ سے چھوڑ دیے گئے تھے۔ ان میں حضرت ثعلبہؓ بھی تھے۔ امام بخاریؒ نے تاریخ الکبیر میں لکھا ہے کہ:

---

[1] ان کے صحابی ہونے میں ارباب رجال کی روایتیں مختلف ہیں۔ اصابہ اور تاریخ کبیر کی روایتوں سے پتہ چلتا ہے کہ وہ غزوۂ بنی قریظہ کے وقت اچھے خاصے بڑے تھے جس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ جب انھوں نے اسلام قبول کیا ہوگا تو وہ سن شعور کو پہنچ گئے تھے۔ اسد الغابہ میں ہے کہ ولد علی عھد النبی صلی اللہ علیہ وسلم (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں پیدا ہوئے) جس سے ان کی صحابیت اور عدم صحابیت دونوں کا احتمال ہے۔ ابن حاتم اور ابن حبان نے ان کو زمرۂ تابعین میں شمار کیا ہے۔ یحییٰ ابن معین فرماتے ہیں لہ رویۃ (انھیں دیدار نبویؐ حاصل ہوا)، حافظ ابن حجرؒ نے اصابہ میں تو احتمال کا اظہار کیا ہے لیکن تہذیب التہذیب میں لکھا ہے کہ حضرت ثعلبہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی ہے، اور ان سے بغیر کسی واسطہ کے روایت بھی کی ہے۔

ان تمام بیانات سے اندازہ ہوتا ہے کہ زیادہ تر ارباب رجال کا رجحان ان کی صحابیت کی طرف ہے۔ گو تابعین میں داخل کرنے والے حضرات کے اقوال بھی بالکل نظر انداز نہیں کیے جا سکتے، لیکن میں نے حافظ ابن حجر کی اتباع میں انھیں صحابہ ہی کی فہرست میں رکھا ہے۔

كَانَ كَبِيرًا اَيَّامَ بَنِي قُرَيْظَةَ (جزء ۲ ق ۱)[1] غزوہ بنو قریظہ کے زمانے میں وہ بڑے تھے۔

بخاری کی اس روایت سے پتہ چلتا ہے کہ وہ بالکل بچے نہیں تھے بلکہ سن شعور کو پہنچ چکے تھے، لیکن بہر حال ان کے زمانۂ قبولِ اسلام کے متعلق کوئی صحیح تعیین نہیں کی جا سکتی۔

وفات | سنہ وفات کا علم نہیں ہو سکا۔

اولاد | ان کی دو اولاد ابو مالک اور منظور کا ذکر حافظ ابن حجر نے تہذیب میں کیا ہے لیکن دوسرے ارباب رجال نے صرف ابو مالک کا نام لیا ہے۔

علم و فضل | حضرت ثعلبہؓ کا گھرانہ علم و فضل میں ممتاز تھا۔ آپ کے والد حضرت ابو مالکؓ عہدِ عتیق کے عالم تھے۔ آپ کے دونوں صاحبزادے اور ایک بھتیجے محمد بن عقبہ صاحب علم و فضل اور صاحبِ روایت تھے۔ خود حضرت ثعلبہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور بڑے بڑے صحابہؓ سے روایتیں کی ہیں۔ مثلاً حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت حارثہؓ بن نعمان، حضرت جابرؓ اور ابن عمرؓ وغیرہ۔ ان میں سے حسب ذیل حضرات نے روایتیں کی ہیں۔ ان کے دونوں صاحبزادے، امام زہری، مسور بن رفاعہ، محمد بن عقبہ، صفوانؓ بن سلیم، ابن الہادؓ۔

امامت | قبیلہ بنو قریظہ کے جو لوگ مسلمان ہو گئے تھے ان کی نماز کی امامت کم عمری کے باوجود حضرت ثعلبہؓ ہی کے سپرد تھی۔ تہذیب میں ہے۔

وَكَانَ ثَعْلَبَةُ يَوْمَ بَنِي قُرَيْظَةَ غُلَامًا حضرت ثعلبہؓ بچپن کے باوجود بنی قریظہ کی امامت کرتے تھے

اس سے بھی معلوم ہوا کہ وہ غزوہ بنی قریظہ کے وقت کم سن تھے۔

---

[1] التاریخ الکبیر میں امام کا لفظ ہے لیکن حافظ ابن حجر نے امام بخاری کا یہی قول تہذیب میں نقل کیا ہے جس میں ایام بنی قریظہ ہے۔ اگر ایام کا لفظ صحیح ہے تو معنی یہ ہوئے کہ وہ غزوۂ بنی قریظہ کے وقت اچھی خاصی عمر کے تھے اور اگر امام کا لفظ مانا جائے تو اس مشہور روایت سے تطابق ہو جائے گا جس میں ہے کہ وہ بنی قریظہ کے امام تھے۔

[2] تہذیب ذکر ثعلبہ [3] تاریخ الکبیر ذکر ثعلبہ [4] تہذیب ذکر ثعلبہ۔

[5] تاریخ الکبیر ایضاً۔

(ج)

۱۷۔ حضرت جارودؓ بن عمرو

نام و نسب بشر نام، ابو منذر کنیت، جارود لقب، نسب نامہ یہ ہے جارود بن عمرو ابن معلی عبدی قبیلہ عبد قیس کے سردار تھے۔ جارود کا لقب ایک خاص واقعہ کی یادگار ہے زمانہ جاہلیت میں انہوں نے قبیلہ بکر بن وائل کو لوٹ کر بالکل صاف کر دیا تھا، جرد ؓ کے معنی بے برگ و بار کے ہیں۔ اس لیے جارود ان کا لقب پڑ گیا، اسی واقعہ کو بطور مثال ایک شاعر کہتا ہے۔

فدسناهم بالخيل من كل جانب　　كما جرد الجارود بكر بن وائل

ہم نے ہر طرف سے دشمن کو اپنے لشکر کے ذریعہ روند ڈالا جس طرح کہ جارود نے بکر بن وائل کو صاف کیا تھا۔

اسلام جارود مذہباً عیسائی تھے، قبیلہ عبد قیس کے وفد کے ساتھ سنہ ۱۰ھ میں مدینہ آئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سامنے اسلام پیش کیا، انہوں نے کہا محمدؐ میں ایک مذہب پر تھا اب تمہارے مذہب کے لیے اپنے مذہب کو چھوڑنے والا ہوں، میرے تبدیل مذہب کے بعد تم میرے ضامن ہو گے؟ فرمایا ہاں میں تمہارا ضامن ہوں، خدا نے تم کو تمہارے مذہب سے بہتر مذہب کی ہدایت کی ہے، اس مختصر سوال و جواب کے بعد جارود اسلام کے حلقہ بگوش ہو گئے، ان کے ساتھ ان کے اور ساتھی بھی مشرف باسلام ہوئے

۱؎ اسد الغابہ ج اول ص ۲۶۱، ۲؎ اصابہ اول تذکرہ جارودؓ، ۳؎ سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۳۶۶، بعض روایتوں میں ہے کہ جب وہ آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ جارود تم نے اور تمہاری قوم نے آنے میں بہت دیر کی، جارود نے معذرت پیش کی اور کہا کہ اب میں آپ کے پاس آیا ہوں، میں نے آپ کے صفات انجیل میں دیکھے ہیں۔ عیسیٰ علیہ السلام نے آپ کے آنے کی خوشخبری دی ہے، پھر آپ نے آنحضرتؐ سے کہا کہ آپ اپنا ہاتھ تو پھیلائیے پھر آپ نے کلمہ پڑھا اور دائرۂ اسلام میں داخل ہو گئے، تاریخ ابن عساکر ص ۳۵۶،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے اسلام لانے پر بڑی مسرت ہوئی، آپ نے ان کی بڑی عزت وتوقیر کی،[۱] قبول اسلام کے بعد وطن لوٹنے کا قصد کیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سواری مانگی، لیکن سواری کا انتظام نہ ہو سکا، تو جارود نے اجازت مانگی کہ یا رسول اللہ! راستے میں ہم کو دوسروں کی بہت سی سواریاں ملیں گی، ان کے استعمال میں لانے کی اجازت ہے؟ فرمایا نہیں انہیں آگ سمجھو، غرض جارود خلعت اسلام سے سرفراز ہونے کے بعد وطن واپس گئے۔[۲]

فتنۂ ارتداد | فتنۂ ارتداد میں ان کے قبیلہ کے بہت سے آدمی مرتد ہوگئے لیکن ان کے استقامت ایمانی میں کوئی تزلزل نہ آیا، چونکہ سردار قبیلہ تھے، اس لیے اپنے اسلام کا اعلان کرکے دوسروں کو ارتداد سے روکتے تھے۔[۳]

شہادت | حضرت عمرؓ کے زمانہ میں بصرہ میں اقامت اختیار کرلی اور ایران کی فوج کشی میں مجاہدانہ شریک ہوئے باختلاف روایت فارس یا نہاوند کے معرکہ میں شہید ہوئے۔[۴]

اولاد | آپ کے ایک صاحبزادہ منذر تھے، جن کی نسبت سے آپ کی کنیت ابو منذر ہے،

فضل وکمال | ابو مسلم الجذمی، ابو القموس، زید بن علی، اور محمد بن سیرین نے ان سے روایت[۵] کی ہے، جارود شاعر تھے، اشعار ذیل بارگاہ نبوی میں بطور نذر عقیدت پیش کیے تھے،[۶]

شہدت بان اللہ حق وسامحت بنات فوادی بالشہادۃ والنھض

میں نے گواہی دی کہ اللہ حق ہے اور میرے جذبات نے بھی اس شہادت اور عمل میں میرا ساتھ دیا

فابلغ رسول اللہ انی رسالۃ بانی حنیف حیث کنت من الارض

میری طرف سے رسول اللہؐ کو یہ پیغام پہنچا دو کہ میں زمین کے جس حصہ پر بھی رہوں گا موحد رہوں گا۔

---

[۱] اسد الغابہ جلد ۱ صفحہ ۲۶۱، [۲] سیرت ابن ہشام جلد ۲ صفحہ ۳۶۶، [۳] ایضاً۔
[۴] اصابہ جلد اول ص ۲۱۷، [۵] تہذیب التہذیب جلد ۲ صفحہ ۵۴،
[۶] اصابہ جلد اول ص ۲۲۶،

واجعل لنفسی دون کل ملمۃ　　لکم جنۃ من عرضکم عرضی

ہر مصیبت کے وقت میں اپنی جان پیش کردوں گا، اے مسلمانو! تمہاری عزت کے لیے میری عزت ڈھال ہے

فان لم تکن داری بیثرب فیکم　　فانی لکم عند الاقامۃ والحفض

اگرچہ میرا مستقل قیام یثرب میں نہیں ہے مگر اس عارضی اقامت میں بھی میں تمہارا ہی ہوں،

اخلاق | جارود کے صحیفۂ کمال میں آزادی، جرأت اور اظہار حق میں بے باکی کا عنوان نہایت جلی تھا، جس بات کو حق سمجھ لیتے تھے پھر اس کے اظہار میں وہ کسی کی پروا نہیں کرتے۔

ایک مرتبہ بحرین کے گورنر قدامہ بن مظعون کو بعض رومیوں نے شراب پیتے ہوئے دیکھا جارود کو اس کا علم ہوا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آکر کہا کہ امیر المومنین قدامہ نے شراب پی ہے، ان پر شرعی حد جاری کیجئے، آپ نے شہادت طلب کی، جارود نے ابوہریرہ کو پیش کیا، حضرت ابوہریرہؓ نے شہادت دی، کہ میں نے نشہ کی حالت میں قے کرتے ہوئے دیکھا ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قدامہ کو طلب کیا، وہ آئے، ان کے آنے کے بعد جارود نے پھر کہا، امیر المومنین کتاب اللہ کی رو سے حد جاری کیجئے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تمہیں اتنا اصرار کیوں ہے، تم گواہ ہو، مدعی نہیں ہو۔ تمہارا کام شہادت دینا تھا جسے تم پورا کر چکے، اس وقت جارود خاموش ہو گئے، لیکن دوسرے دن پھر اصرار کیا، شہادت ناکافی تھی، اس لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جارود کا بے جا اصرار ناگوار ہوا، اور فرمایا، تم تو مدعی بنے جاتے ہو، شہادت صرف ایک ہے، اس اعتراض پر جارود نے کہا، عمرؓ! میں تم کو خدا کی قسم دلاتا ہوں کہ حد میں تاخیر نہ کرو، آخر میں جارود کی بے جا ضد پر حضرت عمرؓ کو تنبیہ کرنا پڑی کہ جارود خاموش رہو، ورنہ میں بُری طرح پیش آؤں گا، اس تنبیہ پر جارود نے غضب آلود ہو کر کہا، عمرؓ! حق اس کا نام نہیں ہے کہ تمہارا ابن عم شراب پیئے اور تم اُلٹے مجھے بُرے سلوک کی دھمکی دو، آخر میں جب قدامہ کی بیوی نے شہادت دی تو حضرت عمرؓ نے حد جاری کرائی،[1]

---

[1] اس واقعہ کو تمام ارباب سیر نے قدامہ کے حالات میں لکھا ہے۔

روایت | آپ چونکہ متاخر الاسلام تھے اس لیے آپ کی روایتوں کی تعداد بہت ہی کم ہے، مسند میں یہ ایک روایت ہے،

ضالة المومن حرق النار[1] — مومن کی گم شدہ چیز کو جس نے اپنی ملکیت بنایا

.... — اس نے اپنے کو آگ میں جلایا۔

آپ سے صحابہ میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص اور تابعین میں ابو مسلم الجذامی، ومطرف ابن عبداللہ بن شخیر وزید بن علی و ابوالاحوص بن سیرین وغیرہ نے روایت کی،

---

[1] مسند ج ۵ ص ۸۰ یہ روایت کئی طرق سے مروی ہے۔

۱۸۔ حضرت جبرؓ

نام ونسب جبر نام، عبد اللہ بن الحضرمی کے غلام اور مذہباً یہودی تھے،

اسلام خدمت نبوی میں اکثر ان کی آمد ورفت رہا کرتی تھی، ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سامنے سورۂ یوسف تلاوت فرمائی، ان پر کلام الٰہی کا ایسا اثر ہوا کہ اسی وقت حلقہ بگوش اسلام ہو گئے[1]

تعذیب اور کتمان اسلام لیکن چونکہ وہ ابن حضرمی کے خاندان کے غلام تھے، اور اس خانوادہ نے ابھی تک اسلام قبول نہیں کیا تھا، اس لیے ان کو ڈر تھا کہ اگر وہ اسلام کا اظہار کرتے ہیں تو ان کی جان کی خیر نہیں، اس بنا پر انہوں نے اسلام قبول کیا، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے یہاں آمد ورفت یا کسی اور ذریعہ سے جب انہیں ان کے اسلام قبول کر لینے کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے ان پر سختی شروع کی اور ان کو دائرہ اسلام سے خارج ہونے پر مجبور کیا، لیکن اسلام کی تاثیر ایسی نہیں تھی کہ وہ ایک بار دل میں گھر کر جانے کے بعد زائل ہو سکے، چنانچہ ظاہری طور پر تو انہوں نے اسلام سے برأت کا اظہار کر دیا لیکن قلب کے سوز وگداز کا حال ویسا ہی تھا، چنانچہ قرآن نے ان کے متعلق فرمایا،

وقلبہ مطمئن بالایمان .... (اس کو کفر کے اظہار پر مجبور کیا گیا) لیکن اس کا قلب ایمان پر مطمئن ہے،

فتح مکہ اور آزادی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ میں تھے اسی وقت انہوں نے اسلام قبول کر لیا تھا لیکن فتح مکہ تک اپنے اسلام کو چھپاتے رہے جب مکہ فتح ہو گیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور اپنی تکالیف اور گذشتہ مشقتوں کا اظہار کیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خرید کر آزاد کر دیا آزادی کے بعد انہوں نے پوری زندگی بڑی فارغ البالی سے گزاری،

نکاح بنی عامر کی کسی معزز عورت سے ان کی شادی ہوئی تھی،[2] اصابہ جلد ۱ ص ۲۲۲۔

---

[1] اصابہ جلد ۱ ص ۲۲۱،

ذریعہ معاش تلوار اور برتن وغیرہ کی صفائی اور قلعی کا کام ان کا ذریعۂ معاش تھا[1]

فضائل بہت سی آیتوں کے سبب نزول کے ضمن میں ان کا نام بھی آتا ہے، طبری نے اس آیت کے ضمن میں

وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ	اور ہم کو معلوم ہے کہ یہ لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ
اِنَّمَا يُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ لِسَانُ	ان کو تو آدمی سکھاتا ہے، جس شخص کی طرف
الَّذِيْ يُلْحِدُوْنَ اِلَيْهِ اَعْجَمِيٌّ	اس کی نسبت کرتے ہیں اس کی زبان تو
وَّهٰذَا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُّبِيْنٌ	عجمی ہے، اور یہ قرآن صاف عربی ہے،

خصوصیت کے ساتھ ان کا نام لیا ہے،

---

[1] اصابہ جلد ۱ ص ۲۲۴،

۱۹۔ حضرت جبلؓ

نام ونسب | جبل نام، قبیلہ ذبیان سے نسبی تعلق تھا مگر یہود بنی قریظہ کے ساتھ مدینہ میں رہتے تھے۔ پورا سلسلۂ نسب یہ ہے۔ جبل بن جوال بن صفوان بن بلال بن اصرم بن لویاس بن عبد غنم بن جحاش بن مجالہ بن مازن بن ثعلبہ بن سعد بن ذبیان النشار الذبیانی ثم الثعلبی[1]۔

اسلام | آپ کے قبول اسلام کا زمانہ صحیح طور پر معلوم نہیں، ارباب رجال صرف اتنا کہتے ہیں۔

کان یہودیا مع بنی قریظة — یہودی تھے بنی قریظہ کے ساتھ رہتے

فاسلم[2] — تھے۔ پھر اسلام لائے۔

مگر قرائن سے اتنا پتہ چلتا ہے کہ وہ غزوۂ بنی قریظہ کے بعد اور غزوۂ خیبر سے پہلے اسلام لا چکے تھے۔ اس لیے کہ بنو قریظہ کا جب استیصال کیا گیا تو جبل نے حیی بن اخطب کا مرثیہ کہا اور بنو قریظہ کی حمایت میں یہ اشعار کہے[3]۔

الا یا سعد، سعد بنی معاذ — لما فعلت قریظة والنظیر

ترکتم قدرکم لاشئ فیها — وقدر القوم حامیة تفور

ولکن لاخلود مع المنایا — تخطف ثم نضمها الغیور

جس کا جواب حضرت حسان بن ثابتؓ نے اسی بحر و قافیہ میں دیا۔

تفاهد معش نصروا علینا — فلیس لهم ببلد تهم نصیر

هم اوتوا الکتاب فضیعوه — فهم عن التوراة بور

---

[1] اسد الغابہ ج ۱ ص ۲۷۰ [2] اصابہ جلد ۱ ص ۲۲۲ [3] ایضاً

کذبتم بالقرآن وا ابیتم　　بتصدیق الذی قال النذیر

ظاہر بات ہے کہ اگر وہ اسلام لا چکے ہوتے تو بنو قریظہ کی حمایت میں یہ اشعار نہ کہتے اور نہ حضرت حسانؓ بن ثابت کو جواب دینے کی ضرورت پیش آتی۔

انھوں نے ایک شعر میں خیبر میں اپنی بہادری اور شرکت کا ذکر کیا ہے، جس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ خیبر کے وقت اسلام قبول کر چکے تھے۔ وہ شعر یہ ہے:

رمیت نطاۃ من النبی بفیلق　　شہباء ذات مناقب ودقار

میں نے نطاۃ (چراگاہ یا کوئی خاص جگہ) پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک بہادر مسلح اور بڑے محاسن والے لشکر کے ذریعہ حملہ کیا۔

وفات | وفات کے متعلق ارباب رجال نے کوئی تصریح نہیں کی ہے۔

(ح)

۲۰۔ حضرت حبیر بنجرہؓ

نام ونسب | حبیر بنجرہؓ نام۔ نسباً اور عقیدۃً یہودی تھے لیکن یہ نہیں پتہ چلتا کہ یہود کے کس قبیلہ سے آپ کا تعلق تھا اور کہاں کے باشندے تھے۔ آگے جو واقعات آتے ہیں ان سے قیاس ہوتا ہے کہ یہود مدینہ ہی کے کسی قبیلہ سے رہے ہوں گے۔

اسلام | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حبیرؓ بنجرہ سے کچھ رقم بطور قرض لی تھی۔ انھوں نے آپ سے اس کا تقاضا کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس وقت ادائیگی کے لیے رقم موجود نہیں تھی اس لیے آپ نے مہلت چاہی، مگر حبیر بنجرہ نہ مانے اور کہا کہ آپ جب تک مجھے میرا قرض نہ ادا کر دیں گے میں آپ کو نہیں چھوڑوں گا۔ چنانچہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بالکل چمٹ کر بیٹھ گئے۔ صحابہ کو ان کا یہ طرز عمل برا معلوم ہوا۔ انھوں نے حبیر بنجرہ کو کچھ لعنت ملامت کرنی شروع کی، مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں منع کیا اور فرمایا کہ "میرے رب نے مجھے اس سے روکا ہے کہ میں اپنے کسی معاہد پر کسی قسم کا ظلم کروں۔" پھر دن ڈھلتے ڈھلتے حبیر بنجرہ نے آپ کے اس حلیمانہ طرز عمل سے متاثر ہو کر اسلام قبول کر لیا۔[۲]

وفات اور زندگی کے دوسرے حالات کے متعلق کوئی تصریح نہیں ملتی۔

فضائل | آپ کے صحیفۂ فضائل میں یہ واقعہ بہت ہی درخشاں طور سے درج ہے کہ جب آپ نے اسلام قبول کیا تو اپنی دولت کا ایک بڑا حصہ برضا و رغبت راہ خدا میں خرچ کر ڈالا۔[۳]

---

[۱] بعض لوگوں نے خبیر بنجرہ لکھا ہے مگر حبیر بنجرہ صحیح ہے۔　[۲] اصابہ ج ۱ ص ۳۶۶۔

(د)

۲۱۔ حضرت دُرید الراہب رضؓ

نام و نسب | درید نام، حبشہ کے رہنے والے اور مذہباً عیسائی تھے، حضرت نجاشیؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جو وفد بھیجا تھا اس میں حضرت دریدؓ بھی تھے۔

فضل و کمال | راہب ان کے نام کا جزء ہو گیا تھا جس سے ان کے فضل و کمال پر روشنی پڑتی ہے۔ اس آیت کے جو لوگ مصداق ہیں ان میں حضرت دریدؓ کا نام بھی لیا گیا ہے۔

وَاِذَا سَمِعُوْا مَا اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ۔

رسول اللہ کی طرف جو کچھ نازل ہوا جب انھوں نے اسے سنا تو تم دیکھو گے کہ ان کی آنکھیں پُرنم ہو گئیں۔

(ذ)

۲۲۔ حضرت ذودجنؓ

نام ونسب | علقمہ نام، ذودجن[1] کے نام سے مشہور ہیں، حبشہ سے بہتر[2] آدمیوں کا جو وفد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مدینہ آیا تھا۔ اس میں آپ بھی تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں سے ان کا نسب دریافت کیا تو ان[3] میں ایک نے کچھ اشعار پڑھے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ حضرت ہود علیہ السلام کی اولاد سے ہیں۔

اسلام | قبولِ اسلام کے متعلق کوئی تصریح نہیں ملی، مگر اتنا معلوم ہے کہ اس وفد کے تمام افراد شرفِ صحبت سے سرفراز ہوئے تھے۔ اسد الغابہ میں ہے۔

وصحبوا کلھم النبی صلی اللہ علیہ وسلم[3] — سب کے سب صحابی ہیں

اس سے یہ قیاس ہوتا ہے کہ یہ لوگ حبشہ میں اسلام لا چکے تھے۔ اگر مدینہ میں اسلام لاتے تو جس طرح نسب کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوال اور ان کے جواب کا ذکر ہے اسلام لانے کا بھی ذکر ضرور ہوتا۔ واللہ اعلم۔

زندگی کے دوسرے حالات اور وفات وغیرہ کے متعلق کوئی تفصیل نہیں معلوم ہو سکی۔

---

[1] اصابہ جلد ۱ صفحہ ۴۷۴۔ [2] ایضاً ۴۸۵۔ [3] اسد الغابہ جلد ۲ ص ۱۴۱۔

۲۳۔ حضرت ذو مخمر رضی اللہ عنہ

نام و نسب | ذو مخمر یا ذو مخبر نام، شاہ حبشہ نجاشی کے بھتیجے تھے۔ نجاشی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں خود تو نہ آسکے نگران کو آپ کی خدمت کے لیے بھیجا۔

خدمتِ نبوی میں آمد | حبشہ کے بہتر آدمیوں کے ساتھ آپ بھی خدمت نبوی میں حاضر ہوتے۔

اسلام | اس کی تصریح تو نہیں ملتی کہ وہ مدینہ پہنچ کر اسلام لائے یا حبشہ ہی میں اسلام قبول کر چکے تھے، اگر حضرت نجاشی حضرت ذو مخمر رض کے آنے سے پہلے اسلام قبول کر چکے تھے اس سے یہ قیاس ہوتا ہے کہ چچا کے ساتھ حضرت ذو مخمر رض نے بھی اسلام قبول کیا ہوگا اور مدینہ بحالت اسلام آئے ہوں گے۔

غزوات | غزوات میں شرکت کی کوئی تصریح تو نہیں ملتی، البتہ مسند کی ایک روایت سے اتنا پتہ چلتا ہے کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر میں بھی شریک رہتے تھے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھے۔ آپ کی عادت شریف یہ تھی کہ تیز چل کر لوگوں سے آگے نکل جایا کرتے تھے (اور ایسا سامانِ سفر کی قلت کی وجہ سے کیا کرتے تھے کہ راستہ میں زیادہ دیر لگے گی تو زاد راہ سفر زیادہ چاہیے) چنانچہ اس سفر میں بھی وہ آگے نکل گئے، تو ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ! بہت سے لوگ پیچھے چھوٹ گئے ہیں۔ آپ ٹھہر گئے جب سب لوگ جمع ہو گئے تو آپ نے فرمایا اگر تم لوگ چاہو تو تھوڑا سا آرام کر لو، پھر فرمایا کہ رات کے وقت نگرانی کون کرے گا؟ حضرت ذو مخمر رض فرماتے ہیں کہ میں نے اس خدمت کے لیے اپنے کو پیش کیا۔ آپ نے اپنی اونٹنی کی نکیل میرے ہاتھ میں دے دی اور فرمایا کہ غلطی سے بے خبر نہ ہو جانا، میں

لہ تجرید اور البدایہ والنہایہ ج ۵ ص ۲۳۴، امام اوزاعی ہمیشہ آپ کا نام ذو مخمر (م) کے ساتھ لیا کرتے تھے۔ ابن سعد نے بھی اس کو اختیار کیا ہے البتہ امام ترمذی ذو مخبر (ب) کے ساتھ ان کا ذکر کرتے ہیں۔ تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۲۲۴۔

آپ کی اور اپنی اونٹنی کی نکیل پکڑ کر وہاں سے کچھ دور نے گیا اور دونوں کو چرنے کے لیے چھوڑ دیا۔ میں برابر اونٹنیوں کو دیکھتا رہا۔ اسی اثنا میں مجھے نیند آگئی اور ایسی گہری نیند آئی کہ جب اٹھا تو سورج کی کرنیں میرے اوپر پڑ رہی تھیں۔ میں نے دیکھا کہ دونوں اونٹنیاں چر رہی ہیں۔ میں دونوں کی نکیل پکڑے ہوئے جہاں سب لوگ سو رہے تھے ...... آیا اور کنارے سے ایک شخص کو جگایا اور پوچھا کہ تم لوگوں نے نماز پڑھ لی ؟ اس نے کہا نہیں! پھر اس نے سب لوگوں کو جگایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اٹھے، اور آپ نے اور تمام صحابہ نے وضو کیا اور با جماعت نماز فجر کی قضا کی۔[1]
اس واقعہ سے پتہ چلتا ہے کہ یہ سفر کسی غزوہ ہی کے لیے رہا ہو گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات[2] تک تو آپ مدینہ میں رہے۔ بعد میں شام منتقل ہو گئے اور غالباً وہیں سکونت بھی اختیار کر لی اس لیے کہ اہل طبقات آپ کو شامیین میں شمار کرتے ہیں۔

وفات وفات کے متعلق اہل طبقات نے تو کوئی تصریح نہیں کی ہے البتہ تہذیب التہذیب میں یہ ہے کہ

نزل الشام ومات به — شام گئے اور وہیں وفات پائی۔

علم وفضل آپ سے مسند میں متعدد روایتیں ہیں، ابوداؤد اور ابن ماجہ میں بھی آپ کی روایتیں موجود ہیں بحسب ذیل حضرات نے آپ سے روایتیں کی ہیں، ابوحی المؤذن۔ جبیر ابن نفیر، عباس بن عبدالرحمن، عمرو بن عبداللہ الحضرمی وغیرہ۔

خدمت نبوی ذو مخمرؓ کا سب سے بڑا شرف یہ ہے کہ آپ کا شمار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خدام میں ہے۔ اس شرف میں آپ اس قدر مشہور ہوئے کہ بعض لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے موالی[3] کی فہرست میں آپ کو بھی شمار کیا ہے۔

---

[1] البدایہ ج ۵ ص ۳۳۲ [2] استیعاب ج ۱ ص ۱۶۴

[3] موالی جن کو اردو میں غلام کہا جاتا ہے۔ اس سے وہ لوگ مراد ہوتے ہیں جو جنگ میں گرفتار ہو کر آتے تھے، اور خادم ہر وہ شخص ہے جو کسی کی خدمت کرتا ہو۔ موالی خاص ہے اور خادم عام۔

۲۴۔ حضرت ذو مناحب رضؓ [1]

نام و نسب آپ کے نام میں تھوڑا سا اختلاف ہے۔ بعض لوگوں نے مناخب (خ) اور بعض لوگوں نے ذو منارح (ح) اور بعض نے ذو مناحب لکھا ہے۔

زیارت نبوی آپ بھی حبشہ کے وفد کے ساتھ خدمتِ نبوی میں حاضر ہو کر زیارت سے مشرف ہوئے اور دوسرے حالات حضرت ذو دجنؓ کے تذکرہ میں گزر چکے ہیں۔

---

[1] بعض لوگوں نے ذو مناحب اور ذو منارح کو دو سمجھا ہے، مگر اسد الغابہ نے تصریح کی ہے کہ ذو منارح اور ذو مناحب هما واحدٌ (دونوں ایک ہیں) ص ۱۴۵۔

۲۵۔ حضرت ذو مہدم رضی اللہ عنہ

نام و نسب ذو مہدم نام، آپ بھی حبشہ کے وفد کے ساتھ مدینہ آئے تھے۔

خدمت نبوی میں آمد جب حبشہ کا وفد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نسب دریافت کیا تو حضرت ذو مہدم رضی اللہ عنہ نے ان اشعار میں جواب دیا:

علی عهد ذی القرنین کانت سیوفنا	صوارم یغلقن الحدید المذکرا
وهود[1] ابونا سید الناس کلهم	وفی زمن الاحقاف عدّاً مفخرا
فمن کان یعمی عن ابیه فاننا	وجدنا ابانا العذ علی المذکرا

اور دوسرے حالات پردۂ خفا میں ہیں۔

---

[1] اسد الغابہ میں ان اشعار کے نقل کرنے کے بعد یہ لکھا ہے کہ وھود ابونا قابل غور ہے اس لیے کہ اہل حبشہ ہود علیہ السلام کی اولاد سے نہیں ہیں۔ پھر خود ہی جواب دیا ہے کہ ہوسکتا ہے کہ عرب کے باشندے ہوں اور حبشہ میں سکونت اختیار کرلی ہو۔ واللہ اعلم اسد الغابہ ج ۲ ص ۱۲۵۔

(۷)

۲۶۔ حضرت رافع القرظیؓ

نام ونسب رافع[1] نام، بنو قریظہ کی ایک شاخ زنباع تھی۔ آپ کا نسبی تعلق اسی قبیلہ زنباع سے تھا۔

اسلام اس کی تصریح نہیں مل سکی کہ آپ کب اسلام لائے۔

خدمت نبویؐ میں درخواست آپ کو اپنے متعلق غالباً کچھ خطرہ تھا اس لیے آپ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان کی ایک تحریر لکھ دینے کی درخواست کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں یہ تحریر لکھ کر دی۔

انہ لا یجنی علیہ احد الا بیدہ (اپنے کیے پر ماخوذ ہوں گے اس کے علاوہ کوئی دارو گیر نہیں کرسکتا۔

وفات اور دوسرے حالات کی کوئی تصریح نہیں ملتی۔

---

[1] تجرید میں رافع ابن القرظی درج ہے، مگر اور کتب طبقات میں رافع القرظی ہے۔ اس پر [illegible]
دیکھیے اصابہ ج ۱ ص ۵۰۱۔

۲۷۔ حضرت رفاعہؓ بن السموال

نام ونسب | رفاعہ نام، باپ کا نام سموالؑ یہود مدینہ کے مشہور قبیلہ بنو قریظہ سے آپ کا نسبی تعلق تھا۔ؑ سموال کی ایک لڑکی سبرۃ حی بن اخطب حضرت صفیہ کے باپ سے منسوب تھی اور

ؑ سموال فیاضی اور سخاوت کے علاوہ شاعری میں بھی ممتاز تھا۔ اس کے یہودی یا نصرانی ہونے میں منقولہ اختلاف ہے۔ الاب شیخو جنھوں نے سموال کا دیوان شائع کیا ہے۔ اس کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ نصرانی تھا۔ اور اس کے ثبوت میں دو باتیں خاص طور سے پیش کی ہیں۔ ایک یہ کہ سموال غسان کی طرف منسوب ہے اور ظاہر ہے کہ غسان نصرانی تھے۔ دوسری یہ کہ سموال کے بعض اشعار میں مسیح سید اور حواری وغیرہ کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں، جن سے پتہ چلتا ہے کہ وہ نصرانی تھا، لیکن جن اشعار سے الاب شیخو نے ان کے عیسائی ہونے پر استدلال کیا ہے، حماسہ کے شارح نے لکھا ہے کہ یہ اشعار سموال کے نہیں بلکہ عبداللہ الحارثی کے ہیں۔ اب رہی اس کی نسبی حیثیت تو اہل انساب میں اختلاف ضرور ہے لیکن یہ کہیں سے پتہ نہیں چلتا کہ وہ نصرانی تھا اور اگر اس کو غسانی بھی مان لیا جائے تو یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ وہ نصرانی بھی تھا، نیز یہ کہ خود اس کے بھائی شعبہ بن عریض کے متعلق سب یہ کہتے ہیں کہ وہ یہودی تھا۔ اس کے علاوہ سموال کے عزیزانہ تعلقات سے بھی پتہ چلتا ہے کہ وہ یہودی تھا۔ چنانچہ حضرت صفیہؓ کی ماں اسی سموال ہی کی لڑکی تھیں اور حضرت صفیہؓ کے متعلق معلوم ہے کہ وہ مدینہ کے مشہور یہودی حی بن اخطب کی صاحبزادی تھیں۔ محمد بن سلام نے بھی اپنی کتاب طبقات الشعراء میں جو شعراء کا سب سے قدیم تذکرہ ہے، لکھا ہے کہ وہ تیماء کا یہودی تھا۔ ۱۰۹

ؒ مسعودی وغیرہ کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت رفاعہؓ کا آبائی وطن تیماء اور نسبی تعلق عادیا سے تھا۔ چونکہ ان کی بہن سبرۃ حی بن اخطب سے منسوب تھی، شاید اسی ذریعہ سے یہ لوگ (باقی حاشیہ بر صفحہ ۱۶۹)

اسی رشتہ سے حضرت رفاعہؓ حضرت صفیہؓ کے ماموں ہوتے تھے[1]۔

اسلام | آپ کے اسلام لانے کے متعلق کوئی تفصیل کتابوں میں مذکور نہیں ہے۔
غزوۂ بنی قریظہ کے روز ایک عورت کے کہنے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو قتل سے بری کر دیا تھا۔ (البدایہ ج ۴ صہ۱۲۶)۔

آپ کا نکاح اور طلاق | عائشہ یا تمیمہ[2] نام ایک صحابیہ سے شادی کر لی تھی لیکن کسی وجہ سے انھیں طلاق دے دی۔ حضرت تمیمہؓ نے ایک یہودی صحابی عبدالرحمٰنؓ بن زبیر سے نکاح کر لیا، مگر عبدالرحمٰنؓ بن زبیر سے بھی کسی خاص وجہ سے تعلقات خوشگوار نہیں رہے اس لیے انھوں نے ان سے بھی علیحدگی کرالی۔ اس کے بعد پھر دوبارہ حضرت رفاعہؓ سے نکاح کا خیال ظاہر کیا لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اس ارادہ سے باز رکھا[3] اس آیت:

فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ	جب وہ طلاق دے ڈالے تو جب
لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّىٰ تَنْكِحَ	تک عورت دوسرے شوہر سے نکاح نہ کرے
زَوْجًا غَيْرَهُ	اس کے لیے حلال نہیں ہوتی۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۶۸) مدینہ چلے گئے ہوں گے، اس کا ثبوت اس سے بھی ملتا ہے کہ حضرت رفاعہؓ کا باپ سموال ابن عادیا کے نام سے مشہور ہے اور ظہور اسلام کے وقت بنو عادیا ہی کا خاندان تیما پر حکمران تھا (التنبیہ والاشراف صفحہ ۲۵۵ بحوالہ سیاسی زندگی صفحہ ۳۴۶ از ڈاکٹر حمید اللہ)۔

[1] حاشیہ صفحہ ہذا۔ اسد الغابہ ج ۲ ص ۱۵۱۔

[2] آپ کے نام میں بڑا اختلاف ہے۔ ان دو ناموں کے علاوہ سہیمہ، رمیصاء، رمیمیہ، تمیمہ اسماء مذکور ہیں، مگر زیادہ تر روایتوں میں عائشہ یا تمیمہ آتا ہے۔ اسد الغابہ ج ۵ ص ۱۸۵۔

[3] چونکہ یہ صورت حلالہ کی تھی اور حضرت عبدالرحمٰنؓ اب تک ان سے تمتع نہیں ہو سکے تھے اس لیے آپ نے اس ارادہ سے باز رکھا (روح المعانی ج ۲ ص ۱۲۲)۔

کے نزول کا سبب یہی واقعہ ہے[1]۔ اسد الغابہ میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد وہ حضرت ابوبکرؓ کی خدمت میں آئیں اور حضرت رفاعہؓ سے نکاح کا خیال ظاہر کیا، مگر انھوں نے بھی روکا۔ حضرت ابوبکرؓ کے بعد حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور ان سے نکاح کی اجازت چاہی۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اس کے بعد تم اس ارادہ سے باز نہ رہوگی تو تم کو رجم کر دوں گا[2]۔ چنانچہ پھر وہ اس ارادہ سے باز رہیں۔

عہد صدیقی اور عہد فاروقی — اس مذکورہ واقعہ سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت تک حضرت رفاعہؓ زندہ رہے۔ لیکن اس کے بعد وہ کب تک اس دار فانی میں رہے اور کب داعی اجل کو لبیک کہا، تذکروں میں اس کی تصریح نہیں ملتی۔

---

[1] اسد الغابہ میں یہی واقعہ رفاعہ بن وہب کے تذکرہ میں بھی درج ہے مگر آخر میں انھوں نے یہ تصریح کر دی ہے کہ یہ دونوں واقعہ ایک ہی ہے۔ حافظ ابن حجر نے بھی ایک ہی واقعہ تسلیم کیا ہے۔

[2] اصابہ جلد ۱ ص ۵۱۹۔

۲۸۔ حضرت رفاعۃ القرظیؓ

نام ونسب | رفاعۃ نام، باپ کا نام قرظہ، نسباً یہودی تھے[1]۔ جب بنی قریظہ کے لوگوں کو قتل کرنے کا فیصلہ ہوا تو یہ تاکید تھی کہ نابالغ بچے نہ قتل کیے جائیں۔ حضرت رفاعہؓ اس وقت کمسن تھے اس لیے قتل نہیں کیے گئے۔

اسلام | قبولِ اسلام کے بارے میں کوئی تفصیل نہیں معلوم ہوسکی، اصابہ میں اس قدر ہے کہ "ان کو دیدارِ نبوی حاصل ہوا تھا"۔ آپ کے صاحبزادے علی کا بیان ہے کہ،

کان ابی من وفد الذین اسلمو من اھل الکتاب[2]	اہل کتاب کے اس وفد میں جنھوں نے اسلام قبول کیا میرے باپ بھی تھے۔

فضل وکمال | آپ کا شمار ان اہل کتاب صحابہ میں ہے جن کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔

وَلَقَدْ وَصَّلْنَا لَهُمُ الْقَوْلَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ۝ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِهٖ هُمْ بِهٖ يُؤْمِنُوْنَ	ہم نے اس کلام کو وقتاً فوقتاً یکے بعد دیگرے بھیجا تاکہ وہ لوگ نصیحت پکڑیں اور جن کو ہم نے اس سے پہلے کتاب دی وہ اس پر بھی ایمان لاتے ہیں (اور قرآن پر بھی)

حضرت رفاعہؓ خود فرماتے تھے کہ یہ آیت جن دس آدمیوں کے بارے میں نازل ہوئی ان میں ایک میں بھی تھا[3]۔

دین کی راہ میں آپ کو بارہا مشق ستم بننا پڑا، مگر آپ کے قدم میں کبھی لغزش نہیں آئی۔ آپ کے صاحبزادے علی فرماتے ہیں کہ جب یہود میرے والد کے پاس سے گذرتے تو ان کا مذاق اڑاتے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

اُولٰٓئِكَ يُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَيْنِ بِمَا صَبَرُوْا[4]	یہی لوگ ہیں جنھیں ان کے صبر کی وجہ سے دوہرا ثواب ملے گا۔

---

[1] بعض لوگوں نے رفاعہ بن السموال اور ان کو ایک تصور کیا ہے مگر اصابہ میں اس کی تردید ہے، اصابہ جلد ۲ ص ۵۰۲۔

[2] البدایۃ والنہایہ ج ۵ ص ۱۲۵ [3] اصابہ ج ۲ ص ۵۰۲ [4] تجرید ج ۱ ص ۱۹۶ [5] اسد الغابہ ج ۲ ص ۵

(منا)

۲۹۔ حضرت زیدؓ بن سعنہ

نام ونسب زید نام، باپ کا نام سعنہ، آپ کا شمار علمائے یہود میں تھا۔ یہ معلوم نہ ہوسکا کہ آپ کا نسبی تعلق کس قبیلہ سے تھا۔

اسلام زیدؓ بن سعنہ نے اپنے اسلام لانے کے واقعہ کو خود بیان کیا ہے، فرماتے ہیں کہ توریت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جتنی نشانیاں بتائی گئی تھیں۔ وہ سب کی سب میں نے آپ کے چہرۂ نور پر دیکھ لیں۔ صرف دو چیزوں کا مجھے تجربہ کرنا تھا جب ان کا بھی تجربہ ہوگیا تو اسلام قبول کر لیا۔ چنانچہ میں نے آپ سے ملنا جلنا شروع کر دیا کہ آپ کے حلم کا اندازہ کروں۔ فرماتے ہیں کہ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے حجرے سے باہر نکلے۔ آپ کے ہمراہ حضرت علیؓ بھی تھے۔ اسی وقت ایک دیہاتی شخص آپ کے پاس آیا اور اس نے آپ سے کہا کہ فلاں بستی کے لوگوں نے اسلام قبول کر لیا ہے۔ میں ہمیشہ ان سے یہ کہتا تھا کہ اسلام قبول کر لو تو رزق کی فراوانی ہوگی۔ لیکن اللہ کا کیا دیکھیے کہ اس سال سخت قحط پڑا ہے۔ بارش بالکل نہیں ہوتی ہے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں ڈرتا ہوں کہ کہیں وہ اسلام چھوڑ نہ دیں۔ اگر آپ ان کی مدد کے لیے کچھ غلہ وغیرہ بھیجتے تو بہت بہتر ہوتا، وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علیؓ کی طرف متوجہ ہوئے اور کچھ فرمایا۔ حضرت علیؓ نے جواب دیا (یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) اس میں سے تو کوئی چیز باقی نہیں رہ گئی۔

حضرت زید بن سعنہ کہتے ہیں کہ میں آپ کے قریب گیا اور کہا کہ آپ فلاں باغ کی کھجوریں کچھ مدت کے ساتھ فروخت کریں گے؟ آپ نے فرمایا کچھ کھجوریں فروخت تو ضرور کرنا چاہتا ہوں۔

مگر کسی خاص باغ کی شرط نہیں لگا سکتا۔ میں نے کہا اچھی بات ہے۔ پھر میں نے اپنی روپیوں کی تھیلی کھولی اور اسّی مثقال سونا ایک متعین مدّت کے لیے دے دیا۔ جب مدّت ختم ہونے میں دو تین روز باقی رہ گئے تو میں آپ کے پاس آیا اور آپ کا گریبان پکڑ کر اپنی طرف کھینچا اور غصّہ آلود نگاہوں سے آپ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا کہ اب تک تم نے قرض ادا نہیں کیا۔ خدا کی قسم بنو عبدالمطلب ہمیشہ ایسے ہی حیلہ حوالہ کرتے رہتے ہیں۔ مجھے کئی بار لین دین میں تجربہ ہو چکا ہے۔ حضرت عمرؓ بھی موجود تھے۔ یہ دیکھ کر غصّہ سے بیتاب ہو گئے اور کہا کہ او دشمنِ خدا! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے گستاخی کر رہا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تبسم فرمایا اور کہا کہ اے عمرؓ! تم سے ہم کو یہ توقع تھی کہ تم اس سے کہتے کہ نرمی سے تقاضا کرو اور مجھ سے کہتے کہ میں وقت پر اس کا قرض ادا کر دوں۔ عمرؓ! جاؤ اس کا قرض ادا کرنے کے بعد بیس صاع کھجوریں اور زیادہ دے دو۔ حضرت زیدؓ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عمرؓ سے پوچھا کہ یہ زیادہ کیوں دینے کو کہتے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ میں نے جو تم سے سخت کلامی کی ہے یہ اس کا کفارہ ہے۔ پھر میں نے کہا عمرؓ! تم نے مجھے پہچانا؟ انھوں نے کہا نہیں! میں نے کہا کہ میں زید بن سعنہ ہوں۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ وہ زید جو الحبر (عالم) مشہور ہیں۔ میں نے کہا ہاں۔ پھر انھوں نے کہا کہ کیا بات تھی کہ تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیساتھ ایسا کیا۔ زیدؓ بن سعنہ نے کہا کہ نبوت کی اور تمام نشانیاں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے بشرے سے ظاہر تھیں۔ صرف ان دو باتوں کا تجربہ کرنا تھا۔

ھل یسبق حلمہ	کیا اس کا حلم اس کے غصّہ سے سبقت لے
جھلہ ولا تزید شدۃ	جاتا ہے اور جاہلانہ حرکتیں حلم و تحمل کو اور
جھل الا حلماً	بڑھا دیتی ہیں۔

ان باتوں کا تجربہ ہو گیا اس لیے اب اسلام کا حلقہ بگوش ہوتا ہوں، چنانچہ وہ آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام قبول کیا۔[1]

وفات آخری مرتبہ زیدؓ غزوۂ تبوک میں شریک ہوئے، پوری شجاعت سے لڑے۔ مدینہ واپس ہوتے ہوئے راستہ میں شہادت نصیب ہوئی[2]

غزوات اسلام لانے کے بعد سے جتنے غزوات ہوئے سب میں شریک ہوئے۔

انفاق فی سبیل اللہ آپ کے صحیفۂ اخلاق میں انفاق فی سبیل اللہ نمایاں طور سے نظر آتا ہے چنانچہ جب آپ نے اسلام قبول کیا تو اپنا نصف مال راہ خدا میں صدقہ کر دیا۔[3]

---

[1] مستدرک ج ۳ ص ۶۰۵ [2] ایضاً [3] ایضاً

(س)

۳۰۔ حضرت سعدؓ بن وہب

نام ونسب سعد نام۔ باپ کا نام وہب، قبیلہ بنو نضیر سے نسبی تعلق تھا۔[1]

اسلام بنو نضیر جب اپنی بدعہدی کی وجہ سے مدینہ سے جلاوطن کیے گئے تو ان میں سے جو دو آدمی اسلام کی دولت سے بہرہ ور ہوئے ان میں ایک حضرت سعدؓ بن وہب بھی تھے۔

بنو نضیر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بدعہدی اور دشمنی کی حد کر دی تھی۔ چنانچہ جب وہ جلاوطن کیے گئے تو ان کا مال اور ان کی جائداد بھی ضبط کر لی گئی، مگر حضرت سعدؓ چونکہ اسلام لا چکے تھے اس لیے ان کی تمام چیزیں محفوظ رہیں۔[2]

---

[1] اصابہ تجرید وغیرہ　　[2] البدایہ ج ۴ ص ۷۶

۳۱۔ حضرت سعنہؓ

نام ونسب سعنہ نام پورا سلسلۂ نسب یہ ہے۔ سعنہ بن عریض بن عادیا التیماوی[1] نسباً اور عقیدۃً یہودی تھے۔

اسلام زمانۂ قبولِ اسلام کی کوئی تصریح نہیں ملتی۔ حضرت علیؓ کے معاونین میں تھے اور ان سے خاص تعلق تھا۔

حضرت معاویہؓ سے آپ کی گفتگو ایک مرتبہ حضرت معاویہؓ حج کے لیے تشریف لائے تو مسجد میں حضرت سعنہؓ سے ملاقات ہوئی۔ آپ نے ان سے دریافت فرمایا کہ ارض تیماء کا کیا حال ہے۔ انھوں نے جواب دیا کہ وہ صحیح وسالم باقی ہے۔ حضرت معاویہؓ نے کہا کہ اسے میرے ہاتھ فروخت کر دو۔ آپ نے نہایت صفائی سے فرمایا کہ اگر مجھے ضرورت بھی ہوتی تو میں اسے فروخت نہ کرتا۔ پھر آپ سے اور حضرت امیر معاویہؓ میں بہت سی باتیں ہوئیں۔ اثنائے گفتگو میں حضرت علیؓ کا ذکر بھی آگیا۔ حضرت سعنہؓ نے حضرت امیر معاویہؓ کی شان میں کچھ سخت الفاظ استعمال کیے۔ حضرت امیر معاویہؓ نے کہا کہ چھوڑو، بڈھا سٹھیا گیا ہے۔ حضرت سعنہؓ نے فوراً کہا کہ اے معاویہ! تمھیں یاد نہیں کہ ایک روز ہم سب لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ حضرت علیؓ آگئے۔ آپ نے ان کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا۔

قاتل اللہ من یقاتلك — اللہ تعالیٰ اسے ہلاک کرے جو تجھ سے لڑے

حضرت امیر معاویہؓ اس کے بعد موضوع گفتگو بدل کر دوسری گفتگو فرمانے لگے۔[2]

---

[1] تیماء شام اور حجاز کے درمیان ایک مقام ہے۔ اصابہ جلد ۲ ص ۴۲۔

[2] حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ میرا خیال تھا کہ یہ محضر ہیں مگر میں نے ابن ابی طے کا لکھا ہوا رجال سبعہ امامیہ کا نسخہ پایا جس میں تحریر تھا کہ یہ صحابی ہیں ۴۲/۲۔

وفات حضرت امیر معاویہؓ کے آخری عہد خلافت میں آپ نے وفات پائی۔[1] لیکن یہ نہ معلوم ہو سکا کہ وفات کہاں ہوئی۔

حلیہ بڑھاپے کے آثار کے باوجود اپنے ہم عمروں میں نہایت ہی خوش صورت خوش وضع خوش لباس تھے۔ اصابہ میں ہے کان احسن الشیوخ سمتا وانظفھم ثوباً۔[2]

---

[1] حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ میرا خیال تھا کہ یہ مخضرمین میں ہیں مگر میں نے ابن ابی طے کے ہاتھ کا لکھا ہوا رجال سبع امامیہ کا نسخہ پایا جس میں تحریر تھا کہ یہ صحابی ہیں۔ [2] اصابہ ج ۲ ص ۱۳۱

۳۲۔ حضرت سعیدؓ بن عامر

نام ونسب: آپ کا نام سعید، باپ کا نام عامر تھا۔ صاحب تجرید نے آپ کو قبیلہ لخم کی طرف منسوب کیا ہے۔ اصابہ میں ہے کہ یہود میں جن لوگوں نے اسلام قبول کیا تھا۔ ان میں حضرت سعیدؓ بھی ہیں۔ طبری نے اس آیت کی تفسیر کے ضمن میں آپ کا نام بھی لیا ہے[1]۔

اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰھُمُ الْکِتٰبَ یَتْلُوْنَہٗ حَقَّ تِلَاوَتِہٖ۔ — جن کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس کے حق کے مطابق اس کی تلاوت کرتے ہیں۔

---

[1] اصابہ ج ۲ ص ۵۹۔ طبری تفسیر آیت ہذا

۴۳۔ حضرت سلامؓ

نام ونسب سلام نام، سلسلہ نسب کی تصریح نہیں مل سکی۔ مگر اتنا معلوم ہے کہ حضرت عبداللہ ابن سلام کے بھانجے تھے۔

اسلام اسلام لانے کی کوئی تصریح کتب طبقات میں نہیں ملتی، البتہ مفسرین اس آیت کے ضمن میں حضرت عبداللہ بن سلامؓ وغیرہ کے ساتھ آپ کا نام بھی لیتے ہیں۔

یَاَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اٰمِنُوْا	اے ایمان والو ایمان لاؤ اللہ
بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَالْکِتٰبِ	اور اس کے رسول پر اور جو
الَّذِیْ نَزَّلَ عَلٰی رَسُوْلِہٖ	کتاب اس پر نازل کی گئی اور
وَالْکِتَابِ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ مِنْ	جو کتاب اس سے پہلے اللہ نے
قَبْلُ (نساء)	نازل کی۔

اس سے یہ قیاس ہوتا ہے کہ ان کے ساتھ اسلام لائے ہوں گے۔

۳۴۔ حضرت سلمہؓ بن سلام

نام ونسب | سلمہ نام، باپ کا نام سلام، مشہور صحابی عبداللہؓ بن سلام کے بھائی تھے۔[1]

اسلام | عبداللہؓ بن عباس سے روایت ہے کہ جب سلمہؓ بن سلام اور عبداللہ بن سلام وغیرہ اہل کتاب صحابہ نے اسلام قبول کیا تو ان کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا آمِنُوا — اے ایمان لانے والو اللہ اور اس کے

بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ — رسول پر ایمان لاؤ۔

اس سے گمان ہوتا ہے کہ آپ نے بھی ہجرت کے ابتدائی سالوں میں اسلام قبول کیا ہوگا۔

زندگی کے اور حالات معلوم نہ ہوسکے۔

---

[1] بعض لوگوں نے لکھا ہے کہ ان کے بھتیجے تھے مگر صحیح یہی ہے کہ ان کے بھائی تھے۔ اسد الغابہ ج ۲ ص ۳۳۶۔

۳۵۔ حضرت سلمان فارسیؓ

نام ونسب نسبی تعلق اصفہان کے آب الملک کے خاندان سے تھا۔ مجوسی نام مابہ تھا اسلام کے بعد سلمان رکھا گیا اور بارگاہ نبوت سے سلمان الخیر لقب ملا۔ ابوعبداللہ کنیت ہے۔ سلسلہ نسب یہ ہے: مابہ ابن بوذخشان بن مورسلان بن یہوذان بن فیروز ابن سہرک۔

قبل اسلام سلمان کے والد اصفہان کے جی نامی قریہ کے باشندہ اور وہاں کے زمیندار و کاشتکار تھے۔ ان کو حضرت سلمان سے اس قدر محبت تھی کہ ان کو لڑکیوں کی طرح گھر کی چاردیواری سے نکلنے نہ دیتے تھے۔ آتشکدہ کی دیکھ بھال ان ہی کے متعلق رکھی تھی۔ چونکہ مذہبی جذبہ سلمان میں ابتدا سے تھا، اس لیے جب تک آتش پرست رہے اس وقت تک آتش پرستی میں سخت غلو کیا اور نہایت سخت مجاہدات کیے۔ شب و روز آگ کی نگرانی میں مشغول رہتے تھے حتیٰ کہ ان کا شمار ان پجاریوں میں ہو گیا تھا جو کسی وقت آگ کو بجھنے نہ دیتے تھے۔

مجوسیت سے نفرت اور عیسویت کا میلان زمین ہی ان کے باپ کے معاش کا ذریعہ تھی۔ اس لیے زراعت کی نگرانی وہ بذات خود کرتا تھا۔ ایک دن وہ گھر کی مرمت میں مشغولیت کی وجہ سے کھیت پر خود نہ جا سکا اور اس کی دیکھ بھال کے لیے سلمان کو بھیج دیا۔ ان کو رستہ میں ایک گرجا ملا۔ اس وقت اس میں عبادت ہو رہی تھی۔ نماز کی آوازیں سن کر دیکھنے کے لیے گرجے میں چلے گئے۔ نماز کے نظارہ سے ان کے دل پر خاص اثر ہوا اور مزید حالات کی جستجو ہوئی، عیسائیوں کا طریقہ عبادت اس قدر بھایا کہ بے ساختہ زبان سے نکل آیا کہ یہ مذہب ہمارے مذہب سے بہتر ہے۔ چنانچہ کھیتوں کا خیال چھوڑ کے اسی میں محو ہو گئے۔ عبادت ختم ہونے کے بعد عیسائیوں سے پوچھا کہ اس مذہب کا سرچشمہ کہاں ہے۔ انھوں نے کہا

کر شام میں، پتہ پوچھ کر گھر واپس آئے۔ باپ نے پوچھا کہ اب تک کہاں رہے۔ جواب دیا کہ کچھ لوگ گرجے میں عبادت کر رہے تھے، مجھ کو ان کا طریقہ ایسا بھلا معلوم ہوا کہ غروب آفتاب تک وہیں رہا۔ باپ نے کہا۔ وہ مذہب تمھارے مذہب کا پاسنگ بھی نہیں۔ جواب دیا بخدا وہ مذہب ہمارے مذہب سے کہیں برتر ہے۔ اس جواب سے ان کے باپ کو خطرہ پیدا ہوگیا کہ کہیں یہ خیال تبدیل مذہب کی صورت میں نہ ظاہر ہو۔ اس لیے بیڑیاں پہنا کر مقید کر دیا، مگر ان کے دل میں تلاش حق کی تڑپ تھی۔ اس لیے عیسائیوں کے پاس کہلا بھیجا کہ جب شام کے تاجر آئیں تو مجھ کو اطلاع دینا۔ چنانچہ جب وہ آئے تو ان کو خبر کر دی۔ انھوں نے کہا کہ جب وہ واپس ہوں تو مجھے بتلانا۔ چنانچہ جب کاروان تجارت واپس لوٹنے لگا۔ ان کو خبر کی گئی یہ بیڑیوں کی قید سے نکل کر ان کے ساتھ ہوگئے۔ شام پہنچ کر دریافت کیا کہ یہاں سب سے بڑا مذہبی شخص کون ہے، لوگوں نے وہاں کے پادری کا پتہ دیا۔ اس سے جا کر کہا کہ مجھ کو تمھارا مذہب بہت پسند ہے۔ اس لیے میں چاہتا ہوں کہ تمھارے پاس رہ کر مذہبی تعلیم حاصل کروں اور مجھ کو اس مذہب میں داخل کرو۔

تبدیل مذہب چنانچہ وہ مجوسیت کے آتشکدے سے نکل کر آسمانی باپ کی بادشاہت کی پناہ میں آگئے، مگر یہ پادری بہت بدکردار اور بداخلاق تھا۔ لوگوں کو صدقہ کرنے کی تلقین کرتا اور جب اس کے قبضہ میں آجاتا تو فقراء اور مساکین کو دینے کی بجائے خود لے لیتا۔ حتی کہ سونے اور چاندی کے سات مٹکے اس کے پاس جمع ہوگئے۔ حضرت سلمانؓ اس کی حرص اور آز کو دیکھ کر پیچ و تاب کھاتے تھے، مگر زبان سے کچھ نہ کہہ سکتے تھے۔ اتفاق سے وہ مرگیا۔ عیسائی شان و شوکت سے اس کی تجہیز و تکفین کرنے کو جمع ہوگئے۔ اس وقت انھوں نے سارا اعمالنامہ ان لوگوں کے سامنے کھول کر رکھ دیا۔ انھوں نے ان کو لے جا کر اس کے اندوختہ کے پاس کھڑا کر دیا۔ تلاشی لی گئی تو واقعی سات مٹکے سونے چاندی سے بھرے ہوئے برآمد ہوئے۔ عیسائیوں نے اس کی سزا میں دفن کرنے کے بجائے اس کی نعش کو صلیب پر لٹکا کر سنگسار کیا۔ اس کی جگہ

دوسرا پادری مقرر ہوا۔ یہ بڑا عابد و زاہد اور تارک الدنیا تھا۔ شب و روز عبادتِ الٰہی میں مشغول رہتا۔ سلمان اس سے بہت مانوس ہو گئے اور دلی محبت کرنے لگے، اور آخر تک اس کی صحبت سے فیض یاب ہوتے رہے۔ جب اس کی موت کا وقت قریب آیا تو اس سے کہا کہ میں آپ کے پاس عرصہ تک نہایت لطف و محبت کے ساتھ رہا۔ اب آپ کا وقت آخر ہے اس لیے آئندہ کے لیے مجھ کو کیا ہدایت ہوتی ہے۔ اس نے کہا کہ میرے علم میں کوئی ایسا عیسائی نہیں ہے جو مذہب عیسوی کا سچا پیرو ہو۔ سچے لوگ مر کھپ گئے اور موجودہ عیسائیوں نے مذہب کو بہت کچھ بدل دیا ہے بلکہ بہت سے اصول تو سرے سے چھوڑ ہی دیے ہیں، ہاں موصل میں فلاں شخص ہے جو دینِ حق کا سچا پیرو ہے تم جا کر اس سے ملاقات کرنا۔

موصل کا سفر اس پادری کی موت کے بعد حق کی جستجو میں وہ موصل پہنچے اور تلاش کر کے اس سے ملے اور اپنا واقعہ بیان کیا کہ فلاں پادری نے مجھ کو ہدایت کی تھی کہ آپ کے یہاں ابھی تک حق کا سرچشمہ ابلتا ہے اور میں آپ سے مل کر اپنی تشنگی فرو کرنا چاہتا ہوں۔ اس نے ان کو ٹھہرا لیا۔ پہلے پادری کی رائے کے مطابق یہ پادری درحقیقت بڑا متقی اور پاکباز تھا۔ اس لیے انھوں نے اس کے پاس مستقل قیام کر لیا۔ مگر تھوڑے دنوں کے بعد اس کا وقت بھی آگیا۔ آئندہ کے متعلق حضرت سلمانؓ نے اس سے بھی وصیت کی خواہش کی۔ اس نے نصیبین میں ایک شخص کا پتہ بتایا۔

نصیبین کا سفر چنانچہ اس کی موت کے بعد آپ نصیبین پہنچے اور اس پادری سے مل کر دوسرے پادری کی وصیت بتلائی۔ یہ اسقف بھی پہلے دونوں اسقفوں کی طرح بڑا عابد اور زاہد تھا۔ سلمان یہاں مقیم ہو کر اس سے روحانی تسکین حاصل کرنے لگے۔ ابھی کچھ ہی دن اس کی صحبت سے فیض اٹھایا تھا کہ اس کا وقت بھی آخر ہو گیا۔ حضرت سلمانؓ نے گذشتہ اسقفوں کی طرح اس سے بھی آئندہ کے متعلق مشورہ طلب کیا۔ اس نے عموریہ میں گوہر مقصود کا پتہ دیا۔

عموریہ کا سفر | چنانچہ اس کی موت کے انھوں نے عموریہ کا سفر کیا اور وہاں کے اسقف سے مل کر پیام سنایا اور اس کے پاس مقیم ہوگئے۔ کچھ بکریاں خرید لیں۔ اس سے مادی غذا حاصل کرتے تھے اور صبر و شکر کے ساتھ روحانی غذا اسقف سے حاصل کرنے لگے۔ جب اس کا پیمانۂ حیات بھی لبریز ہوگیا تو حضرت سلمانؓ نے اپنی سرگذشت سنائی کہ اتنے مراتب طے کرتا ہوا آپ کے پاس پہنچا تھا۔ آپ بھی آخرت کا سفر کرنے کو آمادہ ہیں اس لیے میرا کوئی سامان کرتے جائیے۔ اس نے کہا بیٹا میں تمہارے لیے کیا سامان کروں۔ آج دنیا میں کوئی شخص ایسا باقی نہیں ہے کہ جس سے ملنے کا میں تمھیں مشورہ دوں۔ البتہ اب اس نبی کے ظہور کا زمانہ قریب ہے، جو ریگستانِ عرب سے اٹھ کر دینِ ابراہیمؑ کو زندہ کرے گا اور کھجوروں والی زمین کی طرف ہجرت کرے گا۔ اس کے علامات یہ ہیں کہ وہ ہدیہ قبول کرے گا۔ لیکن صدقہ کو اپنے لیے حرام سمجھے گا۔ اس کے دونوں شانوں کے درمیان مہرِ نبوت ہوگی اگر تم اس سے مل سکو تو ضرور ملنا۔

اسقف کی بشارت اور عرب کا سفر | اس پادری کے مرنے کے بعد کچھ عرصہ تک عموریہ میں رہے۔ کچھ دنوں بعد بنو کلب کے تاجر ادھر سے گذرے۔ آپ نے ان سے کہا کہ اگر تم مجھ کو عرب پہنچا دو تو میں اپنی گائیں اور بکریاں تمھاری نذر کر دوں گا۔ وہ لوگ تیار ہوگئے اور زبانِ حال سے یہ شعر:

چلتا ہوں تھوڑی دور ہر اک راہرو کے ساتھ ۔ پہچانتا نہیں ہوں ابھی راہبر کو میں

پڑھتے ہوئے ساتھ ہو لیے۔

غلامی | لیکن ان عربوں نے وادی القریٰ میں پہنچ کر ان کو دھوکا دیا، اور ایک یہودی کے ہاتھ غلام بنا کر فروخت کر ڈالا۔ کھجور کے درخت نظر آئے تو آس بندھی کہ شاید یہی وہ منزلِ مقصود ہے جس کا اسقف نے پتہ دیا تھا۔ تھوڑے دن قیام کیا تو یہ امید بھی منقطع ہوگئی۔ آقا کا چچا زاد بھائی مدینہ سے ملنے آیا۔ اس نے سلمانؓ کو اس کے ہاتھ بیچ دیا۔

غلامی اور مدینہ کا سفر | وہ اپنے ساتھ ان کو مدینہ سے چلا اور سلمان غلامی در غلامی کی رسوائی سہتے ہوئے مدینہ پہنچے، مگر ہاتفِ غیب تسکین دے رہا تھا کہ یہ غلامی نہیں ہے۔

اسی سے ہو گی تیرے غمکدہ کی آبادی تری غلامی کے صدقے ہزار آزادی

درحقیقت اس غلامی پر جو مقصود دو عالم کے آستانے تک پہنچانے کا ذریعہ بن جائے ہزاروں آزادیاں قربان ہیں، جوں جوں محبوب کی منزل قریب آتی جاتی تھی کشش بڑھتی جاتی تھی اور آثار و علامات بتلاتے تھے کہ شاہد مقصود کی جلوہ گاہ یہی ہے۔ اب ان کو پورا یقین ہو گیا اور دیدار جمال کی آرزو میں یہاں دن کاٹنے لگے۔

اس وقت آفتاب رسالت مکہ پر ضوفگن ہو چکا تھا لیکن جور و ستم کے بادلوں میں چھپا تھا۔ سلمانؓ کو آقا کی خدمت سے اتنا وقت نہ ملتا کہ خود اس کا پتہ لگاتے۔ آخر انتظار کرتے کرتے وہ روز مسعود بھی آگیا کہ مکہ کا آفتاب عالمتاب مدینہ کے افق پر طلوع ہوا۔ حرماں نصیب سلمان کی شب ہجر تمام ہوئی اور صبح امید کا اجالا پھیلا۔ یعنی سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے۔ سلمان کھجور کے درخت پر چڑھے ہوئے کچھ درست کر رہے تھے اور آقا نیچے بیٹھا ہوا تھا کہ اس کے چچا زاد بھائی نے آکر کہا کہ خدا بنی قیلہ کو غارت کرے۔ سب کے سب قبا میں ایک شخص کے پاس جمع ہیں۔ جو مکہ سے آیا ہے۔ یہ لوگ اس کو نبی سمجھتے ہیں سلمان کے کانوں تک اس خبر کا پہنچنا تھا کہ یارائے ضبط باقی نہ رہا۔ صبر و شکیب کا دامن چھوٹ گیا۔ بدن میں سنسناہٹ پیدا ہو گئی اور قریب تھا کہ کھجور کے درخت سے فرش زمین پر آجائیں اسی مدہوشی کے عالم میں جلد از جلد درخت سے نیچے اترے اور بدحواسی میں بے تحاشا پوچھنے لگے، تم کیا کہتے ہو۔ آقا نے اس سوال پر گھونسا مار کر ڈانٹا کہ تم کو اس سے کیا غرض، تم اپنا کام کرو۔ اس وقت سلمان خاموش ہو گئے۔ لیکن اب صبر کسے تھا کھانے کی کچھ چیزیں پاس تھیں۔ ان کو لے کر دربار رسالت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میں نے سنا ہے کہ آپ خدا کے برگزیدہ بندے ہیں۔ اور کچھ غریب الدیار اور اہل حاجت آپ کے ساتھ ہیں۔ میرے پاس

چیزیں ان صدقہ کے لیے رکھی تھیں۔ آپ لوگوں سے زیادہ ان کا مستحق کون ہو سکتا ہے۔ اس کو قبول فرمایئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسرے لوگوں کو کھانے کا حکم دیا، مگر خود نوش نہ فرمایا۔ اس طرح سے سلمانؓ کو نبوت کی ایک علامت کا مشاہدہ ہو گیا کہ نبی صدقہ نہیں قبول کرتا۔ دوسرے دن پھر ہدیہ لے کر حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ کل آپ نے صدقہ کی چیزیں نہیں نوش فرمائی تھیں آج یہ ہدیہ قبول فرمایئے۔ آپ نے قبول فرمایا خود بھی نوش کیا اور دوسروں کو بھی دیا۔ اس طرح سے دوسری نشانی یعنی مہر نبوت کی بھی زیارت کی اور باچشم پرنم آپ کی طرف بوسہ دینے کو جھکے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سامنے آؤ۔ وہ سامنے آئے اور اپنی ساری سرگذشت سنائی۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دلچسپ داستان اپنے تمام اصحاب کو سنوائی۔

اسلام حضرت سلمان جب اپنا گوہر مقصود پا چکے تو اس دولت کو اپنے دل کے خزانے میں رکھ کر آقا کے گھر واپس آئے۔ اتنے مرحلوں کے بعد وہ دین سے ہم آغوش ہوئے۔

آزادی غلامی کی مشغولیت کے باعث فرائض مذہبی ادا نہ کر سکتے تھے۔ اسی وجہ سے غزوہ بدرؓ احد میں شریک نہ ہو سکے۔ اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ اپنے آقا کو معاوضہ دے کر آزادی حاصل کر لو۔ تین سو کھجور کے درخت اور چالیس اوقیہ سونے پر معاملہ طے ہوا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عام مسلمانوں سے سفارش فرمائی کہ اپنے بھائی کی مدد کرو۔ سب نے حسب حیثیت کھجور کے درخت دیے اس طریقہ سے تین سو درخت ان کو مل گئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد سے ان کو بٹھایا، اور زمین وغیرہ ہموار کر کے ایک شرط پوری کر دی۔ اب سونے کی ادائیگی باقی رہ گئی اس کا سامان بھی خدا نے کر دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی غزوہ میں مرغی کے بیضہ کے برابر سونا مل گیا۔ آپ نے سلمانؓ کو دے دیا۔ یہ وزن میں ٹھیک چالیس اوقیہ تھا۔ اس سے گلو خلاصی حاصل کی اور آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم کی خدمت میں رہنے لگے۔[1]

مواخاۃ | غلامی سے آزادی کے بعد مسلمانوں کے ساتھ مستقل اقامت اختیار کی۔ اس وقت بالکل غریب الدیار تھے۔ کوئی شناسا نہ تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکی مہاجرین کی طرح ان سے اور ابودرداءؓ سے مواخاۃ کرادی۔[2]

غزوات | بدر و احد کی لڑائیاں ان کی غلامی کے زمانہ میں ختم ہوچکی تھیں۔ آزادی کے بعد پہلا غزوۂ خندق پیش آیا۔ اس میں انھوں نے اپنے حسن تدبیر سے دونوں لڑائیوں کی تلافی کر دی۔ غزوہ خندق میں تمام عرب کا ٹڈی دل مسلمانوں کے خلاف امنڈ آیا تھا کہ ان کا کامل استیصال کر دے۔ حملہ خود مدینہ پر تھا جس کے چاروں طرف نہ قلعہ تھا نہ فصیل تھی اور مقابلہ بھی سخت تھا۔ ایک طرف کفار کی تعداد ریگستان عرب کے ذروں کے برابر تھی اور دوسری طرف مٹھی بھر مسلمان تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عام مسلمانوں سے مشورہ کیا۔ سلمانؓ فارسی چونکہ ایران کی صف آرائیاں دیکھے ہوتے تھے اس لیے جنگی اصولوں سے اچھی طرح واقف تھے۔ چنانچہ انھوں نے مشورہ دیا کہ اس انبوہ کا کھلے میدان مقابلہ کرنا اچھا نہیں ہے، بلکہ مدینہ کے چاروں طرف خندقیں کھود کر شہر کو محفوظ کر دینا چاہیے۔ یہ تدبیر مسلمانوں کو بہت پسند آئی اور اسی پر عمل کیا گیا۔ خندق کی کھدائی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی بہ نفس نفیس شریک ہوتے تھے۔ اور مٹی ڈھوتے ڈھوتے شکم مبارک مٹی سے اٹ گیا تھا۔ اور رجز یہ اشعار زبان مبارک پر جاری تھے۔[3] ذیقعدہ ۵ھ میں طرفین میں جنگ شروع ہوئی۔ عربوں کو اس طریقہ جنگ سے واقفیت نہ تھی وہ آتے تو تھے کہ مدینہ کی اینٹ سے اینٹ بجادیں گے۔ مگر یہاں آکر دیکھا کہ ان کے اور

---

[1] قبل از اسلام سے آزادی تک کے کل حالات مسند احمد بن حنبل ج ۵ ص ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴ سے ماخوذ ہیں۔

[2] بخاری جلد ۲ ص ۸۹۸ مواخاۃ کے معنی بھائی چارہ کے ہیں۔

[3] ابن سعد جز ۲ قسم ۱ ص ۴۸ [4] بخاری ج ۲ کتاب المغازی غزوہ خندق۔

مدینہ کے بیچ میں خندق کی فصیل حائل ہے۔ وہ ۲۲ دن تک مسلسل محاصرہ کیے پڑے رہے مگر شہر تک پہنچنا ان کو نصیب نہ ہوا اور آخر کار ناکام واپس پھر گئے۔

غزوۂ خندق کے علاوہ حضرت سلمانؓ تمام لڑائیوں میں مسلمانوں کے دوش بدوش شریک رہے[1]۔ اور غزوۂ خندق کے بعد سے کوئی غزوہ ایسا نہیں ہوا جس میں شریک ہو کر داد شجاعت نہ دی ہو۔

عہد صدیقی اور عراق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ عرصہ تک مدینہ میں رہے۔ عہد صدیقی کے آخر یا عہد فاروقی کی ابتدا میں انھوں نے عراق کی اور ان کے اسلامی بھائی ابو درداؓ نے شام کی سکونت اختیار کر لی۔ یہاں کی اقامت کے بعد ابو درداؓ کو خدا نے مال اور اولاد کی حیثیت سے بہت نوازا۔ انھوں نے سلمانؓ کو خط لکھا کہ تم سے جدا ہونے کے بعد خدا نے مجھ کو مال و دولت اور اہل و عیال سے سرفراز کیا اور ارض مقدس کی سکونت کا شرف بخشا۔ انھوں نے جواب دیا کہ یاد رکھو مال و دولت اور اولاد کی کثرت میں کوئی خیر نہیں ہے، بلکہ خیر اس میں ہے کہ تمھارا حلم زیادہ ہو اور تمھارا علم تم کو نفع پہنچائے۔ محض ارض مقدس کا قیام کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتا جب تک تمھارا عمل اس قابل نہ ہو اور عمل بھی اس طرح کا ہو کہ گویا خدا تم کو دیکھ رہا ہے اور تم اپنے کو مردہ سمجھو[2]۔

عہد فاروقی ایران کی فوج کشی میں مجاہدانہ شریک ہوئے اور چونکہ خود ایرانی تھے اس لیے فتوحات میں بہت قیمتی امداد پہنچائی، مگر اصول اسلام کو ہمیشہ پیش نظر رکھا۔ ایک ایرانی قصر کے محاصرہ کے وقت جارحانہ حملے کے پہلے محصورین کو سمجھا دیا کہ میں بھی تمھارا ہم قوم تھا، لیکن خدا نے مجھ کو اسلام سے نوازا۔ تم لوگ عربوں کی اطاعت گزاری سے کسی طرح نہیں بچ سکتے تم کو سمجھائے دیتا ہوں کہ اگر تم اسلام لا کر ہجرت کر کے ہم میں مل جاؤ تو تم کو اہل عرب کے حقوق دیے

---

[1] مسند ابن حنبل ج ۵ ص ۴۴۳ [2] اسد الغابہ ج ۲ ص ۳۳۰ [3] اسد الغابہ ج ۲ ص ۲۳۱

جائیں گے اور جو قانون ان کے لیے ہے وہی تم پر جاری کیا جائے گا اور اگر اسلام نہیں قبول کرتے اور صرف جزیہ منظور کرتے ہو تو ذمیوں کے حقوق تم کو ملیں گے اور ان کا قانون تم پر نافذ کیا جائے گا۔ تین دن تک برابر تبلیغ کا فرض ادا کرتے رہے۔ جب کوئی اثر نہ ہوا تو حملہ کا حکم دے دیا اور مسلمانوں نے قصر مذکور بزور شمشیر فتح کر لیا[1]۔

فتح جلولا میں بھی شریک تھے اور وہاں مشک کی ایک تھیلی ان کے ہاتھ آئی تھی جس کو اپنی زندگی کے آخری لمحات میں کام میں لائے[2]۔

گورنری | حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں مدائن کی حکومت پر سرفراز ہوئے۔ اس کی تفصیلات آئندہ اخلاق و عادات میں آئیں گی۔

چونکہ حضرت سلمانؓ مقربین بارگاہ نبوی میں سے تھے۔ اسی لیے حضرت عمرؓ ان کا بہت احترام کرتے تھے۔ ایک دفعہ یہ حضرت عمرؓ کے پاس گئے۔ اس وقت آپ ایک گدے پر ٹیک لگائے بیٹھے تھے سلمانؓ کو دیکھ کر گدا ان کی طرف بڑھا دیا[3]۔

علالت | حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں بیمار پڑے۔ سعد بن ابی وقاص عیادت کو گئے تو رونے لگے۔ سعدؓ نے کہا ابو عبداللہ رونے کا کون سا مقام ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تم سے خوش خوش دنیا سے اٹھے۔ تم ان سے حوض کوثر پر ملو گے۔ بچھڑے ہوئے ساتھیوں سے ملاقات ہو گی۔ کہا خدا کی قسم میں موت سے نہیں گھبراتا اور نہ دنیا کی حرص باقی ہے۔ رونا یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے عہد کیا تھا کہ ہمارا دنیاوی ساز و سامان ایک مسافر کے زاد راہ سے زیادہ نہ ہو۔ حالانکہ میرے گرد اس قدر سانپ واسباب جمع ہیں۔ سعدؓ کہتے ہیں کل سامان جس کو سانپ سے تعبیر کیا تھا۔ ایک بڑے پیالے، ایک لگن اور ایک تسلہ سے

---

[1] مسند ابن حنبل ج ۵ ص ۴۴۱ [2] ابن سعد جز ۴ قسم ۱ ص ۶۶

[3] مستدرک حاکم ج ۳ ص ۵۹۹۔

زیادہ نہ تھا۔ اس کے بعد سعدؓ نے خواہش کی کہ مجھ کو کچھ نصیحت کیجیے۔ فرمایا" کسی کام کا قصد کرتے وقت، فیصلہ کرتے وقت اور تقسیم کرتے وقت خدا کو یاد رکھا کرو[1]۔ اس بیماری کے دوران میں اور احباب نے بھی نصیحت اور وصیت کی خواہش کی، فرمایا تم میں سے جس سے ہوسکے اس کی کوشش کرے کہ وہ حج، عمرہ، جہاد، یا قرآن پڑھتے ہوئے جان دے دے اور فسق و فجور اور خیانت کی حالت میں نہ مرے[2]۔

وقت آخر آیا تو اپنی بیوی سے وہی مشک کی تھیلی منگائی اور اپنے ہاتھ سے پانی میں گھول کر اپنے چاروں طرف چھڑکوایا، اور سب کو اپنے پاس سے ہٹا دیا۔ لوگ تنہا چھوڑ کر ہٹ گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد پھر گئے تو دیکھا کہ مرغ روح قفسِ خاکی سے پرواز کر چکا تھا۔

فضل و کمال حضرت سلمانؓ کے دن کا بڑا حصہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں گزرتا تھا۔ اس لیے قدرۃً آپ علوم و معارفِ نبویؐ سے کافی بہرہ ور ہوئے۔ حضرت علیؓ سے آپ کے مبلغ علم کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا، ان کو علم اول اور علم آخر سب کا علم تھا، اور وہ خود ایسا دریا تھے۔ جو پایابی سے نا آشنا رہا۔ وہ ہمارے اہل بیت میں تھے۔ دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ وہ علم و حکمت میں لقمان حکیم کے برابر تھے[3]۔ علم اول سے مراد کتب سابقہ کا علم اور علم آخر سے مقصود آخری کتاب الٰہی یعنی قرآن کا علم ہے، اور اہل بیت سے ہونا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قربت و اختصاص کی بنا پر اور اس لیے کہ عربوں میں ان کا کوئی خاندان نہ تھا۔ آپ نے ان کو یہ شرف بخشا کہ اعزازاً اپنے اہل بیت میں داخل کر لیا۔

حضرت معاذ بن جبلؓ جو خود بھی بہت بڑے عالم اور صاحب کمال صحابی تھے۔ ان کے کمال علم کے معترف تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ اپنے ایک شاگرد سے کہا کہ چار آدمیوں سے علم حاصل

---

[1] ابن سعد جزو ۴ قسم ۲ ص ۶۰۵ [2] ایضاً [3] ایضاً ص ۶۶

[4] استیعاب ج ۲ ص ۵۸۲۔

کرنا۔ ان میں ایک سلمانؓ کا نام بھی تھا۔[1] ایک موقع پر خود زبانِ نبوت نے ان کے علم و فضل کی ان الفاظ میں تصدیق کی ہے کہ سلمانؓ علم سے لبریز ہیں[2]۔ صاحب اسد الغابہ لکھتے ہیں کہ سلمانؓ فضلائے صحابہ میں تھے[3]۔ آپ کی کوششوں سے حدیث کا کافی حصہ اشاعت پذیر ہوا۔ آپ کے مرویات کی تعداد ۶۰ ہے۔ ان میں سے تین حدیثیں متفق علیہ ہیں۔ ان کے علاوہ ایک میں مسلم اور تین میں بخاری منفرد ہیں[4]۔

ابوسعید خدریؓ، ابوالطفیلؓ، ابن عباسؓ، اوس بن مالک اور ابن عجرہ وغیرہ آپ کے زمرۂ تلامذہ میں ہیں۔

گو حضرت سلمانؓ علم اول اور آخر کے امین تھے، تاہم حدیث بیان کرنے میں بہت محتاط تھے۔ اسی سبب ان کی مرویات کی تعداد ۶۰ سے زیادہ متجاوز نہ ہوئیں۔ حضرت حذیفہؓ مدائن میں لوگوں سے ایسی باتیں بیان کرتے تھے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غصہ کی حالت میں کسی سے فرمائی تھیں، لوگ اس کی تصدیق کے لیے حضرت سلمانؓ کے پاس آتے۔ آپ نے صرف اس قدر جواب دیا کہ حذیفہؓ خود زیادہ اچھا جانتے ہیں۔ لوگوں نے حضرت حذیفہؓ سے آکر کہا کہ ہم نے آپ کی بیان کردہ حدیث سلمانؓ کو سنائی وہ نہ اس کی تصدیق کرتے ہیں اور نہ تردید۔ حضرت حذیفہؓ نے آکر سلمانؓ سے کہا کہ جو کچھ تم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا۔ اس کی تصدیق کیوں نہیں کرتے۔ فرمایا بعض اوقات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو کچھ غصہ میں کہہ دیتے تھے اور بعض اوقات خوش ہو کر کچھ فرما دیتے تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ تم اس قسم کی باتوں کو بیان کر کے کسی کو کسی کا دوست اور کسی کو کسی کا دشمن بنا دو گے۔ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ خداوندا غصہ کی حالت میں اگر کسی کے متعلق

---

[1] ابن سعد ج ۴ قسم ۱ ص ۶۱ [2] ایضاً [3] اسد الغابہ ج ۲ ص ۳۳۱

[4] تہذیب الکمال ص ۱۴۷۔

کوئی بُرا کلمہ نکل جائے تو اس کو بھی اس کے حق میں خیر کر دینا۔ پھر ان سے کہا کہ تم اس قسم کی باتوں سے باز آؤ۔ نہیں تو میں عمرؓ کو آگاہ کر دوں گا[1]۔

چونکہ وہ اسلام کے قبل عرصہ تک نصرانی رہ چکے تھے اس لیے عیسائی مذہب کے متعلق بھی کافی معلومات رکھتے تھے۔ حضرت ابوہریرہؓ فرماتے تھے کہ سلمانؓ دو کتابوں کا علم رکھتے ہیں۔ کلام اللہ کا اور انجیل کا۔ مذہب عیسوی کے مسائل محض پادریوں کی زبانی نہیں سُنے تھے بلکہ خود انجیل کا مطالعہ کیا تھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میں نے توراۃ میں دیکھا ہے کہ کھانے کے بعد وضو کرنے سے برکت ہوتی ہے[2]۔

عام حالات میں تقرب بارگاہ نبوی حضرت سلمانؓ صحابہ کرام کے اس مخصوص زمرے میں تھے جس کو بارگاہ نبوی میں خاص تقرب حاصل تھا۔ مخصوص صحابہ کرام کے علاوہ کم لوگ ایسے تھے جو بارگاہ نبوت کی پذیرائی میں حضرت سلمانؓ کی ہمسری کر سکتے ہوں، غزوۂ خندق کے موقع پر جب مہاجرین اور انصار علیحدہ علیحدہ جمع ہوئے تو مہاجرین کہتے تھے کہ سلمانؓ ہمارے زمرہ میں ہیں۔ انصار کہتے تھے کہ ہماری جماعت میں ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سلمانؓ ہمارے اہل بیت میں ہیں[3]۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ سلمانؓ کی شب کی تنہائی کی صحبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اتنی لمبی ہوتی تھی کہ ہم لوگوں (ازواج) کو خطرہ پیدا ہو گیا تھا کہ کہیں ہماری باری کی رات بھی اس نشست میں نہ گزر جائے۔ انس بن مالکؓ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ جنت تین آدمیوں کی مشتاق ہے، علیؓ، عمارؓ، اور سلمانؓ کی[4]۔ آپ کے تقرب کی آخری مثال یہ ہے کہ ایک موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت صدیق اکبرؓ جیسے فدائی اسلام اور جلیل القدر صحابی سے حضرت سلمانؓ اور ان کے بعض

---

[1] مسند احمد بن حنبل ج ۵ ص ۴۱ ۔ [2] ایضاً ۔ [3] مستدرک حاکم ج ۳ ص ۵۹۸ ۔
[4] جامع ترمذی مناقب سلمان ۔

رفقاء کے بارے میں رنجیدہ ہو گئے۔ اس کا واقعہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ ابو سفیان چند آدمیوں کے ساتھ حضرت صہیبؓ، حضرت بلالؓ اور حضرت سلمانؓ کے پاس سے گزرے۔ ان تینوں بزرگوں نے کہا کہ خدا کی کوئی تلوار خدا کے دشمن (ابوسفیان) کے گردن پر نہیں پڑی۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کہ تم لوگ سردار قریش کے متعلق زبان سے ایسا کلمہ نکالتے ہو، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے آکر واقعہ بیان کیا۔ آپ نے فرمایا کہ شاید تم نے ان لوگوں کو ناراض کر دیا۔ اگر تم نے ان لوگوں کو ناراض کیا تو گویا خدا کو ناراض کیا۔ حضرت ابوبکرؓ بہت نادم ہوئے اور آکر ان بزرگوں سے معذرت کی[1]

اخلاق و عادات حضرت سلمان فارسیؓ میں مذہبی جذبہ کی شدت فطری تھی، جس طرح آتش پرستی کے زمانے میں سخت آتش پرست اور نصرانیت کے زمانہ میں سخت عابد و زاہد نصرانی تھے۔ اسی طرح مشرف بہ اسلام ہونے کے بعد اسلام کا مکمل ترین نمونہ بن گئے۔ ان کے اصل فضل و کمال کا میدان یہیں ہے۔

زہد و تقویٰ ان کا زہد و ورع اس حد تک پہنچ گیا تھا جس کے بعد رہبانیت کی حد شروع ہو جاتی ہے۔ اس کی ادنیٰ مثال یہ ہے کہ عمر بھر گھر نہیں بنایا۔ جہاں کہیں دیوار یا درخت کا سایہ ملتا پڑ رہتے۔ ایک شخص نے اجازت چاہی کہ میں آپ کے لیے مکان بنا دوں۔ فرمایا مجھ کو اس کی حاجت نہیں۔ وہ پیہم اصرار کرتا رہا یہ برابر انکار کرتے رہے۔ آخر میں اس نے کہا کہ آپ کی مرضی کے مطابق بناؤں گا۔ فرمایا وہ کیسا؟ عرض کیا کہ اتنا مختصر کہ کھڑے ہوں تو سر چھت سے مل جائے اور اگر لیٹیں تو پیر دیواروں سے لگیں۔ فرمایا خیر اس میں کوئی مضائقہ نہیں، چنانچہ اس نے ایک جھونپڑی بنا دی[2]۔

اس زہد کا اثر زندگی کے ہر شعبہ میں نمایاں تھا۔ مزخرفات دنیاوی کو کبھی پاس نہ آنے دیا۔

---

[1] مسلم ج ۲ ص ۳۶۲ مصر   [2] استیعاب ج ۲ ص ۵۶۷

وفات کے وقت گھر کا پورا اثاثہ بیس بائیس درہم سے زیادہ کا نہ تھا۔ بستر میں معمولی سا بچھونا تھا۔ اور دو اینٹیں جن کا تکیہ بناتے تھے۔ اس پر بھی روتے تھے اور فرماتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ انسان کا ساز وسامان ایک مسافر سے زیادہ نہ ہونا چاہیے۔ اور میرا یہ حال ہے[1]۔ یہ حالت زندگی کے ہر دور میں قائم رہی۔ جب امارت کے عہدے پر ممتاز تھے اس وقت بھی کوئی فرق نہ آیا۔ حسن بیان کرتے ہیں کہ سلمانؓ جب پانچ ہزار تنخواہ پاتے تھے اور تیس ہزار نفوس پر حکومت کرتے تھے۔ اس وقت بھی صرف ان کے پاس ایک عبا تھی جس میں لکڑیاں جمع کرتے تھے۔ اس کا آدھا حصہ بچھاتے تھے اور آدھا اوڑھتے تھے[2]۔ زہد و ورع کا یہ حال تھا کہ خادم کو گوشت کی بوٹیاں گن کر دیا کرتے تھے کہ مبادا اس کی طرف سے کوئی سوءِ ظن نہ پیدا ہو۔

رہبانیت سے اجتناب اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ وہ اسلام کی تعلیم کے خلاف رہبانیت کی طرف مائل تھے۔ مذہبی تشدد کے ساتھ ساتھ دنیاوی حقوق کا بھی پورا پورا لحاظ رکھتے تھے اور دوسروں کو بھی اس کی تلقین کرتے تھے۔ ان کے اسلامی بھائی حضرت ابو درداؓ بڑے عابد و زاہد تھے رات بھر نماز پڑھتے تھے اور دن بھر روزہ رکھتے تھے، حضرت سلمانؓ ان سے ملنے ان کے گھر جایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ ابو دردا کی بیوی کو بہت خراب حالت میں دیکھا۔ پوچھا تم نے کیا صورت بنا رکھی ہے۔ انھوں نے کہا کس کے لیے بناؤ سنگار کروں تمھارے بھائی کو تو دنیا کی ضرورت باقی نہیں رہی ہے۔ حضرت ابو درداؓ جب گھر آئے تو بڑے تپاک سے ملے اور کھانا منگوایا مگر خود معذرت کی کہ میں روزے سے ہوں۔ فرمایا جب تک تم نہ کھاؤ گے میں نہ کھاؤں گا۔ پھر رات کو حضرت سلمانؓ ان کے پاس ہی لیٹے اور ان کو دیکھتے ہی رہے۔ جب وہ عبادت کو اٹھے تو روک کر فرمایا کہ تم پر تمھارے رب، تمھاری آنکھ اور تمھاری بیوی

---

[1] مسند احمد بن حنبل ج ۵ ص ۴۳۸، ۴۳۹۔ [2] ابن سعد ج ۴ قسم اول ص ۶۲۔

سب برحق ہے، روزوں کے ساتھ افطار اور شب بیداری کے ساتھ سونا بھی ضروری ہے۔ اس کے بعد دونوں نے یہ معاملہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پیش کیا۔ آپ نے ابودرداؓ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ سلمانؓ تم سے زیادہ مذہب کے واقف کار ہیں[1]۔

سادگی حضرت سلمانؓ کی تصویر حیات میں تکلف کے آب ورنگ کے بجائے سادگی بہت غالب تھی جو ہر زمانہ میں یکساں قائم رہی۔ مدائن کی امارت کے زمانہ میں جب کہ شان وشوکت اور خدم وحشم وغیرہ تمام لوازم ان کے لیے مہیا ہو سکتے تھے۔ اس وقت بھی ان کی سادگی میں کوئی فرق نہیں آیا۔ لباس میں ایک عبا اور ایک معمولی سی جانگھیا اور ایک اونچا پائجامہ ہوتا تھا۔ چونکہ ان کے سر کے بال گھنے اور کان لمبے لمبے تھے اس لیے اس ایرانی ہیئت کو دیکھ کر لوگ "گرگ آمد، گرگ آمد" کہتے۔ ایک مرتبہ اسی امارت کے زمانہ میں اس شان و شوکت سے نکلے کہ سواری میں بلا زین کا گدھا تھا۔ لباس میں ایک تنگ اور چھوٹی قمیض تھی جو سواری پر سے کسی وجہ سے اٹھ گئی تھی جس سے گھٹنے بھی نہ چھپتے تھے ٹانگیں کھلی ہوئیں تھیں۔ لڑکے اسی ہیئت کذائی میں دیکھ کر ان کے پیچھے لگ گئے لوگوں نے یہ طوفان بدتمیزی دیکھا تو ڈانٹ کر ان کو ہٹایا کہ امیر کا پیچھا کیوں کرتے ہو۔ ایک دستہ فوج کی سرداری پر ہوئی۔ فوجی امارت کی شان وشوکت کا تو کیا ذکر یہاں معمولی سپاہی کی بھی وضع نہ تھی، چنانچہ فوجی نوجوان دیکھ کر ہنستے اور کہتے کہ یہی امیر ہیں۔ حضرت ابودرداؓ کی والدہ فرماتی ہیں کہ حضرت سلمان ایک مرتبہ مدائن سے شام آئے۔ اس وقت وہ وہاں کے گورنر تھے مگر اپنی سادگی کی وجہ سے معمولی لباس اور ابتر حالت میں تھے۔ ان سے کہا گیا کہ آپ نے اپنے کو اس قدر ابتر کیوں بنا رکھا ہے آپ نے فرمایا کہ آرام وراحت تو صرف آخرت کے لیے ہے۔

ابو قلابہ راوی ہیں کہ ایک شخص سلمانؓ کے یہاں گیا۔ دیکھا تو بیٹھے آٹا گوندھ رہے ہے

[1] استیعاب جلد ۲ ص ۵۶۲ ۔

ہیں۔ پوچھا خادم کہاں ہے کہا کام سے بھیجا ہے۔ مجھ کو یہ اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ دو دو کاموں کا بار اس پر ڈالوں۔

اس غیر معمولی سادگی کی وجہ سے لوگوں کو ان پر اکثر مزدور کا دھوکا ہو جایا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ ایک عبسی نے جانور کے لیے چارہ خریدا۔ حضرت سلمانؓ کھڑے تھے ان سے کہا کہ اس کو گھر تک پہنچا دو وہ اٹھا کر لے چلے۔ راستہ میں لوگوں نے دیکھا تو کہنے لگے لائیے ہم پہنچا دیں یہ حال دیکھ کر عبسی نے پوچھا یہ کون ہیں۔ لوگوں نے کہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں وہ سن کر بہت نادم ہوا اور کہا کہ آپ تکلیف نہ کیجیے۔ آپ نے فرمایا اس میں مجھے نیت کا ثواب ملتا ہے۔ اب میں اس بوجھ کو بغیر پہنچائے ہوئے نیچے نہیں رکھ سکتا۔

فیاضی فیاضی اور انفاق فی سبیل اللہ بھی آپ کا نمایاں وصف تھا۔ جو کچھ آپ کو تنخواہ ملتی تھی وہ کل کی کل مستحقین میں تقسیم کر دیتے تھے اور خود چٹائی بن کر معاش پیدا کرتے تھے اور چٹائی کی آمدنی کا بھی ایک تہائی اصل سرمایہ کے لیے رکھ لیتے تھے۔ ایک تہائی بال بچوں پر خرچ کرتے، اور ایک تہائی خیرات کرتے تھے۔ ارباب علم کے بڑے قدردان تھے۔ جب کوئی رقم ہاتھ آجاتی تو حدیث نبویؐ کے شائقین کو بلا کر کھلا دیتے تھے[1]

صدقات سے اجتناب صدقات سے بہت سخت پرہیز کرتے تھے۔ اگر کسی چیز میں صدقہ کا ادنیٰ شائبہ ہوتا تو اس سے بھی احتراز کرتے۔ ایک غلام نے خواہش کی کہ مجھ کو مکاتب بنا دیجیے، فرمایا تمہارے پاس کچھ ہے۔ کہا میں لوگوں سے مانگ کر ادا کر دوں گا۔ فرمایا تم مجھ کو لوگوں کے ہاتھ کا دھوون کھلانا چاہتے ہو[2]۔ (حالانکہ اس کا مانگنا ان کے لیے صدقہ نہ رہ جاتا)

حلیہ بال گھنے، کان لمبے اور دراز قامت تھے۔

زریں اقوال حضرت سلمانؓ کے بہت سے حکیمانہ جملے اور زریں اقوال کتب احادیث میں منقول

---

[1] ابن سعد جزء دوم قسم اص ۶۴ [2] ایضاً ص ۶۴

ہیں۔ ان میں سے چند جواہر ریزے ہم یہاں نقل کرتے ہیں،

ایک مرتبہ دجلہ کے کنارے جانے کا اتفاق ہوا۔ ایک شاگرد بھی ساتھ تھا۔ حضرت سلمانؓ نے اس سے کہا کہ گھوڑے کو پانی پلا لاؤ۔ اس نے حکم کی تعمیل کی۔ آپ نے فرمایا خوب اچھی طرح پلاؤ۔ جب وہ سیراب ہو گیا تو شاگرد سے مخاطب ہو کر حضرت سلمانؓ نے فرمایا کہ کیا اس جانور کے پانی پینے سے دجلہ میں کوئی کمی واقع ہوئی؟ اس نے کہا جی نہیں۔ پھر آپ نے فرمایا کہ علم کی مثال بھی ایسی ہی ہے۔ اس میں سے جتنا بھی خرچ کیا جائے گھٹتا نہیں چاہیے کہ علم نافع طلب کرو۔

آپ نے فرمایا کہ علم بہت ہے اور عمر تھوڑی، تو بقدر علم دین اسے حاصل کر لو اور ساری دنیا کے علوم کے پیچھے نہ پڑو۔

فرمایا مومن کی مثال ایک مریض کی ہے اور اس کے پاس طبیب موجود ہے جو مرض اور اس کے علاج سے بخوبی واقف ہے۔ مریض کو جب کوئی ایسی چیز کی خواہش ہوتی ہے جو اس کے لیے مضر ہوتی ہے تو وہ اس کو روکتا ہے، اسی طرح وہ برابر اس کی دیکھ بھال کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ بالکل تندرست ہو جاتا ہے۔ اسی طرح مومن کی خواہشات بھی بہت ہوتی ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ اس کو بری اور مضر خواہشات سے بچاتا رہتا ہے، تا آنکہ اسے موت آجاتی ہے اور وہ جنت کی تمام نعمتوں سے بہرہ ور ہوتا ہے۔ اگر وہ پہلے باز نہ رکھا گیا ہوتا تو اس کو یہ نعمتیں کیسے ملتیں۔

ابو درداءؓ نے ایک مرتبہ ان کو لکھا کہ آپ ارض مقدس (غالباً بیت المقدس) میں چلے آیئے۔ حضرت سلمانؓ نے ان کو جواب میں لکھا کہ کوئی زمین انسان کو مقدس نہیں بناتی، بلکہ اس کو خود اس کا عمل مقدس اور متبرک بناتا ہے۔ پھر آپ نے لکھا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم کسی جگہ کے قاضی بنا دیے گئے ہو تو اگر تمہارے فیصلوں سے لوگوں میں انصاف ہو تو بہت اچھا ہے۔ اور اگر تم مصنوعی قاضی ہو تو پھر ایسا نہ ہو کہ اپنے فیصلوں سے تمہیں دوزخ میں جانا پڑے۔

یحییٰ بن سعید بیان کرتے ہیں کہ اس کے بعد ابو درداءؓ کا یہ حال ہو گیا کہ جب دو آدمیوں میں فیصلہ کرتے

اور فریقین واپس جانے لگتے تو ان کی طرف ایک نظر ڈالتے اور ان سے فرماتے کہ واقعی میں مصنوعی قاضی ہوں، واپس آؤ اور پھر مجھ سے اپنا مقدمہ بیان کرو۔ شاید فیصلہ میں غلطی ہو گئی ہو۔

فرماتے کہ مجھے تین آدمیوں پر بڑا تعجب ہوتا ہے ایک وہ جو دنیا کی طلب میں پڑا ہوا ہے اور موت اسے طلب کر رہی ہے، دوسرا وہ جو موت سے غافل ہے حالانکہ موت اس سے غافل نہیں ہے۔ تیسرا وہ جو قہقہے مار کر ہنستا ہے اور نہیں سمجھتا کہ اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہے یا ناراض۔ فرمایا تین چیزیں مجھے اس قدر غمگین کرتی ہیں کہ میں رو دیتا ہوں۔ ایک تو آنحضرت صلی اللہ علیہ اور ان کے اصحاب کی جدائی، دوسری عذابِ قبر، تیسری قیامت کا خطرہ۔

آپ کے پاس ایک شخص آیا اور اس نے آپ سے نصیحت کی خواہش ظاہر کی۔ آپ نے فرمایا بولو نہیں۔ اس نے کہا کہ لوگوں میں رہ کر یہ کیسے ممکن ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اگر بولو تو صحیح اور مناسب بات کہو۔ اس نے کہا کہ کچھ اور ارشاد ہو۔ فرمایا کہ غصہ نہ کرو۔ اس نے کہا کہ میں غصہ میں قابو سے باہر ہو جاتا ہوں، فرمایا کہ اپنے ہاتھ اور زبان کو قابو میں رکھو۔ اس نے کہا کچھ اور ارشاد فرمائیے، فرمایا کہ لوگوں سے ملو جلو نہیں۔ اس نے کہا یہ کیسے ممکن ہے کہ لوگوں سے ملا جلا نہ جائے۔ آپ نے فرمایا اگر ملنا جلنا ہو تو پھر بات میں سچائی سے کام لو اور امانت ادا کر دیا کرو۔[1]

---

[1] یہ تمام اقوال صفوۃ الصفوۃ سے لیے گئے ہیں۔

۳۶۔ حضرت سمعانؓ بن خالد

صاحب اصابہ نے ان کے تذکرہ میں صرف اتنا لکھا ہے کہ یہ بنو قریظہ سے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے۔ آپ نے ان کے لیے برکت کی دعا کی اور ان کے سر پہ اپنا دستِ شفقت پھیرا[1]۔

صاحب تجرید نے اتنا اور اضافہ کیا ہے کہ ان سے کچھ احادیث بھی مروی ہیں، جو ان کی اولاد کے پاس موجود ہیں[2]۔

---

[1] اصابہ جلد ۲ ص ۸۰ [2] تجرید ذکر سمعان بن خالد

۲۷۔ حضرت سیمونہ بلقاویؓ

نام ونسب | سیمونہؓ یا سیما نام، نسباً اور عقیدۃً نصرانی، بلقا کے رہنے والے تھے، اور ان کا شمار عباد نصاریٰ میں تھا۔

اسلام | یہ تصریح نہیں مل سکی کہ کب اسلام لائے۔ ارباب رجال صرف اتنا لکھتے ہیں،

کان نصرانیاً شماسا فاسلم[1] ایک نصرانی عابد شخص تھے، پھر اسلام لائے۔

مدینہ سے تجارتی تعلقات | حضرت سیمونہؓ کو تجارت کے سلسلہ میں مختلف جگہ جانے کا اتفاق ہوتا تھا کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم چند آدمی بلقا سے گیہوں لے کر مدینہ آئے اور یہاں اسے فروخت کیا۔ اور اس کی قیمت میں مدینہ کی کھجوریں بلقا لے جانے کا خیال ہوا۔ مدینہ کے لوگوں نے کھجوریں دینے سے انکار کیا۔ یہ معاملہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل مدینہ سے فرمایا کہ یہ لوگ اپنا گیہوں سستا دیتے ہیں اور کھجوریں گراں خریدتے ہیں۔ اس پر بھی تمہیں اطمینان نہیں ہے۔ تم لوگ انھیں کھجوریں لے جانے کے لیے دو۔[2]

وفات | آپ کی عمر میں اللہ تعالیٰ نے برکت دی تھی۔ ایک سو بیس برس کی عمر میں وفات پائی۔ سنہ وفات کی تصریح نہیں مل سکی۔

فضائل | شرف صحبت کے علاوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کا شرف بھی حاصل ہے فرماتے ہیں

رایت النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا اور ان کے
وسمعت من فیہ اذنی۔[3] دہن مبارک سے خود میرے کانوں نے سنا۔

منصور بن صبیح نے جو ربیع بن صبیح مشہور تابعی کے بھائی ہیں حضرت سیمونہ سے روایت کی ہے۔[4]

---

[1] تجرید ج ۱ ص ۲۷۰ [2] اسد الغابہ ج ۲ ص ۳۹۳ [3] ایضاً [4] ایضاً [5] اصابہ ج ۳ ص ۱۰۴

(ش)

۳۸۔ حضرت شمعون رضی اللہ عنہ

نام ونسب | شمعون نام، ابوریحانہ کنیت۔ پورا سلسلۂ نسب یہ ہے، شمعون بن یزید بن خنافۃ القرظی[1] ام المومنین حضرت ریحانہؓ کے والد تھے[2]

اسلام | یہ تو نہیں معلوم ہوسکا کہ کب اسلام لائے مگر حافظ ابن عبدالبر نے یہ تصریح کی ہے۔

لہ صحبۃ وسماع وروایۃ — صحابی ہیں، سماع اور روایت کا شرف بھی حاصل ہے

غزوات | نسائی اور طبرانی کی ایک روایت سے پتہ چلتا ہے کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کسی غزوہ میں بھی شریک ہوئے تھے۔

کان مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی الغزوۃ[3] — رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کسی غزوہ میں شریک تھے۔

اگرچہ اس کی تصریح نہیں ملتی کہ کس غزوہ میں شریک ہوئے تھے۔

عہد فاروقی | عہد صدیقی میں تو آپ کا ذکر کہیں نہیں آتا، مگر عہد فاروقی میں جب دمشق فتح ہوا

---

[1] استیعاب ج ۲ ص ۲۰۳ [2] ایضاً۔ ابن سعد نے حضرت ریحانہؓ کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ یہ نسباً بنو قریظہ سے تھیں لیکن شادی بنو نضیر کے ایک شخص کے ساتھ ہوئی تھی۔ اس بنا پر حضرت شمعونؓ کو بھی نضری سمجھنا چاہیے۔ لیکن یہ بھی متفق کے ساتھ تمام ارباب رجال لکھتے ہیں کہ حضرت ریحانہؓ بنو قریظہ کی جنگ میں گرفتار ہوئی تھیں۔ اس بنا پر وہ قرظی ہوئیں، اور بنو نضیر کی جلاوطنی تو اس سے ایک سال پہلے ہوچکی تھی۔ ان دونوں روایتوں میں کوئی تعارض نہیں ہے۔ ہوسکتا ہے کہ حضرت شمعونؓ نضری ہوں اور حضرت ریحانہؓ کی شادی بنو قریظہ میں کردی ہو اور دوسرے تعلقات کی بنا پر وہ ان ہی کے ساتھ رہنے لگے ہوں۔ [3] اصابہ جلد ۲ ص ۱۵۶۔

تو آپ بھی اس شرف جہاد میں شریک رہے[1]۔

شام کا قیام آپ مستقل طور سے شام میں رہتے تھے، لیکن کچھ دنوں کے لیے مصر میں چلے آئے تھے، مگر وہاں تھوڑے سے روز رہ کر پھر واپس شام چلے آئے[2]

وفات سنہ وفات معلوم نہیں ہے۔

فضل وکمال آپ کا شمار عباد اور زہاد صحابہ میں تھا۔ حافظ ابن عبدالبر لکھتے ہیں۔

کان من فضلاء الاخیار	اخیار علماء میں تھے۔ دنیا سے بالکل
الزاھدین فی الدنیا الراجین	بے تعلق اور اللہ پر متوکل
مع عند اللہ (استیعاب ج۲ ص۴۱۱)	تھے۔

اسد الغابہ میں ہے:

کان من صالحی الصحابۃ	صالح، نیک اور عبادت گذار صحابہ میں
وعبادھم (ج۴ ص۳)	ان کا شمار تھا۔

اصابہ میں ہے:

کان یکثر السجود	نمازیں بہت پڑھتے تھے۔

قرآن سے شغف قرآن مجید سے بیحد شغف تھا۔ بسا اوقات آپ قرآن پاک پڑھنے میں ایسا منہمک ہو جاتے تھے کہ آرام کرنے کا بھی خیال نہ رہتا تھا۔

ایک مرتبہ آپ کسی غزوہ سے واپس ہوئے، کھانا کھایا اور وضو کر کے اپنے پروردگار کے سامنے سجدہ شکر ادا کرنے کے لیے مسجد میں حاضر ہوئے، کوئی سورت پڑھنی شروع کی اور رات بھر اسی کو پڑھتے رہے۔ صبح کی نماز پڑھ کر جب گھر تشریف لائے تو بیوی نے کہا کہ غزوہ سے تھکے ماندے واپس آئے تھے کچھ آرام تو کر لینا چاہیے تھا۔ آپ نے فرمایا، ہاں یہ تو ٹھیک ہے۔

---

[1] اصابہ جلد ۲ ص ۱۵۶ [2] اسد الغابہ ج ۳ ص ۴

ان ذکرتك لكان — اگر تم یاد آگئی ہوتیں تو ضرور مجھ پہ تمہارا حق ہوتا

على حق — مگر یادِ الٰہی میں دوسری یاد آتی ہی نہیں۔

بیوی نے پوچھا، آخر کس چیز نے آپ کو اس قدر مشغول کر لیا تھا؟ آپ نے فرمایا!

التفکر فیما وصف الله — اللہ تعالیٰ نے جو جنت اور اس کی لذات کی تعریف

فی جنة ولذ اتها حتی — کی ہے اسی میں غور و فکر کرتا رہا۔ یہاں تک کہ

سمعت المؤذن (اصابہ ص ۱۵۶ ج ۲) — صبح کی اذان ہوگئی۔

آپ قرآن مجید یاد کرنے کی بیحد کوشش کرتے تھے، مگر وہ زیادہ یاد نہیں رہتا تھا۔ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں تشریف لائے اور قرآن مجید کے بار بار بھول جانے اور اپنے یاد کرنے کی محنت کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا کہ:

لا تحمل ما لا تطیق — اپنی یادداشت بھر یاد کرو۔ نماز کی زیادہ پابندی رکھو

علیك بالسجود — (یعنی جب نماز زیادہ پڑھوگے تو قرآن بھی

(کتاب الاسماء والکنی للدولابی ج ۱ ص ۳۱) — بار بار پڑھوگے، اس طرح وہ یاد رہے گا۔

(ص)

۳۹۔ حضرت صالح القرظیؓ

صالح نام تھا۔ قبیلہ قریظہ سے آپ کا نسبی تعلق تھا۔ جب مقوقس (شاہ مصر) نے ماریہ قبطیہؓ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا تو آپ بھی ان ہی کے ساتھ مدینہ تشریف لائے۔ اسی وجہ سے بعض لوگوں کو یہ دھوکا ہوگیا ہے کہ ان کو بھی مقوقس ہی نے بھیجا تھا، مگر صاحب اصابہ نے اس کی تردید کی ہے[1]۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کو حضرت ابوایوبؓ انصاری کے مکان میں ٹھہرایا[2]۔

زندگی کے اور دوسرے حالات نہیں معلوم ہوسکے[3]۔

---

[1] اصابہ میں ہے والصواب قبطی، مگر اور دوسرے ارباب طبقات قرظی لکھتے ہیں۔ تجرید ج ۱ ص ۲۸۱، اسد الغابہ ج ۳ ص ۱۰ [2] اصابہ جلد ۲ ص ۱۷۴ [3] ایضاً۔

(ع)

۴۰۔ حضرت عامر الشامیؓ

عامر نام، شام یا حبشہ کے رہنے والے تھے۔

اسلام اس کے متعلق کوئی تصریح نہیں ملی کہ کب اسلام لائے۔ مگر جب حضرت جعفرؓ حبشہ سے واپس آئے تو اُن کے ساتھ حبشہ سے کچھ لوگ جو اسلام لاچکے تھے۔ خدمت نبویؐ میں مدینہ آئے۔ ان ہی آنے والوں میں حضرت عامرؓ بھی تھے[1]۔ ان آنے والوں کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی[2]

اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰھُمُ الْکِتٰبَ مِنْ قَبْلِهٖ هُمْ بِهٖ یُؤْمِنُوْنَ وَاِذَا یُتْلٰی عَلَیْهِمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِهٖٓ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّنَآ اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهٖ مُسْلِمِیْنَ۔	جن لوگوں کو ہم نے اس سے پہلے کتاب دی وہ اس پر ایمان رکھتے ہیں جب ان کے سامنے قرآن کی آیات پڑھی جاتی ہیں تو وہ کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لائے بیشک یہ حق ہے ہمارے رب کی طرف سے ہم اس کے نزول کے پہلے سے مسلمان ہیں۔

---

[1] پوری تفصیل حضرت اشرفؓ کے حالات میں گذر چکی ہے۔ [2] طبری۔

۱۴- حضرت عبدالحارثؓ بن السبیؓ

نام ونسب عبدالحارث یا عبدالرحمٰن نام، پورا سلسلۂ نسب یہ ہے۔ عبدالحارث بن السبیؓ ابن الدیان الحارثی[1]۔ آپ کا شمار نجران کے ممتاز لوگوں میں تھا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی خبر نجران پہنچی اور وہاں فتنہ ارتداد اٹھا تو آپ نے روک تھام کی پوری کوشش کی۔ آپ نے اہل نجران کے سامنے ایک بہت بلیغ خطبہ دیا جس کے الفاظ یہ ہیں:

یا اهل نجران من امرکم	اے اہل نجران جس نے تم کو اس دین اسلام پر
بالثبات علی هذا الدین	جم جانے کے لیے کہا وہ تمہارا خیرخواہ ہے اور
لقد نصحکم ومن امرکم	جس نے کج روی کی تلقین کی وہ تمہارا بدخواہ
ان تزیغوا فقد غشکم الی	اور تم کو دھوکا دے رہا ہے۔ اللہ کے نبی
ان قال وانما کان نبی الله	محمد صلی اللہ علیہ وسلم تھوڑے سے زمانے کے لیے
عاریة بین اظهرکم فاتی	تمہارے پاس آئے تھے۔ اب ان کی وفات ہوچکی
علیه اجله وبقی الکتاب	ہے مگر جو کتاب وہ لے کر آئے تھے وہ اب بھی باقی
الذی جاءبه فامره	ہے اس کا حکم حکم ہے۔ اس کی نہی نہی ہے۔ اس
ونهیه نهی الی یوم القیامة	کے اوامر اور منہیات قیامت تک باقی رہیں گے۔

---

[1] تجرید میں آپ کا نام عبدالرحمٰن درج ہے۔ حافظ ابن حجرؒ نے اصابہ میں لکھا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبدالحارث سے آپ کا نام تبدیل کر کے عبدالرحمٰن رکھ دیا ہو۔ اصابہ جلد ۲ ص ۳۸۸۔

اور پھر یہ اشعار پڑھے۔

ونحن بحمد الله هامة مذحج   بنو الحرث الخير الذين هم مدد

ونحن على دين النبي مزي الذي   نهاما حي اما منه والامر ما امر

چنانچہ بہت سے لوگ آپ کی کوشش کی وجہ سے ارتداد سے باز آگئے۔[1]
وفات وغیرہ کے متعلق کوئی تفصیل نہیں معلوم ہو سکی۔

---

[1] اصابہ ج ۲ ص ۳۸ -

۴۲۔ حضرت عبداللہؓ بن سلام

نام ونسب جاہلی نام حصین تھا۔ اسلام کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ نام رکھا۔ ابو یوسف کنیت ہے۔ یہود مدینہ کے خاندان قینقاع سے تھے، مشہور ہے کہ ان کا سلسلۂ نسب حضرت یوسف علیہ السلام تک منتہی ہوتا ہے۔ مختصراً آپ کا شجرہ نسب یہ ہے: عبداللہ بن سلام بن حارث، قبیلہ خزرج میں ایک خاندان بنی عوف کے نام سے مشہور ہے اس میں ایک شاخ کا نام قواقل ہے، حضرت عبداللہؓ اسی قواقل کے حلیف تھے۔

اسلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے اور مالک بن نجار کے محلہ میں ناقہ سے اترے تو عبداللہ بن سلام کو خبر ہوئی۔ وہ اپنے بچوں کے لیے باغ میں پھل چننے گئے تھے۔ جلدی سے خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور کہا آپ سے تین باتیں دریافت کرتا ہوں جو انبیاء کے سوا کسی کو معلوم نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا جواب دیا تو فوراً بول اٹھے اشھد ان لا الٰہ الا اللہ و اشھد انک رسول اللہ، اس کے بعد کہا کہ یہود افترا پرداز قوم ہے اور میں عالم بن عالم اور رئیس بن رئیس ہوں، آپ ان کو بلا کر میری نسبت دریافت کیجیے لیکن میرے مسلمان ہونے کی خبر نہ دیجیے گا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود کو بلا کر اسلام کی دعوت دی اور کہا عبداللہ بن سلام کون شخص ہیں؟ بولے ہمارے سردار اور ہمارے سردار کے بیٹے ہیں۔ فرمایا وہ مسلمان ہو سکتے ہیں؟ جواب ملا، کبھی نہیں۔ عبداللہ بن سلام مکان کے ایک گوشے میں چھپے ہوئے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آواز دی تو کلمہ پڑھتے ہوئے باہر نکل آئے اور یہودیوں سے کہا ذرا خدا سے ڈرو۔ تمھیں خوب معلوم ہے کہ یہ رسول ہیں اور ان کا مذہب بالکل سچا ہے اور بایں ہمہ ایمان لانے پر تم لوگ آمادہ نہیں ہوتے یہود کو خلاف توقع جو خفت نصیب ہوئی، اس نے ان کو آتش زیر پا کر دیا، اور غصہ میں کہا

کہ تم جھوٹے ہو اور ہماری جماعت کے بدترین شخص ہو اور تمہارا باپ بھی بدترین شخص تھا، حضرت عبد اللہؓ نے کہا، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے دیکھا۔ مجھ کو اسی کا خوف تھا۔[1]

غزوات بدر و احد کی شرکت کے متعلق اختلاف ہے۔ صاحبِ طبقات کے نزدیک خندق ان کا پہلا غزوہ تھا۔ اس لیے انھوں نے صحابہؓ کے تیسرے طبقہ یعنی اصحاب خندق میں ان کا تذکرہ لکھا ہے کہ خندق کے بعد جو معرکے پیش آئے وہ ان میں بھی شامل ہوئے، امام سرخسی نے لکھا ہے کہ بنو نضیر کے محاصرہ کے وقت جنگی ضرورتوں کی بنا پر جب ان کے نخلستان صاف کیے جانے لگے تو اس کام پر جو لوگ متعین تھے۔ ان میں عبد اللہؓ بن سلام بھی تھے۔[2]

عہد فاروقی عہد نبوت کے بعد خلافت فاروقی میں جب حضرت عمرؓ صلح بیت المقدس کے لیے مدینہ سے شام روانہ ہوئے تو حضرت عبد اللہؓ بن سلام بھی ساتھ تھے۔

عہد عثمانی حضرت عثمانؓ کے زمانۂ خلافت میں جب باغیوں نے آستانۂ خلافت کا محاصرہ کر کے آپ کے قتل کی تیاریاں کیں، تو عبد اللہؓ بن سلام حضرت عثمانؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ آپ کی مدد کے لیے تیار ہوں، فرمایا، تمہارا مکان کے اندر رہنا ٹھیک نہیں، باہر جا کر مجمع کو منتشر کرو۔ حضرت عبد اللہؓ بن سلام باہر تشریف لائے اور ایک مختصر تقریر کی جس کا ترجمہ درج ذیل ہے:

"لوگو! میرا نام جاہلیت میں فلاں تھا (حصین) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عبد اللہ رکھا۔ میرے متعلق قرآن مجید میں کئی آیتیں نازل ہوئیں، چنانچہ شھد شاھد من بنی اسرائیل اور قل کفی باللہ شھیداً بینی وبینکم ومن عندہ علم الکتاب میری ہی شان میں اتری ہیں۔ خدا کی تلوار اب تک نیام میں ہے، اور فرشتوں نے تمہارے شہر کو جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دار الہجرت ہے، اپنا نشیمن بنا لیا ہے۔ پس ڈرو خدا سے ڈرو! اور ان کو

---

[1] صحیح بخاری ج ۱ ص ۵۵۶ و ج ۱ ص ۵۶۱ - [2] شرح السیر الکبیر ج ۱ ص ۴۲

(حضرت عثمانؓ) قتل نہ کرو۔ خدا کی قسم اگر تم ان کے قتل پر کمربستہ ہوئے تو تمھارے ہمسایہ فرشتے مدینہ چھوڑ دیں گے اور خدا کی وہ تلوار نکل پڑے گی جو اس وقت تک نیام میں بند ہے اور جو پھر قیامت تک نیام میں واپس نہ جائے گی۔ لیکن سنگدلوں پر اس پُرزور تقریر کا کچھ اثر نہ ہوا، بلکہ اس کے خلاف شقاوت اور زیادہ ترقی کر گئی، بلنے کر اس یہودی اور عثمانؓ دونوں کو قتل کر ڈالو۔[1]

عہدِ مرتضوی | حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانۂ خلافت میں مدینہ سے کوفہ دارالخلافہ تبدیل کرنا چاہا تو انھوں نے آپ کو کہلایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا منبر نہ چھوڑیئے ورنہ پھر اس کی زیارت نہ کر سکیں گے۔ لوگوں نے حضرت علیؓ کو خبر کی تو فرمایا، وہ بیچارے نہایت نیک آدمی ہیں۔[2]

وفات | ۴۳ھ میں مدینہ منورہ میں انتقال ہوا۔ یہ امیر معاویہؓ کا زمانہ خلافت تھا۔

اولاد | دو بیٹے یادگار چھوڑے۔ یوسف اور محمد، دونوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں پیدا ہوئے تھے۔ یوسف بڑے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنی گود میں بٹھایا، سر پر ہاتھ پھیرا اور یوسف نام رکھا۔[3]

علم وفضل | توراۃ اور انجیل کے عالم تھے۔ اسلام لانے کے بعد قرآن وحدیث کی طرف توجہ کی اور آپ کا شمار ان لوگوں میں ہوا جن کی طرف سے مسائل میں فتویٰ لیا جاتا تھا۔ حضرت معاذ بن جبلؓ سے لوگوں نے مرض الموت میں وصیت کی خواہش کی تو آپ نے فرمایا میں نہ رہوں گا، مگر علم اپنی جگہ پر باقی رہے گا، اور جو اس کی جستجو کرے گا خصوصیت سے چار آدمیوں کے پاس پائے گا۔ پھر آپ نے ابودرداءؓ، سلمان فارسیؓ، عبداللہ بن مسعودؓ اور عبداللہؓ بن سلام کے متعلق یہ فرمایا:

کان یہودیا فاسلم فانی سمعت | یہ یہودی تھے اسلام لائے، میں نے رسول اللہ

---

[1] صحیح ترمذی ص ۶۲۸ ۔ [2] اصابہ ج ۴ ص ۱۰۸ ۔ [3] مسند ص ۳۵ ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم — صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے سنا ہے کہ وہ
یقول انہ عاشر عشرۃ الجنۃ۔ — دسویں جنتی ہیں۔

حضرت ابوہریرہؓ باوجودیکہ خود بہت بلند پایہ کے تھے، مگر بعض مسائل آپ سے پوچھا کرتے تھے، جمعہ کے روز ایک گھڑی ایسی ہے جس میں نمازی کی دعا ضرور قبول ہوتی ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ نے عبداللہؓ بن سلام سے دریافت کیا کہ وہ کونسی گھڑی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ وہ عصر کے بعد کا وقت ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا کہ یہ ذکر خاص تو حالتِ نماز کا ہے۔ حضرت عبداللہؓ بن سلام نے فرمایا کہ کیا وہ حدیث پیش نظر نہیں ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ بندہ جب تک نماز کے انتظار میں رہتا ہے وہ گویا نماز میں ہوتا ہے تو حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا کہ آپ ٹھیک فرماتے ہیں۔

روایت حدیث آپ سے صرف ۲۵ روایتیں منقول ہیں، راویوں میں بعض صحابہ کرام بھی ہیں جن کے نام نامی یہ ہیں۔ آپ کے دونوں صاحبزادے یوسف و محمد، انس بن اوفی، ابوہریرہؓ، عبداللہ بن معقل، عبدالرحمٰن بن حنظلہ، تابعین میں سے حسب ذیل لوگوں نے آپ سے روایتیں کی ہیں، خرشہ بن الحر، قیس بن عبادہ، ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن، حمزہ بن یوسف آپ کے پوتے، عمرو بن محمد (پوتے) عوف بن مالک، ابوبردہ بن موسیٰ، ابوسعید المقبری، عبادۃ الزرقی، عطاء بن یسار، عبیداللہ بن حبیش غفاریؒ۔

اتباع سنت عطاء بن یسار فرماتے ہیں، آپ ان صحابہ میں تھے جو رفتار، گفتار، نشست و برخاست ہر چیز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کرتے تھے۔ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چند صحابہ کو جمع کر کے ان کے سامنے سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ (الآیۃ) تلاوت فرمائی تو حضرت عبداللہؓ بن سلام کا دستور تھا کہ وہ بھی لوگوں کے سامنے یہ آیت تلاوت

---

[1] مسند ج ۵ ص ۴۸۶۔

کیا کرتے تھے اور یہ طریقہ امام اوزاعی تک برابر جاری رہا۔[1]

تواضع وخاکساری زندگی ہی میں جنت کی بشارت مل چکی تھی۔ علم وفضل اور تقویٰ ودیانت میں بھی آپ اپنی نظیر تھے۔ لیکن اس فضل وکمال کے باوجود مزاج میں انتہائی تواضع وخاکساری تھی، حضرت عبادہؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ آپ مسجد نبوی میں آئے۔ آپ کے چہرے سے خشوع وخضوع کا اظہار ہو رہا تھا۔ آپ نے دو رکعت نماز ادا کی۔ اس اثنا میں لوگوں نے یہ کہنا شروع کیا "یہ شخص جنتی ہے" جب وہ نماز ادا کر چکے تو میں بھی ان کے ساتھ ہو لیا۔ گھر پہنچ کر کچھ باتیں کیں۔ جب ذرا آپ مجھ سے مانوس ہو گئے تو میں نے کہا کہ مسجد میں لوگ آپ کے متعلق ایسا کہہ رہے تھے، آپ نے فرمایا کہ لوگوں کو جو بات معلوم نہ ہو وہ بات نہیں کہنی چاہیے۔ پھر فرمایا کہ میں نے ایک مرتبہ خواب دیکھا تھا جس کی تعبیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بتائی کہ تمہارا خاتمہ اسلام پر ہوگا۔

یہ بات آپ نے انکسار کی وجہ سے فرمائی، ورنہ اوپر گذر چکا ہے کہ معاذ بن جبل فرمایا کرتے تھے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ الفاظ سنے ہیں کہ،

انہ عاشر عشرۃ الجنۃ

اسی طرح کی ایک روایت سعدؓ بن عبادہ سے بخاری میں ہے۔

ماسمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول لاحد یمشی علی الارض انہ من اھل الجنۃ الا لعبد اللہ ابن سلام[2]	موجودہ لوگوں میں میں نے عبد اللہ ابن سلام کے علاوہ کسی کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کہتے نہیں سنا ہے کہ وہ اہل جنت میں سے ہیں۔

[1] مسند جلد ۵ ص ۲۸۶

[2] اس روایت میں اشکال یہ ہے کہ ان کے علاوہ اور بھی (باقی برصفحہ ۲۱۳)

ایک مرتبہ لکڑیوں کا گٹھا اٹھا کر لا رہے تھے، لوگوں نے کہا آپ کو خدا نے اس سے مستغنی کیا ہے، فرمایا یہ ٹھیک ہے لیکن میں اس سے کبر و غرور کا قلع قمع کرنا چاہتا ہوں۔[1]

اس خاکساری و تواضع کے ساتھ حق و صداقت کا جوش بھی بے اندازہ تھا۔ فرماتے تھے کہ تم کو ایک بار قریش سے لڑائی پیش آئے گی اس وقت اگر مجھ کو قوت نہ ہو تو تخت پر بٹھا کر مجھ کو فریقین کی صفوں کے درمیان رکھ دینا۔[2]

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۱۲) بعض لوگ ہیں جن کو زندگی ہی میں جنت کی بشارت دے دی گئی تھی اور اس روایت سے پتہ چلتا ہے کہ صرف عبداللہ بن سلام ہی اس فضل کے مستحق ہیں۔ حافظ ابن حجر نے اس اشکال کے مختلف جوابات دیے ہیں ان میں سب سے صحیح بات یہ ہے کہ سعد بن عبادہ نے دوسرے حضرات کی وفات کے بعد یہ کہا تھا، سعد بن عبادہ خود بھی عشرہ مبشرہ جنت میں ہیں لیکن انھوں نے انکساری سے اپنا نام نہیں لیا۔

[1] تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ ص ۲۳۔ [2] استیعاب جلد ۱ ص ۳۹۶۔

۴۳۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ بن زبیر

نام و نسب عبدالرحمان نام، باختلاف[1] روایت پورا سلسلہ نسب یہ ہے، عبدالرحمان بن زبیر ابن باطیاء القرظی، یہود کے مشہور قبیلہ بنو قریظہ سے تھے۔

اسلام یہ معلوم نہ ہوسکا کہ کب اسلام لائے۔

کتب احادیث میں آپ کا یہ واقعہ درج ہے:

حضرت رفاعہؓ نے اپنی بیوی تمیمہ کو طلاق دے دی تھی جن سے عبدالرحمٰنؓ بن زبیر نے شادی کر لی۔ مگر حضرت عبدالرحمٰنؓ کی کچھ طبعی قوت کی کمزوری کی وجہ سے ان سے نباہ نہ ہوسکا۔ تمیمہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور علٰحدگی کی درخواست کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے کچھ باتیں دریافت کیں۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ حلالہ کی شرط جب تک پوری نہ ہو جائے گی۔ اس وقت تک تم کو علٰحدگی کا اختیار نہیں ہے اس کے کچھ روز بعد پھر وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئیں۔ مگر آپ نے پھر بھی علٰحدگی کی اجازت نہیں دی۔ پورا واقعہ حضرت رفاعہؓ کے تذکرہ میں آچکا ہے۔

وفات آپ کی وفات کی اگرچہ کوئی تصریح نہیں ملتی، مگر حضرت رفاعہؓ کے حالات میں گذر چکا ہے کہ تمیمہ حضرت عمرؓ کے زمانہ تک چاہتی رہیں کہ حضرت عبدالرحمٰنؓ بن زبیر سے

---

[1] ابن مندہ نے آپ کا سلسلہ نسب یہ لکھا ہے: عبدالرحمٰن بن زبیر بن زید بن امیہ بن زید بن مالک بن عوف بن بن عمرو بن مالک بن اوس، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اوسی تھے۔ مگر حافظ ابن حجر نے اس کی تردید کی ہے اور لکھا ہے کہ زبیر بن باطیاء تو بنو قریظہ کے مشہور و معروف لوگوں میں ہیں۔ یہ ہوسکتا ہے کہ قبیلہ اوس کے وہ متبنّیٰ ہوں، اور اسی حیثیت سے اوسی بھی مشہور ہو گئے ہوں (اصابہ ج ۲ ص ۳۹۸، اسد الغابہ ج ۳ ص ۱۸۶)۔

علیحدگی ہو جائے۔ اس سے قیاس ہوتا ہے کہ غالباً حضرت عبدالرحمٰن عہد فاروقی تک زندہ رہے۔ واللہ اعلم۔

اس آیت کا شان نزول آپ ہی کے نکاح کا واقعہ ہے۔

فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ ۔ پس جب تک دوسرا شوہر نکاح نہ کرلے دوسرا نکاح جائز نہیں ہے۔

۴۴۔ حضرت عداسؓ

عداس نام تھا۔ شیبہ بن ربیعہ کے غلام تھے، نینوا کے مشہور مقام موصل کے کسی گاؤں کے رہنے والے تھے[1]۔ مذہباً عیسائی تھے۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اہل طائف کو اسلام کی دعوت دینے کے لیے طائف تشریف لے گئے اور ان لوگوں نے آپ کے ساتھ بدسلوکی کی اور آپ وہاں سے واپس ہوئے تو راستہ میں شیبہ اور عتبہ نے جو آپ کا یہ حالت دیکھ رہے تھے، عداسؓ کو انگور کے کچھ خوشے دے کر آپ کے پاس بھیجا۔ جب عداسؓ آپ کے پاس انگور لائے تو آپ نے بسم اللہ فرمایا اور لے لیا۔

عداسؓ نے تعجب سے کہا کہ یہ تو ایک نیا طرزِ کلام سن رہا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ کہاں کے رہنے والے ہو۔ عداسؓ نے بتایا کہ نینوا کا رہنے والا ہوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جہاں کے حضرت یونسؑ رہنے والے تھے، عداسؓ نے کہا کہ آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ یونسؑ کون ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ وہ بھی نبی تھے اور میں بھی نبی ہوں[2]۔

اسلام عداسؓ نے نبوت کے یہ آثار و صفات دیکھ کر آپ کے دست مبارک اور پیروں کا بوسہ لیا اور کہہ اٹھے۔

اشهد انك عبد الله ورسوله[3]۔	میں گواہی دیتا ہوں کہ بیشک آپ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں

---

[1] اصابہ ج ۲ ص ۴۶۶۔ [2] اسد الغابہ ج ۳ ص ۳۹۰، ایک روایت میں ہے کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم فرمایا، زرقانی ص ۳۵۶ [3] اصابہ ج ۲ ص ۴۶۶۔

شیبہ و عتبہ دور سے حضرت عداسؓ کی یہ کیفیت دیکھ رہے تھے، جب وہ واپس ہوئے تو انھوں نے کہا کہ تم نے دست بوسی کیوں کی۔ حضرت عداسؓ نے کہا کہ یہ دنیا کے بہترین شخص ہیں، یہ سن کر ان دونوں نے کہا کہ کہیں وہ تمھیں تمھارے دین سے برگشتہ نہ کر دیں، تمھارا دین ان کے دین سے بہتر ہے۔ (البدایہ ج ۳)

بدر کے روز جب دونوں طرف سے جنگ کی تیاریاں ہو رہی تھیں تو حضرت عداسؓ ایک ٹیلہ پر بیٹھ گئے۔ جب شیبہ اور ربیعہ ادھر سے گزرے تو آپ نے ان دونوں کا پیر تھام لیا اور فرمایا کہ خدا کی قسم تم اگر نبی سے لڑنے کے لیے جا رہے ہو۔ تم لوگوں کا بچ کر واپس آنا بہت مشکل ہے۔ حضرت عداسؓ کو ان دونوں سے ایک گونہ تعلق تھا۔ اس لیے بہت کچھ سمجھایا، مگر وہ نہ مانے تو آپ الگ غمگین ہو کر بیٹھ گئے[1]۔

زندگی کے دوسرے واقعات کا ذکر رجال کی کتابوں میں نہیں ملتا۔

---

[1] زرقانی نے یہ تمام واقعات تفصیل سے لکھے ہیں، اور اصابہ میں بھی یہ واقعات مذکور ہیں۔ زرقانی ج ۱ ص ۵۸ و ۳ و اصابہ ص ۳۱۶ ج ۲ ۔

۴۵۔ حضرت عدیؓ بن حاتم

نام ونسب عدی نام، ابوطریف کنیت، نسب نامہ یہ ہے، عدی بن حاتم ،عبداللہ بن سعد بن مشرج بن امراء القیس ابن عدی بن ربیعہ بن جزول بن ثعل بن عمرو بن یغوث بن طے بن اود بن زید بن کہلان ۔ عدی مشہور حاتم طائی کے جن کی فیاضیاں ضرب المثل ہیں بیٹے ہیں، عقیدہ کے اعتبار سے عیسائیوں کے رکوسی فرقہ سے تعلق رکھتے تھے۔

عدی کا خاندان مدت سے قبیلہ طے پر حکمران چلا آتا تھا اور ظہور اسلام کے وقت وہ خود تخت فرمانروائی پر تھے۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مسلسل فتوحات حاصل ہوئیں اور اس کے ساتھ ساتھ آپ کا اثر واقتدار اور اسلام کا دائرہ وسیع ہونے لگا اور عدی کو نظر آیا کہ کچھ دنوں میں ان کو بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سر اطاعت خم کیے بغیر چارۂ کار نہیں رہ جائے گا تو دوسرے فرمانرواؤں کی طرح ان کی نخوت کو بھی ایک معمولی قریشی کی ماتحتی اور حکومت گوارا نہ ہوئی، لیکن ایک طرف اسلام کے بڑھتے ہوئے سیلاب کا روکنا ان کے بس سے باہر تھا، دوسری طرف حکمرانی کا غرور اسلام کے سامنے سر جھکانے کی اجازت نہ دیتا تھا۔ اس لیے انھوں نے ترک وطن کا فیصلہ کرلیا اور سامان سفر درست کرکے اسلامی فوجوں کی آمد کا انتظار کرنے لگے کہ ادھر وہ ان کی حدود کی طرف بڑھیں ادھر یہ اپنا وطن چھوڑ کر نکل جائیں۔ جب اسلامی شہسوار قبیلہ طے میں پہنچے تو عدی اپنے اہل وعیال کو لے کر اپنی عیسائی برادری کے پاس شام چلے گئے۔[1]

اتفاق سے عدی کی ایک عزیزہ چھوٹ گئی تھیں، وہ مسلمانوں کے ہاتھ آئیں۔ اور عام

---

[1] سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۳۶۸۔

قیدیوں کے ساتھ ایک مقام پر منتقل کر دی گئیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ادھر سے گذر ہوا تو ان خاتون نے عرض کیا، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باپ مر چکے ہیں، چھڑانے والا اس وقت موجود نہیں ہے، مجھ پر احسان کیجیے، خدا آپ پر احسان کرے گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا۔ چھڑانے والا کون ہے؟ عرض کیا عدی بن حاتم۔ فرمایا وہی عدی جس نے خدا اور رسول سے فرار اختیار کیا۔ یہ کہہ کر چلے گئے۔ دوسرے دن پھر گذرے اسیر خاتون نے پھر وہی درخواست کی اور پھر وہی جواب ملا۔ تیسری مرتبہ اس نے حضرت علیؓ کے مشورے سے درخواست کی۔ اس مرتبہ درخواست قبول ہوئی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رہا فرما دیا، لیکن چونکہ بڑے گھر کی عورت تھیں اس لیے ان کے رتبہ اور اعزاز کا لحاظ کر کے ارشاد ہوا کہ ابھی جانے میں جلدی نہ کرو۔ جب تمہارے قبیلہ کا کوئی معتبر آدمی مل جائے تو مجھے خبر کرو۔ چند دنوں کے بعد قبیلہ بلی اور قضاعہ کے کچھ لوگ مل گئے۔ طائی خاتون نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی۔ آپ نے ان کے شایانِ شان سواری، لباس اور اخراجات سفر کا انتظام کر کے بحفاظت تمام روانہ کر دیا۔ یہاں سے یہ خاتون براہ راست عدی کے پاس شام پہنچیں اور ان کی نہایت بُری طرح خبر لی کہ تم سے زیادہ قاطع رحم کون ہوگا۔ اپنے اہل و عیال کو لے آئے اور مجھ کو تنہا چھوڑ دیا۔ عدی نے ندامت اور شرمساری کے ساتھ اپنی غلطی کا اعتراف کیا۔ چند دنوں کے بعد عدی نے ان سے پوچھا۔ تم ہوشیار اور عاقلہ ہو تم نے اس شخص (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) کے متعلق کیا رائے قائم کی۔ انھوں نے کہا کہ میری یہ رائے ہے کہ جس قدر جلدی ہو سکے تم ان سے ملو اور اگر وہ نبی ہیں تو ان سے ملنے میں سبقت کرنا شرف و سعادت ہے اور اگر بادشاہ ہیں تو بھی یمن کا ایک باعزت فرمانروا ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔[1]

---

[1] سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۳۶۹ و ۳۷۰۔

یہ معقول بات عدی کی سمجھ میں آگئی۔ چنانچہ وہ شام سے مدینہ آئے اور مسجد نبوی میں آکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ملے۔ آپ نے ان کا نام پوچھا اور ان کو لے کر کاشانۂ قدس کی طرف چلے۔ راستہ میں ایک بوڑھی عورت ملی۔ اس نے آپ کو روک لیا۔ آپ دیر تک اس سے باتیں کرتے رہے۔ اس کا عدی کے دل پر خاص اثر ہوا اور انھوں نے کہا کہ یہ طرز دنیاوی بادشاہ کا نہیں ہوسکتا۔ گھر پہنچ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے باصرار عدی کو ایک گدے پر بٹھایا اور خود زمین پر بیٹھے۔ اس اخلاق کا عدی کے دل پر اور اثر ہوا اور انھیں یقین ہوگیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسی طرح دنیاوی بادشاہ نہیں ہوسکتے۔ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عدی کے سامنے اسلام پیش کیا۔ انھوں نے کہا کہ میں تو ایک مذہب کا پیرو ہوں آپ نے فرمایا میں تمھارے مذہب سے تم سے زیادہ واقف ہوں۔ عدی نے متعجبانہ پوچھا آپ میرے مذہب سے مجھ سے زیادہ واقف ہیں؟ فرمایا بیشک، کیا تم رکوسی[1] نہیں ہو۔ اور مال غنیمت کا چوتھائی حصہ نہیں لیتے ہو۔ عدی نے اقرار کیا۔ ان کے اقرار کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اعتراضاً فرمایا کہ یہ تو تمھارے مذہب میں جائز نہیں ہے۔ یہ حقیقت سن کر عدی کمزور پڑ گئے۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں سمجھتا ہوں کہ کیا چیز تمھارے اسلام قبول کرنے میں مانع ہوتی ہے۔ اسلام کے متعلق تمھارا خیال ہوگا کہ اس کے پیرو کمزور اور ناتواں لوگ ہیں جن کے پاس نہ کوئی طاقت ہے اور نہ ان کا کوئی پرسان حال۔ پھر پوچھا تم حیرہ کو جانتے ہو، عدی نے کہا دیکھا تو نہیں ہے لیکن نام سنا ہے۔ آپ نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ ایک دن خدا اسلام کو تکمیل کے درجہ تک پہنچائے گا اور (اس کی برکت سے) ایک تنہا عورت بلاکسی حفاظت کے حیرہ سے آکر کعبہ کا طواف کرے گی اور کسریٰ بن ہرمز کا خزانہ فتح ہوگا۔ عدی نے استعجاباً پوچھا کسریٰ ابن ہرمز!

---

[1] رکوسی عیسائی مذہب کا ایک فرقہ ہے۔

فرمایا ہاں، کسریٰ بن ہرمز، اور مال کی اتنی فراوانی ہوگی کہ لوگوں کو دیا جائے گا اور وہ لینے سے انکار کریں گے۔ اس گفتگو کے بعد عدی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دست حق پرست پر مسلمان ہوگئے۔[1]

امارت | آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر نئے مسلمان سے اس کے رتبہ کے مطابق کام لیتے تھے اور اسلام سے پہلے جن کا جو رتبہ تھا اس کو اسلام کے بعد برقرار رکھتے تھے۔ عدی رضی قبیلہ طے کے حکمران تھے اس لیے اسلام کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو طے کی امارت پر ممتاز فرمایا۔[2]

عہد صدیقی | حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ میں جب ارتداد کا فتنہ اٹھا تو بہت سے عرب قبائل نے زکوٰۃ دینی بند کر دی۔ اس موقع پر عدیؓ کی کوششوں سے ان کا قبیلہ اس فتنہ سے محفوظ رہا۔ اور عدی رضی برابر زکوٰۃ وصول کرکے دربار خلافت میں پہنچاتے رہے۔[3]

عہد فاروقی | سلکھ میں جب حضرت عمرؓ نے عراق کی فتوحات کی تکمیل کے لیے تمام ممالک محروسہ سے فوجیں طلب کیں تو عدی بھی اپنے قبیلہ کے آدمیوں کو لے کر شرکت جہاد کے لیے پہنچے اور امیر العسکر مثنیٰ کے ساتھ حیرہ کے معرکہ میں شریک ہوئے اس معرکہ میں مسلمانوں کو کامیابی ہوئی اور ایرانیوں نے شکست کھائی۔ اس کے بعد نہر مثنیٰ پر صف آرائی ہوئی، اس میں بھی عدیؓ شریک تھے اور ایرانی ناکام رہے۔[4] اس کے بعد جسر کے معرکہ میں شرکت کی۔ اس میں مثنیٰ کی غلطی سے مسلمانوں کو شکست ہوئی۔[5] اس سلسلہ کی سب سے بڑی جنگ قادسیہ میں بھی عدی نے داد شجاعت دی۔[6] سب سے آخر میں کوثی اور مدائن پر فوج کشی ہوئی۔

---

[1] مسند احمد بن حنبل ج ۴ ص ۲۵۷ مسند میں یہ حالات جستہ جستہ ہیں۔ ہم نے انھیں جمع کرکے ایک سلسلہ میں لکھ دیا ہے۔ [2] سیرۃ ابن ہشام ج ۲ ص ۳۸۰۔ [3] استیعاب ج ۲ ص ۵۱۶۔

[4] ابن اثیر ج ۲ ص ۳۴۱۔ [5] اسد الغابہ ج ۳ ص ۱۲۹۳۔ [6] اسد الغابہ ج ۳ ص ۳۹۳۔

عدی اس میں بھی شریک ہوئے، اور مدائن کے فاتحین میں تھے، ان کے سامنے کسریٰ کا خزانہ مسلمانوں کے قبضے میں آیا اور انھوں نے اپنی آنکھوں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی پوری ہوتی ہوئی دیکھ لی[1]۔ ان لڑائیوں کے علاوہ تستر اور نہاوند کے معرکوں میں بھی شریک تھے[2]۔ شام کی بعض جنگوں میں بھی وہ حضرت خالدؓ بن ولید کے ہمراہ تھے۔ غرض اس عہد کی اکثر لڑائیوں میں انہوں نے شرکت کی سعادت اور فتوحات حاصل کیں[3]۔

عہد مرتضوی حضرت عثمانؓ کے طرز عمل سے عدیؓ کو اختلاف تھا اس لیے ان کے زمانے میں بالکل خاموش رہے، اُن کی شہادت کے بعد جب حضرت علیؓ اور دوسرے اکابر صحابہ میں اختلاف ہوا تو عدیؓ نے حضرت علیؓ کی نہایت پرجوش حمایت کی۔ چنانچہ جنگ جمل میں وہ حضرت علیؓ کے ساتھ تھے۔ بصرہ کے قریب جب حضرت علیؓ نے اپنی فوج کو مرتب کیا تو قبیلہ طے کا علم عدیؓ کو عنایت کیا۔ وہ جنگ جمل میں حضرت علیؓ کی حمایت میں نہایت جانبازی کے ساتھ لڑے، جس میں ان کی ایک آنکھ کام آگئی[4]۔ جنگ جمل کے بعد صفین میں بھی وہ اسی جوش وخروش کے ساتھ حضرت علیؓ کی حمایت میں نکلے۔ اس جنگ میں بنو قضاعہ کی کمان حضرت عدیؓ کے ہاتھوں میں تھی[5]۔ صفین کا معرکہ مدتوں جاری رہا۔ شروع میں فریقین کے بہادر ایک ایک دستہ لے کر میدان میں اترتے تھے۔ ایک دن حضرت خالدؓ کے صاحبزادے شامیوں کی جانب سے میدان میں اترے۔ حضرت علیؓ کی جانب سے جناب عدیؓ ان کے مقابلہ کو نکلے اور صبح سے شام تک مقابلہ کرتے رہے[6]۔

ایک دن جبکہ گھمسان کی لڑائی ہو رہی تھی اور عراقی فوجیں پراگندہ ہو رہی تھیں حضرت علیؓ علیحدہ ایک دستہ کو لیے صف آرا تھے، عدیؓ کو حضرت علیؓ نظر نہ آئے تو آپ کی تلاش میں

---

[1] مسند احمد بن حنبل ج ۴ ص ۲۵۷۔ [2] ابن اثیر ج ۲ ص ۲۴۱۔ [3] اخبار الطوال ص ۱۵۵۔

[4] ایضاً [5] ایضاً ص ۱۰۳ [6] ایضاً ص ۱۹۸۔

نکلے اور ڈھونڈ کر عرض کیا کہ اگر آپ صحیح و سالم ہیں تو معرکہ سر کر لینا کچھ دشوار نہیں ہے۔ میں آپ کی تلاش میں لاشوں کو روندتا ہوا آپ تک پہنچا ہوں۔ اس دن سب سے زیادہ ثابت قدمی عدیؓ نے دکھائی تھی۔ ان کا ماتحت دستہ ربیعہ اس بہادری سے لڑا کہ حضرت علیؓ کو کہنا پڑا کہ ربیعہ میری زرہ اور تلوار ہیں۔[1]

صفین کے بعد نہروان کا معرکہ گرم ہوا، اس میں بھی عدیؓ حضرت علیؓ کے دست راست تھے۔ غرض شروع سے آخر تک وہ برابر حضرت علیؓ کے جاں نثارانہ شریک رہے۔[2]

وفات مختار ثقفی کے خروج تک عدیؓ کی موجودگی کا پتہ چلتا ہے۔ اس اعتبار سے وہ جنگ صفین کے بعد ۳۰ سال تک زندہ رہے، مگر اس تیس سالہ زندگی کے واقعات پردۂ خفا میں ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ حضرت علیؓ کے فدائیوں میں تھے اور آپ کے بعد انھوں نے گوشہ نشینی اختیار کر لی تھی۔ ابن سعد کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کوفہ میں عزلت کی زندگی بسر کرتے تھے اور یہیں ۶۸ھ میں وفات پائی۔[3]

فضل و کمال عدیؓ گو آخری زمانہ میں مشرف باسلام ہوئے، تاہم چونکہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور شیخینؓ کے پاس برابر آتے جاتے رہتے تھے، بخصوصاً حضرت علیؓ سے ان کے تعلقات بہت زیادہ تھے، اس لیے وہ مذہبی علوم سے بھی واقف تھے، چنانچہ ان کی ۶۶ روایتیں حدیث کی کتابوں میں موجود ہیں۔ ان میں سے چھ متفق علیہ ہیں اور تین میں امام بخاریؒ اور دو میں امام مسلم منفرد ہیں۔[4] ان کے تلامذہ میں عمرو بن حریث، عبداللہ بن معقل، تمیم بن طرفہ، خیثمہ بن عبدالرحمن، محل بن خلیفہ طائی، عامر الشعبی، عبداللہ بن عمرو، ہلال بن منذر، سعید بن جبیر، قاسم بن عبدالرحمن، عبادہ بن جیش، وغیرہ قابل ذکر ہیں۔[5] علامہ ابن عبدالبر نے ان کے کمالات کے متعلق یہ رائے ظاہر کی ہے۔

---

[1] اخبار الطوال ص ۱۹۸۔ [2] استیعاب ص ۵۱۷ ج ۲۔ [3] اخبار الطوال ص ۱۹۸۔
[4] تہذیب الکمال ص ۲۶۳۔ [5] تہذیب التہذیب ج ۷ ص ۱۶۷۔

كان سيداً شريفاً في قومه	وہ اپنی قوم کے معززین میں تھے
خطيباً حاضر الجواب فاضلاً	خطیب حاضر جواب، فاضل اور
كريماً [1]	کریم تھے۔

مذہبی زندگی یوں تو عدیؓ کی پوری زندگی خالص مذہبی زندگی تھی، لیکن نماز اور روزوں کے ساتھ خاص شغف تھا۔ نماز کے لیے یہ اہتمام تھا کہ ہر وقت باوضو رہتے تھے۔ کبھی اقامت کے وقت وضو کی ضرورت نہیں پڑتی[2]۔ ہر وقت نماز میں دل لگا رہتا تھا، اور نہایت اشتیاق سے نماز کے وقت کا انتظار کرتے رہتے تھے[3]۔ روزہ کے شرائط کی اتنی سختی سے پابندی کرتے تھے کہ جب یہ آیت:

حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ	یہاں تک کہ ظاہر ہو جائے تمھارے
الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ	لیے سفید دھاگہ سیاہ دھاگے سے۔

نازل ہوئی تو سوتے وقت سفید و سیاہ عقال تکیہ کے نیچے رکھ لیتے تھے اور اس سے سحری کے وقت کا اختتام انداز لگاتے تھے، لیکن سیاہی اور سفیدی میں کوئی امتیاز نہیں ہوتا تھا اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا تذکرہ کیا تو آپ نے ہنس کر فرمایا کہ معلوم ہوتا ہے تمھارا تکیہ بہت لمبا چوڑا ہے۔ اسود و ابیض سے مراد رات دن ہیں[4]۔

فیاضی سخاوت و فیاضی وراثۃً ملی تھی ان کا دروازہ ہر وقت ہر شخص کے لیے کھلا رہتا تھا۔ ایک مرتبہ اشعث بن قیس نے دیگیں مانگ بھیجیں۔ حضرت عدیؓ نے انھیں بھروا کر بھیجا۔ اشعث نے کہلا بھیجا کہ میں نے تو خالی مانگی تھیں۔ جواب میں کہلا بھیجا کہ میں عاریۃً بھی خالی دیگ نہیں دیتا[5]۔ ایک مرتبہ ایک شاعر سالم بن عارہ نے آکر کہا میں نے آپ کی مدح

---

[1] استیعاب ج ۲ ص ۵۱۶ [2] اصابہ جلد ۴ ص ۲۲۸ [3] استیعاب ج ۲ ص ۵۱۶۔
[4] ابوداؤد کتاب الصوم باب وقت السحور [5] اسد الغابہ ج ۳ ص ۳۹۳۔

ہیں اشعار کہے ہیں۔ حضرت عدیؓ نے کہا رک جاؤ میں ذرا اپنے مال و اسباب کی تفصیل تو تمھیں بتلا دوں اس کے بعد سنانا۔ میرے پاس ایک ہزار بچے والے مویشی، دو ہزار درہم ۳ غلام اور ایک گھوڑا ہے۔ اس کے بعد شاعر نے مدحیہ قصیدہ سنایا[1]۔ جو شخص ان کے رتبہ سے کم سوال کرتا اسے نہ دیتے تھے۔ صحیح مسلم میں بروایت صحیح مروی ہے کہ ایک شخص نے سو درہم کا سوال کیا۔ اتنی کم رقم سن کر بولے میں حاتم کا بیٹا ہوں اور تم مجھ سے صرف سو درہم مانگتے ہو۔ خدا کی قسم ہرگز نہ دوں گا[2]۔

ان کی فیاضی سے انسان تو انسان حیوان تک مستفید ہوتے تھے۔ چیونٹیوں کی غذا مقرر تھی۔ ان کے لیے روٹیاں توڑ کر ڈال دیتے تھے کہتے تھے کہ یہ بھی حقدار ہیں[3]۔

بارگاہ نبوی میں عزت عدی اپنے ذاتی اور خاندانی فضائل کی وجہ سے بڑی عزت و وقعت کی نظر سے دیکھے جاتے تھے۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے تو آپ ان کے لیے جگہ خالی کر دیتے[4]۔ خلفا کے یہاں بھی یہی وقعت قائم تھی۔ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں مدینہ آئے اور ان سے مل کر پوچھا، آپ نے مجھے پہچانا، فرمایا، پہچانتا کیوں نہیں تم اس وقت ایمان لائے جب لوگ کفر میں مبتلا تھے، تم نے اس وقت حق کو جانا جب لوگ حق کے منکر تھے اور تم نے اس وقت وفا کی جب لوگ دھوکا دے رہے تھے اور تم اس وقت آئے جب لوگ پیٹھ پھیر رہے تھے۔ سب سے پہلا صدقہ جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کے چہروں کو بشاش کیا وہ تمھارے قبیلہ طے کا تھا[5]۔

---

[1] استیعاب ج ۲ ص ۵۱۶ [2] مسلم ج ۲ ص ۲۲ مطبوعہ مصر [3] اسد الغابہ ج ۲ ص ۳۹۲
[4] استیعاب ج ۲ ص ۵۱۷ [5] اصابہ ج ۴ ص ۲۲۹ خفیف تغیر کے ساتھ یہ روایت بخاری کتاب المغازی میں بھی ہے۔

۱۰۴۔ حضرت عطیۃ القرظیؓ

نام و نسب عطیہ نام، باپ کے نام کے متعلق کوئی تصریح نہیں ملی، قبیلہ بنو قریظہ کے یہودی تھے[1]

اسلام بنو قریظہ کے روز جو لوگ نابالغ سمجھ کر چھوڑ دیے گئے تھے اور بعد میں مسلمان ہو گئے۔ ان میں حضرت عطیہؓ بھی تھے[2]۔

زندگی کے عام حالات اور وفات کے متعلق کوئی تصریح نہیں ملی۔

علم و فضل کتب احادیث میں آپ کی ایک روایت مجاہد عبد الملک بن عمیر وغیرہ کے واسطے سے مروی ہے[3]۔

---

[1] استیعاب ص ۵۱۸ [2] اسد الغابہ ص ۴۱۳ ج ۳ [3] ایضاً

۷۴۔ حضرت علیؓ بن رفاعہؓ

نام ونسب | علی نام، حضرت رفاعہؓ صحابی کے صاحبزادے اور نسباً یہودی تھے۔[1]

اسلام اور شرف صحبت | غالباً اپنے والد حضرت رفاعہؓ کے ساتھ اسلام لائے ہوں گے، اپنے والد کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اہل کتاب میں سے جو لوگ اسلام لائے تھے اُن میں میرے والد بھی تھے۔ اسی روایت کی بنا پر صاحب تجرید اور ابوموسیٰ وغیرہ کا خیال ہے کہ ان کو شرف صحبت حاصل نہیں ہے، لیکن حافظ ابن حجر نے اس کی تردید کی ہے۔ اور لکھا ہے کہ ابوحاتم نے ایک روایت نقل کی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی صحابی ہیں۔ وہ روایت یہ ہے۔ عمرو کہتے ہیں کہ مجھے طاؤس نے لکھا کہ مخابرہ[2] کے متعلق انصار سے دریافت کرو۔ میں نے علی بن رفاعہ سے دریافت کیا تو انھوں نے فرمایا کہ،

هو كراء الارض بالثلث او الربع | مخابرہ نام ہے زمین کو تہائی یا چوتھائی پیداوار پر اٹھانے کا۔

علم وفضل | مذکورہ روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ انھیں دینی مسائل اور احکام میں کافی درک تھا اور لوگ ان سے مسائل پوچھتے تھے۔

---

[1] اسد الغابہ ج ۳ ص ۲
[2] مزارعہ اور مخابرہ میں فرق ہے، مزارعہ میں بیج مالک کا ہوتا ہے اور مخابرہ میں عامل کا۔ دوسرا فرق صاحب مجمع بحار الانوار نے یہ بیان کیا ہے، مزارعہ اکثر اکثرا العامل ہے لبعض ما یخرج والمخابرہ اکثرا العامل الارض ببعض ما یخرج ج جلد الفظ "خبر" یہ لفظ خبار یا خیبر سے مشتق ہے۔

۴۸۔ حضرت عمروؓ بن سعدی

نام ونسب | عمرو نام، باپ کا نام سعدی، قبیلہ قریظہ سے نسبی تعلق تھا۔

اسلام | بنو قریظہ جس روز جلا وطن کیے گئے، آپ یہود کے پاس آئے اور ان سے کہا کہ اے یہود تم لوگوں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے نقض عہد کیا، ان سے غداری کی، ان سے تم نے معاہدہ کیا تھا کہ ان کے دشمنوں کی مدد نہ کروگے، مگر تم نے اس کی خلاف ورزی کی۔ میں نے اس وقت بھی اس سے گریز کیا تھا اور اب بھی تم سے بالکل علیحدہ ہوں[1]۔

البدایہ والنہایہ میں ہے کہ انھوں نے یہ بھی کہا کہ:

یاقوم ما رایتم ما رایتم	اے قوم جو کچھ پیش آیا وہ تم دیکھ چکے۔
فاتبعونی وتعالوا نتبع محمداً	اب آؤ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کریں
واللہ انکم تعلمون انہ نبی	خدا کی قسم تمھیں معلوم ہے کہ ابن الہیبان
قد بشرنا بہ وبامرہ ابن	اور ابن الحراش جو ہم سب سے بڑے
الھیبان وعمیر۔ ابن الحراش	عالم تھے ان کی آمد اور اس واقعہ کی
ھو اعلم یھود[2]۔	خبر دے چکے تھے۔

اس کے بعد وہ مسجد میں آئے اور رات وہیں بسر کی اور اسلام قبول کیا، اور پھر دوسرے روز مدینہ سے باہر کہیں چلے گئے۔ ان کے جانے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ذالک رجل نجاہ اللہ	اللہ تعالیٰ نے اس شخص کو اس کی سچائی
بصدقہ[3]۔	کی وجہ سے نجات دی۔

---

[1] اصابہ جلد ۲ ص ۵۳۸ ۔ [2] البدایہ جلد ۴ ص ۸۰ [3] اصابہ جلد ۲ ص ۵۳۸

۴۹۔ حضرت عمیرؓ بن امیہ

عمیر نام، باپ کا نام امیہ تھا۔ پورا سلسلہ نسب معلوم نہیں۔ ذیل کے واقعہ سے پتہ چلتا ہے کہ وہ یہودی تھے۔

ان کے ایک بہن تھی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مختلف طریقہ سے تکلیف دیتی تھی اور سخت وسست کہا کرتی تھی۔ حضرت عمیرؓ کو ایک روز غصہ آیا اور چپکے سے اسے قتل کر دیا۔ جب اس کے لڑکوں کو خبر ہوئی تو بہت برہم ہوئے اور آپ کے بجائے ایک دوسرے شخص کو قاتل سمجھ کر اس سے بدلہ لینا چاہا۔ حضرت عمیرؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ میں نے قتل کیا ہے۔ فرمایا اپنی بہن کو قتل کر ڈالا؟ کہا ہاں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! وہ آپ کو بہت تکلیف دیا کرتی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لڑکوں کو بلوایا اور واقعہ پوچھا۔ انھوں نے ایک دوسرے شخص کا نام لیا۔ لیکن آپ نے انھیں عمیرؓ کا نام بتلایا اور ان کو سمجھا بجھا کر معاملہ رفع دفع کر دیا۔

جس عورت کو انھوں نے قتل کیا تھا اس کے متعلق تصریح ہے کہ وہ یہودیہ[1] تھی اور چونکہ وہ آپ کی بہن تھی اس لیے آپ بھی یہودی رہے ہوں گے۔ واللہ اعلم۔

---

[1] اسد الغابہ ج ۴ ص ۱۴۰۔

(ک)

۵۰۔ حضرت کثیرؓ بن السائب[1]

نام ونسب | کثیر نام، باپ کا نام سائب تھا جو خاندان قریظہ سے تھے۔ غزوۂ قریظہ میں جو لوگ نابالغ سمجھ کر چھوڑ دیے گئے تھے۔ ان میں حضرت کثیرؓ بھی تھے۔ نسائی نے ان سے صرف ایک روایت کی ہے۔ لیکن ابونعیم اور ابن مندہ وغیرہ نے متعدد روایتوں کی تخریج کی ہے[2]۔ زندگی کے اور حالات معلوم نہیں ہوسکے۔

[1] بعض لوگوں نے ان کو زمرۂ تابعین میں شمار کیا ہے لیکن حافظ ابن حجر نے اصابہ میں ابونعیم ابن شاہین اور ابن مندہ وغیرہ کے اقوال نقل کیے ہیں، جن سے آپ کا صحابی ہونا ثابت ہوتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

[2] اصابہ ذکر کثیر بن السائب۔

۵۱۔ حضرت کرز بن علقمہؓ

نام ونسب کرز یا کوز نام،[1] باپ کا نام علقمہ تھا۔ آپ کا نسبی تعلق قبیلہ بکر بن وائل سے تھا۔ آپ نے اپنے بھائی ابوحارثہ کے ساتھ نصرانیت قبول کر لی تھی اور نجران میں مقیم ہو گئے تھے۔ اس لیے نجرانی مشہور ہیں۔[2]

اسلام جب نجران کے عیسائیوں کا وفد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مدینہ آیا تو اس میں آپ کا بھائی ابوحارثہ بن علقمہ بھی تھا۔ دونوں بھائی ایک ہی سواری پر سوار تھے۔ راستہ میں جب کہیں سواری کو ٹھوکر لگتی تو کرز کہتے کہ نفس الابعد (دور رہنے والے (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کا برا ہو)۔ ابوحارثہ نے یہ سنا تو کہا کہ تمھارا برا ہو۔ کرز نے بھائی سے کہا ایسا کیوں کہتے ہیں، بھائی نے جواب دیا کہ،

قد واللہ النبی الذی کنا ننتظرہ۔ — خدا کی قسم یہ وہی نبی ہیں جس کا ہم لوگ انتظار کر رہے تھے۔

پھر کرز نے کہا کہ تو تم ان کا اتباع کیوں نہیں کرتے ہو؟ ابوحارثہ نے کہا کہ یہ مال و دولت اور عزت وعظمت جو کچھ حاصل ہے وہ سب چھن جائے گی۔ ابوحارثہ کا یہ جملہ حضرت کرزؓ کے دل میں نور یقین پیدا کر دینے کا سبب ہو گیا۔ اس وقت تو وہ خاموش رہے مگر کچھ روز کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام قبول کر لیا۔[3]

متاخر الاسلام تھے اس لیے زندگی کے زیادہ تر واقعات پردہ خفا میں ہیں۔

---

[1] نام میں تھوڑا سا اختلاف ہے، بعض لوگوں نے کرز اور بعض لوگوں نے کوز لکھا ہے۔

[2] البدایہ والنہایہ ج ۵ ص ۵۶   [3] اصابہ ج ۳ ص ۲۹۲۔

۵۲۔ حضرت کعبؓ بن سلیم

نام ونسب | کعب نام، باپ کا نام سلیم تھا۔ یہود مدینہ کے مشہور قبیلہ بنو قریظہ سے تھے چونکہ قریظہ اوس کے حلیف تھے اس لیے کعب قرظی اور اوسی دونوں مشہور ہیں۔

اسلام | بنو قریظہ کے ہنوز جو لوگ نابالغ سمجھ کر چھوڑ دیے گئے تھے۔ ان میں حضرت کعبؓ بھی تھے اور اپنے دوسرے احباب کی طرح بعد میں دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے۔

وفات | وفات کا سنہ معلوم نہیں۔

اولاد | دینی و مذہبی فضل و کمال کے علاوہ آپ کا اضافی فضل یہ ہے کہ محمدؒ بن کعب القرظی مشہور تابعی آپ ہی کے صاحبزادے ہیں[1]۔

---

[1] استیعاب ج ۱ ص ۲۶۶۔

(۴)

۵۳۔ حضرت محرب رضؓ

نام ونسب محرب نام، الراباب الشنی مشہور عیسائی کاہن کے لڑکے تھے۔
صاحب اصابہ نے آپ کو صحابہ میں شمار کیا ہے[1]۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو عمان کے والی ابن الجلندی کے پاس بطور سفیر بھیجا تھا[2]۔

آپ کے ایک صاحبزادے مثنیٰ بڑے صاحب فضل وکمال ہوئے ہیں[3]۔

---

[1] اصابہ ج ۳ ص ۳۶۷ [2] ایضاً [3] ایضاً

۵۴۔ حضرت محمد بن عبداللہ بن سلام

نام و نسب | محمد نام، حضرت عبداللہ بن سلام کے صاحبزادے تھے۔

اسلام | آپ کے اسلام لانے کی کوئی تصریح نہیں ملتی ہے۔ غالباً حضرت عبداللہ بن سلام کے ساتھ اسلام لائے ہوں گے۔ آپ کو شرف صحبت اور روایت دونوں حاصل ہیں۔

کتب رجال میں ہے کہ:

له رویة و رواية محفوظة[1] ان کو صحبت اور روایت دونوں حاصل ہیں

مسند میں آپ سے دو روایتیں مروی ہیں۔ ان میں ایک روایت بہت مشہور ہے۔ وہ یہ ہے۔

عن محمد بن عبد الله بن سلام لما قدم رسول الله صلى الله عليه وسلم علينا يعني قباً[2] قال ان الله عز وجل قد اثنى عليكم في الطهور۔

وفات اور زندگی کے دوسرے حالات کتب رجال میں مذکور نہیں ہیں۔

---

[1] اصابہ [2] اس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کا خانوادہ مدینہ میں قبا میں رہتا تھا۔

۵۵ - حضرت مخیریق رضؓ

نام ونسب | مخیریق نام، قبیلہ نضیر[۱] سے نسبی تعلق تھا - آپ کا شمار علمائے یہود میں تھا -

اسلام | اسلام قبول کرنے کے متعلق کتب رجال وسیر میں صرف اتنا مذکور ہے -

کان خیرا عالما فامن	نہایت صالح اور عالم تھے -
بالنبی صلی اللہ علیہ	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر
وسلم[۲] -	ایمان لائے -

غزوۂ احد میں شرکت اور شہادت | غزوۂ احد پیش آیا تو حضرت مخیریقؓ یہود مدینہ کے پاس آئے اور ان سے کہا کہ تم لوگوں کو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ہر طرح مدد کرنی چاہیے، جبکہ تمھیں یہ علم ہے کہ ان کی مدد تم پر ضروری ہے - یہود نے کہا کہ آج یوم سبت (سنیچر) ہے - ہم کیسے تلوار اٹھا سکتے ہیں - فرمایا، سبت وغیرہ کیا چیز ہے؟ فوراً تلوار ہاتھ میں لی اور سربکف خدمت نبوی میں حاضر ہوئے اور تمام مسلمانوں کے ساتھ شریک ہو کر بامردی سے لڑے، اور شہادت پائی[۳]

فضل وکمال | آپ نے جب شہادت پائی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ،

مخیریق سابق یہود[۴]	مخیریق یہود میں سب سے آگے جانے والے ہیں

---

[۱] تجرید جلد ۲ ص ۷۰ - اصابہ میں ہے کہ انہ کان من بقایا بنی قینقاع مگر حافظ ابن حجر کا رجحان آپ کے نضری ہونے کی طرف ہے - کیونکہ انھوں نے "مخیریق النضری" سرخی قائم کی ہے -

[۲] تجرید ج ۲ ص ۷۰ - [۳] اصابہ ج ۳ ص ۳۹۳ - [۴] اصابہ جلد ۳ ص ۳۹۳

مدینہ میں آپ کے کئی باغات تھے ۔جب غزوۂ احد میں آپ زخمی ہوئے تو اپنی ساری جائداد باغ اور مال و اسباب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو وصیت کر گئے ۔آپ نے جو باغات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیے تھے ۔ان کے نام یہ ہیں :۔

المیث [1]، الصائفہ ،الدلال ،حسن ،برقہ ، الاعواف ،مشربہ ام ابراہیم۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم مخریق کی اسی جائداد سے عام مسلمانوں کی مدد اور صدقات وغیرہ کیا کرتے تھے [2]۔

[1] ایک روایت میں المیث کے بجائے المبشر ہے اور الاعواف کی جگہ المعوال ہے ۔ اصابہ جلد ۳ ص ۲۹۲ ۔

[2] ایضاً ۔

۵۶۔ حضرت میمون بن یامین رضی اللہ عنہ

نام و نسب میمون نام، باپ کا نام یامین، یہود کے مشہور قبیلہ قریظہ سے تھے۔ اسلام لانے سے پہلے اپنے قبیلہ میں بہت ممتاز تھے۔ اور آپ کا شمار احبار یہود میں تھا۔[1]

اسلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کرکے مدینہ تشریف لائے تو میمون خدمت نبوی میں حاضر ہوئے اور اسلام قبول کیا۔ لیکن دل میں یہ تڑپ تھی کہ ان کی قوم کے دوسرے لوگ بھی اس دولتِ سرمدی و سعادت ابدی سے بہرہ ور ہوتے تو اچھا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ آپ یہود کو بلوائیں اور ان سے فرمائیں کہ وہ آپ کے اور اپنے درمیان کوئی حکم مقرر کرلیں، جس کے فیصلہ پر دونوں فریق گردن جھکادیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود کو بلوا بھیجا۔ اور میمون سے کہا کہ تم مکان کے اندر چلے، یہود آئے تو آپ نے ان سے فرمایا کہ تم لوگ اپنے اور میرے درمیان ایک حکم مقرر کرلو جس کی تصدیق و عدم تصدیق کے فیصلہ پر ہم دونوں سر جھکادیں۔ سب نے یک زبان ہوکر کہا کہ ہم میمون بن یامین کو اپنا حکم مقرر کرتے ہیں، اگر انھوں نے آپ کی تصدیق کرلی تو ہم بھی تصدیق کریں گے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے میمون کو آواز دی۔ وہ مکان سے نکلے اور فرمایا:

اشہد ان محمداً	آپ بے شک اللہ کے بھیجے ہوئے
رسول اللہ۔	رسول ہیں۔

لیکن یہود نے قبول حق کے بجائے حضرت میمون پر طعن تشنیع شروع کردی، اور واپس

---

[1] اسد الغابہ جلد ۴ ص ۲۷۴۔

چلے گئے۔

آپ کی شان میں یہ آیت نازل ہوئی۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كَانَ مِنْ	آپ کہہ دیجیے کہ تم مجھ کو بتلاؤ کہ اگر یہ قرآن
عِنْدِ اللّٰهِ وَكَفَرْتُمْ بِهٖ	من جانب اللہ ہو اور تم اس کے منکر ہو اور
وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ	بنی اسرائیل میں سے کوئی گواہ اس جیسی کتاب پر
بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ۔	گواہی دے کر ایمان لے آوے۔

زندگی کے بقیہ حالات کے متعلق ارباب[1] رجال خاموش ہیں۔

---

[1] لیکن یہ واقعہ ارباب رجال حضرت عبد اللہ بن سلام کے بارے میں بھی نقل کرتے ہیں اور آیت کا شان نزول ان ہی کو بتلاتے ہیں مگر اس میں کوئی استبعاد نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ دونوں کے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا ہو اور دونوں منشائے نزول ہوں۔ جیسا کہ فتح الباری میں دونوں آدمیوں کے قبول اسلام کا واقعہ اس آیت کے تحت درج ہے۔ اصابہ ص ۲۷۱ ج ۲، اسد الغابہ ص ۲۲۴ ج ۲۔

۷۵۔ حضرت مابورؓ

نام ونسب مابور نام، اور خصی عرف تھا، حضرت ماریہؓ کے چچازاد یا ماموں زاد بھائی تھے اور ان ہی کے ساتھ مقوقس شاہ مصر نے انھیں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں تحفتہً بھیجا تھا[1]۔

اسلام حضرت ماریہؓ اور ان کی بہن حضرت سیرینؓ نے تو شروع ہی میں اسلام قبول کر لیا تھا لیکن مابو نے کچھ دنوں کے بعد اسلام قبول کیا[2]۔ حضرت ماریہؓ سے وہ بہت زیادہ مانوس تھے اور ان کی کافی خدمت کیا کرتے تھے۔ ان کو لکڑی اور پانی وغیرہ کی ضرورت ہوتی تو اکثر یہی مہیا کیا کرتے تھے[3]۔

---

[1] اصابہ ج ۳ ص ۴۴۳ [2] ایضاً ج ۴ ذکر ماریہ [3] ایضاً

(ن)

۵۸۔ حضرت نافع رضؓ

نام ونسب نافع نام، حبشہ کے رہنے والے اور علمائے نصاریٰ میں تھے۔

اسلام غالباً اپنے دوسرے احباب کے ساتھ حبشہ میں اسلام لائے۔

خدمت نبویؐ میں حاضری جب مہاجرین حبشہ سے مدینہ واپس آنے لگے تو آپ بھی مدینہ آئے اور زیارت نبوی سے مشرف ہوئے۔

زندگی کے دوسرے سوانح وحالات نہیں مل سکے لیکن آپ کا شمار بھی ان صحابہ میں ہے جن کے بارے میں سورۂ مائدہ کی یہ آیتیں نازل ہوئی ہیں[1]

وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً	دوستی رکھنے کے قریب تر آپ ان لوگوں
لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْا	کو پائیں گے جو اپنے کو نصاریٰ کہتے ہیں۔
اِنَّا نَصٰرٰى ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ	یہ اس سبب سے ہے کہ ان میں بہت سے علم دوست
قِسِّيْسِيْنَ وَرُهْبَانًا وَّاَنَّهُمْ	عالم ہیں اور بہت سے تارک دنیا درویش ہیں۔
لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ۔	اور اس سبب سے ہے کہ یہ لوگ متکبر نہیں ہیں۔

(مائدہ)

---

[1] آپ کے ساتھ اور کئی آدمی حبشہ سے آئے تھے۔ جن کا تذکرہ پہلے ہوچکا ہے۔ ان ہی کے تذکرہ میں آپ کے فضائل اور حالات بھی آچکے ہیں۔

(ی)

۵۹۔ حضرت یامین بن عمیرؓ

نام و نسب | یامین نام، باپ کے نام میں تھوڑا سا اختلاف ہے، اور بعضوں نے باپ کا نام بھی یامین ہی لکھا ہے، مگر عام ارباب رجال کا رجحان عمیر ہی کی طرف ہے[1]۔ پورا سلسلہ نسب یہ ہے۔ یامین بن عمیر بن کعب بن عمرو بن حجاش، بنو نضیر سے نسبی تعلق تھا۔

اسلام | یہود مدینہ کی مسلسل سازشوں، شرارتوں، کیادیوں اور منافقتوں کے باوجود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عفو و درگذر سے کام لیتے تھے، مگر جب پانی سر سے اونچا ہوگیا تو ان کی یکے بعد دیگرے سرزنش شروع کر دی گئی۔ بنی قینقاع کے بعد جب بنو نضیر نے بدعہدی کی، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کی سازش شروع کر دی تو ان کو مدینہ چھوڑ دینے کا حکم دیا گیا۔ امید تھی کہ اس سزا کے بعد وہ اپنے گذشتہ اعمال سے تائب ہو کر غلامانِ نبی میں شامل ہو جائیں گے مگر ان کج فطرتوں نے جس طرح پہلے روز قبول حق سے گریز کیا تھا اسی طرح آخر وقت تک گریز کرتے رہے۔ لیکن ان ہی کج فطرتوں میں کچھ نیک فطرت بھی تھے جن کے دل میں قبولِ حق کی کسی قدر صلاحیت باقی تھی۔ انھوں نے جب دیکھ لیا کہ اسلام کی صداقت کے لیے کسی مزید ثبوت کی ضرورت باقی نہیں رہی تو فوراً اسلام قبول کر لیا۔ اور اپنی قوم کا ساتھ چھوڑ دیا کہ وہ دیدہ و دانستہ راستے سے بھاگ رہی ہے[2]

---

[1] اسد الغابہ ج ۵ ص ۵۹ [2] ایضاً استیعاب ج ۲ ص ۶۳۶، حافظ ابن حجر نے یامین بن یامین اور یامین بن عمیر کو دو شمار کیا ہے اور دونوں کا ترجمہ الگ الگ لکھا ہے مگر صاحب اسد الغابہ اور صاحب استیعاب نے دونوں کو ایک شمار کر کے ایک ترجمہ لکھا ہے۔ [3] ابن الہیبان نے یہود مدینہ کو وصیت کے طور پر لکھا تھا کہ عنقریب ایک نبی مدینہ میں ہجرت کر کے آئے گا۔ اگر تم نے اس کا اتباع نہ کیا تو بہت سے مصائب پیش آئیں گے۔ جس میں ایک جلاوطنی ہے۔

ان ہی مسلمان ہونے والوں میں حضرت یامینؓ بھی تھے[1]

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن سے بدلہ عمرو بن جحاش، یامینؓ کا چچازاد بھائی تھا۔ اس نے سازش کی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ کو دھوکے سے ایک مکان کے نیچے بلایا جائے اور اُوپر سے کوئی وزنی چیز گرا کر کام تمام کر دیا جائے، (معاذ اللہ) لیکن کامیاب نہ ہوسکا، یامینؓ مسلمان ہوئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یامینؓ سے فرمایا اپنے چچازاد بھائی کی حرکت دیکھتے ہو۔ وہ دھوکے سے مجھے قتل کر دینا چاہتا تھا، مگر اللہ تعالیٰ نے جبرائیل کے ذریعہ مجھے اس کے ارادہ سے آگاہ کر دیا۔ یامینؓ فوراً اپنی جگہ سے اُٹھے اور اس دشمنِ رسول کی فکر میں لگ گئے، اور ایک روز موقع پاکر اس کو واصل جہنم کر دیا[2]

غزوہ تبوک میں مدد غزوہ تبوک پیش آیا تو چند صحابہ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور سواریوں کی درخواست کی، مگر اتفاق سے اس وقت سواریاں موجود نہ تھیں اس لیے معذوری ظاہر کی۔ وہ لوگ بچشم پرنم مایوس واپس گئے۔ قرآن نے ان کی مایوسی اور رنج وملال کا نقشہ کھینچا ہے۔

اِذَا مَآ اَتَوْکَ لِتَحْمِلَهُمْ	جس وقت وہ آپ کے پاس آتے ہیں کہ آپ ان کو
قُلْتَ لَآ اَجِدُ مَآ اَحْمِلُكُمْ	کوئی سواری دے دیں اور آپ ان سے کہہ دیتے ہیں
عَلَيْهِ تَوَلَّوْا وَّاَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ	کہ میرے پاس کوئی چیز نہیں جس پر میں تم کو سوار کردوں
مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا	تو وہ ناکام اس حالت میں واپس چلے جاتے ہیں کہ ان
يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ ۔	کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو جاتے ہیں اس غم میں کہ
(توبہ)	افسوس ان کو خرچ کرنے کو کچھ بھی میسر نہیں۔

ان ہی میں حضرت ابو لیلیٰؓ اور حضرت عبداللہ بن مغفلؓ بھی تھے، جنھیں لڑائی میں شریک نہ ہوسکنے کا بیحد افسوس تھا۔ یہ رو رہے تھے کہ یامینؓ کا اُدھر سے گذر ہوا۔ انھوں نے رونے کی

---

[1] اسد الغابہ ج ۵ ص ۹۹۔ [2] اصابہ ج ۳ ص ۶۴۹۔

وجہ دریافت کی تو انھوں نے سارا قصہ کہہ سنایا۔ حضرت یامینؓ نے فوراً دو سواریاں اور کچھ سامانِ سفر پیش کیا اور وہ دونوں غزوہ میں شریک ہوئے۔[1]

وفات اور زندگی کے دوسرے واقعات اور حالات کے بارے میں ارباب سیر خاموش ہیں۔

فضائل | حافظ ابن عبدالبر لکھتے ہیں۔[2]

وھو من کبار الصحابۃ — آپ کا شمار کبار صحابہ میں تھا۔

جن لوگوں کے بارے میں یہ آیت:

يَآيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا آمِنُوا بِاللّٰهِ وَرَسُولِهٖ۔ — اے اہل ایمان اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ۔

نازل ہوئی ان میں ایک حضرت یامینؓ بھی تھے۔

---

[1] بالکل یہی واقعہ حافظ ابن حجر نے ذکوان بن یامین کے تذکرے میں بھی لکھا ہے۔ لیکن دونوں واقعے ایک ہی معلوم ہوتا ہے اس لیے کہ دوسرے تمام ارباب رجال وسیر نے اس واقعہ کو حضرت یامینؓ کی طرف منسوب کیا ہے۔ چونکہ حضرت یامینؓ کے نام اور ان کے باپ کے نام میں بڑا اختلاف ہے۔ اس لیے یہ واقعہ کئی ناموں کی طرف منسوب ہوگیا ہے۔ چنانچہ تجرید نے آپ کا نام یاسر بن یامین لکھا ہے اور سلسلۂ نسب کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ ذکوان حضرت یامینؓ کے بیٹے تھے۔ اس لیے ہوسکتا ہے کہ واقعہ کے وقت وہ بھی موجود رہے ہوں اور راوی نے ان کی طرف بھی اسی واقعہ کو منسوب کردیا ہو۔

[2] استیعاب جلد ۲ ص ۶۳۶۔ حافظ نے اصابہ کی اس آیت کا منشائے نزول یامین بن یامین کو لکھا ہے۔ مگر جیسا کہ اوپر اسد الغابہ کے حوالے سے لکھا جاچکا ہے کہ یہ دونوں ایک ہی ہیں۔

۱۰۔ حضرت یوسفؓ بن عبداللہ بن سلام

نام ونسب یوسف نام، ابو یعقوب کنیت، حضرت عبداللہؓ بن سلام کے صاحبزادے تھے[1]
جن کا اوپر ذکر آچکا ہے۔

تعلیم وتربیت آپ جب پیدا ہوئے تو گھر کے اندر اور باہر ہر طرف اسلام کی آواز گونج رہی تھی۔ آپ نے اسی ماحول میں آنکھیں کھولیں اور تعلیم وتربیت پائی۔ صحابہ کا معمول تھا کہ ان کے یہاں کوئی بچہ پیدا ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دعا و برکت کے لیے لاتے۔ یہ پیدا ہوئے تو اُن کو بھی بارگاہ نبوت میں لایا گیا۔ آپ نے ان کو گود میں بٹھایا اور سر پہ دست شفقت پھیرا اور ان کا نام یوسف تجویز فرمایا۔ خود یوسفؓ بن عبداللہ فرماتے ہیں کہ:

اجلسنی رسول اللہ صلی اللہ	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو اپنی گود
علیہ وسلم فی حجرہ ومسح علی	میں بٹھایا اور میرے سر پہ دست شفقت پھیرا
راسی وسمانی یوسف۔	اور میرا نام یوسف رکھا۔

شرف صحبت فرماتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ ایک کھجور کو روٹی کے ایک ٹکڑے کے اوپر رکھا، اور فرمایا کہ یہ کھجور اس روٹی کا سالن ہے[2]۔

وفات حضرت عمر بن عبدالعزیز کے زمانۂ خلافت میں وفات پائی[3]۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ حضرت علیؓ اور حضرت عمرؓ سے بھی روایتیں کی ہیں۔

علم وفضل ترمذی، ابوداؤد ومسند احمد میں ان کی متعدد روایتیں موجود ہیں۔ بعض لوگوں نے ان کا شمار ان صحابہ میں کیا ہے جنھوں نے اپنی کوئی تحریری یادگار چھوڑی ہے[4]۔

---

[1] مسند ج ۴ ص ۳۵ [2] بعض لوگوں نے آپ کی صحابیت سے انکار کیا ہے۔ اس روایت سے اس کی تردید ہوجاتی ہے۔ اصابہ ج ۶ ص ۱۷۶ [3] ایضاً [4] اصابہ ج ۶ ص ۱۷۶۔

۶۱۔ حضرت ابوسعیدؓ بن وہب

نام ونسب | ابوسعید نام یا کنیت، باپ کا نام وہب۔ تھے تو قبیلہ بنونضیر سے مگر غلطی سے بنوقریظہ کی طرف منسوب[1] ہوکر قرظی مشہور ہیں۔

اسلام | بنونضیر کی جلاوطنی کے روز[2] حضرت یامینؓ کے ساتھ انھوں نے بھی یہودیت سے اپنا رشتہ توڑ کر ہمیشہ کے لیے اسلام سے جوڑ لیا[3]۔

مسلمانوں کی آپ کے مال وجائداد سے دست برداری | بنونضیر کے متروکہ مال وجائداد پر مسلمانوں نے قبضہ کرلیا، مگر حضرت یامینؓ اور حضرت ابوسعیدؓ چونکہ اسلام لاچکے تھے اس لیے کسی نے ان کے مال وجائداد کو ہاتھ نہیں لگایا[4]۔

وفات | سنہ وفات معلوم نہیں ہوسکا۔

علم وفضل | آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے، اور آپ سے آپ کے صاحبزادے روایت کرتے ہیں[5]۔

---

[1] حافظ ابن عبدالبر نے ان کے قرظی ہونے کی تردید کی ہے۔ استیعاب ج ۲ ص ۶۱۳۔

[2] بعض لوگوں نے لکھا ہے کہ غزوہ قریظہ کے روز اسلام لائے تھے، مگر حافظ نے اس کی تردید کی ہے۔ اصابہ ج ۷ ص ۸۶

[3] استیعاب ج ۲ ص ۶۱۳ [4] اصابہ ج ۴ ص ۸۷ [5] اسدالغابہ ج ۵ ص ۵۱۰۔

۶۲۔ حضرت ابو مالکؓ

نام ونسب | عبداللہ نام، ابو مالک کنیت، اسلام سے پہلے آپ علمائے یہود میں تھے۔ اصل وطن یمن تھا لیکن کسی وجہ سے ترک وطن کر کے یثرب چلے آئے تھے اور یہیں قبیلہ قریظہ میں کسی عورت سے شادی کر لی تھی۔ اسی وجہ سے بجائے یمنی کے قرظی مشہور ہیں[1]۔

وفات | وفات کی تصریح نہ مل سکی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جو صفات توراۃ میں مذکور ہیں ان کے متعلق دریافت کیا گیا تو فرمایا۔

صفته فی کتاب بنی ھارون	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت حضرت ہارونؑ
الذی لم یبدل ولم	کی کتاب میں موجود ہے جس میں اب تک کوئی تبدیلی
یغیر احمد من ولد	اور تحریف نہیں ہوئی ہے۔ اس میں یہ ہے کہ احمد
اسمٰعیل یاتی بدین الحنیفیہ	نام کے ایک نبی دین حنیف کو جو حضرت ابراہیمؑ
دین ابراھیم یاذر علی	کا دین ہے لے کر آئیں گے، تہبند ناف سے
وسطه ویغسل اطرافه	اوپر باندھتے ہوں گے، اپنے اعضا کو پاک صاف
وھو اخر الانبیاء[2]۔	رکھتے ہوں گے اور یہ آخری نبی ہوں گے۔

آپ سے کوئی روایت مروی نہیں ہے۔

---

[1] اصابہ جلد ۴ ص ۱۷۲ [2] ایضاً

۶۳۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک یہودی خادم

نام ونسب تو نہیں معلوم ہوسکا، لیکن حاکم نے مستدرک میں حضرت انسؓ سے ایک روایت نقل کی ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک یہودی خادم بھی تھے۔ جو اپنی زندگی کے آخری ایام میں مسلمان ہو گئے تھے۔ پوری روایت یہ ہے کہ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ ایک یہودی غلام آپ کی خدمت کیا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ وہ بیمار پڑا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے۔ عیادت کے بعد آپ نے قبولِ اسلام کی دعوت دی۔ اس کے باپ وہاں موجود تھے اس نے باپ کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھا۔ باپ نے کہا جو کچھ نبی امی فرما رہے ہیں اس کی تعمیل کرو۔ اس نے فوراً کلمہ طیبہ پڑھا اور مسلمان ہو گیا۔

غالباً اسی مرض میں ان کی وفات ہوئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کے ساتھ ان کے جنازہ کی نماز پڑھی۔

اس روایت سے دو خاص باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ ایک تو ایک یہودی خادم رسول کا مشرف باسلام اور صحابی ہونا، اور دوسرے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وسعتِ قلب اور وسعتِ اخلاق کہ جن یہودیوں نے اسلام کی بیخ کنی اور آپ کی دشمنی میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔ ان ہی کے ایک فرد کے ساتھ آپ کا یہ سلوک تھا کہ اس نے پوری زندگی آپ کے ساتھ گذار دی۔ مگر آپ نے ایک روز بھی اس کو اسلام لانے پر مجبور نہ کیا، حالانکہ اس وقت بڑی آسانی سے اسلام کا قلادۂ اطاعت اس کی گردن میں ڈالا جا سکتا تھا۔ لَا اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ کا اس سے بڑھ کر ثبوت اور کیا ہو سکتا ہے[1]۔

---

[1] اس روایت کو ذہبی نے تلخیص میں دوسری سند سے ذکر کیا ہے اور حاکم کی روایت پر کوئی جرح نہیں کی ہے۔

تابعینؒ

ادیم التغلبیؒ

اُدیم، ہُذیم[1] یا ہریم نام - باپ کا نام عبد اللہ تھا۔ خاندان تغلب کے نصرانیوں سے[2] نسبی تعلق تھا - زمانۂ قبولِ اسلام کے متعلق کوئی تصریح نہیں مل سکی -

---

[1] نام میں اختلاف ہونے کی وجہ سے بعض لوگوں نے ایک کے بجائے دو آدمیوں کو شمار کیا ہے۔ چنانچہ صاحب بذل المجہود نے عین المعبود کے مؤلف پر یہ استدراک کیا ہے کہ وہ ان دونوں آدمیوں کو ایک سمجھتے ہیں - حالانکہ ایک نہیں دو ہیں - ہریم تابعی ہیں اور ہذیم صحابی - لیکن یہ استدراک میرے خیال میں صحیح نہیں ہے - ارباب رجال نے ان کو ایک ہی شمار کیا ہے - اسد الغابہ میں ہے کہ ادیم اور ہذیم ایک ہی ہیں رصاحب اصابہ نے بھی اسی کی تائید کی ہے - رہا ہریم تو ہریم ابن عبد اللہ الغاری کا نام کتب رجال میں ملتا ہے - لیکن ان سے بھی ابن سعید کی یہ روایت ثابت نہیں ہے اور اس نام کا کوئی دوسرا شخص جس سے صبیؔ کی روایت بھی ثابت ہو - کتب رجال میں نہیں ملتا -

یہ روایت نسائی اور سنن بیہقی میں بھی ہے لیکن اس میں اُدیم، ہذیم یا ہریم کے واسطے سے روایت نہیں ہے ابو داؤد میں ہذیم کا نام آیا ہے - لیکن نسخوں کے اختلاف کی وجہ سے ان کے نام میں بھی کافی اختلاف ہے - اس لیے ہم نے بھی ارباب رجال کے اتباع میں ان کو ایک ہی شمار کیا ہے -

[2] ان کی نصرانیت کی کوئی تصریح نہیں ملتی لیکن دو قابل ترجیح قرینے موجود ہیں جن کے پیشِ نظر ہم نے ان کو اس فہرست میں لے لیا ہے ایک یہ کہ اسد الغابہ میں ہے کہ ان بنی تغلب کا تو انصاری (بنو تغلب نصاریٰ تھے) اور اس لیے ان کا تغلبی ہونا ثابت ہوتا ہے - دوسرے یہ کہ صبیؔ ابن معبد نے اپنی روایت میں یہ تصریح کی ہے کہ اُدیم ان کے خاندان اور قوم کے آدمی تھے اور صبیؔ ابن معبد کے متعلق معلوم ہے کہ وہ نصرانی اور تغلبی تھے -

یہ صحابی ہیں یا تابعی اس کے بارے میں ارباب رجال کے درمیان اختلاف ہے۔ صاحب اسدالغابہ اور صاحب استیعاب نے ان کو صحابہ میں شمار کیا ہے اور صاحب اصابہ نے اپنی کتاب کی تیسری قسم یعنی مخضرمین میں داخل کیا ہے۔ جو لوگ ان کو صحابہ کی فہرست میں داخل کرتے ہیں غالباً ان کے پیش نظر ابوداؤد کی وہ روایت ہے جس میں ایک تابعی صبی بن معبد نے ان سے حج میں قران کے متعلق دریافت کیا تھا تو انھوں نے صبی کو اس کی اجازت دے دی تھی۔

حدیث کی کتابوں میں بھی ایک روایت ان سے مروی ہے لیکن ابوموسیٰ نے لکھا ہے کہ کسی نے اس روایت کی سند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک نہیں پہنچائی ہے اور یہی سبب ہے کہ صاحب اصابہ نے ان کو صحابی شمار نہیں کیا ہے۔ خود صاحب اسدالغابہ نے بھی ابوموسیٰ کا یہ قول نقل کر کے کہ ان کی روایت کا سلسلۂ سند آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک نہیں پہنچتا۔ ان کے صحابی ہونے میں شک ظاہر کیا ہے۔

بہرحال اس اختلاف رائے کے باعث ان کی صحابیت کی تعیین نہیں ہو سکی اور اسی بنا پر ہم نے ان کو بجائے صحابہ کے زمرہ میں شمار کرنے کے تابعین کی فہرست میں داخل کیا ہے۔ زندگی کے دوسرے حالات دستیاب نہیں ہو سکے۔

۲۔ ارمی بن النجاشی

ارمی ؛ ارہی یا اریجا نام، نجاشی شاہ حبشہ کے صاحبزادے تھے۔

خدمتِ نبوی میں آمد سے پہلے وفات

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب تمام بادشاہوں کو دعوت اسلام کے خطوط لکھے تو شاہ نجاشی کے پاس عمرو بن امیہ کو پیغام دے کر بھیجا۔ شاہ نجاشی نے اس پیغام کا خیر مقدم کیا اور ساٹھ آدمیوں کے ساتھ اپنے صاحبزادے ارمی کو خدمتِ نبوی میں روانہ کیا۔ لیکن یہ قافلہ راستہ ہی میں، جبکہ وہ ایک دریا کو عبور کر رہا تھا، اس کی ہلاکت خیز موجوں کے نذر ہو گیا[1] اور منزلِ مقصود کو نہ پہنچ سکا۔ اکسٹھ آدمیوں کے اس قافلہ میں صرف ارمی بن النجاشی کا پتہ چل سکا۔

ع خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

بقیہ قافلہ نے ان کے وجود کے ساتھ ان کے نام ونشان بھی ہمیشہ کے لیے مٹ گئے۔

---

[1] اصابہ جلد ا

۳- اصبغ بن عمرو

نام و نسب اصبغ نام، باپ کا نام عمرو تھا، سلسلہ نسب یہ ہے، اصبغ بن عمرو بن ثعلبہ بن حصین ابن ضمضم بن عدی بن خباب، قضاعہ کی ایک شاخ بنو کلب سے تھے، یہ قبیلہ دومۃ الجندل کے قریب رہتا تھا، اصبغ مذہباً عیسائی اور اپنے قبیلہ کے سردار اور حکمران تھے۔

اسلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت اسلام کے لیے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کو دومۃ الجندل بھیجا تھا، حضرت عبدالرحمٰنؓ نے وہاں پہنچ کر اہل دومہ کو اسلام کا پیغام سنایا، پہلے روز ان پر کوئی اثر نہیں ہوا، دوسرے روز بھی انہوں نے دعوت دی، لیکن ان لوگوں نے کوئی توجہ نہیں کی، تیسرے روز پھر حسبِ دستور انہوں نے ان کے سامنے اسلام کا پیغام پیش کیا، تو اصبغ پر ان کی دعوت کا اثر ہوا، اور انہوں نے نصرانیت کا قلادہ گردن سے اتارا اور حلقہ بگوشِ اسلام ہو گئے۔

اصبغ کی صاحبزادی سے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کا نکاح حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اصبغ کے اسلام کی اطلاع دی اور اس قبیلہ سے تعلقات قائم رکھنے کے متعلق بھی دریافت کیا، تو آپ نے ان کو تعلقات کی استواری کے خیال سے اس قبیلہ میں شادی کرنے کی ترغیب دی، حضرت عبدالرحمٰن ابن عوف نے تعمیلِ ارشاد میں اصبغ کی صاحبزادی تماضر سے نکاح کر لیا[1]۔ مزید تفصیل تماضر کے حالات میں آئے گی۔

اس سے پہلے قریش اور بنو کلب وغیرہ میں باہم شادی بیاہ کے تعلقات نہیں تھے، اس لیے کہ قریش اپنی شرافتِ نسب کے سامنے ان قبائل کو بہت ادنیٰ اور فروتر سمجھتے تھے، لیکن اسلام

[1] اصابہ جلد ۱

نے ان معمولی رشتوں اور اضافی اوصاف سے بلند ہو کر دینی اخوت اور اخلاق و کردار کو شرافت اور رشتہ کا معیار قرار دیا، یہ شادی اس اسلامی مساوات کی پہلی مثال تھی[1]۔

اصبغ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں موجود تھے، لیکن شرف زیارت سے سرفراز نہیں ہوئے، اسی لیے ان کا شمار تابعین میں کیا جاتا ہے۔ اس سے زیادہ ان کے حالات نہیں معلوم ہو سکے۔

---

[1] اصابہ جلد ۴ ذکر تماضر۔

۴۔ اصحمہ نجاشی رض شاہ حبشہ

نام و نسب | اصحمہ نام، باپ کا نام ابجر نجاشی شاہی لقب، حبشہ (ابی سینا) کے بادشاہ تھے۔ عرب میں عطیہ کے نام سے بھی مشہور ہیں۔

مسلمانوں کی پہلی ہجرت گاہ | قریش کے ظلم و ستم کا بادل جب پیہم برس کر نہ کھلا تو رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو حبش ہجرت کر جانے کا حکم دیا، چنانچہ مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد مکہ سے حبشہ ہجرت کر گئی۔ حبشہ میں اس وقت یہی اصحمۃ النجاشی بادشاہ تھے، جن کے سایۂ عاطفت میں پہنچ کر جان نثاران اسلام نے اطمینان کا سانس لیا، نجاشی نے مسلمانوں کے ساتھ بڑا اچھا سلوک کیا، قریش کو اس احسان و سلوک کا حال معلوم ہوا تو بڑا پیچ و تاب کھایا۔ آخر میں طے کیا کہ شاہ نجاشی کے ایک وفد جائے، اور یہ عرضداشت پیش کرے کہ ہمارے مجرموں (مسلمانوں) کو ہمارے حوالے کر دے۔ اس مہم کے لیے عمرو بن العاص اور عبداللہ بن ربیعہ منتخب ہوئے یہ لوگ حبشہ پہنچے تو پہلے تمام پادریوں سے ملے اور تحفے و تحائف پیش کیے، اور مقصد کی تکمیل کے لیے ان کو ہموار کر لیا، پھر شاہ نجاشی اصحمہ کے دربار میں باریابی حاصل کی اور نذرانہ پیش کیا۔ نجاشی نے آمد کی وجہ دریافت کی، انہوں نے اپنا مطالبہ ظاہر کیا، نجاشی نے پادریوں سے دریافت کیا، انہوں نے بھی یک زبان ہو کر ان کے مطالبہ کی تائید کی، لیکن شاہ نجاشی نے کہا، میں ان لوگوں سے خود بالمشافہ گفتگو کروں گا، اگر وہ لوگ جیسا کہ تم کہتے ہو مجرم ثابت ہوئے تو ان کو واپس کر دوں گا۔ ورنہ جو میری پناہ میں آ گیا ہے اس پر ظلم روا نہیں رکھا جا سکتا مسلمان دربار میں بلائے گئے تو اصحمہ نے ان سے پوچھا کہ تم نے کونسا دین اختیار کیا ہے، جو نہ

---

[1] اصابہ جلد ۱ ذکر اصحمہ۔

نصرانیت ہے نہ بت پرستی، اور نہ کسی دوسری قوم کا دین ہے، مسلمانوں کی طرف سے حضرت جعفرؓ نے وکالت کی، اور بر سرِ دربار ایک بہت ہی مؤثر اور دلنشین تقریر کی، جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف اور اسلام کی اخلاقی خوبیاں کیں۔ اس کے بعد شاہ نجاشی نے حضرت جعفرؓ کے قرآن کا کچھ حصہ پڑھنے کی فرمائش کی، انھوں نے سورۂ مریم کی چند ابتدائی آیتیں تلاوت کیں۔ نجاشی پر رقت طاری ہوگئی، اور آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ اس کے بعد انہوں نے ان فدائیانِ اسلام کو قریش کے حوالے کرنے سے صاف انکار کر دیا، اور مسلمان زبانِ حال سے یہ شعر پڑھتے ہوئے دربار سے نکل آئے۔

تھی خبر گرم کہ غالب کے اڑیں گے پرزے دیکھنے ہم بھی گئے تھے پہ تماشا نہ ہوا

جب قریش کے وفد کو پہلے روز ناکامیابی ہوئی تو انھوں نے دوسرے روز پھر کسی طرح دربار میں رسائی حاصل کی، اور شاہ نجاشی کے سامنے یہ عرضداشت پیش کی کہ ان مسلمانوں سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق دریافت فرمایا جائے۔ مسلمان پھر بلائے گئے، ان کے لیے یہ بڑی آزمائش کا وقت تھا، اگر سچ کہتے ہیں تو شاہ نجاشی ناخوش ہوتا ہے، اور اس کے خلاف کہتے ہیں تو دین کے وقار کو صدمہ پہنچتا ہے۔ آخر کار انہوں نے یہ طے کیا کہ چاہے جو کچھ بھی ہو انھیں سچ ہی بولنا چاہیے۔ اس روز بھی حضرت جعفرؓ ہی گفتگو کے لیے منتخب ہوئے، انہوں نے فرمایا ہمارے نبیؐ نے ہمیں بتایا ہے کہ "حضرت عیسیٰؑ خدا کے بندے، اس کے کلمہ اور اس کی روح ہیں"۔ نجاشی نے زمین سے ایک تنکا اٹھایا اور کہا "خدا کی قسم حضرت عیسیٰؑ اس تنکے کے برابر بھی اس سے زیادہ نہیں ہیں"۔ دربار کے بطریق اور پادری اس پر بہت ناراض ہوئے، لیکن ناراضگی کا ان پر کوئی اثر نہ ہوا، قریش نے جو تحفے تحائف نجاشی کے حضور میں پیش کیے تھے، نجاشی نے سب واپس کر دیے اور وفد وہاں سے نامراد ہو کر واپس چلا آیا۔

اسلام | یہ واقعہ بجائے خود نجاشی کے اسلام پر شاہد ہے، لیکن اس کے علاوہ ابوداؤد میں حضرت ابوہریرہؓ سے ایک روایت ہے کہ:

قال النجاشی اشھد	نجاشی نے کہا کہ میں شہادت دیتا ہوں کہ آنحضرتؐ
انه رسول الله وانه	صلی اللہ علیہ وسلم بے شک اللہ کے رسول ہیں،
الذی بشر به عیسٰی	اور وہی نبی ہیں جن کی بشارت حضرت عیسٰیؑ
ابن مریم۔	نے دی ہے۔

بعض روایتوں میں ہے کہ انہوں نے حضرت جعفرؓ کے ہاتھ پر بیعت اسلام بھی کی تھی۔

خدمت نبوی کی تڑپ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام ملوک وسلاطین کو دعوتِ اسلام بھیجی، تو شاہ نجاشی کے پاس بھی اپنا قاصد بھیجا۔ شاہ نجاشی نے آپ کے قاصد کا پرتپاک خیر مقدم کیا، آپ کی رسالت کا اقرار کیا، اور اپنے لڑکے ارمیٰ کو آپ کی خدمت کے لیے بھیجا، اور لکھا کہ اگر سلطنت کی ذمہ داری کا بوجھ میرے اوپر نہ ہوتا تو میں خود بھی بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر حضورؐ کی کفش برداری کی سعادت حاصل کرتا[1]۔

وفات مسلمانوں کے اس غمخوار اور محسن نے ۹ھ میں داعیٔ اجل کو لبیک کہا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی کے ذریعے اسی روز[2] ان کی موت کی اطلاع مل گئی، اور آپ نے بڑے رنج وغم کے ساتھ مدینہ میں ان کی موت کا اعلان کیا، فرمایا، مسلمانو! تمہارے برادرِ صالح اصحمہ نے انتقال کیا۔ ان کے لیے دعاء استغفار کرو، پھر صحابہؓ کے ساتھ ان کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھی[3]۔

---

[1] ابو داؤد۔

[2] بخاری اور تمام کتب حدیث میں یہ روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی روز ان کی موت کی خبر مل گئی تھی، اسی روز غزوۂ موتہ میں بھی آپ کو سپہ سالارانِ اسلام کی شہادت اور حضرت خالدؓ کے ہاتھوں اس میں فتح کی خبر بھی کسی مادی ذریعۂ اطلاع کے بغیر پہنچ چکی تھی، اور آپ نے ان کے بارے میں جو کچھ فرمایا تھا، بعد میں حرف بحرف اس کی تصدیق ہوئی۔

[3] غائبانہ نماز جنازہ پڑھنے کے بارے میں فقہاء کے درمیان تھوڑا سا اختلاف ہے (باقی بر صفحہ ۲۵۷)

فضائل | تفسیر کی روایتوں میں ہے کہ قرآن کی ان آیات:

وَاِنَّ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ	بعض اہل کتاب ہیں، جو ایمان لاتے
لَمَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَا	ہیں اللہ پر اور جو تمہاری طرف نازل ہوا
اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَمَا اُنْزِلَ	ہے اور جو ان کی طرف اللہ سے
اِلَيْهِمْ خٰشِعِيْنَ لِلّٰهِ وَ	ڈرتے ہوئے، جب وہ سنتے ہیں
اِذَا سَمِعُوْا مَا اُنْزِلَ	جو کچھ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف
اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰى اَعْيُنَهُمْ	نازل ہوا، تو تم دیکھو گے کہ ان کی آنکھوں
تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا	سے آنسو جاری ہوگئے ہیں، یہ اس وجہ
عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ۔	سے کہ انھوں نے حق کو پہچان لیا ہے۔

میں دوسرے اہل کتاب کے ساتھ شاہ نجاشی بھی مراد لیے گئے ہیں۔

اخلاق | شاہانہ اوصاف، عدل وانصاف، رحم وکرم اور رعایا پروری کے علاوہ عام انسانی اخلاق واوصاف سے بھی متصف تھے۔ اپنے ملک میں مظلوم وستم رسیدہ مسلمانوں کے ساتھ انہوں نے جو حسن سلوک کیا، اس احسان سے امت محمدیہ ہمیشہ گراں بار رہے گی۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۵۶) بعض لوگ اس کو عام حکم سمجھتے ہیں، اور اب بھی غائبانہ نماز جنازہ پڑھنے کو جائز کہتے ہیں، اور بعض اسے آپ کی خصوصیت بتلاتے ہیں، اور بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اگر ایسی ہی کسی اجنبی جگہ میں کسی مسلمان کا انتقال ہو تو اس کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھی جاسکتی ہے۔

مسلم کی روایت سے پتہ چلتا ہے کہ یہ وہ نجاشی نہیں ہیں جن کی آپ نے نماز جنازہ پڑھی تھی، لیکن حافظ ابن قیم نے اسے راوی کا وہم بتایا ہے۔

۵- بکّار الراہب

نام ونسب | بکار نام، شام اصلی وطن تھا، ایک گوشہ نشین اور تارک الدنیا بزرگ تھے مشہور ہے کہ چالیس برس تک عبادت گاہ سے باہر قدم نہیں رکھا- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں موجود تھے، لیکن شرفِ زیارت سے مشرف نہ ہو سکے- ذیل کی روایت سے اس کی تفصیل معلوم ہو جائے گی۔

سعدؓ بن العاص صحابی بیان کرتے ہیں کہ میں چھوٹا تھا کہ میرے چچا ابان بن سعید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمیشہ بُرا بھلا کہا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ وہ بغرض تجارت شام گئے- وہاں بکار الراہب سے جو چالیس برس کے بعد عبادت گاہ سے نکلے تھے، ملاقات ہوئی- انھوں نے جا کر ان سے کہا کہ میری قوم کے ایک فرد نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے، بکار نے نام دریافت کیا، کہا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)، پھر پوچھا کتنے زمانہ سے وہ اپنے آپ کو نبی کہتے ہیں، جواب دیا کہ بیس برس سے، اس کے بعد بکار نے کہا کہ کہو تو میں ان کے صفات بیان کروں؟ ابان کہتے ہیں کہ انھوں نے ان کی تمام صفات بیان کیں اور ذرا غلطی نہیں کی- اس کے بعد کہا کہ خدا کی قسم وہ نبی برحق ہیں- اللہ تعالیٰ ان کو ضرور غالب کرے گا، میرا سلام ان کو پہنچا دینا- یہ کہہ کر وہ پھر گرجا میں چلے گئے۔

اس ملاقات کا یہ اثر ہوا کہ ابان جب مکہ واپس آئے تو سب سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات دریافت کیے، اور بکار سے ملاقات کا سارا واقعہ بیان کیا، اس کے بعد ابان نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بُرا بھلا کہنا چھوڑ دیا اور پھر کچھ روز کے بعد مسلمان ہو گئے۔

۶ - تمامؓ بن یہودا

صاحب اصابہ نے لکھا ہے کہ احبار یہود میں سے جو لوگ اسلام لائے تھے ، ان میں تمام بن یہودا بھی تھے اور اس بنا پر ان کو اپنی کتاب کی قسم اوّل (صحابہ) میں داخل کیا ہے ، جس کی کسی دوسرے ماخذ سے تائید نہیں ہوتی ، اور خود انھوں نے بھی یعنی صاحب اصابہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی ملاقات و روایت کا کوئی ذکر نہیں کیا ہے ۔ اس بناء پہ ہم نے ان کو صحابہ کے بجائے تابعین کی فہرست میں داخل کیا ہے ۔

۷۔ صبیؓ بن معبد

نام ونسب | صبی نام، باپ کا نام معبد تھا، نسباً تغلبی اور مذہباً عیسائی تھے۔

اسلام | نصرانیت ترک کر کے اسلام قبول کیا، اور پھر اسی پر خاتمہ ہوا۔ حدیث کی تمام کتابوں میں ان سے قرآن کے بارے میں ایک مشہور حدیث مروی ہے۔ وہ یہ ہے۔

فرماتے ہیں کہ میں ابھی جدید الاسلام تھا اور مجھے جہاد کا بڑا شوق تھا، لیکن مجھ پر حج اور عمرے کی ادائیگی بھی فرض تھی، اس لیے میں نے چاہا کہ اسے ادا کرلوں (پھر جہاد میں شرکت کروں)۔ میں اپنی قوم کے ایک بزرگ ہذیمؓ[1] بن عبداللہ نامی کے پاس گیا، اور ان سے مسئلۂ قرآن کے متعلق دریافت کیا، انھوں نے مجھ کو اس کی اجازت[2] دی، حج کے ارکان ادا کرچکا تو مقام عذیب میں سلمان بن ربیعہ اور زید بن صوحانؓ[3] سے ملاقات ہوئی، ان میں سے ایک نے دوسرے سے میرے بارے میں کہا کہ یہ شخص تمھارے اونٹ سے بھی زیادہ فقیہ ہے (یہ طنزیہ جملہ تھا کہ مناسک حج سے ناواقف ہے)۔ میں وہاں سے سیدھا حضرت عمرؓ کے پاس پہنچا اور ان سے یہ سارا واقعہ بیان کیا۔ انھوں نے فرمایا، تم نے سنتِ نبویؐ کے بالکل مطابق حج کیا ہے[4]۔

اسی روایت کو ان کی سوانح حیات کا سرمایہ سمجھنا چاہیے۔ اس سے زیادہ ان کی زندگی کے حالات پر کوئی روشنی نہیں پڑتی۔

روایت | حسب ذیل حضرات نے ان سے روایت کی ہے۔

ابو وائل، مسروق، ابو اسحاق السبیعی، زر بن حبیش، امام شعبی، ابراہیم النخعی، مجاہد، ابن حبان نے ان کو ثقات میں شمار کیا ہے، ابن ابی حاتم بھی فرماتے ہیں:

تابعیٌ ثقةٌ[5] — ثقہ تابعی تھے۔

---

[1] ان کا ذکر پہلے آچکا ہے [2] حج وعمرہ ساتھ کرنے کی اجازت دے دی۔ [3] یہ دونوں آدمی بھی ان ہی کے ہم قوم تھے۔ [4] اسد الغابہ [5] تہذیب التہذیب۔

۸۔ ضغاطر الاسقف الشہید

نام ونسب | ضغاطر نام، روم اصلی وطن تھا، مذہباً عیسائی تھے، ہرقل کے خاص معتمد اور مشیر اور قوم کے بڑے پادری تھے۔

اسلام | ہرقل شہنشاہ روم کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وحیۃ الکلبی کے ذریعہ نامۂ اسلام بھیجا تو ہرقل نے کہا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) یقیناً نبی ہیں لیکن میں ڈرتا ہوں کہ اگر میں نے اسلام قبول کیا تو اہل ملک مجھے زندہ نہ چھوڑیں گے، پھر اس نے حضرت وحیہؓ کو ضغاطر الاسقف کے پاس بھیجا کہ وہ کیا رائے دیتے ہیں، حضرت وحیہؓ ان کے پاس آئے تو انھوں نے آپ کی رسالت کی تصدیق کی اور فرمایا نعرفہ باسمہ ووصفہ (ہم ان کے نام اور ان کے صفات سے واقف ہیں) پھر وہ اندر گئے، اپنا مخصوص لباس اتارا اور سفید لباس پہن کر باہر واپس آئے، اور اسی وقت اہل روم کے پاس گئے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور اسلام کی سچائی کا اعلان کیا، یہ اعلان کرنا تھا کہ چاروں طرف سے ان کی قوم نے ان پر نرغہ کیا اور ان کو شہید کر ڈالا۔

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

بعض روایتوں میں ہے کہ ہرقل سے کہا کہ خدا کی قسم یہ وہی نبی ہیں جن کا ہمیں انتظار تھا۔ اس پر ہرقل نے آپ کے قتل کا ارادہ ظاہر کیا تو انھوں نے کہا کہ کچھ بھی ہو میں تو اتباعِ حق سے بھاگ نہیں سکتا[1]

---

[1] اصابہ ذکر ضغاطر۔

۹۔ عمیر بن حسین

نام ونسب عمیر نام، نجران اصلی وطن تھا۔ مذہباً عیسائی تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اسلام قبول کر چکے تھے، لیکن شرف زیارت سے سرفراز نہیں ہو سکے۔

اسلام پر استقامت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جب نجران میں ارتداد کا فتنہ شروع ہوا تو عمیر نے بڑی استقامت دکھلائی۔ خود اسلام پر آخری وقت تک جمے رہے اور اہل نجران کو ارتداد سے باز رکھنے کی پوری کوشش کی۔ انھوں نے ان کے سامنے یہ پُراثر تقریر فرمائی کہ:

"اے اہلِ نجران اس وقت اسلام پر زیادہ جمنے کی ضرورت تھی، اور تم اس میں کوتاہی کر رہے ہو، یقین کے بعد شک اور کل کے دین کے بعد آج (یعنی نصرانیت کے بعد اسلام) کے دین میں زیادہ سوچنے کی ضرورت تھی، تم کو چاہیے تھا کہ اسلام پر جمے رہتے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کی ہدایت کی روشنی تمھیں نصیب ہوتی۔ پھر اس کے بعد یہ اشعار پڑھے[1]

یا اهل نجران امسکوا بهدی	الله کونوا یداً علی الکفار
لا تکونوا بعد الیقین الی	الشک وبعد الرضا الی الکفار
واستقیموا علی الطریقة فیه	وکونوا کهیئة الانصار[2]

---

[1] اصابہ جلد ۲

[2] یہاں غالباً انصار سے حواری مراد لیا ہے۔ مدینہ کے مسلمانوں کا مخصوص گروہ مراد نہیں ہے۔

۱۰۔ کعب احبار

نام و نسب کعب نام، ابو اسحٰق کنیت، نسباً یمن کے مشہور حمیری خاندان کی شاخ آل ذی رعین سے تھے۔ نسب نامہ یہ ہے۔ کعب بن مانع بن ہینوع بن قیس بن معن بن جشم ابن وائل بن عوف بن جمہر بن عوف بن زہیر بن ایمن بن حمیر بن سبا بن حمیری۔

اسلام اور ورود مدینہ کعب مشہور تابعی ہیں۔ قبول اسلام سے پہلے یہود کے جید علماء میں شمار کیے جاتے تھے، عہد رسالت میں موجود تھے لیکن صحیح روایت کے مطابق اس عہد بابرکت میں وہ اسلام کی سعادت حاصل نہ کرسکے اور ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اسی زمانہ میں مشرف باسلام ہوگئے تھے، کعب کا بیان ہے کہ علیؓ جب یمن آئے تو ان کی خدمت میں حاضر ہوکر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف پوچھے تو انھوں نے بتائے تو میں مسکرایا علیؓ نے مسکرانے کا سبب پوچھا۔ میں نے کہا، ہمارے یہاں (نبی آخر الزمان کے) جو علامات بتائے گئے ہیں، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر صادق آتے ہیں، اسی لیے مجھے ہنسی آگئی۔ اس سوال و جواب کے بعد میں مسلمان ہوگیا۔ اور لوگوں کو اسلام کی دعوت دینے لگا۔ لیکن قیام یمن ہی میں رہا۔ عمرؓ کے عہد میں ہجرت کرکے مدینہ گیا۔ کاش میں نے اس سے پہلے ہجرت کی ہوتی[1]۔ ایک روایت یہ ہے کہ وہ حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ میں اسلام لائے۔

لیکن یہ دونوں روایتیں کمزور ہیں۔ اس باب میں صحیح ترین روایت وہ ہے جو طبقات ابن سعد میں کعب کے حلیف حضرت عباسؓ سے مروی ہے، جس سے خود کعب کی زبان

---

[1] اصابہ ج ۵ ص ۳۲۲ کعب کے حالات "تابعین" سے نقل کیے گئے ہیں۔ آخر میں اور کہیں کہیں درمیان میں کچھ اضافہ و ترمیم ہے۔ [2] ایضاً۔

سے حضرت عمرؓ کے زمانۂ خلافت میں ان کا اسلام لانا ثابت ہوتا ہے۔ سعید بن مسیب کا بیان ہے کہ حضرت عباسؓ نے کعب کے اسلام لانے کے بعد ان سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکرؓ کے زمانہ میں قبولِ اسلام میں کیا چیز مانع تھی کہ عمرؓ کے زمانے میں اسلام لائے، جواب دیا کہ میرے والد نے مجھ کو توارۃ سے ایک تحریر نقل کر کے دی تھی۔ اور ہدایت کی تھی کہ اس پر عمل کرنا، دوسرے اپنی تمام مذہبی کتابوں پر مہر لگا کر مجھ سے حقِ ابوت کا واسطہ دلا کر وعدہ کیا تھا کہ اس کو نہ توڑنا، تو میں نے اس کو نہیں توڑا اور والد جو تحریر دے گئے تھے اس کے مطابق میں عمل کرتا رہا، جب اسلام کی اشاعت اور اس کا غلبہ ہونے لگا اور کسی کا خوف باقی نہیں رہ گیا تو اس وقت میں نے دل میں خیال کیا کہ معلوم ہوتا ہے کہ والد نے مجھ سے کچھ علم چھپایا ہے، مجھے ان کتابوں کو کھول کر دیکھنا چاہیے، چنانچہ میں نے مہر توڑ کر کتابیں پڑھیں تو مجھ کو نظر آیا کہ ان میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کی امت کے اوصاف لکھے ہیں۔ اس وقت مجھ پر اصل حقیقت روشن ہوئی اور آ کر مسلمان ہو گیا[1]۔ قبولِ اسلام کے بعد وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباسؓ کے حلیف بن گئے تھے۔

فضل و کمال کعب یہود کے بڑے ممتاز اور نامور علماء میں تھے، یہودی مذہب کے متعلق ان کی معلومات نہایت وسیع تھیں، حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ وہ علم کا ظرف اور اہلِ کتاب کے علمائے کبار میں تھے[2]۔ امام نووی لکھتے ہیں کہ ان کے وفورِ علم اور توثیق پر سب کا اتفاق ہے۔ وہ اپنی وسعتِ علم کی وجہ سے کعب احبار اور کعب الحبر کہے جاتے تھے۔ ان کے مناقب بکثرت ہیں اور ان کے اقوال و حکم بہت مشہور ہیں[3]۔ اکابر صحابہ ان کی وسعتِ نظر کے معترف تھے، ابو درداءؓ انصاری کا

---

[1] ابن سعد ج ۷، ص ۱۵۶۔　　[2] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۴۵۔

[3] تہذیب الاسماء ج ۱ ص ۶۱۔

حمص میں بڑا اسا بھنڈا ابھا فرماتے تھے کہ ابن حمیریہ کے پاس بڑا علم ہے[1]۔ امیر معاویہ کہتے تھے کہ ابو درداء حکما میں ہیں اور کعب علما میں، ان کے پاس سمندر جیسا اتھاہ علم تھا[2]۔

چونکہ ایک مذہب کے وہ ایک بڑے عالم تھے۔ اس لیے اسلامی علوم کے ساتھ بھی انھیں خاص مناسبت ہوگئی تھی۔ مدینہ میں صحابہ سے انھوں نے کتاب و سنت کی تعلیم حاصل کی تھی اور صحابہ نے ان سے اہلِ کتاب کے علوم سیکھے تھے[3]۔

کتاب و سنت میں انھوں نے حضرت عمرؓ، صہیبؓ اور حضرت عائشہؓ سے استفادہ کیا تھا، اور اسرائیلیات میں صحابہ میں ابوہریرہؓ، معاویہؓ، ابن عباسؓ اور تابعین میں مالک بن ابی عامر، اصبحی عطاء بن ابی رباح، عبداللہ بن رباح انصاری، عبداللہ بن حمزہ سلولی، ابورافع صائغ، عبدالرحمٰن بن شعیب اور ایک کثیر جماعت ان سے فیض یاب ہوئی تھی[4]۔

علم اور علماء اور زوالِ علم ایک مرتبہ عبداللہ بن سلام نے ان سے پوچھا کہ کعب! علماء کون لوگ ہیں، جواب دیا جو علم جانتے ہیں۔ ابن سلام نے پوچھا کون سی شے علماء کے دلوں سے علم کو زائل کر دے گی، فرمایا طمع، حرص اور لوگوں کے سامنے اپنی حاجت پیش کرنا۔ عبداللہ ابن سلام نے کہا، تم نے سچ کہا[5]۔

شام کا قیام کعب کا آبائی مذہب یہودیت تھا۔ اس لیے پہلے سے ان کو ارضِ شام کے ساتھ دلی لگاؤ تھا، مسلمانوں کے نزدیک بھی یہ سرزمین مقدس و محترم ہے، اس لیے چند دن مدینہ میں قیام کرنے کے بعد کعب شام چلے گئے، اور حمص میں جا کر سکونت اختیار کر لی[6]۔

مواعظ شام کے زمانۂ قیام میں ان کا مشغلہ زیادہ تر اسرائیلی قصص کے مواعظ تھے۔ ایک مرتبہ عوف بن مالک نے دورانِ وعظ میں ان سے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا

---

[1] ابن سعد ج، ق ۲ ص ۱۵۶　[2] اصابہ ج ۵ ص ۳۲۳　[3] تذکرۃ الحفاظ ج اوّل ص ۴۵
[4] تہذیب التہذیب ج ۸ ص ۴۳۸　[5] اصابہ ج ۵ ص ۳۲۴　[6] ابن سعد جلد، ق ۲ ص ۱۵۶

ہے کہ امیر، مامور اور مکلف کے علاوہ لوگوں کے سامنے اور کسی کو مواعظ و قصص نہ بیان کرنے چاہئیں، یہ سن کر کعب نے وعظ گوئی چھوڑ دی، لیکن پھر امیر کے حکم سے دوبارہ وہ سلسلہ جاری کر دیا[1]۔

اسلامی روایات میں اسرائیلیات کا شمول کعب کی علمی جلالت میں کوئی شک نہیں۔ وہ یہودی مذہب کے بڑے نامور عالم تھے۔ لیکن چونکہ خود یہودیوں کا سرمایۂ علم زیادہ تر قصص و حکایات تھیں۔ اس لیے کعب کا سرمایۂ معلومات بھی تمام تر یہی تھا۔ اس سے ایک نقصان یہ ہوا کہ بہت سی بے سروپا اسرائیلی روایات ان کے ذریعے اسلامی لٹریچر میں داخل ہو گئیں، اسی بناء پر بعض ائمہ حدیث کعب کو روایات میں ساقط الاعتبار سمجھتے ہیں۔

وفات حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت ۳۲ھ میں شام میں وفات پائی[2]۔

---

[1] اصابہ جلد ۵ ص ۳۲۳

[2] ابن سعد ج ۷، ق ۲ ص ۱۵۶ ان کے حالات تابعین سے نقل کیے گئے ہیں۔

۱۱۔ محمد بن کعب القرظی

نام ونسب محمد نام، ابوحمزہ کنیت، نسب نامہ یہ ہے۔ محمد بن کعب بن حبان بن سلیم بن اسد قرظی، ان کے والد کعب بنی قریظہ کے یہودی اور انصار کے قبیلہ اوس کے حلیف تھے۔ غزوۂ قریظہ میں گرفتار ہوئے لیکن بہت کمسن تھے اس لیے چھوڑ دیے گئے۔

فضل وکمال محمد بن کعب بڑے فاضل اور بلند مرتبہ تابعی تھے، ابن حبان کا بیان ہے کہ وہ علم وفقہ میں مدینہ کے فاضل ترین علماء[1] میں تھے، امام نووی لکھتے ہیں کہ وہ بڑے علماء اور ائمہ تابعین میں تھے[2]۔

قرآن ان کو قرآن وحدیث دونوں میں یکساں کمال حاصل تھا، عجلی ان کو ثقہ، رجل صالح اور عالم قرآن لکھتے ہیں[3]، عون بن عبداللہ کا بیان ہے کہ میں نے تاویل قرآن کا ان سے بڑا عالم نہیں دیکھا[4]۔ حافظ ذہبی ان کو مفسر قرآن لکھتے ہیں[5]۔

قرآن میں تدبر وتفکر قرآن کے معنی میں تدبر وتفکر بھی آپ کی خصوصیت تھی۔ ایک مرتبہ رات میں سورۂ زلزال اور سورۂ القارعہ پڑھنا شروع کیں، اور پوری رات ان کی سورتوں کے معانی ومطالب میں تدبر وتفکر کرتے رہے۔ یہاں تک کہ سپیدۂ صبح نمودار ہوگیا[6]۔

فرماتے تھے، قرآن کے معنی کا مجھ پر اس قدر ورود اور ہجوم ہوتا ہے کہ رات کی رات کٹ جاتی ہے، پھر بھی معانی کا ہجوم اور آمد ختم نہیں ہوتی[7]۔

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۴۲۱ [2] تہذیب الاسماء ج اول ق ۱ ص ۹۰ [3] تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۴۲۱۔
[4] تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۴۲۱ [5] ایضاً [6] ایضاً
[7] دول الاسلام ذہبی ج ۱ ص ۵۶۔

تفسیر کی کتابوں میں صدہا آیتوں کی تفسیر میں ان کے اقوال ملیں گے۔ ان میں سے بیشتر میں کوئی نہ کوئی لفظی یا معنوی ندرت ضرور ہوگی۔

حدیث حدیث کے بھی وہ ممتاز حافظ تھے۔ علامہ ابن سعد ان کو ثقہ عالم اور کثیر الحدیث لکھتے ہیں[۱]۔ حدیث میں انھوں نے معاویہ، کعب بن عجرہ، ابوہریرہؓ، زید بن ارقم، عبداللہ ابنؓ، عبداللہ بن عمرو بن العاص، عبداللہ بن یزید خطمی، عبداللہؓ بن جعفر بن ابی طالب، براء بن عازبؓ، جابرؓ اور انسؓ بن مالک سے استفادہ کیا تھا۔

ان سے فیض اٹھانے والوں میں ان کے بھائی عثمان، حکم بن عتبہ، یزید بن ابی زیاد ابن عجلان، موسیٰ بن عبیدہ، ابومعشر، ابوجعفر خطمی، یزید بن الہاد، ولید بن کثیر، محمد بن المنکدر، عاصم بن کلیب، ایوب بن موسیٰ، ابن ابی الموالی، ابن المقدام اور ہشام بن زیاد وغیرہ لائق ذکر ہیں[۲]۔

فقہ فقہ میں مدینہ کے ممتاز فقہا میں شمار تھا۔

کان من افاضیل اھل المدینۃ علماً وفقھاً[۳]	علم و فقہ کے اعتبار سے مدینہ کے فضلا میں تھے۔

زہد و ورع زہد و ورع کی دولت سے بھی بہرہ مند تھے، ابن سعد ان کو علماء متورعین[۴] میں شمار کرتے ہیں اور حافظ ذہبیؒ زاہد، ابن عماد حنبلی لکھتے ہیں کہ کعب علم صلاح اور ورع سے متصف تھے[۵]۔

ان کی پاکبازی کی شہادت ان کی والدہ کی زبانی زندگی کے ہر زمانہ میں نہایت پاکباز اور پاک نفس رہے، بایں ہمہ دعائے مغفرت و توبہ و استغفار میں ہر وقت مشغول رہتے تھے، یہ

---

[۱] تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۴۲۱ [۲] ایضاً [۳] ایضاً [۴] ایضاً [۵] ایضاً
[۶] دول الاسلام ج ۱ ص ۵۶ –

دیکھ کر ان کی والدہ فرماتی تھیں محمد! اگر تمھاری پاکباز زندگی میرے سامنے نہ ہوتی تو تمھاری دن رات کی گریہ زاری اور توبہ و استغفار سے میں سمجھتی کہ تم نے کوئی بہت بڑا گناہ کیا ہے لیکن میں نے تمھیں بچپن میں بھی پاکباز اور پاک نفس پایا، اور بڑے ہونے پر بھی ویسا ہی پا رہی ہوں۔

محمد بن کعب نے فرمایا، اماں جان! آپ جو سمجھتی ہیں وہ ٹھیک ہے، لیکن میں اپنے کو گناہوں سے مامون نہیں پاتا، ہوسکتا ہے کہ مجھ سے کوئی ایسی لغزش ہو گئی ہو، جو خدائے تعالیٰ کے غضب اور ناراضگی کا باعث ہو، اسی وجہ سے میں ہر وقت استغفار کیا کرتا ہوں۔

زریں اقوال | فرماتے تھے، اللہ تعالیٰ جب کسی بندہ کو بھلائی کی توفیق دیتا ہے تو اس میں تین خصلتیں پیدا کر دیتا ہے۔ دین میں سمجھ، دنیا سے بے رغبتی اور عیب پوشی۔

فرمایا جو قرآن پڑھے گا وہ عقل کی دولت سے ضرور بہرہ ور ہو گا، چاہے اس کا سن سو برس کا کیوں نہ ہو گیا۔

فرمایا کہ کچھ لوگوں کے اوپر اور کچھ لوگوں کے واسطے زمین روتی ہے، پھر فرمایا جو لوگ بھلائی کرتے ہیں، ان کے واسطے زمین روتی اور دعا کرتی ہے اور جو لوگ برائی کرتے ہیں ان کے اوپر زمین روتی ہے اور بد دعا کرتی ہے، پھر یہ آیت تلاوت فرمائی۔

فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ۔   زمین و آسمان ان پر نہیں روئے۔

رونے سے مراد ہمدردی و شہادت ہے۔ اس لیے کہ قیامت میں ہمارے اعمال کے بارے میں ہر چیز سے شہادت لی جائے گی۔

آپ سے پوچھا گیا کہ خذلان اور حرمان کی علامت کیا ہے۔ فرمایا کہ اچھے کو برا اور برے کو اچھا سمجھنا۔

ذکر الٰہی | فرماتے تھے کہ اگر ترک ذکر کی رخصت دی جاسکتی تو سب سے پہلے حضرت زکریاؑ

کو رخصت ملتی (کیونکہ ان کو اللہ تعالیٰ نے تین دن تک بولنے سے منع کر دیا تھا، مگر اسی کے سامنے یہ حکم بھی تھا کہ ذکر الٰہی کثرت سے کرو)۔ پھر یہ آیت تلاوت کی:

آیَتُکَ اَلَّا تُکَلِّمَ النَّاسَ	تمھارے لیے نشانی یہ ہے کہ تین روز تک
ثَلٰثَةَ اَیَّامٍ اِلَّا رَمْزًا	کسی شخص سے بجز اشارے کے بات نہ کرو
وَاذْکُرْ رَّبَّکَ کَثِیْرًا ۔	اور اللہ تعالیٰ کا ذکر زیادہ کرو۔

پھر فرمایا کہ دوسرے مجاہدین فی سبیل اللہ کو اس کی رخصت مل سکتی تھی۔ لیکن ان کے متعلق فرمایا ہے۔ پھر یہ آیت پڑھی[1]۔

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِذَا	اے ایمان والو جب تم سے دشمن کی کسی
لَقِیْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا	جماعت سے مڈبھیڑ ہو جائے تو ثابت قدم
وَاذْکُرُوا اللّٰهَ کَثِیْرًا	رہو اور ذکر الٰہی زیادہ کرو۔

وفات | ۸۰ھ میں وفات پائی[2]

---

[1] حلیۃ الاولیاء ج ۳ ص ۲۱۲۔ [2] شذرات الذہب ج ۱ ص ۱۳۶۔

۱۲۔ نعیم الحبر

نعیم نام تھا، شام کے رہنے والے اور مذہباً عیسائی تھے۔ کعب احبار کی طرح ان کا شمار بھی علمائے اہل کتاب میں تھا۔ چنانچہ حبر (عالم) ان کے نام کا جزو ہو گیا تھا۔ مزدوری کر کے گزر اوقات کرتے تھے[1]۔

مطرف بن مالک تابعی بیان کرتے ہیں کہ عہد فاروقی میں جب تستر فتح ہوا تو مالِ غنیمت میں ایک برتن ہاتھ آیا، جس میں ایک کتاب تھی، ہمارے ساتھ ایک نصرانی مزدور تھا، جس کا نام نعیم تھا۔ اس نے ہم لوگوں سے کہا کہ یہ برتن مع کتاب میرے ہاتھ فروخت کر دو! ابوموسیٰ اشعریؓ اور دوسرے صحابہ کتاب فروخت کرنا نہیں چاہتے تھے، لیکن ہم لوگوں نے برتن کو اس کے ہاتھ فروخت کر دیا، اور کتاب ہدیۃً دے دی، ابوموسیٰ اشعریؓ نے حضرت عمرؓ کو اطلاع دی۔ حضرت عمرؓ نے لکھا کہ یہ کسی نبی کی کتاب ہے۔ اس کو دفن کر دینا چاہیے۔ بعض روایتوں میں ہے کہ نعیم خود اس برتن کو فروخت کرنے کے لیے مسلمانوں کے پاس آئے۔ انھوں نے برتن خرید لیا اور کتاب ان کو ہدیہ کر دی[2]۔

قبولِ اسلام مطرف بن مالک ہی راوی ہیں کہ مجھے بیت المقدس جانے کا اتفاق ہوا، وہاں نعیم سے ملاقات ہوئی، میں نے ان سے پوچھا کہ تمھاری نصرانیت کا کیا حال ہے؟ نعیم نے کہا کہ میں تو اب دین حنیف (یعنی اسلام) میں داخل ہو گیا ہوں۔

بیت المقدس میں نعیم اور کعب کی دعوتِ اسلام اور علمائے اہل کتاب کا قبولِ اسلام مطرف بیان کرتے ہیں کہ اس سفر میں نعیم کے ساتھ کعب احبار بھی تھے۔ جب ان کی آمد کی اطلاع یہود کو ملی تو وہ ان کے

---

[1] اصابہ ذکر نعیم [2] ایضاً۔

گرد جمع ہو گئے۔ کعب احبار کو جو کتاب تستر میں ملی تھی۔ انھوں نے اس کو یہود کے سامنے پیش کیا، اور کہا کہ یہ ایک قدیم کتاب ہے جو تمھاری کتاب (غالباً عبرانی) میں ہے، اس کو پڑھو، ایک شخص نے پڑھنا شروع کیا، جب وہ ایک خاص جگہ پر پہنچا تو اس نے کتاب زمین پر ٹیک دی۔ نعیم اس کی حرکت سے بہت ناخوش ہوئے اور کتاب کو انھوں نے اپنی گود میں اٹھا لیا۔ اور ان سے کہا کہ اب میں ہرگز اس کتاب کو تمھیں نہیں دوں گا۔ لیکن انھوں نے جب بہت منت سماجت کی تو نعیم نے کہا کہ اچھا میں اسے اپنے زانو پر رکھ کر بیٹھتا ہوں تم میں سے کوئی شخص پڑھے، چنانچہ کتاب ان کے ہاتھ میں تھی اور ایک شخص اسے پڑھ رہا تھا۔ جب وہ پڑھتے پڑھتے اس آیت

وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ — جو اسلام کے علاوہ کوئی دوسرا دین چاہے گا

دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ — اس سے وہ قبول نہیں کیا جائے گا۔

پر پہنچا تو تقریباً بیالیس علمائے یہود اسی جگہ حلقہ بگوشِ اسلام ہو گئے۔ افسوس ہے کہ اس سے زیادہ ان کے حالات معلوم نہیں ہو سکے۔

لہ اس سے پہلے والے شخص نے غالباً اسی آیت پر پہنچ کر غصہ میں کتاب پھینک دی تھی۔ یہ آیت قرآن کی ہے لیکن واقعہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کتب قدیم میں اس آیت کی پیشین گوئی موجود تھی، نعیم نے دوسرے سے اس لیے پڑھوایا کہ ان کے پڑھنے سے یہود کو شبہ ہوتا۔

۱۳ ـ وہب بن منبہ

وہب بن منبہ کی عام کتب سماوی خصوصاً تورات اور انجیل سے واقفیت اور ان سے متعلق ان کے معلومات کی کثرت سے پتہ چلتا ہے کہ وہ اہل کتاب میں سے تھے، لیکن چونکہ اربابِ رجال میں سے کسی نے ان کے اہل کتاب ہونے کی تصریح نہیں کی ہے۔ اس لیے مجھے ان کو اس فہرست میں داخل کرنے سے تامل تھا۔ لیکن ابن ندیم کی یہ تصریح مل جانے کے بعد کہ اہلِ کتاب میں سے جو لوگ ایمان لائے تھے، ان میں وہب بن منبہ بھی تھے[1]۔ زمرۂ اہل کتاب تابعین میں داخل کر لیا گیا۔

مگر اس کے بعد ایک دوسرا سوال کہ وہ عیسائی تھے یا یہودی باقی رہ جاتا ہے۔ ان میں سے کسی ایک کی تصریح نظر سے کہیں نہیں گذری، لیکن کتب تفسیر میں عام طور پر اور ابو نعیم نے حلیۃ الاولیاء میں خاص طور پر ان کے جو اقوال نقل کیے ہیں، ان سے پتہ چلتا ہے کہ وہ عیسائی لٹریچر کے مقابلہ میں یہودی لٹریچر سے زیادہ واقف تھے۔ نیز سیف بن ذی یزن یمنی یہودی سے ان کا عزیزانہ تعلق بھی تھا۔ اس سے قیاس ہوتا ہے کہ وہ یہودی رہے ہوں گے۔

اب اس مختصر تمہید کے بعد ان کے حالات لکھے جاتے ہیں۔

نام و نسب وہب[2] نام۔ ابو عبداللہ کنیت۔ نسب نامہ یہ ہے۔ وہب بن منبہ بن کامل بن سیج ابن ذی کناز یمنی صنعانی، ایک روایت یہ ہے کہ وہب عجمی النسل تھے۔ ان کے والد منبہ کسریٰ کے زمانہ میں جب اس نے سیف بن ذی یزن حمیری کی قیادت میں حبشہ پر مہم بھیجی تھی، یمن آئے

[1] فہرست ابن ندیم ص ۳۲
[2] یہ حالات زیادہ تر "تابعین" سے ماخوذ ہیں۔

تھے اور پھر یہیں آباد ہو گئے اور عہدِ نبوی میں مشرف باسلام ہو گئے۔

پیدائش سنہ ۳۴ھ میں پیدا ہوئے[1]۔

فضل وکمال اسلامی علوم میں وہب کا کوئی خاص درجہ نہ تھا، بلکہ جیسا کہ آگے چل کر معلوم ہوگا کہ بمقابلہ اس کے وہ دوسرے مذاہب کی کتابوں اور صحیفوں کے عالم تھے، تاہم وہ اسلامی علوم سے بیگانہ نہ تھے، تابعین میں ممتاز شخصیت کے مالک تھے۔ علامہ نووی لکھتے ہیں کہ وہ جلیل القدر تابعی ہیں۔ ان کی توثیق پر سب کا اتفاق ہے[2]۔

حدیث حدیث میں متعدد صحابہ سے فیضیاب ہوئے تھے۔ حضرت ابوہریرہؓ، جابر بن عبداللہؓ، عبداللہؓ بن عباس، عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ، ابوسعید خدریؓ، انس بن مالک اور نعمان ابن بشیر سے ان کی روایات ملتی ہیں[3]۔

ان کے صاحبزادے عبداللہ و عبدالرحمٰن اور بھتیجے عبدالصمد اور عقیل اور عام لوگوں میں عمرو بن دینار، سماک بن فضل اسرائیل وغیرہ نے ان سے سماع حدیث کیا تھا[4]۔

فقہ ان کے تفقہ کے سلسلہ میں صرف اس قدر معلوم ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کے زمانہ میں صنعا کے عہدۂ قضا پر مامور تھے[5]۔

غیر مذاہب کے صحیفوں کا علم وہب دوسرے مذاہب کے صحیفوں کے بڑے نامور عالم تھے، بلکہ اس بارے میں ان کی جماعت میں ان کا کوئی مقابل نہ تھا۔ امام نووی لکھتے ہیں کہ وہ گذشتہ کتابوں کے علم و معرفت میں مشہور ہیں[6]۔ حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ وہ بڑے وسیع العلم تھے، اور اپنے زمانہ میں کعب احبار کے نظیر مانے جاتے تھے[7]۔

---

[1] تذکرۃ الحفاظ جلد اوّل ص ۸۰ [2] تہذیب الاسماء جلد اوّل ص ۱۴۹ [3] تہذیب التہذیب جلد ۱۱ ص ۱۶۷ [4] ایضاً [5] تذکرۃ الحفاظ جلد اوّل ص ۸۵ [6] تہذیب الاسماء جلد اوّل ص ۱۴۹ [7] تذکرۃ الحفاظ جلد اوّل ص ۱۸۹۔

استفسار سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے بانوے الہامی کتابوں کا مطالعہ کیا تھا[1]
جن میں سے بعض ایسی تھیں جن کے متعلق لوگوں کو کم واقفیت ہے - داؤد بن قیس صنعانی کا
بیان ہے کہ میں نے وہب سے سنا وہ کہتے تھے کہ میں نے بانوے آسمانی کتابیں پڑھیں جن میں
سے بہتر (۷۲) کنیسوں میں اور لوگوں کے پاس موجود ہیں، اور بائیس (۲۲) کتابوں کا علم بہت کم لوگوں کو ہے۔
ان تمام کتابوں میں یہ مضمون مشترک ہے کہ جو انسان مشیت کی نسبت اپنی طرف کرتا ہے وہ کافر
ہے۔" بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ تیس کتابیں ایسی پڑھی تھیں جو تیس نبیوں پر اُتری
تھیں - ان دونوں روایتوں میں کوئی تضاد نہیں ہے، بلکہ دونوں صحیح ہیں - تیس کتابیں ایسی رہی
ہوں گی جن کی حیثیت مستقل مصاحف کی ہو گی - اور بقیہ مستقل کتابیں نہ رہی ہوں گی - اس
قدر مسلّم ہے کہ وہ کتبِ ماضیہ کے سب سے بڑے عالم تھے، اور قدیم صحیفوں کے مشہور اور
نامور علماء کعب احبار اور عبداللہ بن سلام دونوں کا مجموعی علم ان کی تنہا ذات میں جمع تھا۔

تصنیفات عہدِ اسلام میں فنِ تاریخ پر سب سے پہلی کتاب حضرت معاویہؓ کے زمانہ میں اخبار
الماضیین لکھی گئی، اس کے بعد وہب بن منبہ کو یہ فخر حاصل ہے کہ انھوں نے اس فن میں ایک مفید
کتاب " ذکر الملوک " لکھی - یہ اس وقت ناپید ہے، لیکن ساتویں صدی تک موجود تھی، علامہ ابن
خلکان نے اس کتاب کو دیکھا تھا - انھوں نے لکھا ہے کہ اس میں یمن کے متعلق بہت مفید معلومات
ہیں اور اس میں ملوک حمیر کے اخبار و انساب اور ان کے مقابر و اشعار کا تذکرہ تفصیل سے
موجود ہے، (ابن خلکان ص ۱۸۰ ج ۲)

اس کتاب کے علاوہ صاحبِ کشف الظنون نے ان کی ایک کتاب کا تذکرہ کیا ہے۔
کشف الظنون کی عبارت یہ ہے -

اول من صنف فی المغازی — مغازی میں سب سے پہلے عروہ بن زبیر نے

---

[1] ابن سعد ج ۵ ص ۳۹۶ -

عروۃ بن الزبیر وجمعہا تصنیف کی۔ اس کے بعد اس فن کو وہب ابن منبہ ایضاً وہب بن منبہا نے جمع کیا۔

اس کتاب کا ایک نسخہ ہیڈل برگ (جرمنی) میں موجود ہے۔ اس نسخہ پر سنہ کتابت ۲۲۸ھ درج ہے اور راوی کا نام محمد بن بکر عن ابی طلحہ عن عبد المنعم عن ابیہ عن ابی الیاس عن وہب درج ہے۔ وہب نے اپنی عادت کے مطابق اس میں بھی اسناد کا استعمال نہیں کیا ہے۔ اس کتاب کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں انھوں نے کہیں اسرائیلیات کو داخل نہیں کیا ہے (ضحی الاسلام ج ۲ ص ۳۲۳)۔

فضائل اخلاق | وہب فطرۃً نہایت صالح تھے۔ دینی کتابوں کے مطالعہ نے ان کو اور زیادہ حلیم اور عبادت گزار بنا دیا تھا۔ وہ عابد شب زندہ دار تھے۔ ساری ساری رات عبادت کرتے تھے، کامل بیس سال تک انھوں نے عشاء کے وضو سے فجر کی نماز پڑھی۔ طبیعت میں نرمی اس قدر تھی کہ کسی ذی روح کے لیے ان کی زبان سے گالی یا درشت کلمہ نہ نکلا۔

غیر معتبر روایات | لیکن کعب احبار کی طرح ان کی ذات بھی مسلمانوں میں غیر معتبر اسرائیلیات کی اشاعت کا باعث ہوئی۔

حکیمانہ مقولے | حلیۃ الاولیاء میں وہب بن منبہ کے بہت سے حکیمانہ اقوال درج ہیں۔ ان میں سے چند یہاں نقل کیے جاتے ہیں۔ فرمایا کہ بے عمل اور آوارہ آدمی حکماء میں نہیں ہو سکتا (ج ۴ ص ۲۴) فرمایا کہ حضرت لقمانؑ نے اپنے صاحبزادے کو نصیحت کی کہ اے نور چشم اہل ذکر اور اہل غفلت کی مثال نور اور ظلمت کی ہے، یعنی اہل ذکر میں خدا کا نور ہوتا ہے، اور اہل غفلت میں ظلمت ہوتی ہے۔

ایک بار نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ ترازو کے پلڑوں کی طرح ہر چیز کے دو کنارے ہوتے ہیں۔ اگر ایک کو پکڑو گے تو دوسرا جھک جائے گا، اس لیے چاہیے کہ وسط کو پکڑو، تاکہ دونوں میں سے کوئی نہ جھکنے پائے، یعنی ہر کام میں اعتدال ملحوظ رکھنا چاہیے، (ج ۴ ص ۳۵)

فرمایا، ہر چیز ابتداء میں چھوٹی ہوتی ہے پھر آہستہ آہستہ بڑی ہو جاتی ہے، لیکن مصیبت کا حال اس کے بالکل برعکس ہے۔ وہ ابتداء میں بڑی ہوتی ہے پھر آہستہ آہستہ چھوٹی ہو جاتی ہے۔ یعنی اس کا اثر گھٹ جاتا ہے۔ (ج ۴ ص ۹۳)

فرمایا جو شخص علم حاصل کرتا ہے اور اس پر عمل نہیں کرتا اس کی مثال اس طبیب کی سی ہے جس کے پاس دوا اور شفا کا سامان موجود ہے لیکن وہ انھیں استعمال نہیں کرتا (ج ۴ ص ۱۰۱)

کسی نے ان سے دریافت کیا کہ ایک شخص نماز میں طویل قیام کرتا ہے اور دوسرا سجدہ میں۔ دونوں میں کون افضل ہے، فرمایا جو اللہ تعالیٰ سے زیادہ تعلق اور محبت رکھتا ہو (ص ۳۴/۱)

فرمایا منافق کی ایک پہچان یہ ہے کہ وہ تعریف کو پسند کرتا ہے اور تنقید کو ناپسند۔ (ص ۴۱/۲)

فرمایا اگر کسی بچہ میں دو وصف موجود ہیں تو اس سے رشد و صلاح کی توقع ہے۔ ایک حیا، دوسرے خوف (ص ۳۶)

ایک مرتبہ فرمایا کہ ہر چیز کی کوئی نہ کوئی علامت اور شناخت ہوتی ہے۔ دین کی علامت تین چیزیں ہیں، ایمان، علم اور عمل۔ پھر ایمان کی بھی تین علامتیں ہیں، اللہ پر، ملائکہ پر اور اس کے رسولوں اور اس کی کتابوں پر ایمان۔ عمل کی بھی تین شناخت ہے، نماز، روزہ، زکوٰۃ۔ علم کی تین علامتیں یہ ہیں، اللہ کا اور اس کی رضا اور عدم رضا کا علم، تصنع اور تکلف کرنے والوں کی تین پہچان ہے، جو اس سے اونچے ہوتے ہیں ان کا ہر چیز میں وہ مقابلہ کرتا ہے، اور جو چیز اسے معلوم نہیں ہوتی اس کے بارے میں وہ اپنی معلومات کا اظہار کرتا ہے، اور جو چیز اللہ نے اسے فطرۃً دی نہیں یا وہ پا نہیں سکتا اس کے حصول کی کوشش کرتا ہے۔ منافق کی شناخت کی تین صورتیں ہیں جب وہ تنہا ہوتا ہے تو کسل مند ہوتا ہے اور جب اس کے یہاں کوئی جاتا ہے تو نشاط اور چستی کا اظہار کرتا ہے اور ہر کام میں تعریف کا خواہاں ہوتا ہے۔ حاسد کے پہچاننے کی تین صورتیں ہیں جن سے وہ حسد کرتا ہے، جب وہ غائب ہوتا ہے تو اس کی غیبت کرتا ہے اور

جب وہ سامنے موجود ہوتا ہے تو اس کی خوشامد کرتا ہے، اور مصیبت کے وقت گالی گفتہ کرتا ہے
مسرف کی تین عادتیں ہوتی ہیں، وہ اس چیز کو خریدتا ہے جو اس کے لائق اور اس کے لیے مفید
نہیں ہے، کھانا وہ کھاتا ہے جو اس کے لیے نہیں ہے، کپڑے وہ پہنتا ہے جو اس کے
لیے نہیں ہیں یعنی ہر کام میں اپنا معیار بلند کرتا ہے (۲۴)

ان اقوال میں انھوں نے مختصر طور سے اخلاق و عمل کے تمام پہلوؤں پر روشنی ڈال
دی ہے۔ اللہ ہمیں اس کی توفیق دے۔

وفات ہشام بن عبدالملک کے عہد میں ۱۱۰ھ میں صنعا میں وفات پائی۔

اولاد کتب رجال میں اولاد کی کوئی تصریح نہیں ملتی، لیکن ابن ندیم نے ان کے پرنواسے
عبدالمنعم کا ذکر کیا ہے، جنھوں نے تاریخ کی ایک کتاب "کتاب المبتدا" کے نام سے تصنیف کی
تھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ ان کے ایک صاحبزادی تھیں۔ (ص۱۳۸)

صحابیات

۱۔ حضرت تمیمہؓ

نام و نسب تمیمہ نام، باپ کا نام وہب، بنو قریظہ سے نسبی تعلق تھا۔[1]

اسلام اسلام لانے کے متعلق کوئی تصریح نہیں مل سکی۔

شادی اور طلاق کا قصہ شادی حضرت رفاعہؓ (جن کا تذکرہ اوپر آچکا ہے) سے ہوئی تھی مگر نباہ نہ ہوسکا، اسی لیے حضرت رفاعہؓ نے طلاق دے دیا۔ اس کے بعد حضرت عبدالرحمٰنؓ بن زبیر سے شادی ہوئی، لیکن بعض وجوہ کی بنا پر عبدالرحمٰنؓ بن زبیر سے بھی علیحدگی اختیار کرنا چاہی مگر حلالہ کے لیے مباشرت ضروری تھی اور وہ غالباً ممکن نہ تھی۔ اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئیں، اور عرض کی کہ علیحدگی کی اجازت مرحمت فرمائی جائے مگر اجازت نہیں ملی، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد سعادت تک عبدالرحمٰنؓ بن زبیر کے ساتھ رہیں حضرت ابوبکرؓ کے عہد خلافت ہی میں انھوں نے پھر حضرت ابوبکرؓ سے علیحدگی کی اجازت چاہی، لیکن آپ نے بھی اجازت نہیں دی۔ حضرت عمرؓ خلیفہ ہوئے تو ان سے بھی اجازت چاہی، حضرت عمرؓ نے بڑی سختی سے فرمایا کہ اگر اب آؤ گی تو رجم کردوں گا۔[2]

آپ کی زندگی کا یہی واقعہ تمام ارباب رجال لکھتے ہیں، اس کے علاوہ اور حالات

---

[1] آپ کے نام میں بڑا اختلاف ہے، اس کے علاوہ آپ کے حسب ذیل نام ہیں، سہیمہ، رمیصا، امیمہ، عمیصا، مگر زیادہ تر روایتوں میں عائشہ یا تمیمہ آیا ہے۔ اسد الغابہ ص ۱۸۱ ج ۷ [2] اسد الغابہ ایضاً

نہیں مل سکے۔

وفات | وفات کی تصریح نہیں ملی، لیکن اُوپر کے واقعہ سے پتہ چلتا ہے کہ عہدِ فاروقی تک زندہ رہیں۔

فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ۔ (بقرہ۔ ۲۹)	پھر اگر مرد طلاق دے دے عورت کو تو پھر اس کے لیے حلال نہ رہے گی اس کے بعد یہاں تک کہ وہ اس کے سوا ایک اور خاوند کے ساتھ نکاح کرے۔

اس آیت کے اسبابِ نزول میں ایک سبب حضرت تمیمہؓ کا یہ واقعہ نکاح بھی تھا۔

۲۔ حضرت خالدہؓ

نام ونسب خالدہ یا خلدہ نام، باپ کا نام حارث، حضرت عبداللہ بن سلام کی چچی ہوتی تھیں۔

اسلام حضرت عبداللہ بن سلام فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کے منتظر تھے کہ ایک شخص نے آپ کی آمد کا مژدہ سنایا۔ میں بے تابی سے اٹھا، میری چچی خالدہ میرے پاس بیٹھی ہوئی تھیں۔ میری بے تابی دیکھ کر انھوں نے کہا کہ موسیٰ بن عمران کا اگر ظہور ہوتا تو کیا تمھیں اس سے زیادہ مسرت نہ ہوتی۔ حضرت عبداللہ بن سلام نے فرمایا، خدا کی قسم یہ تو نبوت میں موسیٰ کے ساتھی ہیں۔ دونوں کی بعثت کا مقصد ایک ہے۔ اس پر ان کی چچی نے تعجب سے کہا کہ کیا یہ وہی نبی تو نہیں ہیں جن کی بعثت کے ہم سب منتظر تھے۔ حضرت عبداللہ بن سلام نے انھیں اثبات میں جواب دیا، اور وہاں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور اسلام کی دولت سے بہرہ اندوز ہوئے، اور پھر گھر آکر گھر کے سارے افراد کو جن میں حضرت خالدہؓ بھی شامل تھیں، اس سے بہرہ اندوز کیا۔

زندگی کے دوسرے کارنامے اور وفات وغیرہ کے متعلق کوئی تصریح نہیں مل سکی۔

۳۔ حضرت ریحانہؓ

نام و نسب | ریحانہ نام، باپ کا نام شمعون یا زید تھا[1]۔ باختلافِ روایت سلسلۂ نسب یہ ہے۔ ریحانہ بنت شمعون بنت زید، بعض روایتوں میں ریحانہ بنت زید بن عمر بن جنافہ بن شمعون ابن زید ہے۔ قبیلہ بنو قریظہ سے تھیں[2]۔

نکاح | پہلے بنو قریظہ کے ایک شخص حکم سے نکاح ہوا تھا۔ غزوۂ بنو قریظہ کے دن دوسرے یہودیوں کے ساتھ حکم بھی قتل کر دیا گیا۔ اس روز جو عورتیں اور بچے اسیر ہو کر آتے تھے، ان ہی میں حضرت ریحانہؓ بھی تھیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں بڑی احتیاط کے ساتھ ام المنذر بنت قیس کے گھر میں ٹھہرایا[3]۔

اسلام | ان سے فرمایا تمھیں اختیار ہے چاہے اسلام قبول کر لو یا اپنے مذہب (یہودیت) پہ قائم رہو۔ انھوں نے اپنے قدیم دین پہ رہنا پسند کیا، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے

---

[1] میرے خیال میں ریحانہ بنت شمعون ہی آپ کا صحیح سلسلۂ نسب ہے، اس لیے کہ ان کے والد کا شمار صحابہ میں ہے حافظ ابن عبد البر نے استیعاب میں آپ کا سلسلۂ نسب شمعون بن زید لکھنے کے بعد لکھا ہے کہ یہ حضرت ریحانہؓ کے والد تھے، اسی لیے جس سلسلہ میں شمعون کا نام کئی ناموں کے بعد ہے، وہ صحیح نہیں ہے۔

[2] بعض لوگوں نے لکھا ہے کہ بنو نضیر سے تھیں، لیکن یہ صحیح نہیں ہے، جیسا کہ حضرت شمعونؓ کے حالات میں تفصیل آ چکی ہے۔ حافظ ابن عبد البر نے شمعون کے حالات میں لکھا ہے کہ وہ قرظی تھے اور انصار، خزرج کے حلیف تھے۔ اس لیے ہو سکتا ہے کہ اسی طرح بنو نضیر سے بھی ان کے عزیزانہ تعلقات رہے ہوں۔

[3] ابن سعد

اسلام نہ لانے کا بڑا رنج ہوا، اور دوبارہ فرمایا، اگر تم اسلام قبول کرلو تو میں تمھیں اپنے پاس رکھوں گا لیکن انھوں نے پھر انکار کیا۔ یہ مزاجِ اقدس پر اور زیادہ گراں گزرا اور خاموشی اختیار فرمالی گئی۔ ایک دن آپ مجلس میں تشریف فرما تھے کہ یکایک ایک شخص کے پیر کی چاپ سنائی دی۔ آپ نے فرطِ مسرت سے تمام حاضرین سے فرمایا کہ یہ ثعلبہ بن سعید ہیں، جو ریحانؓ کے اسلام لانے کی خوشخبری لے کر آرہے ہیں[1]۔

دوسری روایت یہ ہے کہ آپ نے ان سے فرمایا اگر تم اللہ اور رسول (اسلام) کو اختیار کرتی ہو تو میں تمھیں اپنے لیے خاص کرلوں گا۔ اس پر حضرت ریحانہؓ نے کہا میں اللہ اور اس کے رسول کو اختیار کرتی ہوں[2]۔

ہوسکتا ہے کہ ابتداء میں انھوں نے اسلام قبول کرنا اپنی قدیم دینی اور قومی حمیت کے خلاف سمجھا ہو، اور بعد میں جب اس کی خوبیوں سے واقف ہوگئیں تو قبول کرلیا ہو۔

قبولِ اسلام کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں اپنی ملک میں رکھا اور بعض روایتوں کے مطابق آپ نے انھیں آزاد کرکے اپنے حبالۂ عقد میں لے لیا اور وہ ازواجِ مطہرات میں داخل ہوئیں[3]۔

ابن سعد اور حافظ ابن حجر نے انھیں ازواجِ مطہرات میں اور اکثر اہل سیر اور اہل رجال نے انھیں سراری میں شمار کیا ہے، لیکن ابن اسحاق کی ایک روایت سے صاف پتہ چلتا ہے کہ آپ نے ان سے نکاح نہیں کیا تھا، بلکہ انھیں یہ اختیار بخشا تھا کہ اگر وہ چاہیں تو آپ ان سے نکاح فرمالیں اور انھیں ازواجِ مطہرات میں شامل کرلیں، لیکن انھوں نے فرمایا کہ یا رسول اللہؐ

---

[1] ابن سعد ج ۸ ص ۹۳۔ ان کے اسلام کے سلسلہ میں پہلی روایت زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے۔ اس لیے کہ ثعلبہ بن سعید کے ذکر میں تمام اہل رجال نے اس روایت کا ذکر کیا ہے۔

[2] ابن سعد ایضاً۔

اگر آپ اپنی ملک ہی میں رکھیں تو بہتر ہے اور آپ دونوں کے لیے آسانی ہو چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں اپنی ملک ہی میں رکھا۔ (اصابہ ج ۴ ص ۳۰۹)۔

وفات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا سے تشریف لے جانے سے چند مہینے پہلے ہی اس دار فانی کو چھوڑ کر دار البقاء میں پہنچ گئیں[1]۔

تدفین جنۃ البقیع میں سپرد خاک کی گئیں[2]۔

حلیہ خدائے تعالیٰ نے حسن صورت اور حسن سیرت دونوں سے نوازا تھا[3]۔

قیام گاہ ابتدا میں ام المنذر کے مکان میں ٹھہرائی گئیں۔ اس کے بعد غالباً دار قیس بن فہد مستقل قیام گاہ رہی[4] اور وہیں وفات پائی۔

فضائل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سے بڑی محبت تھی۔ جب وہ کوئی فرمائش کرتی تھیں تو آپ ضرور پوری کرتے تھے۔ ابن سعد میں ہے کہ ازواج مطہرات کی طرح ان کی بھی باری کا دن مقرر تھا[5]، اور باپردہ رہتی تھیں۔

---

[1] بعض روایتوں میں ہے کہ آپ کی وفات سے چھ مہینے پہلے آپ کا انتقال ہوا، اور بعض روایتوں میں ہے کہ آپ نے حجۃ الوداع سے واپس آنے کے بعد آپ کی وفات ہوئی۔ اصابہ جلد ۴ ص ۳۰۹)۔

[2] اصابہ ایضاً [3] ابن سعد ج ۸ ص ۹۳ [4] اصابہ جلد ۴ ص ۳۰۹ [5] ابن سعد ج ۸ ص ۹۳۔

۴۔ حضرت سفانہؓ

نام ونسب

سفانہ نام، حضرت عدیؓ بن حاتم مشہور صحابی کی بہن تھیں۔ اوپر آپ پڑھ چکے ہیں کہ جب اسلامی لشکر قبیلہ طے میں پہنچا تو اس وقت حضرت عدیؓ قبیلہ کے سردار تھے۔ وہ اپنے اہل وعیال کو لے کر اپنی عیسائی برادری کے پاس شام چلے گئے[1]۔ لیکن اتفاق سے سفانہ چھوٹ گئیں، اور وہ مسلمانوں کے ہاتھ آگئیں۔ عام قیدیوں کے ساتھ وہ مدینہ لائی گئیں اور ایک خاص مقام پہ رکھی گئیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ادھر سے گذر ہوا تو سفانہ نے عرض کیا، یا رسول اللہ! میرے والد کا انتقال ہو چکا ہے اور ان کے علاوہ جو چھڑانے والا ہے وہ اس وقت موجود نہیں ہے۔ مجھ پر احسان کیجیے، خدا آپ پر احسان کرے گا۔ حضورؐ نے پوچھا چھڑانے والا کون۔ عرض کیا عدی بن حاتم، فرمایا وہی تو نہیں جس نے خدا اور رسولؐ سے فرار اختیار کر لیا۔ دوسرے دن پھر آپ کا گذر ہوا۔ اسیر خاتون نے پھر وہی درخواست کی، اور پھر وہی جواب ملا۔ تیسری مرتبہ انھوں نے حضرت علیؓ کے مشورہ سے درخواست کی۔ اس مرتبہ قبول ہو گئی اور رہا کر دی گئیں، لیکن چونکہ بڑے گھر کی عورت تھیں اس لیے ان کے رتبہ اور اعزاز کے پیشِ نظر ارشاد ہوا کہ ابھی جانے میں جلدی نہ کرو، جب تمھارے قبیلہ کا کوئی معتبر آدمی مل جائے تو مجھے خبر کرو۔ چند دنوں کے بعد قبیلہ بلی اور قضاعہ کے کچھ لوگ ملے۔ سفانہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی۔ آپ نے ان کے شایانِ شان سواری، لباس اور اخراجات سفر کا انتظام کر کے بحفاظت تمام ان کو روانہ کر دیا۔ یہاں سے یہ براہ راست عدی کے پاس شام پہنچیں اور ان کو بہت ملامت کی کہ تم سے زیادہ قاطع رحم کون ہوگا۔ اپنے

---

[1] سیرت ابن ہشام جلد ۲ ص ۳۶۸۔

اہل وعیال کو تو لے آئے اور مجھ کو تنہا چھوڑ دیا۔ عدی نے ندامت اور شرمساری کے ساتھ اپنی غلطی کا اعتراف کیا، اور چند دنوں کے بعد عدی نے ان سے پوچھا کہ تم ہوشیار اور عاقلہ ہو۔ تم نے اس شخص (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) کے متعلق کیا رائے قائم کی۔ انھوں نے کہا میری یہ رائے ہے کہ جس قدر جلد ممکن ہو ان سے ملو۔ اگر وہ نبی ہیں تو ان سے ملنے میں سبقت کرنا شرف وسعادت ہے اور اگر بادشاہ ہے تو بھی یمن کا ایک باعزت فرمانروا ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔[1]

اسلام اسلام کے بارے میں صاحب اصابہ لکھتے ہیں:

وکانت اسلمت واحسنت اسلامها ۔ وہ اسلام لائیں اور حسن وخوبی سے اسے نباہا۔

وفات اور زندگی کے دوسرے حالات معلوم نہیں ہوسکے۔

---

[1] سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۳۶۹ " " ۳۷۰۔

۵۔ حضرت سیرینؓ

حضرت سیرینؓ اور ماریہ قبطیہؓ حقیقی بہنیں تھیں۔ ان کو مقوقس شاہ مصر نے بارگاہ رسالت میں ہدیۃً بھیجا تھا، حضرت ماریہؓ تو حرم نبوی میں داخل ہوئیں اور حضرت سیرینؓ حضرت حسانؓ مشہور صحابی و شاعر کے حبالۂ عقد میں آئیں، جن کے بطن سے حضرت عبدالرحمٰن بن حسانؓ پیدا ہوئے۔ حضرت سیرینؓ بڑی صابر اور شاکر تھیں۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے حضرت ابراہیم کا جو حضرت ماریہؓ کے بطن سے تھے، انتقال ہوا تو حضرت ماریہؓ لختِ جگر کی جدائی سے بے قابو ہو کر رونے لگیں، حضرت سیرینؓ کو اگرچہ اپنی محبوب بہن کے بچے کے مرنے کا غم کم نہ تھا۔ لیکن انھوں نے اپنے جذبات پر قابو رکھا اور حضرت ماریہؓ کو سمجھاتی رہیں[1]۔

حضرت ماریہؓ اور حضرت سیرینؓ کے متعلق اگرچہ رجال اور سیر کی کتابوں میں اس کی تصریح نہیں ملتی کہ وہ عیسائی تھیں، لیکن بعض قرائن کی بناپر انھیں اہل کتاب صحابیات کے زمرہ میں لے لیا گیا ہے۔

پہلا قرینہ یہ ہے کہ وہ قبطی تھیں، اور معلوم ہے کہ مصر کے قبطی عموماً عیسائی تھے، چنانچہ زرقانی نے حضرت ماریہؓ کے حالات میں قبطی کے لفظ کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے۔

نسبۃ الی القبط ای نصاری مصر (قبطی مصر کے عیسائی تھے)

دوسرا یہ کہ ان کے ساتھ ان کے ایک بھائی مابور بھی آئے تھے، ارباب سیر و رجال لکھتے ہیں کہ بہنوں نے تو اسلام قبول کر لیا، لیکن بیر اس وقت اپنے قدیم دین پر قائم رہے اور کچھ دن کے توقف کے بعد مسلمان ہوئے۔ ہمارا خیال ہے کہ دین سے نصرانیت ہی کی طرف اشارہ ہوگا۔ مابور کا ذکر پہلے آچکا ہے۔

[1] ابن سعد ج ۸ ص ۱۵۵

۶ - حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا[1]

نام و نسب | اصلی نام زینب تھا۔ لیکن چونکہ وہ جنگ خیبر میں خاص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حصہ میں آئی تھیں۔ اور عرب میں مال غنیمت کے ایسے حصے کو جو امام یا بادشاہ کے لیے مخصوص ہوتا تھا، صفیہ کہتے تھے۔ اس لیے وہ بھی صفیہ کے نام سے مشہور ہوگئیں۔ یہ زرقانی کی روایت ہے۔

حضرت صفیہ رض کو باپ اور ماں دونوں کی جانب سے سیادت حاصل تھی، باپ کا نام حیی بن اخطب تھا، جو قبیلۂ بنو نضیر کا سردار تھا، اور ہارون علیہ السلام کی نسل میں شمار ہوتا تھا۔ ماں جس کا نام ضرہ تھا سموال رئیس قریظہ کی بیٹی تھی، اور یہ دونوں خاندان (قریظہ اور نضیر) بنو اسرائیل کے اُن تمام قبائل سے ممتاز سمجھے جاتے تھے، جنھوں نے زمانۂ دراز سے عرب کے شمالی حصوں میں سکونت اختیار کر لی تھی۔

نکاح | حضرت صفیہ کی شادی پہلے سلام بن مشکم القرظی سے ہوئی تھی۔ سلام نے طلاق دی تو کنانہ بن ابی الحقیق کے نکاح میں آئیں، جو ابو رافع تاجر حجاز اور رئیس خیبر کا بھتیجا تھا، کنانہ جنگ خیبر میں مقتول ہوا۔ حضرت صفیہ رض کے باپ اور بھائی بھی کام آئے اور خود بھی گرفتار ہوئیں۔ جب خیبر کے تمام قیدی جمع کیے گئے تو دحیہ کلبی رض نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک لونڈی کی درخواست کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انتخاب کرنے کی اجازت دے دی۔ انھوں نے حضرت صفیہ رض کو منتخب کیا۔ لیکن ایک صحابی نے آپ کی خدمت میں آکر عرض

---

[1] ان کے حالات کسی قدر اضافے کے ساتھ حرف بحرف سیر الصحابیات اڈیشن اوّل مؤلفہ مولانا سعید انصاری سابق رفیق دار المصنفین سے منقول ہیں۔

کی کہ آپ نے رئیسۂ بنو نضیر و قریظہ کو دحیہ کو دے دیا۔ وہ تو صرف آپ کے لیے سزاوار ہے
مقصود یہ تھا کہ رئیسۂ عرب کے ساتھ عام عورتوں کا سا برتاؤ ٹھیک نہیں۔ چنانچہ حضرت
دحیہؓ کو آپ نے دوسری لونڈی عنایت فرمائی، اور صفیہؓ کو آزاد کر کے خود نکاح کر لیا۔[1]
خیبر سے روانہ ہوئے تو مقام صہبا میں رسمِ عروسی ادا کی، اور جو کچھ سامان لوگوں کے پاس تھا اس
کو جمع کر کے دعوتِ ولیمہ فرمائی۔ وہاں سے روانہ ہوئے تو آپ نے ان کو خود اپنے اونٹ پر
سوار کر لیا، اور اپنی عبا سے ان پر پردہ کیا۔ مدینہ پہنچ کر آپ نے حضرت صفیہؓ کو حارث بن نعمان
کے مکان میں اتارا، جب ازواجِ مطہرات کو ان کی آمد کی اطلاع ملی تو حضرت عائشہؓ، حضرت
زینبؓ، حضرت حفصہؓ وغیرہ انصار کی چند عورتوں کے ساتھ ان کو دیکھنے آئیں، حضرت عائشہؓ
جب دیکھ کر واپس ہوئیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کیف رأیتہا یا عائشۃ
عائشہ تم نے ان کو کیسا پایا، حضرت عائشہؓ بولیں "یہودیہ ہے" فرمایا: یہ نہ کہو، وہ تو مسلمان
ہو گئی ہیں اور ان کا اسلام بہتر ہے۔[2]

عام حالات حضرت صفیہؓ کے مشہور واقعات میں حج کا سفر ہے جو انھوں نے سنہ ۱۰ھ میں
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیا تھا:

حضرت عثمانؓ کے ایام محاصرہ میں جو سنہ ۳۵ھ میں ہوا تھا حضرت صفیہؓ نے ان کی
بے حد مدد کی تھی، جب حضرت عثمانؓ پر ضروریاتِ زندگی مسدود کر دی گئیں اور ان کے مکان پر
پہرہ بٹھا دیا گیا تو وہ خود خچر پر سوار ہو کر ان کے مکان کی طرف چلیں۔ غلام ساتھ تھا، اشتر کی
نظر پڑی تو انھوں نے آکر خچر کو مارنا شروع کیا۔ حضرت صفیہؓ نے کہا مجھ کو ذلیل ہونے کی ضرورت
نہیں، میں واپس جاتی ہوں، تم خچر کو چھوڑ دو۔ گھر واپس آئیں تو حضرت امام حسن علیہ السلام کو

[1] صحیح بخاری کتاب الصلوٰۃ باب ما یذکر فی الفخذ، صحیح مسلم ج ۱ ص ۵۴۶ [2] اصابہ ج ۸ ص ۱۲۶
[3] ابن سعد ج ۸ ص ۹۰

اس خدمت پر مامور کیا۔ وہ ان کے مکان سے حضرت عثمانؓ کے پاس کھانا اور پانی لے جاتے تھے[1]۔

وفات | حضرت صفیہؓ نے رمضان ۵۰ھ میں وفات پائی اور جنۃ البقیع میں دفن ہوئیں اس وقت ان کی عمر ۶۰ سال کی تھی۔ ایک لاکھ ترکہ چھوڑا اور ایک ثلث کی اپنے ایک یہودی بھانجے کے لیے وصیت کر گئیں[2]۔

حلیہ | کوتاہ قامت اور حسین تھیں[3]۔

فضل و کمال | حضرت صفیہؓ سے چند حدیثیں مروی ہیں، جن کو امام زین العابدین رضی اللہ عنہ اسحاق بن عبداللہ بن حارث، مسلم بن صفوان، کنانہ اور یزید بن معتب، صہیرہ بنت جیفر وغیرہ نے روایت کیا ہے۔

دیگر ازواج کی طرح حضرت صفیہؓ بھی اپنے زمانہ میں علم کا مرکز تھیں۔ چنانچہ جب صہیرہ بنت جیفر حج کر کے حضرت صفیہؓ کے پاس مدینہ آئیں تو کوفہ کی بہت سی عورتیں مسائل دریافت کرنے کی غرض سے بیٹھی ہوئی تھیں۔ صہیرہ کا بھی یہی مقصد تھا۔ اس لیے انھوں نے کوفہ کی عورتوں سے سوال کرائے۔ ایک فتویٰ نبیذ کے متعلق تھا۔ حضرت صفیہؓ نے سنا تو بولیں، اہل عراق اس مسئلہ کو اکثر پوچھتے ہیں[4]۔

اخلاق | حضرت صفیہؓ میں بہت سے محاسن اخلاق جمع تھے۔ اسد الغابہ میں ہے[5]۔

کانت عاقلۃ من عقلاء النساء — وہ نہایت عاقل تھیں

زرقانی میں ہے[6]۔

کانت صفیۃ عاقلۃ حلیمۃ فاضلۃ — یعنی صفیہ عاقل، فاضل اور حلیم تھیں۔

---

[1] اصابہ ص ۱۲۷ ج ۸ بحوالہ ابن سعد [2] زرقانی ص ۲۹۶ ج ۳ [3] صحیح مسلم ص ۵۴۸ ج ۱
[4] مسند ص ۳۳۷ ج ۶ [5] اسد الغابہ ص ۴۹۰ ج ۵ [6] زرقانی ص ۲۹۶ ج ۳

حلم وتحمل ان کے بابِ فضائل کا نہایت جلی عنوان ہے۔ غزوۂ خیبر میں جب وہ اپنی بہن کے ساتھ گرفتار ہو کر آرہی تھیں تو ان کی بہن یہودیوں کی لاشوں کو دیکھ کر چیخ اٹھتی تھی، حضرت صفیہؓ اپنے محبوب شوہر کی لاش سے قریب ہو کر گزریں، لیکن اب بھی اسی طرح پیکرِ متانت تھیں، اور ان کی جبینِ تحمل پر کسی قسم کی شکن نہیں آئی۔

ایک مرتبہ حضرت حفصہؓ نے ان کو یہودیہ کہا ان کو معلوم ہوا تو رونے لگیں۔

حضرت صفیہؓ کے پاس ایک کنیز تھی، جو حضرت عمرؓ کے پاس جا کر ان کی شکایت کیا کرتی تھی۔ چنانچہ ایک دن کہا کہ ان میں یہودیت کا اثر آج تک باقی ہے۔ وہ یوم السبت کو اچھا سمجھتی ہیں، اور یہودیوں کے ساتھ صلۂ رحمی کرتی ہیں۔ حضرت عمرؓ نے تصدیق کے لیے ایک شخص کو بھیجا۔ حضرت صفیہؓ نے جواب دیا کہ یوم السبت کو اچھا سمجھنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اس کے بدلے میں خدا نے ہم کو جمعہ کا دن عنایت فرمایا ہے۔ البتہ میں یہود کے ساتھ صلۂ رحمی کرتی ہوں۔ وہ میرے خویش اور اقارب ہیں۔ اس کے بعد لونڈی کو بلا کر پوچھا کہ تو نے میری شکایت کی تھی؟ بولی "ہاں مجھ کو شیطان نے بہکا دیا تھا" حضرت صفیہؓ خاموش ہو گئیں اور اس کو آزاد کر دیا[1]۔

حضرت صفیہؓ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نہایت محبت تھی۔ چنانچہ جب آپ علیل ہوئے تو نہایت حسرت سے بولیں "کاش آپ کی بیماری مجھ کو ہو جاتی" ازواج نے ان کی طرف دیکھنا شروع کیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "یہ سچ کہہ رہی ہیں[2]" (یعنی اس میں تصنع کا شائبہ نہیں ہے)۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ کسی بات پر کبیدہ خاطر ہو گئے۔ یہ حضرت عائشہؓ کے پاس آئیں اور ان سے کہا کہ میں آپ کو آج کی اپنی باری، جو میرے نزدیک سب سے محبوب

---

[1] اصابہ جلد ۸ ص ۱۲۷ و (زرقانی ص ۲۹۶ ج ۳ بحوالہ ابن سعد) [2] زرقانی ج ۳ ص ۲۹۶۔

چیز ہے، دیتی ہوں۔ آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو راضی کر دیں۔ حضرت عائشہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں تو آپ نے فرمایا کہ یہ تمہاری باری کا دن نہیں ہے۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا "یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے دے"۔ اس کے بعد واقعہ بیان کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ سن کر حضرت صفیہؓ سے راضی ہو گئے[1]۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ان کے ساتھ نہایت محبت تھی اور ہر موقع پر ان کی دلجوئی فرماتے تھے۔ ایک بار آپ سفر میں تھے۔ ازواج مطہراتؓ بھی ساتھ تھیں۔ حضرت صفیہؓ کا اونٹ سوء اتفاق سے بیمار ہو گیا۔ حضرت زینب کے پاس ضرورت سے زیادہ اونٹ تھے۔ آپ نے ان سے کہا کہ ایک اونٹ صفیہ کو دے دو۔ انھوں نے کہا میں اس یہودیہ کو اپنا اونٹ دوں؟ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان سے اس قدر ناراض ہوئے کہ دو مہینے تک ان کے پاس نہ گئے[2]۔ ایک مرتبہ حضرت عائشہ نے ان کے قد و قامت کی نسبت چند جملے کہے، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم نے یہ ایسی بات کہی کہ اگر سمندر میں چھوڑ دی جائے تو اس میں مل جائے[3]۔ (یعنی سمندر کو بھی گدلا کر سکتی ہے)

ایک بار آپ حضرت صفیہؓ کے پاس تشریف لے گئے۔ دیکھا کہ رو رہی ہیں۔ آپ نے رونے کا سبب پوچھا۔ انھوں نے کہا کہ "عائشہ اور زینب کہتی ہیں کہ "ہم تمام ازواج میں افضل ہیں۔ ہم آپ کی زوجہ ہونے کے ساتھ آپ کی چچازاد بہن بھی ہیں"۔ آپ نے فرمایا "تم نے یہ کیوں نہ کہہ دیا کہ "ہارون میرے باپ، موسیٰ میرے چچا اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میرے شوہر ہیں، اس لیے تم لوگ کیونکر مجھ سے افضل ہو سکتی ہو"[4]۔

سفر حج میں حضرت صفیہؓ کا اونٹ بیٹھ گیا تھا، اور وہ سب سے پیچھے رہ گئی تھیں۔

---

[1] مسند ج ۶ ص ۱۴۵ [2] اصابہ ج ۸ ص ۱۲۶ بحوالہ ابن سعد [3] ابوداؤد ج ۲ ص ۱۹۳
[4] صحیح ترمذی ص ۶۳۹۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ادھر سے گذرے تو دیکھا کہ زار و قطار رو رہی ہیں - آپ نے رومال اور دستِ مبارک سے ان کے آنسو پونچھے آپ آنسو پونچھتے جاتے تھے اور وہ بے اختیار روتی جاتی تھیں[1] - آخر کار آپ نے تمام قافلہ کو رک جانے کا حکم دیا[2]۔

حضرت صفیہؓ نیر چشم اور فیاض واقع ہوئی تھیں - چنانچہ جب وہ ام المومنین بن کر مدینہ میں آئیں تو حضرت فاطمہؓ اور ازواجِ مطہرات کو اپنی سونے کی بجلیاں تقسیم کیں[3]۔

کھانا نہایت عمدہ پکاتی تھیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تحفۃً بھیجا کرتی تھیں، حضرت عائشہؓ کے گھر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس انھوں نے پیالہ میں جو کھانا بھیجا تھا اس کا ذکر بخاری اور نسائی وغیرہ میں آیا ہے۔

---

[1] زرقانی ج ۳ ص ۲۹۶ [2] مسند ج ۶ ص ۳۳۷ [3] زرقانی ج ۳ ص ۲۹۶

۷۔ حضرت ماریہ قبطیہؓ

نام ونسب ماریہ نام، ام ابراہیم کنیت، قبطیہ[1] ان کی قومی نسبت تھی۔ مصر کے ایک ضلع انصنا یا انص کا ایک گاؤں حفن ان کا آبائی وطن تھا۔

خدمتِ نبوی میں آمد ۶ھ میں رسول اللہ علیہ وسلم نے دعوتِ اسلام کے لیے شاہانِ وقت کو جو خطوط لکھے تھے۔ ان میں ایک خط مقوقس عزیز مصر کے نام بھی تھا، جس کو حضرت حاطبؓ ابن بلتعہ لے کر مصر گئے تھے۔ مقوقس نے اسلام قبول نہیں کیا، لیکن حضورؐ کے پیام اور پیامبر کی بڑی پذیرائی کی اور قیمتی ساز وسامان کے علاوہ دو لڑکیاں جن کے ساتھ ان کے بھائی مابور بھی تھے، خدمت نبوی میں تحفتہً بھیجیں[2]۔ ان لڑکیوں میں ایک تو سیرینؓ تھی جن کا ابھی ذکر آچکا ہے دوسری یہی حضرت ماریہ قبطیہؓ تھیں۔

اسلام حضرت ماریہؓ مصر سے حضرت حاطبؓ کے ساتھ آئی تھیں اس لیے وہ ان سے بہت زیادہ مانوس ہوگئی تھی۔ حضرت حاطبؓ نے اس انس سے فائدہ اٹھا کر ان کے سامنے اسلام پیش کیا۔ حضرت ماریہؓ اور ان کی بہن حضرت سیرینؓ نے تو اسلام قبول کر لیا، لیکن ان کے بھائی مابور اپنے قدیم دین عیسائیت پر قائم رہے۔

قیام گاہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ماریہ کو پہلے ہمارے پڑوس میں حارثہؓ بن نعمان کے مکان پر ٹھہرایا گیا اور ہم لوگ برابر ماریہ کے پاس آیا جایا کرتے تھے لیکن جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] حضرت ماریہؓ کے ساتھ قبطی کی نسبت ہی اگرچہ ان کی عیسائیت کی دلیل کے لیے کافی ہے، لیکن میں نے اسی پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ صاحب زرقانی کی تصریح اور بعض دوسرے قرائن کی بنا پر ان کو اس فہرست میں داخل کیا ہے۔ سیرین کے حالات میں اس کی تصریح آچکی ہے۔ [2] اصابہ ج ۴ ص ۴۰۵۔

کی آمد و رفت ان کے پاس زیادہ ہونے لگی تو ہم لوگوں نے ان کے پاس آنا جانا کم کر دیا (کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سکون میں فرق نہ آئے) وہ تنہائی کی وجہ سے گھبرانے لگیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں مقام العالیہ میں جو اس وقت مشربۂ ام ابراہیم کے نام سے مشہور ہے منتقل کر دیا۔[1]

۹ھ میں ایلا کا واقعہ پیش آیا، جس سے حضرت ماریہؓ کا خاص تعلق ہے۔ اس کی تفصیل آخر میں آئے گی۔

عہدِ صدیقی و فاروقی حضرت ماریہؓ گو ازواجِ مطہرات میں نہیں تھیں، لیکن رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ساتھ ازواجِ مطہرات ہی کے ایسا سلوک کرتے تھے۔ آپ کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے بھی ان کے اعزاز و احترام کو باقی رکھا اور ہمیشہ ان کے نان نفقہ کا خیال کرتے رہے۔ حضرت صدیقؓ کے بعد حضرت فاروقؓ نے بھی ان کے ساتھ یہی سلوک مرعی رکھا۔

وفات حضرت عمرؓ ہی کے زمانۂ خلافت میں محرم ۱۶ھ میں داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔[2]

تدفین حضرت عمرؓ کو ان کی وفات کی اطلاع ہوئی تو انھوں نے خود تمام اہلِ مدینہ کو جمع کیا، اور ان کے جنازہ کی نماز پڑھائی۔ مدینہ کے عام قبرستان بقیع میں سپردِ خاک کی گئیں۔[3]

اولاد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جتنی اولادیں ہوئیں وہ سب حضرت خدیجہؓ کے بطن سے ہوئیں۔ ان کے بعد صرف حضرت ماریہؓ کو یہ شرف حاصل ہوا کہ ان کے بطن سے حضرت ابراہیم پیدا ہوئے اور ۱۷-۱۸ ماہ زندہ رہ کر داغِ مفارقت دے گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی وفات کا بیحد غم ہوا تھا۔

---

[1] فتح الباری ج ۸ ص ۱۳ [2] ابن سعد ج ۸ ص ۱۵۶، بعض روایتوں میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے ۵ برس بعد ان کی وفات ہوئی۔ اس حساب سے ان کی وفات ۱۵ھ میں ہوئی، لیکن دونوں روایتوں میں کوئی تضاد نہیں ہے اس لیے کہ ۱۶ھ کے پہلے مہینے محرم میں ان کی وفات ہوئی ہے اس لیے ۵ برس کی تعیین غلط نہیں ہے۔ [3] اصابہ

حلیہ | قدرت نے حُسنِ باطن کے ساتھ ساتھ حسنِ ظاہر سے بھی نوازا تھا، بال نہایت گھنے اور خوبصورت تھے۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ مجھے جتنا رشک ان پر آتا تھا کسی دوسرے پر نہیں۔[1]

رقت قلب | نہایت رقیق القلب تھیں، حضرت ابراہیمؑ کا جب انتقال ہوا تو رقتِ قلب کی وجہ سے ان کو اپنے اوپر قابو نہیں رہا، اور بے اختیار رونے لگیں۔[2]

فضائل | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت ماریہؓ سے بیحد محبت تھی، اور اس وجہ سے ان کے پاس آپ کی آمد و رفت بہت زیادہ رہتی تھی، گو وہ کنیز تھیں، لیکن ازواج کی طرح ان کو بھی آپ نے پردہ میں رہنے کا حکم دیا تھا[3]۔ ان کے فضل کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مبارک کافی ہے کہ:

استوصوا بالقبط فان لہم ذمۃً ورحماً ورحمہم ان ام اسمٰعیل بن ابراھیم وام ابراھیم بن النبیؐ منہم	قبطیوں کے (مصر کے عیسائی) ساتھ حسنِ سلوک کرو۔ اس لیے کہ ان سے عہد اور نسب دونوں کا تعلق ہے۔ ان سے نسب کا تعلق تو یہ ہے کہ حضرت اسمٰعیلؑ کی والدہ (حضرت ہاجرہ) اور میرے لڑکے ابراہیم دونوں کی ماں اسی قوم سے ہیں (اور عہد کا تعلق یہ ہے کہ ان سے معاہدہ ہوچکا ہے)۔
(ابن سعد ج ۸ ص ۱۵۴)	

حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے:

وکانت ماریۃ ھذہ من الصالحات المخیرات الحسان (البدایۃ ج۵)	اور ماریہؓ نہایت صالح، پاکیزہ اور نیک سیرت تھیں۔

ایلا | ۹ھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض خانگی اور ازدواجی معاملات کی بنا پر ازواجِ مطہرات سے علیحدگی اختیار کر لی تھی۔ اسی واقعہ کو ایلا کہتے ہیں جن اسباب کی بناء پر آپ نے علیحدگی کا

---

[1] ابن سعد ج ۸ ص ۱۵۲ [2] ایضاً ص ۱۵۵ [3] جاریات یعنی کنیزوں کے لیے پردہ کی ضرورت نہیں۔

[4] اصابہ و ابن سعد۔

فیصلہ کیا تھا۔ اس کے بارے میں مفسرین و محدثین میں باہم اختلاف ہے، اور انھوں نے ایک دوسرے سے بہت متضاد اور متخالف باتیں لکھی ہیں۔

ان اسباب میں ایک سبب حضرت ماریہؓ کے واقعہ کو بھی جس کا ذکر آگے آتا ہے قرار دیا گیا ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ ایلا کے واقعہ سے حضرت ماریہؓ کے واقعہ کا کوئی تعلق نہیں ہے بلکہ وہ صرف حضرت ماریہؓ اور حضرت حفصہؓ کا معاملہ تھا۔ روایتوں میں دونوں واقعے غلط ملط ہو گئے ہیں، جس کی وجہ سے واقعات کی اصل نوعیت سامنے نہیں آنے پاتی۔ اب ہم اس کی تفصیل کرتے ہیں تاکہ واقعہ کی اصل حقیقت واضح ہو جائے۔

بات یہ تھی کہ ازواج مطہرات میں سے ہر ایک کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے غایت درجہ تعلق اور محبت تھی اس وجہ سے ہر ایک آپ کی صحبت کو باعث سعادت سمجھتی تھیں، ان میں سے جن کو بھی تقرب و اختصاص کا موقع ملتا تھا، اس میں کسی کی شرکت کا شائبہ بھی ان کو بہت گراں گذرتا تھا، اور پھر باقتضائے بشریت آپس میں کچھ جذبۂ رشک و مسابقت بھی موجود تھا۔ اس وجہ سے کبھی کبھی آپس میں شکر رنجی بھی ہو جایا کرتی تھی، اور اس مصیبت میں ایک مرتبہ حضرت ماریہؓ بھی مبتلا ہو گئیں، جس کا واقعہ یہ ہے کہ حضرت حفصہؓ کی باری کا دن تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حسب معمول ان کے پاس تشریف لے گئے تو حضرت حفصہؓ موجود نہیں تھیں۔ اس اثنار میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ماریہؓ سے جو حضرت حفصہؓ کے پڑوس ہی میں رہتی تھیں باتیں کرنے لگے۔ تھوڑی دیر کے بعد حضرت حفصہؓ واپس آئیں تو آپ کو اپنے گھر میں حضرت ماریہؓ سے گفتگو کرتے ہوئے دیکھا، باقتضائے بشریت ان کو بڑا رنج ہوا اور حضورؐ سے فرمایا کہ اپنی تمام بیویوں میں آپ صرف میرے ہی ساتھ ایسا کرتے ہیں[1]۔ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ماریہؓ سے کنارہ کشی کا عزم کر لیا، بعض روایتوں میں آتا ہے کہ حضرت حفصہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے غصہ میں بات کی۔ اس پر آپ نے حضرت ماریہؓ سے علیٰحدگی کی قسم کھالی، جس

---

[1] فتح الباری ج ۸ ص ۵۰۳۔

پہ سورۂ تحریم کی ابتدائی آیتیں نازل ہوئیں۔

لیکن صحیح یہ ہے کہ سورۂ تحریم کی یہ ابتدائی آیتیں آپ کی شہد نوشی اور اس کو اپنے اُوپر حرام کر لینے کی وجہ سے نازل ہوئیں، لیکن جیسا کہ بخاری وغیرہ میں تصریح موجود ہے۔ یہ ہوسکتا ہے کہ ایلاء کا واقعہ بھی اسی زمانہ میں پیش آیا ہو جس زمانہ میں آپ نے حضرت ماریہؓ سے کنارہ کشی کر لی تھی، اور دونوں واقعے نزول آیات کا سبب بنے ہوں، جیسا کہ حافظ ابن حجر نے تمام روایتوں کے نقل کرنے کے بعد لکھا ہے۔

ان تکون الآیۃ نزلت	ہو سکتا ہے کہ آیت کے نزول کا سبب
فی سببین۔	دونوں واقعے ہوں۔

بہرحال حضرت ماریہؓ سے علیحدگی اور ایلاء کا واقعہ میں ان کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

علامہ شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے سیرت میں حضرت ماریہؓ کے واقعہ کے سلسلہ میں جتنی روایتیں ہیں ان سب پر جرح کی ہے اور لکھا ہے کہ یہ واقعہ سرے سے صحیح ہی نہیں ہے لیکن جہاں تک میری تحقیق کا تعلق ہے اس کے لحاظ سے یہ تو صحیح ہے کہ آیت کے نزول کا سبب حضرت ماریہؓ کا واقعہ نہیں ہے، لیکن نفسِ واقعہ کے عدم وقوع وعدم صحت کا ثبوت نہیں ملتا۔ انھوں نے اس سلسلہ میں دو تین باتیں کہی ہیں۔ ایک تو یہ کہ یہ روایت صحاح ستہ میں نہیں ہے۔ دوسرے یہ کہ امام نووی نے اس کی صحت پر کلام کیا ہے۔ تیسری یہ کہ یورپ کے اکثر مورخوں نے اسی قسم کی روایتوں کی بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق پر حرف گیریاں کی ہیں۔

ا۔ صحاح کی پانچ کتابوں میں تو یہ روایت یقیناً نہیں ہے، لیکن نسائی باب الغیرۃ میں حضرت انسؓ سے یہ روایت موجود ہے، اگرچہ اس میں بھی حضرت ماریہؓ کا نام نہیں ہے، لیکن روایت کے سیاق وسباق اور دوسرے قرائن سے یہ پتہ چلتا ہے کہ حضرت ماریہؓ ہی کے واقعہ کی طرف

اشارہ ہے۔ اس روایت میں چار راوی[1] ہیں، اور ان میں سے کسی کی بھی وثاقت اور عدالت پر کلام نہیں کیا گیا ہے۔

بالکل یہی روایت حاکم نے بھی اپنی مستدرک میں نقل کی ہے۔ اس روایت کے اوپر کے دو راوی حضرت انسؓ اور ثابت البنانی ہیں۔ لیکن اس کے بعد چار راوی دوسرے ہیں حاکم نے اس روایت کے متعلق لکھا ہے۔

ھذا حدیث صحیح علی شرط مسلم (ص ۴۹۳ ج ۴)	یہ حدیث صحیح ہے اور مسلم کی شرط پر پوری اترتی ہے۔

حافظ ذہبی نے مستدرک کی تلخیص میں اس روایت پر کوئی جرح نہیں کی ہے، جو اس بات کا ثبوت ہے کہ روایت میں کوئی سقم نہیں ہے۔

نسائی اور مستدرک میں ماریہ کے حضرت حفصہؓ کے گھر میں موجود ہونے کا کوئی ذکر نہیں ہے، اس کے علاوہ طبرانی اور بزار نے بھی اس روایت کی تخریج کی ہے، بزار کی روایت کے متعلق حافظ نورالدین ہیثمی نے مجمع الزوائد میں لکھا ہے کہ

رجال البزار رجال الصحیح غیر بشر بن آدم الاصغر و ھو ثقۃ (ج ۷ ص ۱۲۶)	بزار کے تمام رواۃ صحیح حدیث کے رواۃ ہیں بجز بشر بن آدم کے، لیکن ان کے ثقہ ہونے میں کوئی کلام نہیں ہے۔

حافظ ابن حجر نے اس روایت کے بعض اور طرق ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے کہ ھذہ طرق یقوی بعضھا بعضاً، یہ روایت بہت سے طریقوں سے مروی ہے، اور ان میں ایک روایت دوسری روایت کو قوی کرتی ہے (یعنی غیر صحیح نہیں ہے)

امام نووی نے یقیناً لکھا ہے۔

---

[1] ابراہیم اور ان کے والد یونس، حماد بن سلمہ، ثابت بن اسلم البنانی، تہذیب میں ان سب کا تذکرہ موجود ہے۔ ائمہ رجال نے ان میں سے کسی کو مجروح یا غیر ثقہ قرار نہیں دیا ہے۔

ولم تثبت قصة ماریة من طریق صحیح — ماریہ کا قصہ صحیح طریق سے ثابت نہیں ہے۔

لیکن اس کے ساتھ حافظ ابن کثیر، حافظ ابن حجر، ابوبکر ہیثمی، امام ذہبی اس کی صحت کے قائل ہیں، حدیث کے بارے میں امام نووی کی رائے یقیناً بہت وقیع ہے، لیکن ان کے مقابلہ میں دوسرے بزرگوں کی رائے کو بھی آسانی سے رد نہیں کیا جاسکتا۔

حافظ ابن کثیر نے آیت کے سبب نزول کے بارے میں تو یہ ضرور لکھا ہے کہ:

ان ذلک فی تحریم العسل — آیت کے نزول کا سبب آپ کا شہد کو حرام کر لینا تھا۔

لیکن حضرت ماریہؓ کے نفس واقعہ سے انھوںؒ نے انکار نہیں کیا ہے۔

اس بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ:

۱۔ ایلاء کا مشہور واقعہ جس میں آپ نے ازواج مطہرات سے کنارہ کشی اختیار کر لی تھی اور حضرت ماریہؓ کا واقعہ دونوں الگ الگ ہیں۔ حضرت ماریہؓ کے قصہ کا تعلق حضرت حفصہؓ یا بعض روایتوں کے مطابق حضرت حفصہؓ اور حضرت عائشہؓ دونوں سے تھا۔

۲۔ سورۂ تحریم کی ابتدائی آیتوں کے نزول کا اصل سبب آپ کی شہد نوشی اور اس کی تحریم ہے، لیکن یہ ممکن ہے کہ اسی زمانہ میں حضرت ماریہؓ کا واقعہ بھی پیش آیا ہو، اور بعضوں نے اس کو ان آیات کا سبب نزول سمجھ لیا ہو۔

۳۔ حضرت ماریہؓ سے آپ کی کنارہ کشی کا واقعہ صحیح روایتوں سے ثابت ہے۔ یہ ضرور ہے کہ صحیح روایات میں لغو واقعات کا شمول نہیں ہے، چنانچہ نسائی اور مستدرک کی روایات اس سے خالی ہیں۔

۴۔ اگر امام نووی نے اس روایت کی صحت پر کلام کیا ہے تو دوسرے ائمہ حدیث نے اس کی صحت کو تسلیم کیا ہے۔

۵۔ اس قسم کی روایات پر یورپین مورخین کو اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر حرف گیری کا موقع ملتا ہے تو اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بلندی و نزاہتِ اخلاق پر جس کا سارا زمانہ

گواہ ہے، کہاں حرف آسکتا ہے، قرآن کی صحت پر کس کو کلام ہے لیکن کیا وہ ان کی خردہ گیری کی زد سے بچ گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاقِ حسنہ کی تعریف آپ کے زمانہ کے دشمنوں نے کی ہے۔ لیکن یورپ کو آپ میں (نعوذ باللہ) کوئی نیکی نظر نہیں آتی۔ آپ کے معیارِ اخلاق پر حرف گیری کے لیے تو اس قسم کی روایات تو الگ رہیں جن کا بیشتر حصہ موضوع، جعلی، ناقابلِ اعتبار ہے، خود تعدادِ ازدواج اور کنیزوں سے استمتاعِ جنسی جیسے معلّم و محقق مسائل تک کو لے لیا گیا ہے۔

ہنر بچشمِ عداوت بزرگتر عیبے است، ان کے مقابلے میں سکوت ہی اولیٰ تر ہے۔

بہر حال کسی روایت کو اس نقطۂ نظر سے نہیں دیکھنا چاہیے کہ اس سے غیروں کو اعتراض کا موقع ملتا ہے، پھر اگر اس واقعہ کو معاشرتی اور ازدواجی نقطۂ نظر سے دیکھا جائے اور یہ پیشِ نظر رکھا جائے کہ آپ کی صحبت میں متعدد ازواج کے ساتھ جاریات بھی تھیں، تو اس میں کوئی قابلِ اعتراض بات نظر نہیں آتی۔ صورتِ واقعہ کو ایک بار پھر اپنے سامنے لائیے تو اس کی صحیح نوعیت سامنے آجائے گی۔

۶۔ جس دن یہ واقعہ پیش آیا، اس دن حضرت حفصہؓ کی باری کا دن تھا، لیکن اس روز وہ گھر میں موجود نہیں تھیں۔ بعض روایتوں میں ہے کہ وہ اپنے والد حضرت عمرؓ سے ملنے گئی تھیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حسبِ معمول ان کے یہاں تشریف لے گئے، تو مکان خالی پایا۔ حضرت ماریہؓ جیسا کہ اوپر حضرت عائشہؓ کا بیان گذر چکا ہے، حضرت حفصہؓ کے پڑوس ہی میں رہتی تھیں۔ قیاس ہے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر یا اسی طرح کسی ضرورت سے حضرت حفصہؓ کے مکان پر آئی ہوں گی، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان سے گفتگو فرمانے لگے ہوں گے۔ اس اثنا میں حضرت حفصہؓ آگئیں۔ انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت ماریہؓ کے ساتھ تنہا دیکھ کر بتقاضائے صنفِ لطیف ناراضگی کا اظہار کیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی خاطر کچھ دنوں کے لیے حضرت ماریہؓ سے کنارہ کشی اختیار کر لی تو اس میں کونسی بات عقلی یا اخلاقی معیار سے گری ہوئی ہے یا اس میں ازدواجی نقطۂ نظر سے کونسا استبعاد نظر آتا ہے۔

۵۔ حضرت ابوہریرہؓ کی والدہ

امام بخاری نے ادب المفرد میں ایک باب "عرض الاسلام علی ام النصرانیۃ" باندھا ہے جس کے تحت حضرت ابوہریرہؓ کی والدہ کے قبول اسلام کا ذکر کیا ہے۔ پورا واقعہ یہ ہے، ابوکثیر بیان کرتے ہیں:

سمعت اباھریرۃ یقول	میں نے ابوہریرہؓ سے یہ واقعہ سنا وہ فرماتے
ما سمع بی احد یھودی	تھے کہ جس یہودی یا نصرانی نے یہ بات سنی کہ میں اپنی
ولا نصرانی الا احبنی ان	والدہ کو حلقۂ اسلام میں لے آنا چاہتا ہوں مگر وہ
امی کنت اریدھا	انکار کرتی ہیں (اور میں برابر ان کی خدمت
علی الاسلام	کرتا رہتا ہوں اور کچھ نہیں کہتا) تو اس نے میرے
فتابی	اس طرزِ عمل کو پسند کیا۔

صحیح مسلم اور مسند میں بھی ان کے اسلام کا ذکر موجود ہے، مگر اس میں ان کے نصرانی ہونے اور اس واقعہ کے ابتدائی ٹکڑے کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ ارباب رجال نے بھی "ام ابی ہریرہ" کے عنوان سے حضرت ابوہریرہؓ کی والدہ کا تذکرہ کیا ہے لیکن ان میں سے کسی نے بھی ان کے نصرانی ہونے کی طرف اشارہ نہیں کیا ہے، اگر امام بخاری نے ان کے نصرانی ہونے کی تصریح کر دی ہے اس لیے ان کا ذکر اس کتاب میں کیا گیا ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ کا نسبی تعلق قبیلۂ دوس سے تھا، جو یمن کا ایک ممتاز قبیلہ تھا، اور معلوم ہے کہ یمن کے متعدد ممتاز قبائل نے نصرانیت قبول کر لی تھی اس لیے ممکن ہے کہ دوس میں بھی کچھ لوگوں نے نصرانیت اختیار کر لی ہو، جن میں یہ خاتون بھی شامل ہوں، جیسا کہ اس واقعہ کے ابتدائی ٹکڑے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کے پاس پڑوس میں کچھ یہودی و نصرانی آباد تھے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

تابعات

تماضر

نام ونسب | تماضر نام تھا، حضرت اصبغؓ تابعی کی جو دومۃ الجندل کے حکمران اور مذہباً عیسائی تھے، صاحبزادی تھیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف کو تماضر کے قبیلہ میں تبلیغ اسلام کے لیے بھیجا تھا۔ اس قبیلہ میں سب سے پہلے تماضر کے والد اصبغؓ مشرف بہ اسلام ہوئے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مشورہ سے انھوں نے حضرت عبدالرحمٰنؓ سے تماضر کا نکاح کر دیا۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ سے تماضر کا نکاح کر دیا۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ کچھ دن دومۃ الجندل ہی میں رہے، پھر وہاں سے اپنی بیوی تماضر کے ساتھ مدینہ چلے آئے۔

تماضر ان کے عقد نکاح میں آخر وقت تک رہیں، لیکن مرض الموت میں میاں بیوی میں کچھ شکر رنجی ہو گئی جس کی وجہ سے حضرت عبدالرحمٰنؓ نے انھیں اپنے حبالۂ عقد سے آزاد کر دیا۔ ان کی وفات کے بعد انھوں نے حضرت زبیرؓ سے شادی کر لی، لیکن تھوڑے ہی دونوں کے بعد ان سے بھی جدائی ہو گئی۔

عہد صدیقی اور عہد فاروقی میں تو کہیں ان کا تذکرہ نہیں ملتا۔ لیکن حضرت عثمانؓ کے دور خلافت میں اس حیثیت سے ان کا تذکرہ ملتا ہے کہ حضرت عثمانؓ نے انھیں حضرت عبدالرحمٰنؓ کے ترکہ سے حصہ دیا تھا۔

وفات کی تصریح نہیں ملتی لیکن یہ معلوم ہے کہ حضرت معاویہؓ کے عہد تک زندہ رہیں۔

اولاد | حضرت عبدالرحمٰنؓ کے صلب سے ان کے ایک صاحبزادے ابوسلمہ تھے۔

---

[1] ان کا تذکرہ اوپر آچکا ہے۔

ام محمد القرظی

اہل رجال نے صحابیات یا تابعات کے ذکر میں ان کا نام نہیں لیا ہے۔ لیکن اصابہ اور صفوۃ الصفوۃ کی بعض روایتوں سے قیاس ہوتا ہے کہ وہ صحابیات میں ہوں گی۔ لیکن ان کا صحابیات میں ہونا مشتبہ تھا۔ اس لیے ان کا تذکرہ آخر میں کیا جاتا ہے۔

حضرت کعبؓ کے حالاتِ زندگی اور نیز ایک ضعیف روایت سے یہ پتہ چلتا ہے کہ وہ یہود کے قبیلہ نضیر سے تھیں۔ وہ روایت یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ دو کاہنوں میں سے ایک بڑا عالم پیدا ہوگا، تو بڑے عالم سے مراد محمد بن کعب ہیں اور دو کاہنوں سے مراد بنو قریظہ اور بنو نضیر ہیں۔ محمد بن کعب کے والد تو بنو قریظہ سے تھے، اور ان کی والدہ ام محمد بنو نضیر سے۔

بہر حال اس روایت کی بنا پر ان کا نام اس فہرست میں داخل کر لیا گیا ہے۔ زندگی کے اور حالات معلوم نہیں ہو سکے۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ

ضمیمہ

مقدمہ سے متعلق بعض چیزوں کے تلاش و تفحص کے سلسلہ میں کتابوں میں چند اور اہل کتاب بزرگوں کے ناموں پر نظر پڑی، جو عہدِ نبوی میں اسلام لا چکے تھے، مگر چونکہ اس وقت تک کتاب چھپ چکی تھی۔ اس لیے ان کا تذکرہ بطور ضمیمہ آخر میں شامل کتاب کیا جاتا ہے۔

فروہ بن عمرو حاکم معان | **فروہ** معان اور اس کے قرب و جوار کے علاقہ میں قیصر روم کے عامل تھے ان کے پاس براہ راست اگرچہ اسلام کی دعوت نہیں بھیجی گئی، مگر ان کو جب کسی ذریعہ سے بعثتِ نبوی اور دعوتِ حق کا علم ہوا تو بغیر کسی پس و پیش کے اس کو لبیک کہا اور حلقہ بگوشِ اسلام ہو گئے۔ اس کے بعد اپنے خاص قاصد مسعود بن سعید کے ذریعہ بارگاہ رسالت میں اپنے اسلام کی اطلاع دی، اور متعدد سواریاں، عمدہ چادریں اور قیمتی قبائیں خدمت اقدس میں تحفۃً بھیجیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو قبول کیا اور قاصد کو اپنی طرف سے کچھ تحائف دے کر رخصت فرمایا۔

فروہ کے اسلام لانے کا معان اور اس کے ملحقہ علاقوں میں جہاں کے وہ حاکم تھے کیا ردِ عمل ہوا۔ اس کا ذکر کتابوں میں نہیں ملتا، مگر ظاہر ہے کہ حاکم کی حیثیت سے ان کے اسلام کا کافی چرچا ہوا ہو گا۔ بہت سے خواص اور عوام نے ان کے اثر سے اسے قبول کیا ہو گا اور کتنوں کے عقائد و ایمانیات میں تزلزل آ گیا ہو گا، جس کو قیصر روم برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ چنانچہ جوں ہی اس کو ان چیزوں کی اطلاع ہوئی۔ اس نے فروہ کو دھوکے سے دربار میں طلب کیا۔ پہنچتے ہی ان کو حبس دوام کی سزا کا جابرانہ حکم سنا دیا گیا۔ جسے انھوں نے نہایت خندہ پیشانی سے قبول کیا، اور اسی قید کی حالت میں جان جانِ آفرین کے سپرد کر دی۔ قیصر کو اس پر بھی تسکین نہیں

ہوئی تو اس نے لاش شارع عام پر لٹکوا دی۔[1]

اس کی تصریح نہیں ملتی کہ وہ نصرانی تھے، مگر وہ قبیلۂ جذام سے تعلق رکھتے تھے، جو معان کے قریب آباد تھا، اور اس کے متعلق اوپر آچکا ہے کہ وہ نصرانی ہو گیا تھا، اس بنا پر وہ بھی نصرانی رہے ہوں گے، دوسرے معان چونکہ بری و بحری دونوں حیثیتوں سے بڑا اہم مقام تھا اس لیے قیصر کا ایسی جگہ پر کسی غیر نصرانی کو عامل مقرر کرنا کسی طرح قرین قیاس نہیں ہو سکتا۔

ذوالکلاع اور ذو عمرو یہ دونوں بزرگ حمیری خاندان کے ممتاز لوگوں میں سے تھے جن کے ہاتھ میں حکومت تو نہیں تھی، مگر اس کا اثر ان میں باقی تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جریر بن عبداللہ البجلی کو اسلام کا پیغام دے کر ان کے پاس بھیجا۔ ایک دن حضرت جریرؓ ان کو احادیث نبوی سنا رہے تھے کہ ذو عمرو نے کہا تم جن کی حدیثیں سنا رہے ہو ان کا تو انتقال ہو گیا۔ جریر یہ اندوہ ناک خبر سنتے ہی وہ سے روانہ ہو گئے، راستہ میں کچھ سوار ملے جن سے اس کی تصدیق ہو گئی۔ حضرت جریرؓ وہیں سے پھر واپس لوٹ آئے، اور ان دونوں آدمیوں نے ان کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔ ذوالکلاع کے متعلق ذکر ہے کہ وہ ایک بار حضرت فاروقؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ نے ان کو شام کی مہم پر بھیج دیا۔

محمد بن حبیب نے ذو عمرو کے متعلق لکھا ہے کہ یہودی تھے، لیکن ذوالکلاع کے مذہب و عقیدہ کے متعلق کوئی تصریح نہیں کی ہے، مگر حمیری خاندان سے ان کا تعلق ان کی یہودیت کے ثبوت کے لیے کافی ہے۔

غسانی عہدِ نبوی میں غسانیوں کے کسی فرد کے اسلام قبول کرنے کا تذکرہ عام طور سے کتابوں میں نہیں ملتا، مگر زرقانی اور ابن سعد نے نام کی تصریح کیے بغیر لکھا ہے کہ تین نیک فطرت غسانی

---

[1] ہم نے ابن سعد کے بیان کو ترجیح دی ہے، زرقانی وغیرہ میں ہے کہ ان کو سولی دے کر شہید کر دیا گیا۔ ابن سعد ج ۲ ق ۲ ص ۱۲۸، زرقانی ج ۴ ص ۵۲۔

(غالباً سنہ ۹ھ میں) حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں آئے اور یہ کہہ کر کہ آپ جو تعلیم لائے ہیں وہ حق ہے، مشرف بہ اسلام ہو گئے، جب واپس جانے لگے تو حضورِ نبوی میں عرض کیا کہ جس دن کو ہم نے قبول کیا ہے اس کو ہم اپنی قوم کے پاس لیے جا رہے ہیں معلوم نہیں وہ قبول کرے گی یا نہیں۔ پھر انھوں نے اپنی قوم کی ذہنی اور اخلاقی حالت کا ان لفظوں میں نقشہ کھینچا۔

وھم یحبون بقاء ملکھم — ان کا حال یہ ہے کہ اپنے ملک کی بقاء اور

و قرب قیصر — قیصر کے تقرب کو ہر چیز سے زیادہ محبوب رکھتے ہیں

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو نہایت اعزاز و اکرام کے ساتھ رخصت فرمایا۔ وطن پہنچے تو اپنی قوم کے سامنے اسلام کی دعوت پیش کی، مگر اس کے دل و دماغ پر مادیت کے اتنے دبیز پردے پڑے تھے کہ نورِ حق سے وہ اپنے دل و دماغ کو روشن نہ کر سکی، اور اسلام کی رحمت عام سے محروم رہ گئی۔

غسانیوں نے ان داعیانِ حق کے ساتھ اگر کچھ برا سلوک بھی کیا ہو تو کوئی تعجب نہیں ہے اس لیے کہ وہ رومیوں کے زیر اثر تھے، اور رومی اپنے مقبوضات میں اسلام قبول کرنے والوں کے ساتھ بہت برا سلوک کرتے تھے، فروہ بن عمرو کا واقعہ اوپر گذر چکا ہے، ان ہی بدسلوکیوں اور مظالم کے ڈر سے ان حضرات نے اپنے اسلام کو چھپانا مناسب سمجھا اور دعوت ترک کر دی، ان میں سے دو بزرگ اسی غربت و اجنبیت کی حالت میں جان بحق ہو گئے اور ایک صاحب عہد فاروقی تک زندہ رہے اور جنگ یرموک کے دن حضرت ابو عبیدہؓ سپہ سالار لشکر اسلام کی خدمت میں آئے اور اپنے اسلام کی آپ کو اطلاع دی۔ حضرت ابو عبیدہؓ نے ان کا بڑا اعزاز و اکرام کیا اور یہ سلوک ان کے ساتھ آخر تک قائم رکھا[1]۔

---

[1] زرقانی ج ۳ ص ۴۷، ابن سعد ج ۱ ص ۴۷

بنو تغلب | بنو تغلب کے چند افراد کا تذکرہ کتاب میں موجود ہے۔ مسند احمد اور طبقات ابن سعد میں حرب بن ہلال کی روایت سے یہ واقعہ درج ہے کہ ایک تغلبی بزرگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ بابرکت میں آئے۔ آپ نے انھیں شرائع اسلام سکھائے۔ اس کے بعد انھوں نے اسلام قبول کرنے والوں پر جزیہ لگانے کے متعلق دریافت کیا۔ آپ نے فرمایا کہ جزیہ یہود ونصاریٰ پر عائد ہوتا ہے، ان میں سے مسلمان ہوجانے والوں پر نہیں[1]۔

ان بزرگ کے مذہب کے متعلق کوئی تصریح نہیں مل سکی، مگر بنو تغلب کے متعلق آچکا ہے کہ یہ قبیلہ نصرانی تھا۔

دوسرے یہ کہ اسلام لانے کے بعد انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے اہلِ وطن مومنین اہل کتاب پر جزیہ لگانے کے متعلق استفسار کیا، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ سمجھتے تھے کہ جو اہل کتاب اسلام قبول کرلیں، ان پر بھی جزیہ لگتا ہے۔ مگر آپ نے اس کی نفی فرمادی۔

---

[1] ابن سعد ج ۶ ص ۳۶ ۔ مسند احمد ج ۵ ص ۴۱۰ ۔

بیاض الاولیاء

وظائف وعملیات کی مشہور کتابوں کا نادر انتخاب جس میں تقریباً ہر ضرورت سے متعلق اولیاء اللہ کے نادر و نایاب وظائف، مجرب عملیات، اور زود اثر تعویذات کو بڑی کاوش سے جمع کیا گیا ہے۔ ترمیم واضافہ کے بعد جدید ایڈیشن

تحریر وترتیب

شبیر حسن چشتی نظامی

★

الفوز الکبیر

فی

اُصُولِ التفسیر

اُصُولِ تفسیر پر حضرت شاہ ولی اللہ مُحدّث دہلوی رحمہ اللہ کی مشہور درسی کتاب

اور

"تفسیر کے چند ضروری اصول"

کے عُنوان سے حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم کا جدید علمی مقالہ

ادارۂ اسلامیات

۱۹۰- انارکلی ۞ لاہور

عِطرِ تصوُّف

اِکمالُ الشِّیَم

تصوُّف و اخلاق کی مشہور بلند پایہ کتاب

مُصَنِّف

حضرت شیخ عطاء اللہ اسکندری : م ۷۰۹ ھ

مُبَوِّب

حضرت مولانا علی مُتّقی رحمۃ اللہ علیہ : م ۹۷۵ ھ

مُترجِم

حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری : م ۱۳۴۷ ھ

شارِح

حضرت مولانا محمد عبداللہ گنگوہی : م ۱۳۴۵ ھ

مُقدّمہ

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا : م ۱۴۰۳ ھ

ادارۂ اسلامیات

۱۹۰- انارکلی ○ لاہور

مُفیدُ الوارِثین

اِسلامی قانونِ وراثت و وصیّت

اردو زبان میں سب سے زیادہ مفصل، عام فہم اور مُستند کتاب جس میں میراث سے
متعلق پیش آنے والی تمام صورتوں کو نقشوں کے ذریعے آسان بنا دیا گیا ہے
وُکلاء، عُلماء، مُفتیانِ کرام اور عوام الناس سب کیلئے یکساں مفید ہے

تالیف

حضرت مولانا سیّد میاں صاحب اصغر حسین رحمہ اللہ تعالیٰ
مُحدِّث دارالعُلوم دیوبند

دیوبند کے تصحیح شدہ مُستند نسخہ کا فوٹو

پونے تین سو کے لگ بھگ صفحات، سفید کاغذ، عمدہ ڈائی دار جلد روپے

ناشر

اِدارۂ اِسلامیات ۱۹۰- انارکلی لاہور